رسائل

- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

احتسابِ قادیانیت

سیزدہم

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

حضوری باغ روڈ، ملتان - فون: 514122

ردِّ قادیانیت

رسائل

- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

احتسابِ قادیانیت

سیزدہم

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

حضوری باغ روڈ ملتان - فون: 514122

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

عرض مرتب

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ۰ امابعد!

محض اللہ رب العزت کے فضل واحسان سے احتساب قادیانیت کی تیرھویں جلد پیش خدمت ہے۔ حضرت الامام علامہ سید محمد انورشاہ کاشمیریؒ کے تین مایۂ ناز شاگردوں کے فتنہ قادیانیت سے متعلق رشحات قلم کو یکجا کیا جارہا ہے۔

۱..... حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ (و۱۳۱۴ھ/م۱۳۹۶ھ)

۲..... مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ (و۱۳۱۸ھ/م۱۳۸۲ھ)

۳..... شیخ التفسیر حضرت مولانا سید شمس الحق افغانیؒ (و۱۳۱۸ھ/م۱۴۰۳ھ)

حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

پاکستان کے مفتی اعظم اور ہمارے مخدوم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۱۳۱۴ھ دیوبند میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۱شوال ۱۳۹۶ھ کو کراچی میں واصل بحق ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند ان کا مادر علمی تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انورشاہ کاشمیریؒ کے مایۂ ناز شاگرد اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں مدرس اور دارالافتاء کے صدرنشین رہے۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے قلم سے ۳۷ہزار بیاسی فتوے جاری ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد دارالعلوم کراچی میں قائم کیا۔ درس وتدریس' تصنیف وتالیف آپ کے محبوب مشاغل تھے۔ دولاکھ کے قریب آپ کے قلم سے فتوے جاری ہوئے۔ آپ کے ردقادیانیت پر گرانقدر کتب ورسائل یہ ہیں:

(۱.....۲)''ھدیۃ المھدیین فی تفسیر آیت خاتم النبیین'' اصلاً عربی میں تالیف فرمائی بعد میں ''ختم نبوت کامل'' کے نام سے اسے جامع ومکمل کتاب کے طور پر شائع فرمایا۔

(۳.....۴)''التصریح بما تواترفی نزول المسیح'' عربی میں آپ نے مرتب فرمائی۔ آپ کی سرپرستی آپ کے استاذ گرامی حضرت مولانا سید محمد انورشاہ کاشمیریؒ نے فرمائی۔ التصریح کی تخریج عرب عالم دین شیخ ابوغدہؒ نے کی۔ ملتان عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اسے

شائع کرنے کی سعادت حاصل کی۔ بعد میں بیروت و مدینہ طیبہ سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔اس کا اردو ترجمہ ’’نزول مسیح اور علامات قیامت‘‘ کے نام سے حضرت مرحوم کے جانشین ہمارے مخدوم ومخدوم زادہ حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ نے کیا۔ یہ چاروں مستقل کتابیں ہیں۔ بحمدہ تعالیٰ ان کی بارہا اشاعت ہوئی۔ عام طور پر مل جاتی ہیں۔اس لئے ’’احتساب قادیانیت‘‘ کی اس جلد میں ان کو شامل کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ان کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ذیل کے آٹھ رسائل اس جلد میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں:

۱...... طریق السداد فی عقوبة الارتداد

۲...... دعاوی مرزا

۳...... مسیح موعود کی پہچان

۴...... وصول الافکار الیٰ اصول الاکفار

۵...... عالم الاسلام والقادیانیه عداوة القادیانیة للمالك الاسلامیة (عربی) ممالک اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداری (اردو)

۶...... ایمان وکفر قرآن کی روشنی میں

۷...... البیان الرفیع (بیان درمقدمہ بہاول پور)

۸...... فتاویٰ جات ردقادیانیت (ماخوذ از فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲)

ان تمام رسائل کا تعارف ہر رسالہ کے ابتداء میں مختصراً عرض کردیا گیا ہے۔اس خدمت کے ذریعہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے ایک گونہ نسبت حاصل ہوگئی۔ جو یقیناً سعادت دارین ہے۔حق تعالیٰ اس حقیر سی محنت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت نوازیں۔ آنحضرت ﷺ کی امت کے لئے باعث ازدیاد ایقان اور قادیانیوں کے لئے باعث ایمان فرمائیں۔وماذالك علی الله بعزیز!

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

اسی جلد میں دو رسائل حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے ہیں:

۹...... فلسفہ ختم نبوت

۱۰...... حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

ہر دو رسائل حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی مشہور زمانہ کتاب ’’قصص القرآن‘‘ سے لئے ہیں۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ہندوستان کی معروف دینی شخصیت ہیں۔ آپ نے حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ سے حدیث پڑھی۔ دارالعلوم دیوبند جیسے جامعہ میں آپ مدرس رہے۔ آپ کا وصال ۱۹۶۲ء میں ہوا۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا سید شمس الحق افغانیؒ

حضرت مولانا سید شمس الحق افغانیؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل‘ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے شاگرد‘ خانقاہ دین پور شریف کے بانی قدوۃ الصالحین حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند‘ جامعہ اسلامیہ بہاول پور ایسے کئی دینی مراکز میں شیخ التفسیر کے منصب پر فائز رہے۔ حکومتی عہدوں نے بھی آپ سے عزت پائی۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے بھی سربراہ رہے۔ ۶/ اگست ۱۹۸۳ء میں آپ کا وصال ترنگ زئی پشاور میں آبائی گاؤں میں ہوا۔ آپ کی معروف زمانہ کتاب ’’علوم القرآن‘‘ سے آپ کے دو مقالے اس جلد میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

۱۱...... مسئلہ ختم نبوت

۱۲...... مسئلہ حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

یوں اللہ رب العزت کی توفیق سے اس جلد میں (۱۲) رسائل و کتب یکجا ہو گئے ہیں۔ فلحمدللہ! اس جلد کی ترتیب میں مخدومان گرامی حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد عابد صاحب مدظلہ (خلیفہ مجاز حضرت بہلویؒ) کی بے پناہ توجہات اور مشورہ کی سعادت حاصل رہی۔ رفیق محترم مولانا قاضی احسان احمد‘ برادر عزیز مولانا عزیز الرحمٰن ثانی‘ برادر عزیز حاجی رانا محمد طفیل جاوید‘ قاری محمد حفیظ اللہ‘ جناب عزیز الرحمٰن رحمانی‘ مولانا عبدالستار حیدری کا تخریج‘ تصحیح میں بہت ہی حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی جوانی کو رحمت عالم ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔

آمین بجاہ خاتم النبیین ﷺ!

فقیر! اللہ وسایا!

۱۶/صفر ۱۴۲۵ھ ۷/اپریل ۲۰۰۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

فہرست

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

حضرت مولانا سید شمس الحق افغانیؒ

طریق السداد
فی عقوبة الارتداد

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

۳۱ اگست ۱۹۲۴ء کابل میں قادیانی مبلغ نعمت اللہ کو بجرم ارتداد سزائے موت دی گئی۔ اس پر قادیانی اور قادیانی نواز گروہ نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ اخبارات میں لے دے شروع ہوگئی۔ اکابر علمائے دیوبند نے والئی افغانستان کے اسلامی فیصلہ کی بھرپور تائید کی۔ ارتداد کی اسلامی سزا قتل پر رسائل لکھے۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اخبارات کو بیان جاری کیا۔ بعد میں معمولی ترمیم واضافہ سے اسے رسالہ کی شکل میں شائع کردیا۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

طریق السداد فی عقوبۃ الارتداد

خلفائے راشدینؓ اور قتل مرتد

خلافت اسلامیہ کی ساڑھے تیرہ سو سالہ عمر میں ہمیشہ مرتد کو سزائے موت دی گئی ہے!

قادیانی مذہب اور اس کی تحریفات نے جن ضروریات اسلامیہ کو تختۂ مشق بنایا ہے وہ غالباً ہمارے ناظرین سے مخفی نہیں۔ ختم نبوت کا انکار، نزول مسیح کا انکار، فرشتوں کا زمین پر آنے سے انکار، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر ہم سمجھتے تھے کہ یہ سب مرزا قادیانی کے دم تک ہیں۔ کیونکہ: ''وہ اپنے آپ کو خدا کا نبی کہتے تھے اور اس کا مستحق سمجھتے تھے کہ حدیث نبوی کے ذخیرہ میں سے جس حصہ کو چاہیں لیں اور جس کو چاہیں (نعوذ باللہ) ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں۔'' جس کا خود مرزا قادیانی نے (اربعین نمبر۳ ص۱۵، خزائن ج۱۷ ص۴۰۱ ملخص، وغیرہ میں) کھلے بندوں اعلان کیا ہے۔ لیکن آج نعمت اللہ خان مرزائی کے قتل نے یہ بات دکھلادی کہ:

ایں خانہ تمام آفتاب است

مرزا قادیانی کے مرنے سے بھی نصوص شرعیہ کی تحریف اور بدیہی الثبوت مسائل اسلامیہ کے انکار کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ بلکہ ان کا روحانی فیض آج تک اپنے لوگوں میں کام کررہا

ہے۔ جس کی ایک نظیر یہ ہے کہ شریعت اسلام کا کھلا ہوا فیصلہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہونے کی سزا قتل ہے۔ آیات قرآنیہ کے بعد احادیث نبویہ کا ایک بڑا دفتر اس حکم کا صاف طور سے اعلان کررہا ہے۔ جن میں سے تقریباً تیس حدیثیں ہمارے زیرنظر ہیں۔ جن کو اگر ضرورت سمجھی گئی تو کسی وقت پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر خلافت اسلامیہ کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں تو چاروں خلفائے راشدینؓ سے لے کر بعد کے تمام خلفاء کا متواتر عمل بتلا رہا ہے کہ یہ مسئلہ ان بدیہات اسلامیہ سے ہے کہ جس کا انکار کسی مسلمان سے متصور نہیں۔ بایں ہمہ آج جبکہ دولت افغانستان نے اس شرعی اور قطعی فیصلہ کے ماتحت نعمت اللہ خان مرزائی کو قتل کر دیا تو فرقہ مرزائیہ کی دونوں پارٹیاں قادیانی اور لاہوری اور بالخصوص اس کا آرگن پیغام صلح سرے سے اس حکم کے انکار پر تل گئے اور دولت افغانستان پر طرح طرح کے بیہودہ عیب لگانے اور ان کے عین شرعی فیصلہ کو وحشیانہ حکم ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا۔ ہمیں اس دیدہ دلیری معاصر سے سخت تعجب ہوا کہ وہ ملت اسلامیہ کو چیلنج دیتا ہے کہ: ''ازروئے شریعت اسلامیہ مرتد کی سزا قتل ہونا ثابت کریں۔'' حالانکہ یہ مسئلہ اسلام میں اس قدر بدیہی الثبوت ہے کہ ہم کسی مسلمان پر بلکہ خود ایڈیٹر پیغام صلح پر یہ بدگمانی نہیں کر سکتے کہ وہ اس قدر ناواقف اور احکام شرعیہ سے غافل ہوں گے کہ ان کو قتل مرتد کی کوئی دلیل ادلہ شرعیہ میں نہیں ملی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ قرآن کریم کے دلائل اور اس کے محیّر العقول لطائف ان کی پرواز سے بالاتر ہونے کی وجہ سے ان کی نظر سے اوجھل رہے ہوں۔ لیکن یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ احادیث کا اتنا بڑا دفتر ایک ایسے شخص پر بالکل مخفی رہے جو منہ بھر بھر کر علم کی ڈینگ مارتا ہے اور علمائے اسلام کے منہ آتا ہے؟۔ ہاں میں ان کو اس میں بھی معذور سمجھتا کہ یہ سب حدیثیں غیر درسی کتابوں میں ہوتیں۔ لیکن حیرت تو یہ ہے کہ ان میں سے دس بارہ حدیثیں وہ ہیں جو حدیث کی درسی کتابوں (صحاح) پر ایک سرسری نظر ڈالنے والے کے بلاتکلف سامنے آجاتی ہیں۔ جن سے معمولی درجہ کے طالب علم ناواقف نہیں رہ سکتے۔ مگر ایڈیٹر پیغام صلح ہیں کہ نہایت دلیری کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ سنت نبوی میں قتل مرتد کا کوئی اسوہ نہیں ملتا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کلام غیظ وغضب کی بدحواسی میں ان کے قلم سے نکل گیا ہے۔ جس پر وہ افاقہ کے بعد قرآن وحدیث کو دیکھ کر پشیمان ہوئے ہوں گے۔ یا واقع میں ان کی تحصیل اور مبلغ علم یہی ہے کہ جس حکم سے قرآن وحدیث اور تعامل سلف کے دفتر بھرے ہوئے ہوں ان کا دماغ اس کے علم سے ایسا کورا ہے کہ علمائے اسلام کو اس کے اثبات کا اس بیہودہ خیال پر چیلنج دے

رہے ہیں کہ وہ ثابت نہ کرسکیں گے۔اور اگر ایسا ہے تو ہم ایڈیٹر صاحب کو اس معاملہ میں بھی معذور سمجھیں گے۔ کیونکہ ان کو مرزا قادیانی ایک ایسے کام میں لگا گئے ہیں جس سے وہ کسی وقت فارغ نہیں ہوسکتے۔مرزا قادیانی کے متہافت اور متعارض اقوال کی گتھیوں کا سلجھانا ہی عمر گنوا دینے کے لئے کافی ہے۔ان کو کہاں فرصت کہ وہ خاتم الانبیا ﷺ کے دین کی طرف متوجہ ہوں اور آپ ﷺ کی احادیث کو پڑھیں اور سمجھیں۔اگرچہ مرزائی فرقہ کی حالت کا تجربہ رکھنے والے حضرات یہاں بھی یہی کہیں گے کہ یہ سب شقیں غلط ہیں۔دراصل یہ سب احکام قرآن وحدیث ان کے ضرور سامنے ہیں مگر وہ جان بوجھ کر دیکھتی آنکھوں ان کا انکار کررہے ہیں۔اور وہ اس میں بھی معذور ہیں۔کیونکہ ان کے آقا مرزا قادیانی کی یہی تعلیم ہے۔جس پر ان کی زندگی کے بہت سے کارنامے شاہد ہیں۔بہرحال صورت کچھ ہو۔آج پیغام صلح دنیائے اسلام کو پیغام جنگ دے کر یہ چاہتا ہے کہ اس مسئلہ کو اخباری گھوڑ دوڑ کا میدان بنائے۔اگر اس کے نزدیک اسی کی ضرورت ہے کہ اس بدیہی الثبوت مسئلہ پر بحث کر کے اخبار کے کالموں کو پر کیا جائے تو ہمیں بھی کچھ ضرورت نہیں کہ اس کو غیر ضروری ثابت کریں۔لہٰذا ہم مختصر طور پر یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ مرتد کے لئے کیا سزا تجویز کرتی ہے اور خلفائے راشدین ؓ اور بعد کے تمام خلفاء نے مرتدین کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟۔

قرآن عزیز اور قتل مرتد

اس بحث کو چونکہ مجھ سے پہلے اور افاضل بھی مفصل لکھ چکے ہیں۔اس لئے صرف ایک آیت کو مختصراً پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔قال تعالیٰ:’’انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ۰ المائدہ ۳۳‘‘یہ آیت ان لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مرتد ہوگئے تھے۔جس کا طویل واقعہ اکثر کتب حدیث وتفسیر میں موجود ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان لوگوں کو قتل کیا۔جیسا کہ(صحیح بخاری ج۲ ص۶۶۳ اور فتح الباری ج۸ ص۲۰۶ باب انماجزاء الذین یحاربون اللہ)وغیرہ تمام معتبر کتب حدیث وتفسیر میں موجود ہے اور امام بخاریؒ نے قتل مرتد کے بارہ میں اسی آیت سے استدلال کرنے کے لئے احکام مرتد کے ابواب کو اسی آیت سے شروع فرمایا ہے۔نیز سورۃ مائدہ کی تفسیر میں حضرت سعید ابن جبیرؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت میں:

''یحاربون الله'' سے مراد کافر ہوتا ہے۔ بخاری ج ۲ ص ۶۶۲ اور فتح الباری میں بحوالہ ابن حاتمؒ اسی کی تائید کی گئی ہے۔ الغرض آیت مذکورہ مرتد کے لئے سزائے قتل تجویز کرتی ہے۔ پھر قتل کے معنے مطلقاً جان لینے کے ہیں۔ خواہ تلوار سے یا سنگساری سے یا کسی اور طریق سے۔ جیسا کہ امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں اور صاحب اقرب الموارد نے اقرب میں نقل کیا ہے۔

حدیث نبوی اور قتل مرتد

ہم نے نقل کیا ہے کہ کثیر تعداد احادیث اس مسئلہ کے ثبوت میں وارد ہوئی ہیں۔ جن میں سے تقریباً تیس حدیثیں ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن اخبار کے کالم اس کام کے لئے زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتے کہ ان میں اس قدر احادیث کا سلسلہ نقل کیا جائے۔ اس لئے صرف ان گیارہ احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے جو کتب صحاح یعنی احادیث کی درسی کتابوں میں موجود ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بھی اخباری دنیا کے لئے بہت زائد ہے۔

۱.......... ''من بدل دینه فاقتلوه ۰ رواه البخاری ج۱ ص۴۲۳ باب لایعذب بعذاب الله عن ابن عباس'' ''جو شخص اپنے دین اسلام کو بدلے اس کو قتل کر ڈالو۔

۲.......... حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آنحضرتﷺ کی طرف سے والئ یمن تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاذؓ یمن پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک مرتد قید کر کے لایا گیا ہے۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا: ''لااجلس حتیٰ یقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات فامربه فقتل ۰ بخاری ج۲ ص۱۰۲۳ باب حکم المرتد'' ''میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک کہ اس کو قتل نہ کیا جائے۔ یہی ہے اللہ اور رسول کا حکم۔ تین مرتبہ یہی کہا۔ چنانچہ اس کو قتل کیا گیا۔ (روایت کیا اس کو بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد وغیرہ نے)

۳.......... حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرتﷺ نے ایسی ہی ایک جماعت کے متعلق حکم فرمایا: ''اینما لقیتموهم فاقتلوهم فان فی قتلهم اجراً لمن قتلهم یوم القیامة ۰ بخاری ج۲ ص۱۰۲۴ باب قتل الخوارج والملحدین'' ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو۔ اس لئے کہ ان کے قتل کرنے میں ثواب ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

۴.......... اسی مضمون کی ایک حدیث ابوداؤد نے ج۲ ص۲۹۹ باب ممن

الخوارج میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے نقل کی ہے۔

۵............ جب قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مرتد ہوگئے تو خود آنحضرت ﷺ نے ان کو قتل کیا۔ جس کا طویل واقعہ اکثر کتب حدیث بخاری ج ۲ ص ۶۶۳ وغیرہ میں موجود ہے۔

۶............ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کا قتل ہرگز حلال نہیں۔ مگر تین شخص کو قتل کیا جائے گا: ''النفس بالنفس والثیب الزانی والمارق لدینه التارک للجماعة ۰ بخاری ومسلم ج ۲ ص ۵۹ باب مایباح به دماء المسلم '' جان کے بدلے میں جس کی جان لی جائے اور بیاہا ہونے کے بعد زنا کرنے والا اور اپنے دین اسلام اور جماعت مسلمین کو چھوڑنے والا۔

۷............ اور جب عثمان غنیؓ گھر کے اندر محصور تھے تو ایک روز گھر کی دیوار پر چڑھے اور لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کسی مسلم کا قتل اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس سے تین کاموں میں سے کوئی کام سرزد نہ ہو۔ اور وہ تینوں یہ ہیں: ''زنی بعد احصانه وکفر بعد اسلام وقتل نفساً بغیر نفس ۰ نسائی ج ۲ ص ۱۶۵ باب مایحل به دم المسلم / ترمذی / ابن ماجه '' بیاہا ہونے کی صورت میں زنا کرنا اور اسلام کے بعد کافر ہونا اور کسی شخص کو بغیر حق کے قتل کرنا۔

۸............ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی اسی مضمون کی کئی حدیثیں مروی ہیں۔ دیکھو مسلم ج ۲ ص ۱۵۹ باب مایحل به دم المسلم اور مستدرک حاکم وغیرہ!

۹............ ''من غیّر دینه فاضربوا عنقه عن زید ابن اسلم ۰ کنزالعمال ج ۱ ص ۹۱ باب الارتداد '' جو شخص اپنے دین اسلام کو بدلے اسے قتل کردو۔

(بخاری ومسلم)

۱۰............ ''اذا ابق العبد الی الشرک فقد حل دمه ۰ رواه ابوداؤد عن جبیرؓ ج ۲ ص ۱۳۹ باب الحکم فیمن ارتد '' جب کوئی اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف بھاگے تو اس کا خون حلال ہے۔

۱۱............ ''من جحد آیت من القرآن فقد حل ضرب عنقه ۰ ابن ماجه عن ابن عباسؓ ص ۱۸۲ باب اقامة الحدود '' جو شخص قرآن کی کسی آیت کا انکار کرے

اس کی گردن ماردینا حلال ہوگیا۔ یہ سب حدیثیں ہیں جو صحاح کی کتابوں میں موجود ہیں اور اکثر صحیحین بخاری و مسلم میں مذکور ہیں۔ ان تمام فرامین نبویہ کے ہوتے ہوئے ایڈیٹر پیغام صلح کا یہ کہنا کس قدر ان کے علم کی داد دیتا ہے کہ ''سنت نبویہ میں قتل مرتد کا کوئی اسوہ نہیں ملتا'' اس کے جواب میں ہم بجز اس کے کیا کہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کی احادیث میں دخل دینا ہی ان کی اصولی غلطی اور خوامخواہ دخل در معقولات ہے۔ ان کو چاہئے کہ وہ اپنے مہدی' مسیح' نبی' میکائیل' عیسیٰ' موسیٰ' ابراھیم' آدم' مرد' عورت' حاملہ' حائضہ' غرض ہر رنگی مقتدا کی عبارات اور اس کے ادھیڑ بن میں لگے رہیں اور احکام اسلامیہ کو ان لوگوں کے سپرد کریں جو اس کے اہل ہیں۔

خلفائے راشدینؓ اور قتل مرتد

اس بحث میں سب سے پہلے افضل الناس بعد الانبیاء خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کا عمل ملاحظہ فرمایئے۔

۱.........شیخ جلال الدین سیوطیؒ تاریخ الخلفاء میں حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی اور مدینہ کے اردگرد میں بعض عرب مرتد ہوگئے تو خلیفہ وقت صدیق اکبرؓ شرعی حکم کے مطابق ان کے قتل کے لئے کھڑے ہوگئے اور عجب یہ کہ فاروق اعظمؓ جیسا اسلامی سپہ سالار اس وقت ان کے قتل میں بوجہ نزاکت وقت تأمل کرتا ہے۔ لیکن یہ خدا کی حدود تھیں جن میں مساہلت سے کام لینا صدیق اکبرؓ کی نظر میں مناسب نہ تھا۔ اس لئے فاروق اعظمؓ کے جواب میں بھی یہی فرمایا: ''هيهات هيهات مضى النبي ﷺ وانقطع الوحي والله لا جاهد هم ما استمسك السيف في يدي · تاريخ الخلفاء ص ٦١ فصل في ما وقع في خلافته · '''' ہیہات ہیہات آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی اور وحی منقطع ہوگئی۔ خدا کی قسم میں ضرور ان سے اس وقت تک جہاد کرتا رہوں گا جب تک میرا ہاتھ تلوار پکڑ سکے گا۔'' یہاں تک کہ فاروق اعظمؓ کو بھی بحث کے بعد حق واضح ہوگیا اور اجماعی قوتوں سے مرتدین پر جہاد کیا گیا اور ان میں سے بہت سے تہ تیغ کردیئے گئے۔

۲.........حوالیٔ مدینہ سے فارغ ہوکر صدیق اکبرؓ مسیلمہ کذاب کی طرف متوجہ ہوئے جو نبوت کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے باجماع صحابہؓ مرتد قرار دیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک لشکر حضرت خالدؓ کی سرکردگی میں اس کی طرف روانہ کیا جس نے مسیلمہ کذاب کو موت کے گھاٹ اتاردیا۔ (فتح الباری'

تاریخ الخلفاء ص ٦٣ فصل فی ما وقع فی خلافتہ' طبع اصح المطابع کراچی)
اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہر مدعی نبوت مرتد ہے۔ اگر چہ وہ کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرے یا کوئی تاویل کرے۔ کیونکہ مسیلمہ کذاب جس کو صدیق اکبرؓ نے قتل کرایا ہے وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا منکر نہیں تھا۔ بلکہ اپنی اذان میں اشھد ان محمداً رسول اللہ ، کا اعلان کرتا تھا۔ (تاریخ طبری ج ۱ حصہ دوم ص ۱۰۰ 'اردو نفیس اکیڈمی لاہور) پھر جس جرم میں اس کو مرتد' واجب القتل' سمجھا گیا وہ صرف یہ تھا کہ آپ ﷺ کی نبوت کو ماننے کے باوجود اپنی نبوت کا بھی دعویٰ کرتا تھا۔ جیسا کہ مرزا قادیانی کا بعینہ یہی حال ہے۔

۳............ پھر ۱۲ ہجری میں بحرین میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے تو آپؓ نے ان کو قتل کے لئے علاء ابن الحضرمیؓ کو روانہ کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ٦٣)

۴............ اسی طرح عمان میں بعض لوگ مرتد ہو گئے تو ان کے قتل کے لئے عکرمہؓ بن ابی جہل کو حکم فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء ص ٦٣)

۵............ اہل بخیر میں سے چند لوگ اسلام سے پھرے تو صدیق اکبرؓ نے بعض مہاجرین کو ان کے قتل کے لئے بھیجا۔ (تاریخ الخلفاء ص ٦٣)

٦............ اسی طرح زیاد بن لبید انصاریؓ کو ایک مرتد جماعت کے قتل کے لئے حکم فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء ص ٦٣)

یہ تمام واقعات وہ ہیں جو اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ اور افضل الناس بعد الانبیاء کے حکم سے ہوئے اور صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں ان کا ظہور ہوا۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت تھی جو کسی خلاف شرع حکم کو دیکھنا موت سے زیادہ ناگوار سمجھتی تھی۔ کیسے ہوسکتا تھا کہ اگر معاذ اللہ صدیق اکبرؓ بھی کسی خلاف شریعت حکم کا ارادہ کرتے تو تمام صحابہ کرامؓ ان کی اطاعت کر لیتے اور خون ناحق میں اپنے ہاتھ رنگتے ؟۔ لہذا یہ واقعات اور اسی طرح باقی تمام خلفائے راشدینؓ کے واقعات تنہا صدیق اکبرؓ وغیرہ کا عمل نہیں بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کا اجماعی فتویٰ ہے کہ شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے۔

خلیفہ ثانی فاروق اعظمؓ اور قتل مرتد

۱............ آپ معلوم کر چکے ہیں کہ مذکور الصدر تمام واقعات میں فاروق اعظمؓ بھی

صدیق اکبرؓ کے ساتھ اور شریک مشورہ تھے۔

۲.......... فاروق اعظمؓ نے چند مرتدین کے متعلق اپنے لوگوں سے کہا کہ ان کو تین روز تک اسلام کی طرف بلانا چاہیئے اور روزانہ ان کو ایک ایک روٹی دی جائے۔ اگر تین روز تک نصیحت کے بعد بھی ارتداد سے توبہ نہ کریں تو قتل کر دیا جائے۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۳۱۲ تا ۳۱۳' اس قسم کی متعدد روایات ہیں)

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ اور قتل مرتد

۱.......... جو احادیث ہم اوپر نقل کر آئے ہیں ان میں گزر چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ قتل مرتد کو آنحضرت ﷺ کا فرمان سمجھتے تھے اور لوگوں سے اس کی تصدیق کراتے تھے۔

۲.......... کنز العمال میں بحوالہ بیہقی نقل کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں: ''من کفر بعد ایمانه طائعا فانه یقتل۔ کنز العمال ج ۱ ص ۳۱۳ حدیث ۱۴۷۰ باب حکم الاسلام۔ ''جو شخص ایمان کے بعد اپنی خوشی سے کافر ہو جائے اس کو قتل کیا جائے۔

۳.......... سلیمان ابن موسیٰؒ نے حضرت عثمانؓ کا دائمی طرز عمل یہی نقل کیا ہے کہ مرتد کو تین مرتبہ توبہ کرنے کے لئے فرماتے تھے۔ اگر قبول نہ کرتا قتل کر دیتے تھے۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۳۱۳' حدیث ۱۴۷۱)

۴.......... امام الحدیث عبدالرزاقؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتد حضرت ذی النورینؓ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے اس کو تین مرتبہ توبہ کی طرف بلایا۔ اس نے قبول نہ کیا تو قتل کر دیا۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۳۱۳ حدیث ۱۴۷۲)

۵.......... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ اہل عراق میں سے ایک مرتد جماعت کو گرفتار کیا اور ان کی سزا کے بارے میں مشورہ کے لئے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں خط لکھا۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا: ''اعرض علیهم دین الحق فان قبلوها فخل عنهم وان لم یقبلوها فاقتلهم۔ کنز العمال ج ۱ ص ۳۱۳ حدیث ۱۴۷۳ ''ان پر دین حق پیش کرو۔ اگر قبول کر لیں تو ان کو چھوڑ دو۔ ورنہ قتل کر دو۔

خلیفہ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور قتل مرتد

۱.......... امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بعض مرتدین کو قتل

کیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۳ باب حکم المرتد والمرتدہ)

۲.........حضرت ابوالطفیلؒ فرماتے ہیں کہ جب علی کرم اللہ وجہہ نے بنی ناجیہ کے قتال کے لئے لشکر بھیجا تو اس میں، میں بھی شریک تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ان لوگوں میں تین فرقے ہیں۔ بعض پہلے نصاریٰ تھے پھر مسلمان ہوئے اور اسی پر ثابت قدم رہے۔ اور بعض نصاریٰ تھے اور ہمیشہ اسی مذہب پر رہے۔ اور بعض لوگ وہ تھے کہ پہلے نصرانیت چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے اور پھر نصرانیت کی طرف لوٹ گئے۔ ہمارے امیر نے اس تیسرے فرقے سے کہا کہ اپنے خیال سے توبہ کرو۔ اور پھر مسلمان ہو جاؤ۔ انہوں نے انکار کیا تو امیر نے ہمیں حکم دیا۔ ہم سب ان پر ٹوٹ پڑے اور مردوں کو قتل اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔

(کنزالعمال ج ۱ ص ۳۱۴ حدیث ۱۴۷۶ باب الارتداد واحکامه)

۳.........عبدالملک بن عمیرؒ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ مستورد ابن قبیصہ گرفتار کر کے لایا گیا جو اسلام سے مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ٹھوکروں میں مسل کر مار ڈالا جائے۔

(کنزالعمال ج ۱ ص ۳۱۴ حدیث ۱۴۷۷)

یہ ان خلفائے راشدین کا حکم عمل جن کے اقتداء کے لئے تمام امت اسلامیہ مامور ہے اور جن کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین ۰ مشکوٰة ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنة "تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کی اقتدا کرو۔

کیا قتل مرتد کے لئے محاربہ اور سلطنت کا مقابلہ شرط ہے؟

ہماری مذکورہ بالا تحریر میں اس کا کافی جواب آچکا ہے۔ کیونکہ اول تو جو احادیث سزائے مرتد کے بارے میں نقل کی گئی ہیں۔ ان میں کوئی محاربہ اور مقابلہ کی شرط نہیں۔ بلکہ عموماً مرتد کے قتل کا اعلان ہے۔ اس کے بعد جن لوگوں کو خلفائے راشدینؓ نے سزائے ارتداد میں قتل کیا ہے۔ ان میں دونوں قسم کے آدمی ہیں۔ وہ بھی جو مرتد ہونے کے بعد محاربہ کے لئے کمربستہ ہوئے اور وہ بھی جن سے کسی قسم کا ارادہ فساد یا محاربہ کا ظاہر نہیں ہوا۔ وہ لوگ جو قتل مرتد کو یہ کہہ کر اڑا دینا چاہتے ہیں کہ اسلام میں صرف انہیں مرتدین کے قتل کا حکم ہوا ہے، جو محاربہ اور سلطنت کے مقابلہ پر آمادہ

ہوں وہ آنکھیں کھولیں اور احادیث اور عمل سلف پر نظر ڈالیں کہ وہ کیا بتلا رہے ہیں؟۔

کیا سزائے ارتداد میں سنگسار بھی کیا جا سکتا ہے؟

مذکورۃ الصدر احادیث اور واقعات سلف نے اس سوال کو بھی طے کر دیا ہے۔ کیونکہ ان سے واضح ہو چکا ہے کہ اصل سزائے ارتداد قتل ہے اور ہم بحوالہ امام راغب اصفہانی اور دیگر اہل لغت یہ نقل کر چکے ہیں کہ قتل کے معانی جان لینا ہے۔ خواہ تلوار سے یا سنگساری سے یا کسی اور ذریعہ سے۔ لہذا جب سزائے قتل مرتد کے لئے ثابت ہوگئی تو امام وقت کو اختیار ہے کہ مصالح وقت کو دیکھ کر جس صورت سے چاہے قتل کرے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ ابھی نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتد کو زیادہ سرکش سمجھ کر پاؤں میں مسل کر مارنے کا حکم کر دیا۔

خلفائے راشدین ؓ کے بعد باقی خلفاء اسلام اور قتل مرتد

حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مختار ابن ابی عبید کو اسی جرم میں قتل کیا تھا جو آج مرزا قادیانی کے لئے معراج ترقی ہے۔ یعنی اس کے دعوے نبوت کو ارتداد قرار دے کر قتل کیا گیا ہے۔ (فتح الباری ص ٤٥٥ ج ٦ ' تاریخ الخلفاء ص ١٦٤)

خالد قسری نے اپنے زمانہ حکومت میں جعد ابن درہم کو ارتداد ہی کی سزا میں قتل کیا۔

(فتح الباری ص ٢٣٩ ج ١٢ باب حکم المرتد والمرتده)

عبدالملک ابن مروان نے اپنے زمانہ خلافت میں حارث نامی ایک شخص کو اسی جرم میں قتل کیا جو آج مرزا قادیانی کا دعویٰ اور ان کی امت کا مذہب ہے۔ (یعنی دعویٰ نبوت)

(شفاء قاضی عیاض ص ٢٥٨ ' ٢٥٧ ج ٢)

خلیفہ منصور نے اپنے عہد خلافت میں فرقہ باطنیہ کے مرتدین کو قتل کیا۔

(فتح الباری ص ٢٣٩ ج ١٢ باب حکم المرتد والمرتده)

یہ بھی یاد رہے کہ فرقہ باطنیہ کا بانی بھی ابتداء میں ایک صوفی مزاج آدمی تھا۔ مسلمانوں کی عموماً اور اہل بیت کی خصوصاً بہت ہمدردی کا دعویٰ کرتا تھا۔ شروع میں مرزا قادیانی کی طرح لوگوں پر تصوف کا رنگ ظاہر کیا اور کچھ لوگ معتقد ہوگئے تو نبوت کا دعوے دار بن گیا اور اسی جرم میں واجب القتل سمجھا گیا۔

خلیفہ مہدی منصور کے بعد مہدی تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو باقی ماندہ باطنیہ کی

استیصال کی فکر کی اور ان میں سے بہت سے آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے۔

(فتح الباری ص۲۳۹ ج۱۲ باب حکم المرتد والمرتدہ)

خلیفہ معتصم باللہ نے اپنے عہد خلافت میں ابن ابی الغراقیر کو اس لئے قتل کیا کہ وہ اسلام سے مرتد ہوا تھا۔ (شفاء ص۲۵۸ ج۲)

قاضی عیاضؒ نے شفاء میں بہت سے مرتدین کے قتل کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

''وفعل ذالك غيرو احد من الخلفاء والملوك باشباهم واجمع علماء وقتهم علىٰ صواب فعلهم'' اور بہت سے خلفاء اور بادشاہوں نے مرتدین کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا ہے اور ان کے زمانہ کے علماء نے ان کے فعل کو موافق شرع ہونے پر اتفاق کیا ہے۔

(شفاء ص۲۵۷،۲۵۸ ج۲)

ہمیں اس مختصر گزارش میں تمام خلفاء کی تاریخ اور ان کے قتل کے واقعات کا استیعاب کرنا نہیں ہے۔ بلکہ چند خلفاء اسلام کے طرز عمل کا نمونہ پیش کر کے ایڈیٹر پیغام صلح کو یہ دکھلا دینا ہے کہ آج نعمت اللہ مرزائی کے قتل پر کسی وجہ سے جو طرح طرح کے الزام دولت کابل پر لگائے جا رہے ہیں وہ درحقیقت نہ صرف تمام خلفائے اسلام اور اسلامی سیاست پر عیب لگانا ہے۔ بلکہ خلفائے راشدین کی سنت پر بیہودہ اعتراض اور احکام قرآنیہ اور احادیث نبویہ پر الزام ہے۔ (نعوذ باللہ)

آئمہ اربعہؒ اور قتل مرتد

ایڈیٹر پیغام صلح نے جہاں تمام احکام قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور تعامل سلف کو پس پشت ڈال کر قتل مرتد کا انکار کر دیا تو کیا عجب ہے کہ اس نے فقہ حنفی کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا اور نہایت وقاحت کے ساتھ کہہ دیا کہ: ''فقہ حنفی میں اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔'' ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ مرتد کے لئے سزائے موت قتل نہ فقط فقہ حنفی کا متفق علیہ مسئلہ ہے بلکہ کل فقہائے امت اور بالخصوص آئمہ اربعہؒ کا اجماعی حکم ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ

دیکھو جامع صغیر ص۲۵۱ باب الاوتداد والحاق بدار الحرب مصنفہ حضرت امام محمدؒ: ''ويعرض على المرتد حراً كان اوعبداً الاسلام فان ابى قتل۔''

مرتد پر اسلام پیش کیا جائے۔ خواہ وہ آزاد ہو یا غلام۔ پس اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے۔ اور ملاحظہ ہو: "قال محمد ان شاء الا مام آخر المرتد ثلاثا ان طمع فی توبة اوساله عن ذالك المرتد وان لم يطمع فی ذالك ولم يساله المرتد فقتله فلاباس بذالك . موطا امام محمدؒ باب المرتد ص ۲۷۱ "حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام کو یہ توقع ہو کہ یہ مرتد توبہ کرلے گا یا خود مرتد مہلت طلب کرے تو امام کو اختیار ہے کہ تین روز تک اس کے قتل کو مؤخر کر دے۔ اور اگر نہ اس کو توبہ کی توقع ہو اور نہ خود مہلت طلب کرے۔ ایسی صورت میں اگر امام اس کو بلا مہلت دیئے قتل کر دے تو مضائقہ نہیں۔

حضرت امام مالکؒ

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مرتد کے معاملہ میں وہی قول قابل عمل ہے جو حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ یعنی مرتد کو تین روز مہلت دے کر توبہ کی طرف بلایا جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔ (شفاء ص۲۲٦ ج۲)

حضرت امام شافعیؒ

حضرت امام شافعیؒ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ اول یہ کہ مرتد کو کوئی مہلت نہ دی جائے۔ بلکہ اگر وہ وہیں توبہ نہ کرے تو فوراً قتل کر دیا جائے۔ اور دوسری یہ کہ تین دن کی مہلت دینے کے بعد توبہ نہ کرنے کی صورت میں قتل کر دیا جائے۔ (شفاء ص۲۲٦٬۲۲۷ ج۲)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب نقل کیا جاتا ہے۔ (شفاء ص۲۲٦ ج۲)

اس قدر گزارش کے بعد ہمارے خیال میں کسی مسلمان کو جس طرح اس مسئلہ کے حکم میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی طرح اس میں بھی شبہ نہیں رہتا کہ مرزائی حضرات قطعیات اسلامیہ سے انکار کر دینے اور بے حیائی کے ساتھ نصوص شرعیہ کے ٹھکرانے کو کوئی بڑی بات نہیں سمجھتے۔ ويحسبونه هيّناً وهو عندالله عظيم!

بندہ محمد شفیع عفاء اللہ عنہ
مدرس دارالعلوم دیوبند
ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

شیزان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے!

شیزان کی مشروبات ایک قادیانی طائفہ کی ملکیت ہیں۔ افسوس کہ ہزارہا مسلمان اس کے خریدار ہیں۔ اسی طرح شیزان ریستوران جو لاہور' راولپنڈی اور کراچی میں بڑے زور سے چلائے جارہے ہیں۔ اسی طائفے کے سربراہ شاہ نواز قادیانی کی ملکیت ہیں۔ قادیانی شیزان کی سرپرستی کرنا اپنے عقیدہ کا جزو سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کی آمدنی کا سولہ فیصد حصہ چناب نگر (سابقہ ربوہ) میں جاتا ہے۔ جس سے مسلمانوں کو مرتد بنایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد ان ریستوران کی مستقل گاہک ہے۔ اسے یہ احساس ہی نہیں کہ وہ ایک مرتد ادارہ کی گاہک ہے اور جو چیز کسی مرتد کے ہاں پکتی ہے وہ حلال نہیں ہوتی۔ شیزان کے مسلمان گاہکوں سے التماس ہے کہ وہ اپنے بھول پن پر نظر ثانی کریں۔ جس ادارے کا مالک ختم نبوت سے متعلق قادیانی چوچلوں کا معتقد ہو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانے اور سواد اعظم اس کے نزدیک کافر ہو اور جہاں ننانوے فیصد ملازم قادیانی ہوں ایک روایت کے مطابق شیزان کی مصنوعات میں چناب نگر کے بہشتی مقبرہ کی مٹی ملائی جاتی ہے۔

اے فرزندان اسلام!

آج فیصلہ کرلو کہ شیزان اور اسی طرح کی دوسری قادیانی مصنوعات کے مشروبات نہیں پیؤ گے اور شیزان کے کھانے نہیں کھاؤ گے۔ اگر تم نے اس سے اعراض کیا اور خورد و نوش کے ان اداروں سے باز نہ آئے تو قیامت کے دن حضور ﷺ کو کیا جواب دو گے؟۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ تم اس طرح مرتدوں کی پشت پناہی کررہے ہو۔

(آغا شورش کاشمیریؒ)

دعاوی مرزا

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تعارف

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ کی ہدایت پر آپ کے شاگردان رشید حضرات اکابر دیوبند نے قادیانیت کی تردید میں رسائل لکھے اور ردقادیانیت کے لٹریچر میں ایک گرانقدر ذخیرہ علمی جمع کر دیا۔ تب اس زمانہ میں ہمارے مخدوم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''دعاوی مرزا'' رسالہ تحریر فرمایا۔ نئے حوالجات کے ساتھ پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔فلحمدللہ اولاً و آخراً! (مرتب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

دعاوی مرزا

الحمدللہ وکفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علی سیدنا محمد المجتبیٰ ومن یھدیہ اھتدیٰ!

یوں تو مہدی بھی ہو عیسیٰ بھی ہو سلمان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

دنیا میں بہت سے گمراہ فرقے پیدا ہوئے اور آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔لیکن مرزائی فرقہ ایک عجیب چیستان ہے کہ اس کے دعوے اور عقیدے کا پتہ آج تک خود مرزائیوں کو بھی نہیں لگا۔جس کی وجہ اصل میں یہ ہے کہ اس فرقے کے بانی مرزا قادیانی نے خود اپنے وجود کو دنیا کے سامنے ایک لاینحل معمے کی شکل میں پیش کیا ہے اور ایسے متناقض اور متضاد عوے کئے کہ خود ان کی امت بھی مصیبت میں ہے کہ ہم اپنے گرو کو کیا کہیں۔کوئی تو ان کو مستقل صاحب شریعت نبی کہتا ہے۔کوئی غیر تشریعی نبی مانتا ہے۔اور کسی نے ان کی خاطر ایک نئی قسم کا نبی لغوی تراشا ہے اور ان کو مسیح موعود، مہدی، اور لغوی یا مجازی نبی کہتا ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ مرزا قادیانی کا وجود ایک ایسی چیستان ہے جس کا حل نہیں۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں جو کچھ اپنے متعلق لکھا ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ متعین کرنا بھی دشوار ہے کہ مرزا قادیانی انسان ہیں یا اینٹ پتھر۔ مرد ہیں یا عورت۔ مسلمان ہیں یا ہندو۔ مہدی ہیں یا حارث۔ ولی ہیں یا نبی۔ فرشتے ہیں یا دیو۔ جیسا کہ دعاوی مندرجہ رسالہ ہذا سے معلوم ہوتا ہے۔

نوٹ: اگر کوئی مرزائی یہ ثابت کردے کہ یہ عبارت مرزا قادیانی کی نہیں تو فی عبارت دس روپیہ انعام دیا جائے گا۔

مرزائیوں کے تمام فرقوں کو کھلا چیلنج؟

دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مرزائی امت کے تینوں فرقے مل کر قیامت تک یہ بھی متعین نہیں کرسکتے کہ موزا قادیانی کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کون ہے اور کیا ہے؟۔ دنیا نے اپنے آپ کو کیا کہلوانا چاہتا ہے؟۔ لیکن جب ہم ان کی تصانیف کو غور سے پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعاوی میں اختلاط واختلاف بھی ان کی ایک گہری چال ہے۔ وہ اصل میں خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن سمجھا کہ قوم اس کو تسلیم نہ کرے گی۔ اس لئے تدریج سے کام لیا۔ پہلے خادم اسلام مبلغ بنے۔ پھر مجدد ہوئے۔ پھر مہدی ہوگئے۔ اور جب دیکھا کہ قوم میں ایسے بیوقوفوں کی کمی نہیں جو ان کے ہر دعوے کو مان لیں۔ تو پھر کھلے بندوں، نبی، رسول، خاتم الانبیاء وغیرہ سبھی کچھ ہوگئے۔ اور ہونہار مرد نے اپنے آخری دعوے خدائی کی بھی تمہید ڈال دی تھی۔ جس کی تصدیق عبارات مذکورہ ۲۶ تا ۳۰ سے بخوبی ہوتی ہے۔ لیکن قسمت سے عمر نے دفا نہ کی۔ ورنہ مرزائی دنیا کا خدا بھی نئی روشنی اور نئے فیشن کا بن گیا ہوتا۔ خود مرزا قادیانی کی عبارات ذیل میں اس تدریجی ترقی اور اس کے سبب پر ہمارے دعوے کے گواہ ہیں۔ مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ:

''میری دعوت کے مشکلات میں سے ایک رسالت ایک وحی الٰہی ایک مسیح موعود کا دعویٰ تھا۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۳، خزائن ج۲۱ ص۶۸)

پھر کہتے ہیں کہ علاوہ اس کے اور مشکلات یہ معلوم ہوتے ہیں کہ بعض امور اس دعوت میں ایسے تھے کہ ہرگز امید نہ تھی کہ قوم ان کو قبول کرسکے۔ اور قوم پر تو اس قدر بھی امید نہ تھی کہ وہ اس امر کو بھی تسلیم کرسکیں کہ بعد زمانہ نبوت وحی غیر تشریعی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور قیامت تک باقی ہے۔ نیز حقیقت الوحی کی عبارت ذیل بھی خود اس تدریجی ترقی کی شاہد ہے جس سے صاف

معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مرزا قادیانی ختم نبوت کے قائل تھے اور کسی نبی کا پیدا ہونا جائز نہ رکھتے تھے۔ اور اپنے آپ کو نبی نہیں کہتے تھے۔ بعد میں ارزانی غلہ نے نبی بنادیا۔ لکھتے ہیں:

''اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی تھے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کے متعلق ظاہر ہوتا تھا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدائے تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔''

(حقیقت الوحی ص ۱۴۹، ۱۵۰، روحانی خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۳، ۱۵۴)

اس کے بعد ہم مرزا قادیانی کے دعاوی خود ان کی تصانیف سے مع حوالہ صفحات نقل کرتے ہیں جو دعوے متعدد کتابوں اور مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ بغرض اختصار عبارات تو ان میں سے ایک ہی نقل کر دی گئی ہے۔ باقی کے حوالہ صفحات درج کئے گئے ہیں۔

بندہ محمد شفیع دیوبندی عفی اللہ عنہ وعافاہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

۱...... مبلغ اسلام اور مصلح ہونے کا دعویٰ

''یہ عاجز مؤلف براہین احمدیہ حضرت قادر مطلق جل شانہ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ بنی اسرائیلی مسیح کے طرز پر کمال مسکینی وفروتنی اور غربت اور تذلل وتواضع سے اصلاح خلق کے لئے کوشش کرے۔'' (مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۲۳)

۲...... مجدد ہونے کا دعویٰ

''اب بتلائیں کہ اگر یہ عاجز حق پر نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا جس نے اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعویٰ کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا۔''

(ازالہ اوہام ص ۱۵۴، خزائن ج ۳ ص ۱۷۹ ملخص)

۳...... محدث ہونے کا دعویٰ

''اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدائے تعالیٰ کی طرف سے امت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے اور محدث بھی ایک معنے سے نبی ہوتا ہے۔ گو اس کے لئے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہے۔'' (توضیح المرام ص ۱۸، خزائن ج ۳ ص ۶۰، ازالہ اوہام ص ۵۸۷، خزائن ج ۳ ص ۴۱۶)

۴......امام زماں ہونے کا دعویٰ

’’میں لوگوں کے لئے تجھے امام بناؤں گا۔تو ان کا رہبر ہوگا۔‘‘

(ضرورۃ الامام ص۲۶‘ خزائن ج۱۳ص ۴۹۷)

۵......خلیفہ الٰہی اور خدا کا جانشین ہونے کا دعویٰ

’’میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنا جانشین بناؤں تو میں نے آدم کو یعنی تجھے پیدا کیا۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۷۶‘روحانی خزائن ج۲۲ص۷۹)

۶......مہدی ہونے کا دعویٰ

اشتہار معیار الاخیار وریویو آف ریلیجنز نومبر ودسمبر۱۹۰۳ء وغیرہ یہ دعویٰ مرزا قادیانی کی اکثر تصانیف میں بکثرت موجود ہے۔اس لئے نقل عبارت کی حاجت نہیں۔

۷......حارث مددگار مہدی ہونے کا دعویٰ

’’واضح ہو کہ یہ پیشین گوئی جو ابوداؤد کی صحیح میں درج ہے کہ ایک شخص حارث نام یعنی حارث ماوراءنہر سے یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا جو آل رسول کو تقویت دے گا۔جس کی امداد ونصرت ہر ایک مومن پر واجب ہوگی۔الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پیشین گوئی اور مسیح کے آنے کی پیشین گوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا دراصل یہ دونوں پیشین گوئیاں متحد المضمون ہیں۔اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔‘‘

(ازالہ اوہام ص۹۷‘روحانی خزائن ج۳ص۱۴۱)

۸......نبی امتی اور بروزی وظلی یا غیر تشریعی ہونے کا دعویٰ

’’اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا وہ میں ہوں۔اس سے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی۔‘‘ (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص۱۱‘روحانی خزائن ج۱۸ص۲۱۵)

۹......نبوت ورسالت اور وحی کا دعویٰ

’’سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔‘‘ (دافع البلاء ص۱۱‘خزائن ج۱۸ ص۲۳۱) ’’حق یہ ہے کہ خدا کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں۔نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ۔‘‘(ایک غلطی کا ازالہ ص۱‘خزائن ج۱۸ص۲۰۶)

۱۰...... اپنی وحی کے بالکل قرآن کے برابر واجب الایمان قطعی ہونے کا دعویٰ

''میں خدا کی تئیس برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کرسکتا ہوں۔ میں اس کی اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہوچکی ہیں۔''

(حقیقت الوحی ص ۱۵۰، خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۴)

۱۱...... سارے عالم کیلئے مدار نجات ہونے کا دعویٰ اور یہ کہ اپنی امت کے سوا امت محمدیہ کے چالیس کروڑ مسلمان کافر جہنمی ہیں

''کفر دو قسم پر ہے۔ ایک کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔ جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارہ میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔'' (حقیقت الوحی ص ۱۷۹، خزائن ج ۲۲ ص ۱۸۵)

''اور اس بات کو تقریباً نو برس کا عرصہ گزر گیا کہ جب میں دہلی گیا تھا اور میاں نذیر حسین غیر مقلد کو دعوت دین اسلام کی گئی۔'' (اربعین نمبر۴ حاشیہ ص ۱۲، خزائن ج ۱۷ ص ۴۴۱ حاشیہ)

یہی دعویٰ سیرت الابدال، انجام آتھم وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ اور کہتے ہیں کہ: ''اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدار نجات ٹھہرایا۔'' (اربعین نمبر۴ ص ۶، خزائن ج ۱۷ ص ۴۳۵)

۱۲...... مستقل تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ اور یہ کہ وہ احادیث نبویہ پر حاکم ہے جس کو چاہے قبول اور جس کو چاہے ردّی کی طرح پھینک دے

''اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ!(اعجاز احمدی ص ۷، خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۳) اس عبارت میں نبوت تشریعی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہمارے رسول ﷺ اس آیت کے مصداق نہیں، جو صریح کفر ہے اور کہتا ہے کہ: ''اگر کہو کہ

صاحب الشریعت افتراء کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر ایک مفتری تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ماسوائے اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امر اور نہی بیان کئے۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام: ''قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ذالك ازکیٰ لھم۔'' یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تیئیس برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ (اربعین نمبر۴ ص۶' خزائن ج ۱۷ ص ۴۳۵)

پھر لکھتے ہیں: ''چونکہ میری وحی میں امر بھی اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید بھی۔'' (اربعین نمبر۴ ص۶' خزائن ج ۱۷ ص ۴۳۵ حاشیہ)

''اور ہم اس کے جواب میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعوے کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں! تائیدی طور پر وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردّی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔'' (اعجاز احمدی ص۳۰'۳۱' خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۰)

۱۳.....اپنے لئے دس لاکھ معجزات کا دعویٰ

''اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔'' (تتمہ حقیقت الوحی ص ۶۸' خزائن ج ۲۲ ص ۵۰۳) اور براہین احمدیہ حصہ پنجم میں: ''دس لاکھ تعداد معجزات شمار کی ہے۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۸' خزائن ج ۲۱ ص ۷۵)

۱۴.....تمام انبیاء سابقین سے افضل ہونے کا دعویٰ اور سب کی توہین

''بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی ﷺ کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے اور خدا نے اپنی حجت پوری کر دی ہے۔ اب چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔''

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۳۶' خزائن ج ۲۲ ص ۵۷۴)

۱۵......آدم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

لکھتے ہیں کہ خداتعالیٰ نے ان کو اس کلام میں آدم علیہ السلام قرار دیا ہے: ''یـــــا آدم اسکن انت وزوجك الجنة'' (اربعین نمبر۳ص۲۳ روحانی خزائن ج۔اص۴۱۰، ۴۱۱)

۱۶......ابراہیم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

''آیت:''واتـخذوا من مقام ابراهيم مصلى ''اس کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقہ ہو جائیں گے۔تب آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا کہ اس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔''

(اربعین نمبر۳ص۳۲ خزائن ج۱۷ص۴۲۱)

۱۷......نوح علیہ السلام ہونے کا دعویٰ ۱۸......یعقوب علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۱۹......موسیٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ ۲۰......داؤد علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۱......شیث علیہ السلام ہونے کا دعویٰ ۲۲......یوسف علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۳......اسحٰق علیہ السلام ہونے کا دعویٰ ۲۴......یحییٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۵......اسماعیل علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

''میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحٰق ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ہوں، اور آنحضرت ﷺ کے نام کا مظہر اتم ہوں۔یعنی ظلی طور پر میں محمد اور احمد ہوں۔''

(حاشیہ حقیقت الوحی ص۷۲ خزائن ج۲۲ص۷۶)

۲۶......عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

''اس خدا کی تعریف جس نے تجھے مسیح بن مریم بنایا۔'' (حاشیہ حقیقت الوحی ص۷۲ خزائن ج۲۲ص۷۵) یہ دعویٰ تقریباً سب ہی کتابوں میں موجود ہے۔

۲۷......عیسیٰ علیہ السلام افضل ہونے کا دعویٰ اور ان کو مغلظات بازاری گالیاں

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ...... اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء ص۲۰ خزائن ج۱۸ص۲۴۰)

''خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میری جان ہے اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کرسکتا ہوں ہرگز نہ کرسکتا۔ اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں ہرگز نہ دکھلا سکتا۔'' (حقیقت الوحی ص۱۴۸' خزائن ج۲۲ص۱۵۲) ''آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔'' (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص۷' خزائن ج۱۱ص۲۹۱) ''پس اس نادان اسرائیلی نے ان معمولی باتوں کا پیشین گوئی کیوں نام رکھا۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص۴' خزائن ج۱۱ص ۲۸۸) ''یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔''

(حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص۵' خزائن ج۱۱ص۲۸۹)

۲۸.....نوح علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ اور ان کی توہین

''اور خدائے تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوح علیہ السلام کے زمانہ میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے۔''

(تتمہ حقیقت الوحی ص۱۳۷' خزائن ج۲۲ص۵۷۵)

۲۹.....مریم علیہا السلام ہونے کا دعویٰ

''پہلے خدا نے میرا نام مریم رکھا اور بعد اس کے ظاہر کیا کہ اس مریم میں خدا کی طرف سے روح پھونکی گئی اور پھر فرمایا کہ روح پھونکنے کے بعد مریمی مرتبہ عیسوی مرتبہ کی طرف منتقل ہوگیا اور اس طرح مریم سے عیسیٰ پیدا ہوکر ابن مریم کہلایا۔''

(حاشیہ حقیقت الوحی ص۷۲' روحانی خزائن ج۲۲ص۷۵)

۳۰.....آنحضرت ﷺ کے ساتھ برابری کا دعویٰ

''یعنی محمد مصطفی ﷺ اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہوکر اور اس نام محمد واحمد سے مسمی ہوکر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص۷' روحانی خزائن ج۱۸ص۲۱۱) ''بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت: ''وآخرین منهم لمایلحقوابهم . ''بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص۸' خزائن ج۱۸ص۲۱۲) اکثر ان اوصاف کو اپنے لئے ثابت کیا ہے جو آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہیں۔

۳۱......ہمارے نبی ﷺ سے افضلیت کا دعویٰ

''ہمارے نبی اکرم ﷺ کے معجزات کی تعداد صرف تین ہزار لکھی ہے۔'' (تحفہ گولڑویہ ص۴۰، روحانی خزائن ج۱۷ص۱۵۳) اور اپنے معجزات کی تعداد براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۶، خزائن ج۲۱ص۷۲ پر دس لاکھ بتائی ہے: ''له خسف القمر المنیر وان لی غسا القمران المشرقان اتنکرو۔ ''اس کے لئے یعنی آنحضرت ﷺ کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔'' (اعجاز احمدی ص۷۱، روحانی خزائن ج۱۹ص۱۸۳) اس میں آپ ﷺ پر افضلیت کے دعوے کے ساتھ معجزہ شق القمر کا انکار اور توہین بھی ہے۔

۳۲......میکائیل علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

''اور دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے۔''

(حاشیہ اربعین نمبر۳ص۲۵، خزائن ج۱۷ص۴۱۳)

۳۳......خدا کی مثل ہونے کا دعویٰ

''اور عبرانی میں لفظی معنے میکائیل کے ہیں خدا کے مانند۔''

(حاشیہ اربعین نمبر۳ص۲۵، خزائن ج۱۷ص۴۱۳)

۳۴......اپنے بیٹے کا خدا کی مثل ہونے کا دعویٰ

''انا نبشرك بغلام مظهر الحق والعلی کان الله نزل من السماء۔''

(استفتاء ص۸۵، خزائن ج۲۲ص۷۱۲)

۳۵......خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ

''انت منی بمنزلة اولادی'' (حاشیہ اربعین نمبر۴ص۱۹، خزائن ج۱۷ص۴۵۲)

۳۶......اپنے اندر خدا کے اتر آنے کا دعویٰ

آپ کو الہام ہوا: ''آواہن'' جس کی تفسیر خود ہی یہ کرتے ہیں کہ: ''خدا تیرے اندر اتر آیا۔''

(کتاب البریہ ص۸۴، خزائن ج۱۳ص۱۰۲)

۳۷......خود خدا ہونا بحالت کشف اور زمین و آسمان پیدا کرنا

’’اور میں نے اپنے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں۔ (پھر کہتا ہے)اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے۔(پھر کہتا ہے)اور اس حالت میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں تو میں نے پہلے تو آسمان و زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب و تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا:’’انا زینا السماء الدنیا بمصابیح ۰ ‘‘پھر میں نے کہا اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں گے۔پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہوگئی اور میری زبان پر جاری ہوا:’’اردت ان استخلف فخلقت آدم انا خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۰ ‘‘یہ الہامات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے پر ظاہر ہوئے۔‘‘(کتاب البریہ ص۸۵٬۸۶٬۸۷ٔخزائن ج۱۳ص۱۰۳٬۱۰۴٬۱۰۵ٔ آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۴ٔ خزائن ج۵ص ایضاً)

۳۸......مرزا قادیانی میں حیض کا خون ہونا اور پھر اس کا بچہ ہونا

’’منشی الٰہی بخش کی نسبت یہ الہام ہوا۔یہ لوگ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ یعنی ناپاکی پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں اور خدا چاہتا ہے کہ جو اپنی متواتر نعمتیں جو تیرے پر ہیں دکھلائے اور خون حیض سے تجھے کیونکر مشابہت ہو اور وہ کہاں تجھ میں باقی ہے۔پاک تغیرات نے اس خون کو خوبصورت لڑکا بنادیا اور وہ لڑکا جو اس خون سے بنا میرے ہاتھ سے پیدا ہو۔‘‘

(حاشیہ اربعین نمبر۴ص۱۹ٔخزائن ج۱۷ص۴۵۲)

۳۹......حاملہ ہونا

عبارت مذکورہ۔ (کشتی نوح ص۴۷ٔروحانی خزائن ج۱۹ص۵۰)

۴۰......حجر اسود ہونے کا دعویٰ

الہام یہ ہے کہ:

یکے پائے من مے بوسد......ومن میگفتم کہ حجر اسود منم

(حاشیہ اربعین نمبر۴ص۱۵ٔروحانی خزائن ج۱۷ص۴۴۵)

۴۱...... بیت اللہ ہونے کا دعویٰ

:''خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے۔''

(حاشیہ اربعین نمبر۴ ص۱۵، خزائن ج۱۷ ص۴۴۵)

۴۲...... سلمان ہونے کا دعویٰ

الہام ہوا: ''انت سلمان منی یاذالبرکات ۰ '' (تذکرہ ص۶۰۳)

۴۳...... کرشن ہونے کا دعویٰ

''آریہ قوم کے لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں میں انتظار کرتے ہیں۔ وہ کرشن میں ہی ہوں۔'' (تتمہ حقیقت الوحی ص۸۵، خزائن ج۲۲ ص۵۲۱)

۴۴...... آریوں کا بادشاہ ہونے کا دعویٰ

''اور یہ دعویٰ صرف میری طرف سے نہیں بلکہ خدا نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے۔ آریوں کا بادشاہ۔''

(تتمہ حقیقت الوحی ص۱۸۵، خزائن ج۲۲ ص۵۲۲)

نبی اور عیسیٰ تو اپنی زبانی بن گیا مگر بادشاہت میں زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا۔ اس لئے پھر کہا کہ بادشاہت سے مراد آسمانی بادشاہت ہے۔ فقط!

خاتم النبیین لا نبی بعدی
مسیح موعود کی پہچان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

مسیح موعود کی پہچان

تعارف

الحمدللّٰہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے آخری دور میں بتقاضائے حکمت الٰہیہ دجال اکبر کا خروج مقدر ومقرر تھا۔ جس کے شر سے تمام انبیائے سابقین اپنی اپنی امتوں کو ڈراتے آئے تھے۔ (ابوداؤد ج۲ ص۱۳۴ باب خروج الدجال عن انسؓ) اور حسب تصریحات احادیث متواترہ اس کا فتنہ تمام اگلے پچھلے فتنوں سے اشد ہوگا۔ اس کے ساتھ ساحرانہ قوتیں اور خوارق عادات بے شمار ہوں گے۔

اسی کے ساتھ زمرۂ انبیاء میں خاتم الانبیاء ﷺ کی مخصوص شان اور خاتم الامم کے ساتھ خاص عنایات حق کے اظہار کے لئے باقتضائے حکمت الٰہیہ یہ بھی مقدر ومقرر تھا کہ فتنہ دجال سے امت کو بچانے اور دجال کو شکست دینے کے لئے حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں نزول فرمائیں گے جو اپنی مخصوص شان مسیحی سے مسیح دجال کا خاتمہ کریں گے۔

خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات امت مرحومہ کے آگے آنے والے تمام فتن اور واقعات میں سب سے اہم تھے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اپنی امت پر سب سے زیادہ رحیم وشفیق رسول ﷺ نے ان واقعات کی تبیین وتعیین میں اور مسیح دجال ومسیح عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی علامات ونشانات بتلانے میں انتہائی تفصیل وتوضیح سے کام لیا ہے۔ سو سے زیادہ احادیث ہیں جو مختلف اوقات میں صحابہ کرامؓ کے مختلف مجامع میں مختلف عنوانات کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات وعلامات اور بوقت نزول ان کی مکمل کیفیات کا اظہار فرمایا۔

یہ احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اکابر محدثین نے ان کو متواتر قرار دیا ہے اور خبر متواتر سے جو چیز ثابت ہو اس کا قطعی اور یقینی ہونا تمام اہل عقل اور اہل دین کے نزدیک باتفاق

مسلم ہے۔ان تمام احادیث معتبرہ کو احقر نے اپنے عربی رسالہ ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' میں جمع کر دیا ہے اور اس میں ہر حدیث پر نمبر ڈال دیئے ہیں۔اس رسالہ میں صرف حدیث کا نمبر اور کتاب کا حوالہ دینے پر اکتفاء کیا گیا ہے اور انشاء اللہ کسی وقت ان احادیث کو مع ترجمہ وتشریح بھی شائع کر دیا جائے گا۔(اب یہ ترجمہ وتشریح کا کام برخوردار عزیز مولوی محمد رفیع عثمانی سلمہ مدرس دار العلوم کراچی نے کر دیا ہے۔جو''علامات قیامت اور نزول مسیح'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔محمد شفیع ۳۰ صفر ۱۳۹۴ھ)

علاوہ ازیں خود قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جتنی علامات اور نشانیاں بتلائی ہیں اتنی کسی رسول اور نبی کے متعلق نہیں بتلائیں۔یہاں تک کہ خود سرور کائنات آنحضرت ﷺ جن پر قرآن اترا ہے ان کی بھی مادی اور جسمانی علامات ونشانات قرآن نے اس تفصیل سے نہیں بتلائے۔تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا یہ معاملہ اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات میں اس پر مزید در مزید اضافہ بلاشبہ اس لئے تھا کہ آخر زمانہ میں ان کا اس امت میں تشریف لانا مقدر ومقرر تھا۔اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ ان کی علامات ونشانات امت کو ایسی وضاحت سے بتلا دیئے جائیں کہ پھر کسی کو کسی اشتباہ والتباس کی ادنیٰ گنجائش نہ رہے۔اس رسالہ میں جمع کی ہوئی تمام علامات ونشانات کو دیکھنے کے بعد ہر شخص یہ کہہ اٹھے گا کہ کسی انسان کی تعیین کے لئے اس سے زیادہ نشانات وعلامات نہیں بتلائے جاسکتے اور تمام انبیاء علیہم السلام میں سے اس کام کے لئے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتخاب میں شاید یہ حکمت بھی ہو کہ ان کی پیدائش اور خلقت وتربیت تمام بنی نوع انسان سے جدا ایک خاص معجزانہ طریق پر ہوئی ہے۔ان کے حالات کسی دوسرے انسان کے ساتھ ملتبس اور مشتبہ ہو ہی نہیں سکتے۔

الغرض قرآن وحدیث نے آخر زمانہ میں آنے والے مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی تعیین اور اس میں پیدا ہونے والے ہر التباس واشتباہ کو رفع کرنے کے لئے اس قدر اہتمام فرمایا کہ اس سے زیادہ اہتمام عادتاً ناممکن ہے۔تاکہ کوئی جھوٹا مدعی اپنے آپ کو مسیح موعود کہہ کر امت کو گمراہ نہ کر سکے۔(قرآن مجید سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مکمل ثبوت حضرت الاستاذ العلامہ مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ کی کتاب ''عقیدۃ الاسلام فی نزول عیسیٰ علیہ السلام'' میں اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کی کتاب ''کلمتہ اللّٰہ فی حیات روح اللّٰہ'' (احتساب قادیانیت جلد دوم میں اس رسالہ سمیت حضرت مولانا کاندھلویؒ

کی جملہ ردقادیانیت پر کتب شائع ہوگئی ہیں۔فالحمد للّٰہ !) میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور اس مسئلہ سے متعلق احادیث احقر کے عربی رسالہ ’’التصریح بماتواتر فی نزول المسیح ‘‘میں مذکور ہیں۔)

لیکن شاباش ہے مرزا غلام احمد قادیانی کو کہ انہوں نے قرآن وحدیث کے اس تمام اہتمام کے مقابلہ میں اکھاڑا جمادیا اور ان میں بیان کی ہوئی تمام چیزوں پر پانی پھیر کر خود مسیح موعود بن بیٹھے اور اس سے زیادہ حیرت ان لوگوں پر ہے جنہوں نے قرآن وحدیث اور آنحضرت ﷺ پر ایمان رکھنے کے دعویدار ہوتے ہوئے ان کو مسیح موعود مان لیا۔لیکن اس امت میں سے کسی شخص کا مسیح موعود بننا بغیر اس کے ممکن نہیں تھا کہ قرآن وحدیث کی قائم کی ہوئی تمام مضبوط ومستحکم بنیادوں کو اکھاڑ کر ایک نیا دین ٗنئی ملت بنائی جائے۔اس لئے مرزا قادیانی نے:

۱..........امت کے اجماعی عقیدہ اور قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوچکی ہے۔ان کی قبر کشمیر میں ہے۔

۲..........پھر یہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں نہیں آئیں گے۔ بلکہ ان کا شبیہ ومثیل آئے گا۔

۳..........پھر وہ شبیہ ومثیل خود بننے کی کوشش جاری کی۔

۴..........اور چونکہ حسب تصریح قرآن وحدیث واجماع امت ہر قسم کی نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہوچکی ہے۔اب کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے کے نبی ہیں۔ان کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں تھا۔اگر کوئی ان کا مثیل وشبیہ آئے تو مسئلہ ختم نبوت اس کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔اس لئے اس اجماعی مسئلہ کی تحریف کرنا پڑی اور نبوت کی خودساختہ قسمیں بنا کر بعض اقسام کا سلسلہ جاری قرار دیا۔

۵..........آخرکار خود نبی ورسول بن گئے۔

۶..........دعوائے نبوت کالازمی نتیجہ یہ تھا کہ جو ان کو نہ مانے وہ کافر قرار دیا جائے۔ اس کے نتیجے میں اپنی ایک مٹھی بھر جماعت کے سوا امت کے ستر کروڑ مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا۔

۷..........اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی مدعی نبوت کے ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک ملت نہیں ہوسکتے۔کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ کسی نبی کے ماننے والے بھی مسلمان کہلائیں اور اس کو جھوٹا سمجھنے والے بھی مسلمان رہیں۔اس طرح ملت اسلامیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک علیحدہ

ملت کی تعمیر کی گئی۔ یہ سارے کفریات اس کے نتیجے میں آئے کہ قرآن وحدیث کی بے شمار تصریحات کے خلاف اپنے آپ کو مسیح موعود قرار دیا۔

اس لئے احقر نے اس مختصر رسالہ میں آخر زمانہ میں آنے والے مسیح علیہ السلام کی تمام نشانیاں اور علامات بحوالہ قرآن وحدیث جمع کردی ہیں۔ تاکہ ہر دیکھنے والا ایک نظر میں دیکھ لے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جو جو علامات بیان کی ہیں مرزا غلام احمد قادیانی میں ان میں سے کوئی موجود ہے یا نہیں۔

ہم نے سہولت کے لئے ان حالات وعلامات کو ایک جدول کی صورت میں پیش کیا ہے جس کے ایک خانے میں آنے والے مسیح' حضرت مسیح علیہ السلام کی علامات ذکر کی گئی ہیں۔ دوسرے خانے میں ان کا حوالہ قرآن یا حدیث سے دیا گیا ہے۔ احادیث کی عبارت طویل تھی۔ اس لئے تمام احادیث کو مع ان کے حوالوں کے ''التصریح بماتواتر فی نزول المسیح'' میں جمع کردیا ہے۔ اس جدول میں صرف حدیث کا نمبر لکھا جائے گا جس کو اصل حدیث دیکھنا ہو اس نمبر کے حوالہ سے ''التصریح بماتواتر فی نزول المسیح'' میں دیکھے۔ تیسرے خانے میں مرزا قادیانی کے حالات وعلامات کا مقابلہ دکھلانا تھا۔

مگر ہمیں تو ان علامات میں سے کوئی بھی مرزا قادیانی میں نظر نہیں آئی۔ بلکہ صراحۃً اس کے مخالف علامات وحالات معلوم ہوئے۔ مخالف حالات اور وہ بھی ذاتی اور گھریلو معاملات سے متعلق اگر بیان کئے جائیں تو دیکھنے والے شاید اس کو تہذیب کے خلاف سمجھیں۔

اس لئے ہم نے یہ خانہ سب جگہ خالی چھوڑ دیا ہے کہ مرزا قادیانی کو مسیح موعود ماننے والے خدا کو حاضر وناظر جان کر ایمان داری سے اس خانہ کو خود پر کریں۔

شاید اللہ تعالیٰ اسی کو ان کے لئے ذریعہ ہدایت بنادیں۔

وماذالك علىٰ الله بعزيز!

محمد شفیع عفا اللہ عنہ
مدرس دارالعلوم دیوبند
شعبان ۱۳۴۵ھ

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مسیح موعود کا نام، کنیت اور لقب

۱	آپ کا نام عیسیٰ ہے۔ علیہ السلام	ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
۲	آپ کی کنیت عیسیٰ ابن مریم ہے۔	ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ
۳	آپ کا لقب، مسیح ہے۔	اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ
۴	" " کلمۃ اللہ ہے۔	اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
۵	" " روح اللہ ہے۔	" " "

مسیح موعود کے خاندان کی پوری تفصیل

۶	آپ کی والدہ ماجدہ کا نام مریم ہے۔	ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
۷	آپ بغیر باپ کے بقدرتِ خداوندی صرف ماں سے پیدا ہوئے۔	اَنّٰى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا۔
۸	آپ کے نانا عمران علیہ السلام ہیں۔	مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي
۹	آپ کی نانی امراۃ عمران (حنہ) ہیں۔	اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ
۱۰	آپ کے ماموں ہارونؑ ہیں	يَا اُخْتَ هٰرُوْنَ

عہ ہارون سے اس جگہ ہارون نبی علیہ السلام مراد نہیں۔ کیونکہ وہ تو مریمؑ سے بہت پہلے گزر چکے تھے، بلکہ ان کے نام پر حضرت مریمؑ کے بھائی کا نام ہارون رکھا گیا تھا۔ کذا رواہ مسلم والنسائی والترمذی مرفوعًا۔

۱۱	آپ کی نانی کی یہ نذر کہ اس حمل سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ بیت المقدس کے لئے وقف کروں گی۔	اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا
۱۲	پھر حمل سے لڑکی کا پیدا ہونا۔	فَلَمَّا وَضَعَتْهَا الآیۃ
۱۳	پھر ان کا عذر کرنا کہ یہ عورت ہونے کی وجہ سے وقف کے قابل نہیں۔	اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی
۱۴	اُس لڑکی کا نام مریم رکھنا۔	اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ

والدہ مسیح موعود حضرت مریم (علیہا السلام) کے بعض حالات

۱۵	مَسِ شیطان سے محفوظ رہنا۔	اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِکَ
۱۶	ان کا نشو و نما غیر عادی طور پر ایک دن میں سال بھر کے برابر ہونا۔	وَاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا
۱۷	مجاورینِ بیت المقدس کا مریم کی تربیت میں جھگڑنا اور حضرت زکریاؑ کا کفیل ہونا	اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ
۱۸	ان کو محراب میں ٹھیرانا اور ان کے پاس غیبی رزق آنا۔	کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا
۱۹	زکریاؑ کا سوال اور مریم کا جواب کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔	قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
۲۰	فرشتوں کا اُن سے کلام کرنا۔	اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ
۲۱	ان کا اللہ کے نزدیک مقبول ہونا۔	اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰکِ
۲۲	ان کا حیض سے پاک ہونا۔	وَطَهَّرَکِ
۲۳	تمام دنیا کی موجودہ عورتوں سے افضل ہونا	وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ

حضرت مسیح (علیہ السلام) کے ابتدائی حالات استقرار حمل وغیرہ

۲۴	مریم کا ایک گوشہ میں جانا	اِذِ انْتَبَذَتْ

۲۵	اس گوشہ کا شرقی جانب میں ہونا۔	مَكَانًا شَرْقِيًّا
	ان کا پردہ ڈالنا۔	فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا
۲۶	ان کے پاس بشکلِ انسان فرشتہ کا آنا۔	فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا
۲۷	مریم کا پناہ مانگنا۔	إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنْكَ
۲۸	فرشتہ کا من جانب اللہ ولادتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دینا۔	لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا
۲۹	مریم کا اس خبر پر تعجب کرنا کہ بغیر صحبتِ مرد کے کیسے بچہ ہوگا؟	أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ
۳۰	فرشتہ کا منجانب اللہ یہ پیغام دینا کہ اللہ تعالیٰ پر یہ سب آسان ہے۔	قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ
۳۱	بحکم خداوندی بغیر صحبتِ مرد کے اُن کا حاملہ ہونا۔	فَحَمَلَتْهُ
۳۲	دردِ زہ کے وقت ایک کھجور کے درخت کے نیچے جانا۔	فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ

آپ کی ولادت کس جگہ اور کس طرح پر ہوئی

۳۳	مسکونہ مکان سے دور ایک باغ کے گوشہ میں ولادت ہوئی۔	فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا۔
۳۴	حضرت مریم ایک کھجور کے درخت کے تنہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھیں۔	إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ
۳۵	ولادت کے بعد مریم کا بوجہ حیا کے پریشان ہونا اور لوگوں کی تہمت سے ڈرنا۔	قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا
۳۶	درخت کے نیچے سے فرشتہ کا آواز دینا	فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا

۳۷	کہ گھبراؤ نہیں اللہ نے تمہیں ایک سردار دیا ہے۔	اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا
۳۸	ولادت کے بعد حضرت مریم کی غذا تازہ کھجوریں۔	تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۔
۳۹	حضرت مریم کا آپ کو گود میں اٹھا کر گھر لانا۔	فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ
۴۰	ان کی قوم کا تہمت رکھنا اور بدنام کرنا۔	يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا
۴۱	حضرت مریم سے رفع تہمت کے لئے من جانب اللہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا کلام فرمانا۔ اور یہ فرمانا کہ میں نبی ہوں	قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا۔

حضرت مسیح موعود کے خصائص

۴۲	مسیح موعود کا مُردوں کو بحکم خدا زندہ کرنا	وَاُحْيِي الْمَوْتٰى
۴۳	برص کے بیمار کو شفا دینا۔	اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ
۴۴	مادر زاد اندھے کو بحکم الٰہی شفا دینا۔	
۴۵	مٹی کی چڑیوں میں بحکم الٰہی جان ڈالنا۔	فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ
۴۶	آدمیوں کے کھائے ہوئے کھانے کو بتا دینا کہ کیا کھایا تھا ؟	وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ
۴۷	جو چیزیں لوگوں کے گھروں میں چھپی ہوئی رکھی ہیں اُن کو بن دیکھے بتا دینا۔	" " "
۴۸	کفار بنی اسرائیل کا حضرت عیسٰیؑ کے قتل کا ارادہ کرنا اور حفاظتِ الٰہی۔	وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ

۴۹	کفار کے نرغہ کے وقت آپ کو آسمان پر زندہ اٹھانا۔	اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔

حضرت مسیح موعود کا حلیہ

۵۰	آپ کا وجیہ ہونا۔	وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ
۵۱	آپ کا قد و قامت درمیانہ ہے۔	حدیث ۱ بروایت ابوداؤد و ابن ابی شیبہ احمد ابن حبان و صححہ ابن حجر فی الفتح
۵۲	رنگ سفید سُرخی مائل ہے۔	" " "
۵۳	بالوں کی لمبائی دونوں شانوں تک ہوگی۔	" " "
۵۴	بالوں کا رنگ بہت سیاہ چمک دار ہوگا۔ جیسے نہانے کے بعد بال ہوتے ہیں۔	" " "
۵۵	بال گھنگرالے ہوں گے۔	" " (بعض روایات میں ہے کہ سیدھے بال ہونگے جیسا کہ حدیث ۱۵ میں ہے ممکن ہے کہ اختلاف دو وقتوں کے لحاظ سے ہو)
۵۶	صحابہؓ میں آپ کے مشابہ عروہؓ بن مسعود ہیں	" " "
۵۷	آپ کی خوراک لوبیا اور جو چیزیں آگ پر نہ پکیں۔	حدیث ۷۲ رواہ الدیلمی

آخر زمانہ میں آپ کا دوبارہ نزول

۵۸	قربِ قیامت میں پھر آسمان سے اُترنا۔	حدیث ۱ لغایت ۷۵
۵۹	نزول کے وقت آپ کا لباس: دو زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے	حدیث ۱ ابوداؤد وغیرہ

۶۰	آپ کے سر پر ایک لمبی ٹوپی ہوگی ۔	حدیث ۴۸ ابن عساکر
۶۱	آپ ایک زرہ پہنیں گے ۔	حدیث ۶۸ درمنثور

بوقت نزول آپ کے بعض حالات

۶۲	دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے اتریں گے ۔	حدیث ۵ مسلم ۔ ابوداؤد. ترمذی ۔ احمد ۔
۶۳	آپ کے ہاتھ میں ایک حربہ ہوگا جس سے دجال کو قتل کریں گے ۔	حدیث ۴۸ ابن عساکر
۶۴	اس وقت جس کسی کافر پر آپ کے سانس کی ہوا پہنچ جائے گی وہ مر جائے گا ۔	حدیث ۵ صحیح مسلم
۶۵	سانس کی ہوا اتنی دور تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نظر جائے گی	〃

مقام نزول اور وقتِ نزول کی مکمل تعیین و توضیح

۶۶	آپ کا نزول دمشق میں ہوگا ۔	حدیث ۵ مسلم
۶۷	دمشق کی جامع مسجد میں نزول ہوگا ۔	〃 〃
۶۸	جامع مسجد دمشق کے بھی شرقی گوشہ میں نزول ہوگا ۔	〃 〃
۶۹	نماز صبح کے وقت آپ نازل ہوں گے	〃 〃

بوقتِ نزول حاضرین کا مجمع اور انکی کیفیت

۷۰	مسلمانوں کی ایک جماعت مع امام مہدیؑ کے مسجد میں موجود ہوگی ۔ جو دجال سے لڑنے کے لئے جمع ہوئے ہوں گے ۔	حدیث ۷ مسلم

نمبر	بیان	حوالہ
۷۱	ان کی تعداد آٹھ سو مرد اور چار سو عورتیں ہوں گی۔	حدیث ۶۹ دیلمی
۷۲	بوقت نزول عیسیٰ علیہ السلام یہ لوگ نماز کے لئے صفیں درست کرتے ہوئے ہوں گے۔	
۷۳	اس جماعت کے امام اس وقت حضرت مہدی ہوں گے۔	حدیث ۱۳ و ۴۱ تا ۴۲
۷۴	حضرت مہدی عیسیٰ علیہ السلام کو امامت کے لئے بلائیں گے اور وہ انکار کریں گے	حدیث ۳ مسلم و احمد
۷۵	جب حضرت مہدیؑ پیچھے ہٹنے لگیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر انہیں کو امام بنائیں گے۔	حدیث ۱۳ ابوداود، ابن ماجہ ابن حبان، ابن خزیمہ
۷۶	پھر حضرت مہدیؑ نماز پڑھائیں گے۔	حدیث ۴۱ ابونعیم

بعد نزول آپ کتنے دنوں دنیا میں رہیں گے

نمبر	بیان	حوالہ
۷۷	آپ چالیس سال دنیا میں قیام فرمائیں گے۔	حدیث ۱۰ ابوداؤد، ابن ابی شیبہ احمد، ابن حبان، ابن جریر

بعد نزول آپ کا نکاح اور اولاد

نمبر	بیان	حوالہ
۷۸	حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں نکاح ہوگا۔	حدیث ۳۷ فتح الباری و ۵۹ حدیث ۱۰۱ کتاب الخطط للمقریزی
۷۹	بعد نزول آپ کے اولاد ہوگی۔	حدیث ۳۷ مذکور

نزول کے بعد مسیح موعودؑ کے کارنامے

نمبر	بیان	حوالہ
۸۰	آپ صلیب توڑیں گے یعنی صلیب پرستی کو مٹا دیں گے	حدیث ۱ بخاری و مسلم

۸۱	خنزیر کو قتل کریں گے یعنی نصرانیت کو مٹائیں گے۔	حدیث ع۱ بخاری و مسلم
۸۲	آپ نماز سے فارغ ہو کر دروازۂ مسجد کھلوائیں گے اور اس کے پیچھے دجال ہوگا	حدیث ع۱۳
۸۳	دجال اور اس کے ساتھیوں سے جہاد کریں گے۔	، ،
۸۴	دجال کو قتل فرمائیں گے۔	، ،
۸۵	دجال کا قتل ارضِ فلسطین میں بابِ لُد کے پاس واقع ہوگا۔	، ،
۸۶	اس کے بعد تمام دنیا مسلمان ہو جائے گی	، ،
۸۷	جو یہودی باقی ہوں گے چُن چُن کر قتل کر دئے جائیں گے۔	، ،
۸۸	کسی یہودی کو کوئی چیز پناہ نہ دے سکے گی	، ،
۸۹	یہاں تک کہ درخت اور پتھر بول اٹھیں گے کہ ہمارے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔	، ،
۹۰	اس وقت اسلام کے سوا تمام مذاہب مٹ جائیں گے۔	حدیث ع۱، ابوداؤد، احمد، ابن ابی شیبہ، ابن حبان، ابن جریر
۹۱	اور جہاد موقوف ہو جائے گا۔ کیونکہ کوئی کافر ہی باقی نہ رہے گا۔	حدیث ع۱ بخاری و مسلم
۹۲	اور اس لئے جزیہ کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔	حدیث ع۲ مسند احمد
۹۳	مال و زر لوگوں میں اتنا عام کر دیں گے کہ کوئی قبول نہ کرے گا۔	حدیث ع۱ مذکور
۹۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کی امامت کریں گے۔	حدیث ع۲ مسلم، مسند احمد

نمبر	واقعہ	حوالہ
۹۵	حضرت مسیح مقام فج الروحا میں تشریف لے جائیں گے۔	حدیث ۳۲ مسلم، مسند احمد
۹۶	حج یا عمرہ یا دونوں کریں گے۔	" " "
۹۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر تشریف لے جائیں گے	" درمنثور
۹۸	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سلام کا جواب دیں گے جس کو سب حاضرین سنیں گے۔	

مسیح موعودؑ لوگوں کو کس مذہب پر چلائیں گے

نمبر	واقعہ	حوالہ
۹۹	آپ قرآن و حدیث پر خود بھی عمل کریں گے اور لوگوں کو بھی اس پر چلائیں گے۔	حدیث ۵۵ اشاعہ

مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ظاہری و باطنی برکات

نمبر	واقعہ	حوالہ
۱۰۰	ہر قسم کی دینی و دنیوی برکات نازل ہوں گے۔	حدیث ۵ مسلم، ابوداؤد ترمذی، مسند احمد۔
۱۰۱	سب کے دلوں سے بغض و حسد اور کینہ نکل جائے گا۔	حدیث ۱ مسلم وغیرہ
۱۰۲	ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ ایک جماعت کے لئے کافی ہوگا۔	حدیث ۵ مذکور
۱۰۳	ایک دودھ دینے والی اونٹنی لوگوں کی ایک جماعت کے لئے کافی ہوگی۔	" "
۱۰۴	ایک دودھ والی بکری ایک قبیلہ کیلئے کافی ہو جائیگی۔	" "
۱۰۵	ہر ڈنک والے زہریلے جانور کا ڈنک وغیرہ نکال لیا جائے گا۔	حدیث ۱۳ ابوداؤد، ابن ماجہ

۱۰۶	یہاں تک کہ ایک لڑکی اگر سانپ کے منہ میں ہاتھ دے گی تو وہ اس کو نقصان نہ پہنچائے گا۔	حدیث ۱۳ ابوداؤد ابن ماجہ
۱۰۷	ایک لڑکی شیر کو بھگا دے گی اور وہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے گا۔	〃 〃
۱۰۸	بھیڑیا، بکریوں کے ساتھ ایسا رہے گا جیسے کتا، ریوڑ کی حفاظت کے لئے رہتا ہے۔	〃 〃
۱۰۹	ساری زمین مسلمانوں سے اس طرح بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے بھر جاتا ہے۔	〃 〃
۱۱۰	صدقات کا وصول کرنا چھوڑ دیا جائے گا	〃 〃

یہ برکات کتنی مدت تک رہیں گی ؟

۱۱۱	یہ برکات سات سال تک رہیں گی۔	حدیث ۶ مسلم واحمد، حاکم

لوگوں کے حالات متفرقہ جو مسیح موعود کے وقت میں ہوں گے

۱۱۲	رومی لشکر مقام اعماق یا دابق میں اترے گا	حدیث ۷ مسلم
۱۱۳	ان سے جہاد کے لئے مدینہ منورہ سے ایک لشکر چلے گا۔	〃 〃
۱۱۴	یہ لشکر اپنے زمانہ کے بہترین لوگوں کا مجمع ہوگا۔	〃 〃
۱۱۵	ان کے جہاد میں لوگوں کے تین ٹکڑے ہو جائیں گے۔	〃 〃
۱۱۶	ایک تہائی حصہ شکست کھائے گا۔	〃 〃
۱۱۷	ایک تہائی شہید ہو جائے گا۔	〃 〃

۱۱۸	ایک تہائی فتح پا جائیں گے۔	حدیث ۷ مسلم
۱۱۹	قسطنطنیہ فتح کریں گے۔	" "

پہلے خروج دجال کی غلط خبر مشہور ہونا

۱۲۰	جس وقت وہ غنیمت تقسیم کرنے میں مشغول ہوں گے تو خروج دجال کی غلط خبر مشہور ہو جائے گی۔	حدیث ۷ مسلم
۱۲۱	لیکن جب یہ لوگ ملک شام میں واپس آئیں گے تو دجال نکل آئے گا	" "

اس زمانے میں عرب کا حال

۱۲۲	عرب اس زمانہ میں بہت کم ہوں گے اور سب کے سب بیت المقدس میں ہوں گے۔	حدیث ۱۳ ابوداؤد، ابن ماجہ

لوگوں کے بقیہ حالات

۱۲۳	مسلمان دجال سے بچ کر افیق پہاڑ پر جمع ہو جائیں گے (یہ پہاڑ ملک شام میں ہے)۔	حدیث ۱۶ احمد، حاکم، طبرانی
۱۲۴	اس وقت مسلمان سخت فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں گے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ اپنی کمان کا چلہ جلا کر کھا جائیں گے۔	" " " "
۱۲۵	اس وقت اچانک ایک منادی آواز دے گا کہ تمہارا فریادرس آگیا۔	" "
۱۲۶	لوگ تعجب سے کہیں گے کہ یہ تو کسی پیٹ بھرے ہوئے کی آواز ہے۔	" "

غزوۂ ہندوستان کا ذکر

۱۲۷	ایک مسلمانوں کا لشکر ہندوستان پر چڑھائی کرے گا اور اس کے بادشاہوں کو قید کرلے گا۔	حدیث ۴۶	ابو نعیم
۱۲۸	یہ لشکر اللہ کے نزدیک مقبول اور مغفور ہوگا	"	"
۱۲۹	جس وقت یہ لشکر واپس ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام کو ملک شام میں پائے گا۔	"	"
۱۳۰	بنی عباس اس وقت گاؤں میں ہوں گے	حدیث ۴۹	ابن نجار
۱۳۱	اور سیاہ کپڑے پہنیں گے۔	"	"
۱۳۲	اور ان کے متبعین اہل خراسان ہوں گے	"	"
۱۳۳	لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعتماد پر تمام دنیا سے مستغنی ہو جائیں گے	"	"

مسیح موعودؑ کے زمانہ کے اہم واقعات

آپ کے نزول سے پہلے دجال کا خروج

۱۳۴	شام و عراق کے درمیان دجال نکلے گا۔	حدیث ۵	مذکور

دجال کی علامات

۱۳۵	اس کی پیشانی پر کافر اس صورت میں لکھا ہوگا ک ، ف ، ر	حدیث ۳۱	مسند احمد
۱۳۶	وہ بائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔	"	"
۱۳۷	داہنی آنکھ میں سخت ناخنہ ہوگا۔	"	"

نمبر	بیان	حوالہ	
۱۳۸	تمام دنیا میں پھر جائے گا۔ کوئی جگہ باقی نہ رہے گی جس کو وہ فتح نہ کرے۔	حدیث ع۱/۲۱ مسند احمد	
۱۳۹	البتہ حرمین، مکہ و مدینہ اُس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔	〃 〃	
۱۴۰	مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے ہر راستہ پر فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ جو دجّال کو اندر نہ گھسنے دیں گے۔	حدیث ع/۱۳	
۱۴۱	جب مکہ و مدینہ سے دفع کر دیا جائےگا تو ظریب احمر میں سنجہ (کھاری زمین) کے ختم پر جا کر ٹھیرے گا۔	〃 〃	
۱۴۲	اس وقت میں تین زلزلے آئیں گے جو منافقین کو مدینہ سے نکال پھینکیں گے اور تمام منافق مرد و عورت دجال کے ساتھ ہو جائیں گے۔	حدیث ع/۳۶ مسند احمد	
۱۴۳	اس کے ساتھ ظاہری طور پر جنت و دوزخ ہوگی مگر حقیقت میں اُس کی جنت دوزخ اور دوزخ جنت ہوگی۔	حدیث ۱/۳۱ مسند احمد	
۱۴۴	اُس کے زمانہ میں ایک دن سال بھر کے برابر اور دوسرا مہینہ کے برابر اور تیسرا ہفتہ کے برابر ہوگا۔ اور پھر باقی ایام عادت کے موافق ہوں گے	〃 〃	
۱۴۵	وہ ایک گدھے پر سوار ہوگا جس کے دونوں ہاتھوں کا درمیانی فاصلہ چالیس ۴۰ ہاتھ ہوگا	〃 〃	
۱۴۶	اس کے ساتھ شیاطین ہوں گے جو لوگوں سے کلام کریں گے۔	〃 〃	

۱۴۷	جب وہ بادل کو کہے گا فوراً بارش ہو جائے گی	حدیث ۵ مذکور	
۱۴۸	اور جب چاہے گا تو قحط پڑ جائے گا۔	" "	
۱۴۹	مادرزاد اندھے اور ابرص کو تندرست کر دے گا۔	حدیث ۳۸ طبرانی	
۱۵۰	زمین کے پوشیدہ خزانوں کو حکم دے گا تو فوراً باہر آکر اس کے پیچھے ہو جائیں گے	" "	
۱۵۱	دجال ایک نوجوان آدمی کو بلائے گا اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے بیچ سے کر دیگا اور پھر اُس کو بلائے گا تو وہ صحیح سالم ہو کر ہنستا ہوا سامنے آجائے گا۔	" "	
۱۵۲	اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے جن کے پاس جڑاؤ تلواریں اور ساج ہوں گے۔	حدیث ۱۳۱ ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ	
۱۵۳	لوگوں کے تین فرقے ہو جائیں گے۔ ایک فرقہ دجال کا اتباع کرے گا۔ اور ایک فرقہ اپنی کاشت کاری میں لگا رہے گا اور ایک فرقہ دریائے فرات کے کنارے پر اس کے ساتھ جہاد کرے گا۔	حدیث ۷ ابن ابی شیبہ، عباس بن حمید، حاکم، بیہقی و ابن ابی حاتم۔	
۱۵۴	مسلمان ملک شام کی بستیوں میں جمع ہو جائیں گے اور دجال کے پاس ایک ابتدائی لشکر بھیجیں گے	" "	
۱۵۵	اس لشکر میں ایک شخص ایک سرخ (یا سیاہ، سفید) گھوڑے پر سوار ہوگا اور یہ سارا لشکر شہید ہو جائے گا ان میں سے ایک بھی واپس نہ آئے گا۔	" "	

دجّال کی ہلاکت اور اس کے لشکر کی شکست

۱۵۶	دجّال جب حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام کو دیکھے گا تو اس طرح پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔	حدیث ۱۳ مذکور
۱۵۷	اُس وقت تمام یہودیوں کو شکست ہوگی	حدیث ۱۳ و ۱۴

یاجُوج ماجُوج کا نکلنا اور ان کے بعض حالات

۱۵۸	اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو نکالے گا جن کا سیلاب تمام عالم کو گھیر لے گا۔	حدیث ۵ مذکور
۱۵۹	اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تمام مسلمانوں کو طور پہاڑ پر جمع فرمائیں گے۔	〃 〃
۱۶۰	یاجوج ماجوج کا ابتدائی حصہ جب دریائے طبریہ پر گذرے گا تو سب دریا کو پی کر صاف کر دے گا۔	〃 〃
۱۶۱	اس وقت ایک بیل لوگوں کے لئے سَو دینار سے بہتر ہوگا (بوجہ قحط کے یا دنیا سے قلتِ رغبت کی وجہ سے)	〃 〃

مسیح موعود کا یاجُوج ماجُوج کیلئے بددعا فرمانا اور انکی ہلاکت

۱۶۲	اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام یاجوج ماجوج کے لئے بددعا فرمائیں گے۔	حدیث ۵ مذکور
۱۶۳	اللہ تعالیٰ اُن کے گلوں میں ایک گلٹی نکال دے گا جس سے سب کے سب دفعۃً مرے ہوئے رہ جائیں گے۔	〃 〃

حضرت عیسیٰؑ کا جبلِ طور سے اُترنا

نمبر	مضمون	حوالہ
۱۶۴	اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو لیکر جبلِ طور سے زمین پر اُتریں گے۔	حدیث ۵ مذکور
۱۶۵	مگر تمام زمین یاجوج ماجوج کے مُردوں کی بدبو سے بھری ہوئی ہوگی۔	〃 〃
۱۶۶	حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا فرمائیں گے کہ بدبو دور ہوجائے۔	〃 〃
۱۶۷	اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جس سے تمام زمین دُھل جائے گی۔	〃 〃
۱۶۸	پھر زمین اپنی اصلی حالت پر پھولوں اور پھلوں سے بھر جائے گی۔	〃 〃

مسیح موعودؑ کی وفات اور اس سے قبل و بعد کے حالات

نمبر	مضمون	حوالہ
۱۶۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو فرمائیں گے کہ میرے بعد ایک شخص کو خلیفہ بنائیں جس کا نام مُقعد ہے۔	حدیث ۵۵ الاشاعۃ للبرزنجی
۱۷۰	اس کے بعد آپ کی وفات ہوجائے گی	حدیث ۵۵ و ۵۱ مسند احمد و حافظ
۱۷۱	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر میں چوتھی قبر آپ کی ہوگی۔	〃 〃
۱۷۲	لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعمیلِ ارشاد کے لئے مُقعد کو خلیفہ بنائیں گے۔	〃 〃
۱۷۳	پھر مُقعد کا بھی انتقال ہوجائے گا۔	〃 〃
۱۷۴	پھر لوگوں کے سینوں سے قرآن اٹھا لیا جائے گا۔	〃 〃

۱۷۵	یہ واقعہ مُقتدر کی موت سے تین سال بعد ہوگا۔	حدیث ۵۵ و ۵۷۱ مسند احمد وحافظ۔
۱۷۶	اس کے بعد قیامت کا حال ایسا ہوگا جیسے کوئی پورے نو مہینہ کی حاملہ کہ معلوم نہیں کب ولادت ہو جائے۔	؍؍
۱۷۷	اس کے بعد قیامت کی بالکل قریبی علامات ظاہر ہوں گی۔	؍؍

ذالك عیسیٰ ابن مریم قول الحق الذی فیه یمترون!

مسیح موعود علیہ السلام کی مکمل سوانح حیات اور عمر بھر کے کارنامے اور ان کے مسکن ومدفن کا پورا جغرافیہ اس تفصیل وتحقیق کے ساتھ قرآنی آیات اور حدیثی روایات میں جب ایک سمجھ دار آدمی کے سامنے آتا ہے تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ لاکھوں انبیاء علیہم السلام کی عظیم الشان جماعت میں سے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے کہ ان کے تذکرہ کو قرآن وحدیث نے اتنی زیادہ اہمیت دی ہے کہ کسی اور نبی کے لئے اس کا عشر عشیر بھی مذکور نہیں۔ یہاں تک کہ سید الاولین والآخرین خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طیبات اور سیرت وشمائل بھی قرآن عزیز میں اس تفصیل وتوضیح کے ساتھ نظر نہیں آتے۔ حالانکہ تمام انبیاء ورسل کی جماعت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت وعظمت باجماع امت ثابت ہونے کے علاوہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے مقاصد میں بتصریح قرآن مجید یہ بھی ایک اہم مقصد ہے کہ دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا اعلان فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت کا سکہ قلوب پر بٹھادیں۔ ان حالات پر نظر کرتے ہوئے یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کی یہ اہمیت ضرور کسی بڑی مصلحت وحکمت پر مبنی ہے۔

پھر جب ذرا تأمل سے کام لیا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ خصوصی اہمیت بھی ان عنایات الٰہیہ کا نتیجہ ہے جو ازل سے امت محمدیہ کی قسمت میں مقدر ہو چکی تھی اور حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت اللعالمین کا ایک مظہر ہے۔ جس نے امت کے لئے مذہبی شاہراہ کو اتنا ہموار اور صاف کر چھوڑا ہے کہ اس کا لیل ونہار برابر ہے۔ اس راستہ کے قدم قدم پر ایسے نشانات بتلادیئے ہیں کہ چلنے والے کو کہیں التباس پیش نہیں آسکتا۔

یعنی قیامت تک جتنے قابل اقتداء انسان پیدا ہونے والے تھے ان میں اکثر کے نام

لے لے کر ان کی مفصل کیفیات پر امت کو مطلع فرمادیں تاکہ اپنے اپنے وقت میں یہ بزرگان دین ظاہر ہوں تو امت ان کے قدم لے اور ان کے افعال واقوال کو اپنا اسوہ بنائے۔

پھر ارشاد وہدایت کے سلسلہ میں چونکہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت کی شان امتیاز رکھتے ہیں۔اس لئے ان کے ذکر کی اہمیت سب سے زیادہ ہونا لازمی تھی۔ کیونکہ نبی کی شان تمام دنیا سے برتر ہے۔اس کی ادنیٰ توہین وتنقیص کا اشارہ بھی کفر صریح ہے۔تمام مرشدین اور مجددین امت کی شخصی معرفت میں اگر کوئی شبہ باقی بھی رہے تو بجز اس کے کہ ان کی برکات وفیوض سے محرومی ہو۔امت کے ایمان کا خطرہ نہیں ہے۔ بخلاف مسیح علیہ السلام کے کہ اگر ان کی علامات اور پہچان میں کوئی شبہ کا موقع یا التباس کی گنجائش رہے اور امت مرحومہ ان کو نہ پہچانے تو یہاں کفر وایمان کا سوال پیدا ہو جاتا ہے اور امت کا ایمان خطرہ میں آ جاتا ہے۔اندیشہ قوی ہوتا ہے کہ نہ پہچاننے کی وجہ سے امت آپ کی توہین وتنقیص میں مبتلا ہو کر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور پھر دجالی فتنوں اور یاجوج ماجوج کی بلاؤں کا شکار ہو جائے۔

اس لئے رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا کہ مسیح علیہ السلام کی پہچان کو اتنا روشن فرمادیں کہ کسی بصیر انسان کو ان سے آنکھ چرانے کی مجال نہ رہے۔خدا کی ہزاراں ہزار رحمتیں اور بے شمار درود اس حریص بالمؤمنین اور رؤف ورحیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے اس مسئلہ کو اتنا صاف اور روشن فرمادیا کہ اس سے زیادہ عادۃً ناممکن ہے۔

دنیا میں ایک شخص کی تعریف اور پہچان کے لئے اس کا نام اور ولدیت وسکونت وغیرہ دو تین اوصاف بتلا دینا ایسا کافی ہو جاتا ہے کہ پھر اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ایک کارڈ پر جب یہ دو تین نشان لکھ دیئے جاتے ہیں تو مشرق سے مغرب میں ٹھیک اپنے مکتوب الیہ کے پاس پہنچتا ہے۔اور کسی دوسرے کو یہ مجال نہیں ہوتی کہ اس پر اپنا حق ثابت کردے یا چٹھی رساں سے یہ کہہ کر لے لے کہ میں ہی اس کا مکتوب الیہ ہوں۔

لیکن ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انہیں نشانات کے بتلا دینے پر اکتفاء نہیں فرمایا۔بلکہ مسیح علیہ السلام کے نام کی جو چٹھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں دی ہے اس کی پشت پر پتہ کی جگہ ان کی ساری سوانح عمری اور شمائل وخصائل' حلیہ' لباس' اور عملی کارنامے بلکہ ان کے مقام نزول اور جائے قرار اور مسکن ومدفن کا پورا جغرافیہ تحریر فرمادیا ہے۔اور پھر اسی پر بس نہیں فرمائی بلکہ آپ کا شجرہ نسب اور آپ کے متعلقین تک کے احوال کو مفصل لکھ دیا ہے۔مگر افسوس کہ اس پر بھی بعض قزاق اس فکر میں ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تمام کوشش پر (خاکش بدہن) خاک ڈال کر اس

چھٹی کو قبھالیں اور اس طرح دنیا میں مسیح موعود بن بیٹھیں۔

مرزائیوں سے چند سوال

مجھ کو یہ پوچھنا ہے مرزا سے
یہ کبھی ہوش میں بھی آتے ہیں

لوگ جو ناواقفیت یا کسی مغالطہ وغلط فہمی سے مرزائیت کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں میں ان کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کا واسطہ دے کر دلی خیر خواہی اور ہمدردی سے عرض کرتا ہوں کہ یہ دین وآخرت کا معاملہ ہے۔ ہر شخص کو اپنی قبر میں اکیلا جانا اور حساب دینا ہے۔ کوئی جتھا اور جماعت وہاں کام نہ آئے گی۔ خدا کے لئے ہوش میں آئیں اور عقل خداداد سے کام لیں اور سمجھیں کہ کیا مرزا غلام احمد قادیانی انہیں اوصاف وعلامات اور نشانات کے آدمی تھے جو سید الانبیاء ﷺ نے مسیح موعود کی پہچان کے لئے امت کے سامنے رکھے ہیں۔

۱...... کیا مرزا قادیانی کا نام ''غلام احمد'' نہیں بلکہ ''عیسیٰ'' ہے؟۔

۲...... کیا ان کی والدہ کا نام ''چراغ بی بی'' نہیں بلکہ ''مریم'' ہے؟۔

۳...... کیا ان کے والد ''غلام مرتضیٰ'' نہیں۔ بلکہ بے باپ کی پیدائش ہے؟۔

۴...... کیا ان کا مولد ''قادیان'' جیسا کوردہ نہیں۔ بلکہ ''دمشق'' ہے۔ یا قادیان دمشق کے ضلع یا صوبہ میں واقع ہے؟۔

۵...... کیا ان کا مدفن ''قادیان'' نہیں بلکہ ''مدینہ طیبہ'' ہے؟۔

۶...... کیا ان کے نانا ''عمران'' اور ماموں ''ہارون'' اور نانی ''حنہ'' ہیں؟۔

۷...... کیا ان کی والدہ کی تربیت حضرت مریم کی طرح ہوئی ہے؟............اور

۸...... کیا ان کی نشوونما ایک دن میں اتنا ہوا جتنا ایک سال میں بچہ کا ہوتا ہے؟۔

۹...... کیا ان کے پاس غیبی رزق آتا تھا؟

۱۰...... کیا فرشتے ان سے کلام کرتے تھے؟۔

۱۱...... کیا مرزا قادیانی کی پیدائش جنگل میں کھجور کے درخت کے نیچے ہوئی؟۔

۱۲...... کیا ان کی والدہ نے پیدائش کے بعد درخت کھجور کو ہلا کر کھجوریں کھائی تھیں؟۔

۱۳...... کیا مرزا قادیانی نے کسی مردے کو زندہ کیا ہے؟۔

۱۴...... کیا انہوں نے کسی برص کے بیمار یا مادرزاد اندھے کو خدا سے اذن پا کر شفاء دی ہے؟۔

۱۵...... کیا مٹی کی چڑیوں میں بحکم خداوندی جان ڈالی ہے؟۔

۱۶...... کیا وہ آسمان پر گئے ہیں اور پھر اترے ہیں؟۔

۱۷...... کیا ان کے سانس کی ہوا سے کافر مر جاتے تھے[1]؟۔

۱۸...... کیا ان کے سانس کی ہوا اتنی دور پہنچتی تھی جہاں تک ان کی نظر پہنچے؟۔

۱۹...... کیا وہ دمشق کی جامع مسجد میں گئے ہیں؟۔

۲۰...... کیا ان کا نکاح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں ہوا ہے؟۔

۲۱...... کیا انہوں نے دنیا سے صلیب پرستی اور نصرانیت کو مٹایا ہے یا اوران کے زمانہ میں نصرانیت کو ترقی ہوئی؟۔

۲۲...... کیا ان کے زمانہ میں ان اوصاف کا دجال نکلا ہے جو بحوالہ احادیث ہم نے نقشہ میں درج کئے ہیں؟۔

۲۳...... کیا انہوں نے ایسے دجال کو حربہ سے قتل کیا ہے؟۔

۲۴...... کیا انہوں نے اوران کی جماعت نے یہودیوں کو قتل کیا ہے؟۔

۲۵...... کیا کسی نے ان کے زمانہ میں پتھروں اور درختوں کو بولتے دیکھا ہے؟۔

۲۶...... کیا انہوں نے مال و دولت کو اتنا عام کر دیا ہے کہ اب کوئی لینے والا نہیں ملتا؟۔ یا اور افلاس، فقر و فاقہ اور ذلت ان کے قدموں کی برکت سے دنیا میں پھیل گئے؟۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مرزا قادیانی میں باوجود مسیح یا مثیل مسیح کے دعویٰ یہ وصف نہ ہوا۔ ورنہ ساری دنیا خالی ہو جاتی۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ اور ہنود واقعی کافر ہیں ہی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک دنیا کے کروڑوں مسلمان بھی کافر ہیں۔ (حقیقت الوحی ص ۱۷۹، خزائن ج ۲۲ ص ۱۸۵) میرا ماننا مدار نجات کے لئے ضروری ہے۔ (اربعین نمبر ۴ ص ۶، خزائن ج ۱۷ ص ۴۳۵) میرا مخالف جہنمی ہے۔ (انجام آتھم ص ۶۲، خزائن ج ۱۱ ص ۶۲، تذکرہ ص ۱۶۳، ۳۳۶) جس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں۔ (تذکرہ ص ۶۰۷)

۲۷...... کیا آسمانی برکات پھلوں اور درختوں میں اس طرح ظاہر ہوئیں کہ ایک انار ایک جماعت کے لئے' ایک بکری کا دودھ ایک قبیلہ کے لئے کافی ہو جائے؟۔

۲۸...... کیا انہوں نے لوگوں کے قلوب میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا یا نفاق وخلاف کی طرح ڈالی؟۔

۲۹...... کیا بغض وحسد لوگوں کے قلوب سے اٹھ گیا یا اور زیادہ ہو گیا؟۔

۳۰...... کیا بچھو سانپ وغیرہ کا زہر بے کار ہو گیا؟۔

۳۱...... کیا مرزا قادیانی کو حج یا عمرہ دونوں کرنا نصیب ہوا ہے؟۔

۳۲...... کیا مرزا قادیانی کبھی مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر تشریف لے گئے ہیں؟۔

۳۳...... کیا ان کے زمانہ میں یاجوج ماجوج نکلے ہیں؟۔ کیا ان کے مردوں سے تمام زمین آلودہ نجاست وبدبو ہوئی اور مرزا قادیانی کی دعا سے بارش نے اس کو دھویا ہے؟۔

۳۴...... کیا مرزا قادیانی نے کسی مقعد نامی آدمی کو خلیفہ بنایا ہے؟۔

۳۵...... کیا مرزا قادیانی کو مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہوئی؟۔

الغرض مسیح علیہ السلام کے حالات ونشانات کا مکمل نقشہ بحوالہ قرآن وحدیث آپ کے سامنے ہے۔ آنکھیں کھول کر ایک ایک نشان اور ایک ایک علامت کو مرزا قادیانی میں تلاش کیجئے اور خدا تعالیٰ کی نظروں سے غائب ہیں تو مخلوق ہی سے شرمایئے کہ رسول مقبول ﷺ کی یہ چٹھی جس پر یہ نشانات اور یہ پتہ لکھا ہوا ہے۔ آپ کس کے سپرد کرتے ہیں؟۔ اور اگر کہیں مرزا غلام احمد قادیانی سے مراد عیسیٰ اور چراغ بی بی سے مریم اور دمشق اور مدینہ سے قادیان اور نصرانیت کے مٹانے سے مراد اس کی ترقی اور عزت سے مراد ذلت ہے تو اس خانہ ساز مرزائی لغت پر قرآن اور احادیث نبویہ کی اس تحریف بلکہ ان کا مضحکہ بنانے کو کیا واقعی تمہاری عقل قبول کرتی ہے؟۔ اور کیا دنیا میں کوئی انسان اس پر راضی ہو سکتا ہے۔ اور اگر تحریفات وتاویلات اور استعارات کی یہی گرم بازاری ہے تو پھر کیا دنیا کا کوئی کام یا کوئی معاملہ درست رہ سکتا ہے؟۔

ہم تو جب جانیں کہ مرزا قادیانی یا ان کی امت کسی عیسیٰ نامی دمشقی آدمی کا ایک کارڈ چٹھی رساں سے یہ کہہ کر وصول کر لیں کہ آسمان میں قادیان ہی کا نام دمشق ہے اور میرا ہی نام عیسیٰ

ہےاور چراغ بی بی ہی کا نام مریم ہے۔کبھی یہ کہہ کر دیکھو کہ چٹھی رساں اور ساری دنیا تمہیں کیا کہے گی؟۔

ہاں! مگر رسول کریم ﷺ کی اس چٹھی کو لاوارث سمجھ کر راستہ میں اڑانا چاہتے ہیں۔مگر یاد رہے کہ آج بھی آپ ﷺ کے وہ وارث موجود ہیں جو آپ ﷺ ہی کی لکیر کے فقیر ہیں اور اسی کو اپنی بادشاہی سمجھتے ہیں اور اسی عہد پر جان دے دینے کو اپنی فلاح دارین جانتے ہیں جو نبی کریم ﷺ سے باندھ چکے ہیں:

اگرچہ خرمن عمرم غم تو داد بباد

بخاك پائے عزیزت كه عهد نشكستم

اس لئے ہم بعون اللہ تعالیٰ بابانگ دہل کہتے ہیں کہ مرزائی امت کتنا ہی زور لگائے مگر یہ والا نامہ اسی مکتوب الیہ کو ملے گا جس کے نام پر آج سے تیرہ سو برس پہلے آنحضرت ﷺ نے تحریر فرمایا اور بروایت ابو ہریرہؓ ان کو سلام پہنچایا ہے۔

واللہ باللہ! ہمیں مرزا قادیانی سے کوئی عداوت نہیں۔کون چاہتا ہے کہ گھر آئے ہوئے مسیح کو اور ان کی مسیحائی کو ٹھکرائے؟۔بالخصوص ایسے وقت جب کہ قوم کو مسیح کی سخت حاجت ہے۔ مگر بات وہی ہے کہ مسیح تو ماننے کے لئے تیار ہیں مگر کوئی مسیحائی بھی تو دکھلائے:

ہوں میں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو
جان دینے کو ہوں موجود کوئی بات تو ہو

دل بھی حاضر سرتسلیم بھی خم کو موجود
کوئی مرکز ہو کوئی قبلہ حاجات تو ہو

دل تو بے چین ہے اظہار ارادات کے لئے
کسی جانب سے کچھ اظہار کرامات تو ہو

دل کشابادہ صافی کا کسے ذوق نہیں
باطن افروز کوئی پیر خرابات تو ہو

مسلمانو! آپ کی مذہبی غیرت وحمیت اور خداداد عقل وفہم کو کیا ہوا کہ آپ کو مشاہدات اور بدیہیات کے انکار کی طرف بلایا جاتا ہے اور آپ ذرا عقل سے کام نہیں لیتے:

اے کشتہ ستم! تیری غیرت کو کیا ہوا؟

خدا کے لئے ذرا ہوش میں آ ؤ اور اس فتنہ کے انجام پر نظر ڈالو کہ اگر یہی مرزائی لغت اور قادیانی زبان اور اس کے عجیب استعارات رہے تو قرآن وحدیث اور مذہب اسلام کا تو کہنا کیا ساری دنیا کا گھر وندہ اور عالم کا نظام برباد ہو جائے گا۔ایک شخص اگر زید کے گھر پر دعویٰ کرے کہ یہ میرا ہے اور مرزا قادیانی کی طرح کہے کہ آسمانی دفتروں میں میرا ہی نام زید لکھا ہوا ہے اور مالک مکان کی جتنی علامات اور نشانات سرکاری کاغذوں میں درج ہیں ان سب کا مستحق برنگ استعارات میں ہوں تو بتلایئے کہ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟۔اسی طرح اگر ایک مرد کسی غیر منکوحہ پر اسی حیلہ سے اپنی بی بی ہونے کا دعویٰ کرے یا کوئی عورت اسی مرزائی استعارہ کے بل پس کسی غیر مرد کو اپنا خاوند بتائے یا کوئی ملازم دوسرے ملازم کی تنخواہ وصول کر لے یا کوئی بھنگی بادشاہی محل میں گھس کر شاہی بیگمات کو اسی مرزائی فلسفہ کی طرف دعوت دے۔یا ایک قتل عمد کا مجرم اپنا جرم اسی مرزائی استعارات کے ذریعہ کسی دوسرے غریب کے سر ڈال دے اور کہے کہ آسمانی دفتروں میں اسی کا نام وہ ہے جو قاتل کے لئے لکھا ہوا ہے تو فرمایئے کہ مرزائی اصول اور ان کے استعارات کی دنیا کو جائز رکھتے ہوئے کسی کو کیا حق ہے کہ ان لوگوں کی زبان بند کر سکے یا ہاتھ روک سکے اور جب نوبت اس پر پہنچ گئی تو خود سمجھئے کہ دین ومذہب تو کیا خود دنیاداری کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔

الغرض دنیا کے تمام معاملات بیع وشراء لین دین' نکاح وطلاق' جزاء وسزا میں ایک شخص کی تعیین کے لئے جب اس کا نام اور ولدیت وسکونت وغیرہ دو چار وصف ذکر کر دیئے جاتے ہیں تو اس شخص کی تعیین وتمیز ایسی حتمی اور یقینی ہو جاتی ہے کہ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور کسی دوسرے کی مجال نہیں ہوتی کہ اس کے احوال واقوال کو اپنی طرف منسوب کر سکے اور اس کی مملوکات میں تصرف کر سکے۔نہ یہاں کوئی استعارہ چل سکتا ہے نہ مجاز۔دنیا کے تمام کارخانے اسی اسلوب پر قائم ہیں۔

غضب ہے کہ جس شخص کے متعلق خاتم الانبیاء ﷺ نے دو چار نہیں' دس بیس نہیں' ایک سو اسی (۱۸۰) علامات ونشانات امت کو بتلائے ہوں۔امت کو اب بھی اس کی تعیین میں شبہ رہے اور آپ ﷺ کے صاف وصریح ارشادات کو استعارات ومجاز کہہ کر ٹال دے:

ہرگز باور نمے آید زروئے اعتقاد
ایں ہمہ ہاگفتن ودین پمیبر داشتن

بلکہ بلاشبہ یہ آنحضرت ﷺ کی صریح تکذیب اور قرآن وحدیث کو جھٹلانا ہے۔
(نعوذ باللہ منہ)
یا اللہ تو ہماری قوم کو عقل دے اور عقل سے کام لینے کی توفیق دے کہ اس جیسے بدیہیات کے انکار میں مبتلا نہ ہوں۔

والله الهادی وعلیه التکلان

العبد الضعیف
محمد شفیع الدیوبندی غفرلہ ولوالدیہ ومشائخہ
مدرس دارالعلوم دیوبند
شعبان ١٣٤٦ھ

وصول الافکار
الیٰ اصول الاکفار

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی رائے گرامی

رسالہ ''وصول الافکار الی اصول الاکفار'' کے متعلق

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کے ایک مفصل خط پر تنقید کے آخر میں حضرت تھانویؒ نے مندرجہ ذیل جملے تحریر فرمائے ہیں۔ یہ خط ۷ شعبان ۱۳۵۱ھ کا تحریر فرمودہ ہے اور ماہنامہ ''النور'' تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوا تھا اور پھر امداد الفتاویٰ مبوب کی جلد چہارم ص ۵۳۹ پر شائع ہوا ہے۔ وہ جملے یہ ہیں۔

''مولوی محمد شفیع صاحب نے اصول تکفیر میں ایک مختصر اور جامع مانع اور نافع رسالہ لکھا ہے۔ بعض اجزاء میں میں بھی الجھا تھا۔ مگر ان کی تقریر و تحریر سے قریب قریب مسئلہ صاف ہوگیا۔ وہ عنقریب چھپ جاوے گا۔ میں نے اس کا نام رکھا ہے۔ وصول الافکار الی اصول الاکفار۔''

۷ شعبان ۱۳۵۱ھ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

الحمد لله وكفى وسلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ خصوصاً سيدنا محمد المجتبىٰ ومن يهديه اهتدى ۰ اما بعد!

کسی مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہنا دونوں جانب سے نہایت ہی سخت معاملہ ہے۔ قرآن کریم نے دونوں صورتوں پر شدید نکیر فرمائی ہے۔ مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق ارشاد ہے:

''يا ايها الذين امنوا اذا ضربتم فى سبيل الله فتبينوا ولا تقولوا لمن القى اليكم السلام لست مؤمنا ۰ تبتغون عرض الحيوة الدنيا فعندالله

مغانم كثيرة ، كذلك كنتم من قبل فمن الله عليكم فتبينوا، ان الله كان بما تعلمون خبيرا، نساء:٩٤"

"اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمھارے سامنے اطاعت ظاہر کرے۔ دینوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں۔ کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں۔ پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔ سو غور کرو بیشک اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ (یعنی جب تم اول مسلمان ہوئے تھے۔ اگر تمھیں بھی یہی کہہ دیا جاتا کہ تم مسلمان نہیں تو تم کیا کرتے)"

الغرض اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے تو جب تک اس کے کفر کی پوری تحقیق نہ ہو جائے اس کو کافر کہنا ناجائز اور وبال عظیم ہے۔ اسی طرح اس کے مقابل یعنی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت اس آیت میں ہے:

"اتريدون ان تهدوا من اضل الله ومن يضلل الله فلن تجد له سبيلا ، نساء:٨٨"

"کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں۔ اس کے لیے کوئی سبیل نہ پاؤ گے۔"

سلف صالحینؒ صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اور مابعد کے آئمہ مجتہدینؒ نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے کام لینے کی ہدایتیں فرمائیں ہیں۔ حضرات متکلمین اور فقہاء نے اس باب کو نہایت اہم اور دشوار گذار سمجھا ہے۔ اور اس میں داخل ہونے والوں کے لیے بہت زیادہ تیقظ و بیداری کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ قاریؒ نے شفاء میں فرمایا ہے:

"ادخال كافر فى ملة (الاسلامية) اواخراج مسلم عنها عظيم فى الدين ، شفاء ج ٢ ص ٢٤١ فصل تحقيق القول فى اكفار المتأ ولين"

"کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنا (دونوں چیزیں) سخت ہیں۔"

لیکن آج کل اس کے برعکس یہ دونوں معاملے اس قدر سہل سمجھ لئے گئے ہیں کہ کفرد اسلام اورایمان وارتداد کا کوئی معیار اور اصول ہی نہ رہا۔

ایک جماعت ہے جس نے تکفیر بازی کو ہی مشغلہ بنا رکھا ہے۔ ذرا سی خلاف شرع بلکہ خلاف طبع کوئی بات کسی سے سرزدھوئی اور ان کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگا۔ ادنیٰ ادنیٰ فرعی باتوں پر مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ ادھر ان کے مقابل دوسری جماعت ہے جن کے نزدیک اسلام وایمان کوئی حقیقت محصلہ نہیں رکھتے بلکہ وہ ہر اس شخص کو مسلمان کہتے ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے خواہ تمام قرآن وحدیث اور احکام اسلامیہ کا انکار اور توہین کرتا رہے۔ ان کے نزدیک اسلام کے مفہوم میں ہر قسم کا کفر کھپ سکتا ہے۔ انھوں نے ہندوؤں اور دوسرے مذاہب باطلہ کی طرح اسلام کو بھی محض ایک قومی لقب بنا دیا ہے کہ عقائد جو چاہے رکھے اقوال و اعمال میں جس طرح چاہے آزاد رہے۔ وہ بہرحال مسلمان ہے۔ اور اس کو اپنے نزدیک وسعت خیال اور وسعت حوصلہ سے تعبیر کرتے ہیں اور تمام سیاسی مصالح کا محور و مدار اسی کو بنا رکھا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ اس کی کجروی اور افراط وتفریط کے دونوں پہلوؤں سے سخت بیزار ہیں۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کیلئے ایک آسمانی قانون پیش کیا ہے جو شخص اس کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرے اور کوئی تنگی اپنے دل میں اس کے ماننے سے محسوس نہ کرے وہ مسلمان ہے اور جو اس قانون الٰہی کے کسی ادنیٰ حکم کا انکار کر بیٹھے وہ بلاشبہ بلاتردد دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اس کے دائرۂ اسلام میں داخل رکھنے سے اسلام بیزار ہے اور اس کے ذریعہ اسلامی برادری کی مردم شماری بڑھانے سے اسلام اور مسلمانوں کو غیرت ہے۔ اور ان چند لوگوں کے داخل اسلام ماننے سے ہزاروں مسلمانوں کے خارج از اسلام ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ جیسا کہ بہت دفعہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا ہے۔

اور یہ ایک مضرت ایسی ہے کہ اگر فی الواقع ہزاروں مصالح بھی اس کے مقابلہ میں موجود ہوں تو وہ کسی مذہب دوست مسلمان کے لئے ہرگز قابل التفات نہیں ہوسکتیں۔ بالخصوص جب کہ وہ مصالح بھی محض موہوم اور خیالی ہو۔

الغرض ابنائے زمانہ کی اس افراط وتفریط اور کفرد اسلام کے معاملہ میں بے احتیاطی کو دیکھ کر مدت سے خیال ہوتا تھا کہ اس بحث پر ایک مختصر جامع رسالہ لکھا جائے جس میں کفرد اسلام کا معیار ہو۔

اور اصولی طور پر یہ بات واضح کر دی جائے کہ وہ کون سے عقائد یا اقوال ہیں جن کی بنا پر کوئی مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی اثناء میں ذیل کے سوال کا جواب لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ تو اسی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھ دیا گیا جس سے علاوہ اصول تکفیر معلوم ہونے کے بعض فرقوں کا حکم بھی واضح ہو گیا۔ اور مرتد کے بعض احکام بھی معلوم ہو گئے اور مجموعہ کا نام ''وصول الافکار الی اصول الاکفار'' رکھا گیا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم!

سوال اوّل: کفر و اسلام کا معیار کیا ہے اور کس وجہ سے کسی مسلمان کو مرتد یا خارج از اسلام کہا جا سکتا ہے؟

الجواب! ارتداد کے معنی لغت میں پھر جانے اور لوٹ جانے کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان و اسلام سے پھر جانے کو ارتداد اور پھرنے والے کو مرتد کہتے ہیں۔ اور ارتداد کی صورتیں دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی کم بخت صاف طور پر تبدیل مذہب کر کے اسلام سے پھر جائے۔ جیسے عیسائی، یہودی، آریہ سماجی وغیرہ مذہب اختیار کرے۔ یا خداوند عالم کے وجود یا توحید کا منکر ہو جائے۔ یا آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار کر دے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

دوسرے یہ کہ اس طرح صاف طور پر تبدیل مذہب اور توحید و رسالت سے انکار نہ کرے۔ لیکن کچھ اعمال یا اقوال یا عقائد ایسے اختیار کرے جو انکار قرآن مجید یا انکار رسالت کے مرادف و ہم معنی ہیں۔ مثلاً اسلام کے کسی ایسے ضروری و قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے جس کا ثبوت قرآن مجید کی نص صریح سے ہو یا آنحضرت ﷺ سے بطریق تواتر ثابت ہوا ہو۔ یہ صورت بھی باجماع امت ارتداد میں داخل ہے۔ اگرچہ اس ایک حکم کے سوا تمام احکام اسلامیہ پر شدت کے ساتھ پابند ہو۔

ارتداد کی اس دوسری صورت میں اکثر مسلمان غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور یہ اگرچہ بظاہر ایک سطحی اور معمولی غلطی ہے۔ لیکن اگر اس کے ہولناک نتائج پر نظر کی جائے تو اسلام اور مسلمان کے لئے اس سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں کفر و اسلام کے حدود ممتاز نہیں رہتے۔ کافر و مومن میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ اسلام کے چالاک دشمن اسلامی برادری کے ارکان بن کر مسلمانوں کے لئے ''مار آستین'' بن سکتے ہیں۔ اور دوستی کے لباس میں دشمنی کی ہر قرارداد کو مسلمانوں میں نافذ کر سکتے ہیں۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس صورت ارتداد کی توضیح کسی قدر تفصیل کے ساتھ کر

دی جائے اور چونکہ ارتداد کی صحیح حقیقت ایمان کے مقابلہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔اس لئے پہلے اجمالاً ایمان کی تعریف اور پھر ارتداد کی حقیقت لکھی جاتی ہے۔

ایمان وارتداد کی تعریف

ایمان کی تعریف مشہور ومعروف ہے جس کے اہم جز ودو ہیں۔ایک حق سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان لانا۔دوسرے اس کے رسول ﷺ پر۔لیکن جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان کے یہ معنی نہیں کہ صرف اس کے وجود کا قائل ہو جائے۔ بلکہ اس کی تمام صفات کاملہ علم' سمع' بصر' قدرت وغیرہ کو اسی شان کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن وحدیث میں بتلائی ہیں۔ورنہ یوں تو ہر مذہب وملت کا آدمی خدا کے وجود وصفات کو مانتا ہے۔یہودی' نصرانی' مجوسی' ہندو سب ہی اس پر متفق ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا بھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپ ﷺ کے وجود کو مان لے کہ آپ ﷺ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔تریسٹھ سال عمر ہوئی۔فلاں فلاں کام کئے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی حقیقت وہ ہے جو قرآن مجید میں بالفاظ ذیل بتلائی ہے:

"فلا وربك لايؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لايجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليما ۰ نساء: ۶۵"

"قسم ہے آپ ﷺ کے رب کی یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپ ﷺ کو اپنے تمام نزاعات واختلافات میں حکم نہ بنا دیں اور پھر جو فیصلہ آپ ﷺ فرمادیں اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کو پوری طرح تسلیم نہ کرلیں۔"

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر سلف سے اس طرح نقل فرمائی ہے:

"فقد روى عن الصادقؒ انه قال لو ان قوما عبدوا الله تعالىٰ واقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوة وصاموا رمضان وحجوا البيت ثم قالوا الشئى صنعه رسول الله ﷺ الاّ صنع خلاف ماصنع او وجدوا في انفسهم حرجاً لكانوا مشركين ۰ روح المعانى ص۶۵ جزء۵"

"حضرت جعفر صادقؒ سے منقول ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔اور

نماز کی پابندی کرے۔اور زکوٰۃ ادا کرے۔اور رمضان کے روزے رکھے۔اور بیت اللہ کا حج کرے۔مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا ذکر حضور ﷺ سے ثابت ہو یوں کہے کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا۔اس کے خلاف کیوں نہ کیا۔اور اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔"

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول کے تمام احکام کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کیا جائے اور اس میں کسی قسم کا پس وپیش یا تردد نہ کیا جائے۔

اور جب ایمان کی حقیقت معلوم ہوگئی تو کفر وارتداد کی صورت بھی واضح ہوگئی۔کیونکہ جس چیز کے ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔اسی کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر وارتداد ہے۔(صرح بہ فی شرح المقاصد) اور ایمان وکفر کی مذکورہ تعریف سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کفر صرف اسی کا نام نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو سرے سے نہ مانے۔بلکہ یہ بھی اسی درجہ کا کفر اور نہ ماننے کا ایک شعبہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جو احکام قطعی ویقینی طور پر ثابت ہیں۔ان میں سے کسی ایک حکم کے تسلیم کرنے سے (یہ سمجھتے ہوئے کہ حضور ﷺ کا حکم ہے) انکار کر دیا جائے۔اگرچہ باقی سب احکام کو تسلیم کرے اور پورے اہتمام سے سب پر عامل بھی ہو۔

اور وجہ یہ ہے کہ کفر وارتداد حضرت مالک الملک والملکوت کی بغاوت کا نام ہے اور سب جانتے ہیں کہ بغاوت جس طرح بادشاہ کے تمام احکام کی نافرمانی اور مقابلہ پر کھڑے ہو جانے کو کہتے ہیں۔اسی طرح یہ بھی بغاوت ہی سمجھی جاتی ہے کہ کسی ایک قانون شاہی کی قانون شکنی کی جائے۔اگرچہ باقی سب احکام کو تسلیم کرلے۔

شیطان ابلیس جو دنیا میں سب سے بڑا کافر اور کافرگر ہے۔اس کا کفر بھی اسی دوسری قسم کا کفر ہے۔کیونکہ اس نے کبھی نہ تبدیل مذہب کیا۔نہ خدا تعالیٰ کے وجود قدرت وغیرہ کا انکار کیا۔نہ ربوبیت سے منکر ہوا۔صرف ایک حکم سے سرتابی کی جس کی وجہ سے ابدالآباد کیلئے مطرود وملعون ہو گیا۔

حافظ ابن تیمیہ الصارم المسلول ص۲۶۶ طبع بیروت ۱۹۹۸ء میں فرماتے ہیں:

"کما ان الردة تتجرد عن السب فکذلك تتجرد عن قصد تبدیل الدین وارادة التکذیب بالرسالة کما تجرد کفر ابلیس عن قصد التکذیب بالربوبیة"

''جیسا کہ ارتداد بغیر اس کے بھی ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کی شان میں سب وشتم سے پیش آئے اسی طرح بغیر اس کے بھی ارتداد متحقق ہوسکتا ہے کہ آدمی تبدیل مذہب کا یا تکذیب رسول کا قصد کرے۔ جیسا کہ ابلیس لعین کا کفر تکذیب ربوبیت سے خالی ہے۔''

الغرض ارتداد صرف اسی کو نہیں کہتے کہ کوئی شخص اپنا مذہب بدل دے یا صاف طور پر خدا اور رسول کا منکر ہو جائے۔ بلکہ ضروریات دین کا انکار کرنا اور قطعی الثبوت والدلالۃ احکام میں سے کسی ایک کا بعد علم انکار کر دینا بھی اسی درجہ کا ارتداد اور کفر ہے۔

تنبیہ: ہاں اس جگہ دو باتیں قابل خیال ہیں۔ اول تو یہ کہ کفر وارتداد اس صورت میں عائد ہوتا ہے جب کہ حکم قطعی کے تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے اور اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے۔ لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے مگر غفلت یا شرارت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کو کفر وارتداد نہ کہا جائے گا۔ اگرچہ ساری عمر میں ایک دفعہ بھی اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت نہ آئے۔ بلکہ اس شخص کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اور پہلی صورت میں کہ کسی حکم قطعی کو واجب التعمیل ہی نہیں جانتا۔ اگرچہ کسی وجہ سے وہ ساری عمر اس پر عمل بھی کرتا رہے جب بھی کافر مرتد قرار دیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص پانچوں وقت کی نماز کا شدت کے ساتھ پابند ہے۔ مگر فرض اور واجب التعمیل نہیں جانتا یہ کافر ہے۔ اور دوسرا شخص جو فرض جانتا ہے مگر کبھی نہیں پڑھتا وہ مسلمان ہے۔ اگرچہ فاسق و فاجر اور سخت گناہ گار ہے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہوگئی ہیں۔ تمام اقسام کا اس بارہ میں ایک حکم نہیں۔ کفر وارتداد صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے جو قطعی الثبوت بھی ہوں اور قطعی الدلالت بھی۔ قطعی الثبوت ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث سے ہو جن کے روایت کرنے والے آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر قرن میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہوں کہ ان سب کا جھوٹی بات پر اتفاق کر لینا محال سمجھا جائے۔ (اسی کو اصطلاح حدیث میں تواتر اور ایسی احادیث کو احادیث متواترہ کہتے ہیں)

اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبادت قرآن مجید میں اس حکم کے متعلق واقع ہوئی ہے یا حدیث متواترہ سے ثابت ہوئی ہے وہ اپنے مفہوم مراد کو صاف صاف ظاہر کرتی

ہو۔اس میں کسی قسم کی الجھن نہ ہو کہ جس میں کسی کی تاویل چل سکے۔

پھر اس قسم کے احکام قطعیہ اگر مسلمانوں کے ہر طبقہ خاص و عام میں اس طرح مشہور و معروف ہو جائیں کہ ان کا حاصل کرنا کسی خاص اہتمام اور تعلیم و تعلم پر موقوف نہ رہے۔ بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو وراثتاً وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہوں۔ جیسے نماز' روزہ' حج' زکوۃ کا فرض ہونا' چوری و شراب خوری کا گناہ ہونا' آنحضرت ﷺ کا خاتم الانبیا ہونا وغیرہ تو ایسے احکام قطعیہ کو ضروریات دین کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔اور جو اس درجہ مشہور نہ ہوں وہ صرف قطعیات کہلاتے ہیں۔ ضروریات نہیں۔

اور ضروریات اور قطعیات کے حکم میں یہ فرق ہے کہ ضروریات دین کا انکار باجماع امت مطلقاً کفر ہے۔ناواقفیت و جہالت کو اس میں عذر نہ قرار دیا جائے گا۔اور نہ کسی قسم کی تاویل سنی جائے گی۔

اور قطعیات محضہ جو شہرت میں اس درجہ کو نہیں پہنچتے تو حنفیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی عامی آدمی بوجہ ناواقفیت و جہالت کے ان کا انکار کر بیٹھے تو ابھی اس کے کفر وارتداد کا حکم نہ کیا جائے گا۔ بلکہ پہلے اس کو تبلیغ کی جائے گی کہ یہ حکم اسلام کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت احکام میں سے ہے۔اس کا انکار کفر ہے۔اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے تب کفر کا حکم کیا جائے گا۔

''کما فی المسایرة والمسامرة لابن الهمام و لفظه واماماثبت قطعاً ولم یبلغ حد الضرورة کاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت الصلبیة باجماع المسلمین فظاهر کلام الحنفیة الاکفار بجهده بانهم لم یشتر طوافی الاکفار سوی القطع فی الثبوت (الی قوله) ویجب حمله علی ماااذاعلم المنکر ثبوته قطعاً ۰مسامره /١٤٩''

''اور جو حکم قطعی الثبوت تو ہو مگر ضرورت کی حد کو نہ پہنچا ہو۔جیسے (میراث میں) اگر پوتی اور بیٹی حقیقی جمع ہوں تو پوتی کو چھٹا حصہ ملنے کا حکم اجماع امت سے ثابت ہے۔سو ظاہر کلام حنفیہ کا یہ ہے کہ اس کے انکار کی وجہ سے کفر کا حکم کیا جائے۔کیونکہ انہوں نے قطعی الثبوت ہونے کے سوا اور کوئی شرط نہیں لگائی (الی قولہ) مگر واجب ہے کہ حنفیہ کے اس کلام کو اس صورت میں محمول کیا جائے کہ جب منکر کو اس کا علم ہو کہ یہ حکم قطعی الثبوت ہے۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کفر و ارتداد کی ایک قسم تبدیل مذہب ہے اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریات دین اور قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کر دیا جائے یا ضروریات دین میں کوئی ایسی تاویل کی جائے جس سے ان کے معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہو جائیں اور غرض معروف بدل جائے۔ اور ارتداد کی اس قسم دوم کا نام قرآن کی اصطلاح میں الحاد ہے:

''قال تعالیٰ ان الذین یلحدون فی آیاتنا لایخفون علینا۔ حم السجدہ: ٤٠ '' ''جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔''

اور حدیث میں اس قسم کے ارتداد کا نام زندقہ رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ صاحب مجمع البحار نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اتی علیؓ بذنادقة ھی جمع زندیق (الی قوله) ثم استعمل فی کل ملحد فی الدین والمراد ھھنا قوم ارتدد وعن الاسلام ۔ مجمع البحار ج ۲ ص ٤٤ باب الزا مع النون''

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چند زنادقہ (گرفتار کر کے) لائے گئے۔ زنادقہ جمع زندیق کی ہے اور لفظ زندیق ہر اس شخص کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جو دین میں الحاد (یعنی بے جا تاویلات) کرے اور اس جگہ مراد ایک مرتد جماعت ہے۔

اور علمائے کلام اور فقہاء اس خاص ارتداد کا نام باطنیت رکھتے ہیں اور کبھی وہ بھی زندقہ کے لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

شرح مقاصد میں علامہ تفتازانی اقسام کفر کی تفصیل اس طرح نقل فرماتے ہیں:

''یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ کافر اس شخص کا نام ہے جو مومن نہ ہو۔ پھر اگر وہ ظاہر میں ایمان کا مدعی ہو تو اس کو منافق کہیں گے۔ اور اگر مسلمان ہونے کے بعد کفر میں مبتلا ہوا ہے تو اس کا نام مرتد رکھا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسلام سے پھر گیا ہے۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ معبودوں کی پرستش کا قائل ہو تو اس کو مشرک کہا جائے گا۔ اور اگر ادیان منسوخہ یہودیت وعیسائیت وغیرہ میں کسی مذہب کا پابند ہو تو اس کو کتابی کہیں گے۔ اور اگر عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہو اور تمام واقعات وحوادث کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہو تو اس کو دہریہ کہا جائے گا اور اگر وجود باری تعالیٰ ہی کا قائل نہ ہو تو اس کو معطل کہتے ہیں اور اگر نبی کریم ﷺ کی نبوت کے اقرار اور شعار اسلام نماز

روزہ وغیرہ کے اظہار کے ساتھ کچھ ایسے عقائد دلی رکھتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں تو اس کو زندیق کہا جاتا ہے۔" (ترجمہ عبارت شرح مقاصد ص ۲۶۸ و ص ۲۶۹ ج ۲)

ومثله فی کلیات ابی البقاء! (ص ۵۵۳،۵۵۴)

زندیق کی تعریف میں جو عقائد کفریہ کا دل میں رکھنا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مثل منافق کے اپنا عقیدہ ظاہر نہیں کرتا بلکہ یہ مراد ہے کہ اپنے عقیدہ کفریہ کو ملمع کر کے اسلامی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

"کما ذکره الشامی حیث قال فان الزندیق یموه کفره ویروج عقیدته الفاسدة ویخر جها فی الصورة لصیحة و هذا معنی ابطان الکفر فلاینا فی اظهاره الدعوی۔ شامی باب المرتد ص ۳۲٤ ج ۳"

"علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ زندیق اپنے کفر پر ملمع سازی کرتا ہے اور اپنے عقیدۂ فاسدہ کو رائج کرنا چاہتا ہے اور اس کو عمدہ صورت میں ظاہر کرتا ہے اور زندیق کی تعریف میں جو یہ لکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے کفر کو چھپاتا ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے (کہ وہ اپنے کفر کو ایسے عنوان اور صورت میں پیش کرتا ہے جس سے لوگ مغالطہ میں پڑ جائیں) اس لئے یہ اخفاء کفر اظہار دعویٰ کے منافی نہیں۔"

کفر کی اقسام مذکورہ بالا میں سے آخری قسم اس جگہ زیر بحث ہے جس کے متعلق شرح مقاصد کے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ جس طرح اقسام سابقہ کفر کے انواع ہیں اسی طرح یہ صورت بھی اسی درجہ کا کفر ہے کہ کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی رسالت اور قرآن مجید کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود صرف بعض احکام و عقائد میں اختلاف رکھتا ہو۔ اگرچہ دعویٰ مسلمان ہونے کا کرے اور تمام ارکان اسلام پر شدت کے ساتھ عامل بھی ہو۔

ایک شبہ کا جواب

یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں اور کتب فقہ و عقائد میں بھی اس کی تصریحات موجود ہیں۔ نیز بعض احادیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے:

"کما رواه ابوداؤد ج ١ ص ٢٥٢ باب الغزومع آئمة الجورفی الجهاد۔ عن انسؓ قال قال رسول اللهﷺ ثلث من اصل الا یمان الکف عمن

قال لا اله الااللّٰہ ولا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الا سلام بعمل ۔ الحدیث"

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رشاد فرمایا کہ ایمان کی اصل تین چیزیں ہیں ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الـہ الااللّٰہ کا قائل ہواس کے قتل سے باز رہو۔اور کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہواور کسی عمل بد کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج نہ قرار دو۔"

اس لئے مسئلہ زیر بحث میں یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جو شخص نماز روزہ کا پابند ہے وہ اہل قبلہ میں داخل ہے۔تو پھر بعض عقائد میں خلاف کرنے یا بعض احکام کے تسلیم نہ کرنے سے اس کو کیسے کافر کہا جا سکتا ہے؟۔اور اسی شبہ کی بنیاد پر آج کل بہت سے مسلمان قسم ثانی کے مرتدین یعنی ملحدین وزنادقہ کو مرتد و کافر نہیں سمجھتے۔اور یہ ایک بھاری غلطی ہے جس کا صدمہ براہ راست اصول اسلام پر پڑتا ہے۔کیونکہ میں اپنے کلام سابق میں عرض کر چکا ہوں کہ اگر قسم دوم کے ارتداد کو ارتداد نہ سمجھا جائے تو پھر شیطان کو بھی کافر نہیں کہہ سکتے۔اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس شبہ کے منشاء کو بیان کر کے اس کا شافی جواب ذکر کیا جائے۔اصل اس کی یہ ہے کہ شرح فقہ اکبر ص۱۸۹ وغیرہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ سے اور حواشی شرح عقائد میں شیخ ابوالحسن اشعری سے اہل سنت والجماعۃ کا یہ مسلک نقل کیا گیا ہے:

"ومن قواعد اهل السنة و الجماعة ان لایکفروا احدمن اهل القبلة (کذافی شرح العقائد النسفیة ص۱۲۱)وفی شرح التحریر ص۳۱۸ ج۳ وسیا قها عن ابی حنیفةؒ و لا نکفر اهل القبلة بذنب انتهی فقیده با لذنب فی عبارة الامام واصله فی حدیث ابی داؤد کمامر آنفاً۔"

"اہل سنت والجماعۃ کے قواعد میں سے ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی شخص کی تکفیر نہ کی جائے۔(شرح عقائد نسفی)اور شرح تحریر ص۳۱۸ ج۳ میں ہے کہ یہ مضمون امام اعظم ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔سو اس میں بذنب کی قید موجود ہے اور غالباً یہ قید حدیث ابوداؤد کی بناء پر لگائی گئی ہے جو ابھی گذر چکی ہے۔"

جس کا صحیح مطلب تو یہ ہے کہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر مت کہو۔خواہ کتنا ہی بڑا گناہ ہو(بشرطیکہ کفر و شرک نہ ہو) کیونکہ گناہ سے مراد اس جگہ پر وہی گناہ ہے جو حد کفر تک نہ پہنچا ہو۔

"کمافی کتاب الایمان لابن تیمیه حیث قال ونحن اذا قلنا اهل

السنة متفقون علی ان لایکفر بالذنب فانما نرید به المعاصی کالزنا والشرب انتہی اوضحہ القونوی فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۔''

''جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ کی کتاب الایمان میں ہے کہ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہیں تو اس جگہ گناہ سے ہماری مراد معاصی مثل زنا و شراب خوری وغیرہ ہوتے ہیں اور علامہ قونوی نے عقیدہ طحاوی کی شرح میں اس مضمون کو خوب واضح کر دیا ہے۔''

ورنہ پھر اس عبارت کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ اور لفظ بذنب کے اضافہ کی (جیسا کہ فقہ اکبر اور شرح تحریر کے حوالہ سے اوپر نقل ہوا ہے) کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اب شبہات کی ابتداء یہاں سے ہوئی کہ بعض علماء کی عبارتوں میں اختصار کے مواقع میں بذنب کا لفظ بوجہ معروف ومشہور ہونے کے چھوڑ دیا گیا۔ اور مسئلہ کا عنوان عدم تکفیر اہل القبلہ ہو گیا۔ حدیث وفقہ سے نا آشنا اور غرض متکلم سے ناواقف لوگ یہاں سے یہ سمجھ بیٹھے کہ جو شخص قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔ خواہ کتنے ہی عقائد کفریہ رکھتا ہو۔ اور اقوال کفریہ بکتا پھرے۔ اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ اگر یہی لفظ پرستی ہے تو اہل قبلہ کے لفظوں سے تو یہ بھی نہیں نکلتا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔ بلکہ ان لفظوں کا مفہوم تو اس سے زائد نہیں کہ صرف قبلہ کی طرف منہ کر لے خواہ نماز بھی پڑھے یا نہ پڑھے۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو پھر دنیا میں کوئی شخص کافر ہی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ کبھی نہ کبھی ہر شخص کا منہ قبلہ کی طرف ہو ہی جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ لفظ اہل قبلہ کی مراد تمام اوقات واحوال کا استیعاب باستقبال قبلہ نہیں۔

خوب سمجھ لیجئے کہ لفظ اہل قبلہ ایک شرعی اصطلاح ہے جس کے معنی اہل اسلام کے ہیں اور اسلام وہی ہے جس میں کوئی بات کفر کی نہ ہو۔ لہٰذا یہ لفظ صرف ان لوگوں کیلئے بولا جاتا ہے جو تمام ضروریات دین کو تسلیم کریں۔ اور آنحضرت ﷺ کے تمام احکام پر (بشرط ثبوت) ایمان لائیں۔ نہ ہر اس شخص کیلئے جو قبلہ کی طرف منہ کر لے۔ جیسے دنیا کی موجودہ عدالتوں میں اہل کار کا لفظ صرف ان لوگوں کیلئے بولا جاتا ہے جو باضابطہ ملازم اور قوانین ملازمت کا پابند ہو۔ اس کے مفہوم لغوی کے موافق ہر کام والے آدمی کو اہل کار نہیں کہا جاتا۔ اور یہ جو کچھ لکھا گیا علم فقہ وعقائد کی کتابیں تقریباً تمام اس پر شاہد ہیں جن میں سے بعض عبارات درج ذیل ہیں:۔

حضرت ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

''اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا علی ماهومن ضروریات الدین کحدوث العالم وحشرالاجساد وعلم الله تعالیٰ بالکلیات والجزئیات وماأشبه ذلك من المسائل المهمات فمن واظب طول عمره علی الطاعات والعبادات مع اعتقادقدم العالم ونفی الحشر اونفی علم سبحانه وتعالیٰ بالجزئیات لایکون من اهل القبلة وان المراد بعدم تکفیر احد من اهل القبلة عنداهل السنة انه لایکفر احد ما لم یوجد شئی من امارات الکفر وعلاماته ولم یصدرعنه شئی من موجباته ۔شرح فقه اکبر ص ۱۸۹''

''خوب سمجھ لو کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان تمام عقائد پر متفق ہوں جو ضروریات دین میں سے ہیں۔ جیسے حدوث عالم اور قیامت وحشر ابدان اور اللہ تعالیٰ کا علم تمام کلیات وجزئیات پر حاوی ہونا اور اسی قسم کے دوسرے عقائد مہمہ۔ پس جو شخص تمام عمر طاعات وعبادات پر مداومت کرے۔ مگر ساتھ ہی عالم کے قدیم ہونے کا معتقد ہو یا قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کا یا حق تعالیٰ کے علم جزئیات کا انکار کرے وہ اہل قبلہ میں سے نہیں۔ اور یہ کہ اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے سے مراد یہی ہے کہ ان میں سے کسی شخص کو اس وقت تک کافر نہ کہیں۔ جب تک اس سے کوئی ایسی چیز سرزد نہ ہو جو علامات کفر یا موجبات کفر میں سے ہے۔''

اور شرح مقاصد مبحث سابع میں مذکورالصدر مضمون کو مفصل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''فلا نزاع فی کفر اهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات با عتقادقدم العالم ونفی الحشر ونفی العلم بالجزئیات ونحوذالك وکذلك بصدورشئی من موجبات الکفرعنه ۔''

''اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اہل قبلہ میں سے اس شخص کو کافر کہا جائے گا جو اگرچہ تمام عمر طاعات وعبادات میں گزارے۔ مگر عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھے یا قیامت وحشر کا یا حق تعالیٰ کے عالم جزئیات ہونے کا انکار کرے۔ اسی طرح وہ شخص جس سے کوئی چیز موجبات کفر میں سے صادر ہو جائے۔''

اور علامہ شامی نے ردالمختار باب الامامتہ جلد اول میں بحوالہ تحریرالاصول نقل فرمایا ہے:

''لاخلاف فی کفر المخالف من اهل القبلة المواظب طول عمره

علی الطاعات کما فی شرح التحریر ۰ شامی ج ا ص ٤١٤ باب الامامة ۰ ''

''اس میں سے کسی کا خلاف نہیں کہ اہل قبلہ میں جو شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو وہ کافر ہے۔اگر چہ تمام عمر طاعات وعبادات میں گزار دے۔''

اور شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس میں ہے:

''اهل القبلة فی اصطلاح المتکلمین من یصدق بضروریات الدین الی قوله فمن انکرشیئا من الضروریات (الی قوله)لم یکن من اهل القبلة ولوکان مجاهد ابالطاعات و کذلك من باشرشئیا من امارات التکذیب کسجود صنم والاهانة بامر شر عی والا ستهزاء علیه فلیس من اهل القبلة ومعنی عدم تکفیر اهل القبلة ان لا یکفر بارتکاب المعاصی و لا بانکار الا مور الخفیة غیر المشهورة هذا ما حققه المحققون ۰ نبر اس ص ٣٤٢ من قواعد اهل السنة ان لایکفراحد من اهل القبلة ۰ ''

اہل قبلہ متکلمین کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرے۔ پس جو شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے وہ اہل قبلہ میں سے نہیں۔اگر چہ عبادت واطاعت میں مجاہدات کرنے والا ہو۔ایسے ہی وہ شخص جو علامات کفر وتکذیب میں سے کسی چیز کا مرتکب ہو۔ جیسے بت کو سجدہ کرنا یا کسی امر شرعی کی اہانت واستہزاء کرنا وہ اہل قبلہ میں سے نہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ معاصی کے ارتکاب کی وجہ سے اس کو کافر نہ کہیں اور نہ ایسے امور کے انکار کی وجہ سے کافر کہیں جو اسلام میں مشہور نہیں۔یعنی ضروریات دین میں سے نہیں۔

تنبیہ: کسی مسلمان کو کافر کہنے کے معاملہ میں آج کل ایک عجیب افراط وتفریط رونما ہے۔ایک جماعت ہے کہ جس نے مشغلہ یہی اختیار کر لیا ہے کہ ادنیٰ معاملات میں مسلمانوں پر تکفیر کا حکم لگا دیتے ہیں اور جہاں ذرا سی کوئی خلاف شرع حرکت کسی سے دیکھتے ہیں تو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔اور دوسری طرف نو تعلیم یافتہ آزاد خیال جماعت ہے۔جس کے نزدیک کوئی قول وفعل خواہ کتنا ہی شدید اور عقائد اسلامیہ کا صریح مقابل ہو کفر کہلانے کا مستحق نہیں۔وہ ہر مدعی اسلام کو مسلمان کہنا فرض سمجھتے ہیں۔اگر چہ اس کا کوئی عقیدہ اور عمل اسلام کے موافق نہ ہو اور ضروریات دین کا انکار کرتا ہو۔اور جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا ایک سخت پر خطر معاملہ ہے اسی

طرح کافر کو مسلمان کہنا بھی اس سے کم نہیں۔ کیونکہ حدود کفر و اسلام میں التباس بہر دو صورت لازم آتا ہے۔ اس لئے علماء امت نے ہمیشہ ان دونوں معاملوں میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے۔ امر اول کے متعلق تو یہاں تک تصریحات ہیں کہ اگر کسی شخص سے کوئی کام خلاف شرع صادر ہو جائے اور اس کلام کی مراد میں محاورات کے اعتبار سے چند احتمال ہوں اور سب احتمالات میں یہ کلام ایک کلمہ کفر بنتا ہو۔ لیکن صرف ایک احتمال ضعیف ایسا بھی ہو کہ اگر اس کلام کو اس پر حمل کیا جائے تو معنی کفر نہیں رہتے۔ بلکہ عقائد حقہ کے مطابق ہو جاتے ہیں تو مفتی پر واجب ہے کہ اسی احتمال ضعیف کو اختیار کر کے اس کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دے۔ جب تک کہ خود وہ متکلم اس کی تصریح نہ کرے کہ میری مراد یہ معنی نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ایسے عقیدہ کا قائل ہو جاوے جو آئمہ اسلام میں سے اکثر لوگوں کے نزدیک کفر ہو۔ لیکن بعض آئمہ اس کے کفر ہونے کے قائل نہ ہوں تو اس کفر مختلف فیہ سے بھی مسلمان پر کفر کا حکم کرنا جائز نہیں۔ (صرح به فی البحر الرائق باب المرتدین ج ٥) ومثله فی ردالمحتار وجامع الفصولین من باب کلمات الکفر!

اور امر دوم کے متعلق بھی صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کے تعامل نے یہ بات متعین کر دی کہ اس میں تہاون و تکاسل کرنا اصول اسلام کو نقصان پہنچاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جو لوگ مرتد ہوئے تھے۔ ان کا ارتداد قسم دوم ہی کا ارتداد تھا۔ صریح طور پر تبدیل مذہب (عموماً) نہ تھا۔ لیکن صدیق اکبرؓ نے ان پر جہاد کرنے کو اتنا زیادہ اہم سمجھا کہ نزاکت وقت اور اپنے ضعف کا بھی خیال نہ فرمایا۔ اسی طرح مسیلمہ کذاب مدعی نبوت اور اس کے ماننے والوں پر جہاد کیا جس میں جمہور صحابہؓ شریک تھے۔ جن کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو شخص ختم نبوت کا انکار کرے یا نبوت کا دعویٰ کرے وہ مرتد ہے۔ اگرچہ تمام ارکان اسلام کا پابند اور زاہد و عابد ہو۔

ضابطہ تکفیر: اس لئے تکفیر مسلم کے بارہ میں ضابطہ شرعیہ یہ ہوگیا کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں تاویل صحیح کی گنجائش ہو اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو۔ یا اس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف آئمہ اجتہاد میں واقع ہو۔ اس وقت تک اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا کوئی ایسی ہی تاویل و تحریف کرے جو اس کے اجماعی معانی کے خلاف معنی پیدا کر دے تو اس شخص کے کفر میں کوئی تامل نہ کیا جائے۔ والله سبحانه و تعالیٰ اعلم!

تنبیہ ضروری: مسئلہ زیر بحث میں اس بات کا ہر وقت خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ مسئلہ نہایت نازک ہے۔اس میں بیباکی اور جلد بازی سے کام لینا سخت خطرناک ہے۔مسئلہ کی دونوں جانب نہایت احتیاط کی مقتضی ہیں۔کیونکہ جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا وبال عظیم ہے اور حسب تصریح حدیث اس کہنے والے کے کفر کا اندیشہ قوی ہے۔اسی طرح کسی کافر کو مسلمان کہنا یا سمجھنا بھی اس سے کم نہیں۔جیسا کہ عبارت شفاء سے منقول ہے۔اور شفاء میں مسئلہ کی نزاکت کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

''ولمثل هذاذهب ابو المعالی رحمة الله فی اجو بته لا بی محمد عبدالحق و کان سالم عن المسالة فاعتذر له بان الغلط فیها یصعب لا ن ادخال کافرفی الملة واخراج مسلم عنها عظیم فی الدین ۰ شفا ج ۲ ص ۲۴۱ فصل فی تحقیق القول فی اکفار المتاؤلین ۰''

''ابو المعالی نے جو محمد عبدالحق کے سوالات کے جواب لکھے ہیں۔ان میں ان کا بھی یہی مذہب ثابت ہے۔کیونکہ ان سے ایسا ہی سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے عذر کردیا کہ اس بارہ میں غلطی سخت مصیبت کی چیز ہے۔کیونکہ کسی کافر کو مذہب اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اس سے خارج سمجھنا دین میں بڑے خطرہ کی چیز ہے۔''

اسی لئے ایک جانب تو یہ احتیاط ضروری ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی مبہم کلام سامنے آئے جو مختلف وجوہ کو محتمل ہو اور سب وجوہ سے عقیدہ کفریہ قائل کا ظاہر ہوتا ہو۔لیکن صرف ایک وجہ ایسی بھی ہو جس سے اصطلاحی معنی اور صحیح مطلب بن سکے۔گو وہ وجہ ضعیف ہی ہو۔تو مفتی وقاضی کا فرض ہے کہ اس وجہ کو اختیار کرکے اس شخص کو مسلمان کہے۔(کما صرح به فی الشفاء فی هذه الصفحة وبمثله صرح فی البحر وجامع الفصولین وغیره)

اور دوسری طرف یہ لازم ہے کہ جس شخص میں کوئی وجہ کفر کی یقیناً ثابت ہوجائے۔اس کی تکفیر میں ہرگز تاخیر نہ کرے اور نہ اس کے متبعین کو کافر کہنے میں دریغ کرے۔جیسا کہ علماء امت کی تصریحات محررہ بالا سے بخوبی واضح ہوچکا۔والله اعلم وعلمه اتم واحكم !

تتمہ مسئلہ از امداد الفتاویٰ جلد سادس

یہ کل بیان اس صورت میں تھا جب کہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق عقیدہ کفریہ رکھنا یا

اقوال کفریہ کا کہنا متیقن طریق سے ثابت ہو جائے۔لیکن اگر خود اسی میں کسی موقع پر شک ہو جائے کہ یہ شخص اس عقیدہ کا معتقد یا اس قول کا قائل ہے یا نہیں۔تو اس کے لئے احوط و اسلم وہ طریق ہے جو امداد الفتاویٰ میں درج ہے۔جس کو بعینہ ذیل میں بطور تتمہ نقل کیا جاتا ہے۔

اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض، تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جائے نہ اسلام کا حکم۔اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا۔یعنی اس سے نہ عقد مناکحت کی اجازت دیں گے نہ اس کی اقتداء کریں گے نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے۔اور نہ اس پر سیاست کافرانہ جاری کریں گے۔اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے ہی احکام جاری کریں گے۔اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے۔اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کی متعلق حدیث میں وارد ہے:

”لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبو هم وقولوا آمنا بالله وما انزل الينا الاية البخاري ج٢ ص١٠٩٤ باب لاتسئلوا هل الكتاب“

”نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس وحی پر جو ہم پر نازل ہوئی۔“

دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ کے ہیں:

”يوخذفيه بالاحوط والاوثق في امورالدين وان لايحكم بثبوت حكم وقع الشك في ثبوته واذا وقف خلف الا مام قام بين صف الرجال والنساء و يصلي بقناع و يجلس في صلاته جلوس المرأة ويكره له في حياته لبس الحلي والحرير وان يخلوابه غير محرم من رجل اوامرأة اويسافرمع غير محرم من الرجال والاناث ولا يغسله رجل ولا امرأة ويتيمم بالصعيدويكفن كما يكفن الجارية وامثاله مما فصله الفقهاء ! ١١شعبان ٥١ھ / جو اهر الفقه ج ا ص ٣٨“

"خنثیٰ مشکل کے بارہ میں امور دین میں وہ صورت اختیار کی جائے جس میں احتیاط ہو اور کسی ایسی چیز کے ثبوت کا اس پر حکم نہ کیا جائے جس کے ثبوت میں شک ہو اور جب وہ امام کے پیچھے نماز کی صف میں کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔ اور عورتوں کی طرح دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے اور قعدہ میں اس طرح بیٹھے جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں۔ اور اس کے لئے زیور اور ریشمی کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت غیر محرم اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھے یا ایسے مرد یا عورت کے ساتھ سفر کرے جو اس کا محرم نہ ہو اور مرنے کے بعد اس کو نہ کوئی مرد غسل دے نہ عورت۔ بلکہ تیمم کرادیا جائے اور کفن ایسا دیا جائے جیسا لڑکیوں کو دیا جاتا ہے اور اسی طرح دوسرے احکام جن کو فقہاء نے مفصل لکھا ہے۔"

مشورہ: یہ بحث کہ کن کن امور سے کوئی مسلمان خارج از اسلام ہو جاتا ہے اور حکم تکفیر کے لئے شرعی ضابطہ کیا ہے۔ اور اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کی کیا مراد ہے۔ اس کے متعلق ایک جامع مانع بہترین رسالہ رئیس المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ کا اکفار الملحدین کے نام سے عربی زبان میں شائع ہو چکا ہے۔ جو حضرات ان مسائل کو مکمل دیکھنا چاہتے ہیں اس کی مراجعت کریں۔ (اس کا اب اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ عام مل جاتا ہے۔ مرتب)

سوال دوم: اس عام سوال کے بعد چند فرقوں کے متعلق خاص طور پر سوال کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اوّل فرقہ چکڑالویہ۔ دوم فرقہ مرزائیہ۔ ان دونوں فرقوں کے عقائد درج ذیل ہیں۔ ان عقائد کو زیر نظر رکھتے ہوئے ان فرقوں کے متعلق تحریر فرمایا جائے کہ یہ فرقے دائرہ اسلام میں داخل ہیں یا نہیں۔

نوٹ: اس رسالہ میں روافض سے متعلق بھی بحث تھی۔ جو بوجہ کتاب کا موضوع نہ ہونے کے ہم نے ترک کر دی ہے۔ (مرتب)

فرقہ چکڑالویہ کے عقائد

پنجاب میں ایک فرقہ ہے جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے۔ اس کا بانی عبداللہ چکڑالوی ہے اور اسی کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے۔ اس فرقہ کے عقائد کا نمونہ خود بانی فرقہ عبداللہ چکڑالوی کی کتاب (برہان الفرقان علی صلوٰۃ القرآن) سے بحوالہ صفحات لکھا جاتا ہے۔ تاکہ علمائے کرام اس پر غور فرمائیں کہ یہ فرقہ اور اس کے متبعین مسلمان ہیں یا نہیں۔ وہ عقائد بعینہ

اس کے الفاظ میں یہ ہیں:

منقول از برہان الفرقان علیٰ صلوٰۃ القرآن از عبداللہ چکڑالوی

۱............قرآن مجید ہی کی سکھائی نماز پڑھنی فرض ہے اور اس کے سوا اور کسی طرح کی نماز پڑھنا کفر و شرک ہے۔ (ص۵سطر۶)

۲............سنو کہ وہ شے محض قرآن مجید ہی ہے جو رسول اللہ کی طرف وحی کی گئی۔ اس کے سوا اور کوئی چیز ہرگز خاتم النبیین پر وحی نہیں ہوئی۔ (ص۹سطر۳)

۳............آسمانی کتاب کے سوا پر ایک دینی کام کرنا شرک و کفر ہے۔ خواہ کوئی ہو جو ایسا کرے، وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ (ص۲۱سطر۱۶)

۴............جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے ماسوائے کتاب اللہ کے بھی احکام بتائے ہیں۔ وہ حقیقت میں خاتم النبیین پر سب کرتے ہیں۔ (ص۱۵سطر۲۱)

۵............سوائے اللہ تعالیٰ اور کا حکم ماننا بھی اعمال صحیح کا باطل کرنے والا باعث ابدی و دائمی عذاب ہے۔ افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ (ص۱۶سطر۲۱)

۶............لیکن شرک فی الحکم لوگوں کی طبیعتوں میں ایسا مل گیا ہے کہ اس کو اب وہ ایک دینی مسئلہ سمجھتے ہیں اور اس کے برا ہونے کا ان کو خیال تک بھی نہیں آتا۔ بلکہ اس کے برا سمجھنے والے کو برا سمجھتے ہیں۔ اعلانیہ بڑے زور و شور سے کہتے ہیں اور اس اپنے کہنے پر قرآن شریف سے دلائل پیش کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ کا حکم ماننا فرض ہے اسی طرح رسول اللہ سلام علیہ کا العجب ثم العجب اور اس مشرکانہ خیال کو اصل اصول جانتے ہیں۔ (ص۷سطر۲)

۷............پس واضح ہو کہ مطابق الرحمٰن علم القرآن کے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعلیم دی ہے اور بس دیگر ذریعہ سے تعلیم نہیں دی۔ (ص۱۹سطر۱۵)

۸............اور جس رسول کی فرمانبرداری کا حکم ہوا ہے۔ وہ خاص قرآن مجید ہی ہے۔ واجب الاتباع دو چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی شے ہے قرآن مجید۔ اور محمد رسول اللہ سلام علیہ بے شک دو چیزیں ہیں۔ لیکن آپ کی فرمانبرداری کا قرآن مجید میں کسی جگہ حکم نہیں ہوا۔

(ص۲۱سطر۱۱)

۹............میں محمد رسول اللہ کو دل و جان سے رسول جانتا ہوں۔ مگر جن آیات میں

رسول اللہ کی فرمانبرداری کا حکم ہوا۔ وہاں رسول اللہ سے مراد فقط قرآن مجید ہی ہے۔

(ص ۲۱ سطر ۱۹)

۱۰............لیکن محمد رسول اللہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے ہی پاس آئے تھے۔ آج کل کے لوگوں میں سے آپ کسی کے پاس نہیں آئے۔ اگر کسی صاحب کے پاس آپ کی آمد و رفت ہو تو بتادیں: "یاایھاالذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولاتولوا عنہ۔" اس جگہ رسول اللہ سے مراد آپ کی ذات نہیں ہو سکتی۔ ورنہ معنی لغو ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ سے مراد اس جگہ پر قرآن مجید ہی ہے۔ (ص ۳۰ سطر ۱)

۱۱............"ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔" واضح ہو کہ پیروی اور اتباع سے صرف یہ مراد ہے کہ جس طرح قرآن مجید پر میں عمل کرتا ہوں اسی طرح تم بھی عمل کرو۔ کسی مومن یا رسول کا ہر ایک فعل واجب الاتباع نہیں۔ (ص ۴۲ سطر ۱)

۱۲............ واضح ہو کہ کتاب اللہ میں جنبی کو صرف نماز سے روکا گیا ہے۔ جیسے کہ آیت: " ولاتقربوا الصلوٰۃ " سے ثابت ہے۔ لیکن قرآن مجید پڑھنے سے کہیں نہیں روکا گیا۔ (ص ۵۸ سطر ۱۰)

۱۳............مسواک کے بیان کے ذیل میں لکھتا ہے کہ اگر بالفرض رسول اللہ سلام علیہ نے یہ باتیں کہی بھی ہیں تو وحی خفی سے نہیں۔ بلکہ عقل انسانی سے۔ (ص ۶۰ سطر ۱۴)

۱۴............"یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الیٰ ۔ اٰخر الایۃ " مطابق آیت بالا یقیناً پاؤں کا دھونا بھی فرض ہے۔ مسح جائز نہیں۔ خواہ ننگے پاؤں پر ہو خواہ جرابوں پر یا موزوں پر۔ جس قدر ایسی احادیث ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ سلام علیہ نے موزوں اور جرابوں پر مسح کیا اور دوسروں کو ایسا کرنے کی اجازت دی۔ سب باطل اور رسول اللہ پر افتراء ہیں۔

(ص ۶۴ سطر ۱)

۱۵............قرآن سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگنے' اور نکسیر پھوٹنے' آگ کی پکی ہوئی چیزیں' یا اونٹ کا گوشت کھانے' یا قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جن احادیث میں یہ مضمون ہے کہ یہ چیزیں وضو کو توڑنے والی ہیں۔ وہ بے ہودہ اور مردود ہیں۔ (ص ۸۲ سطر ۱)

عقائد فرقہ ہذا مندرجہ الصلوٰۃ للہ!

عقائد فاسدہ: دلائل کاسدہ:

عقیدہ:۱.........آسمانی کتابوں میں کوئی فرق نہیں سب ہم رتبہ و ہم پلہ ہیں۔
دلیل:۱.........جس چیز کا بیج ازل سے جاری ہوا ابد تک رہے گا بدلنے کا امکان نہیں ہے۔ایسی ہی کتابیں ایک خدا کی ہیں سب یکساں ہوں گی لا تبدیل لخلق الله!
عقیدہ:۲.........نبیوں میں فرق نہیں ہے سب ایک درجہ کے ہیں اور سلسلہء نبوت تا قیامت جاری رہے گا۔
دلیل:۲.........''لا نفرق بین احد من رسله ولن تجد لسنة الله تحویلا''
عقیدہ:۳.........اوقات نماز چار ہیں۔تہجد' فجر' مغرب' ظہر۔
دلیل:۳.........تہجد کا وقت نفل کے لئے باقی کا فرض کے لئے ہے۔دلیل یہ ہے:
''رب المشرق والمغرب ، واقم الصلوٰة لدلوك الشمس...... الخ''
عقیدہ:۴.........قبلہ پورب اور پچھم دو طرف ہے۔تہجد و فجر مشرق جانب اور ظہر و مغرب پچھم جانب ہیں۔
دلیل:۴.........دلیل:''رب المشرق والمغرب ، ''ہے۔غرض جب آفتاب پورب کی سمت میں ہو تو پورب کرے۔جیسے تہجد و فجر میں اور جب پچھم ہو تو پچھم کی جانب۔جیسے ظہر و مغرب میں۔
عقیدہ:۵.........تکبیر نماز اللہ اکبر نہیں ہے۔بلکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔
دلیل:۵.........سلیمان علیہ السلام کا قصہ:''انه من سلیمان وانه بسم الله الرحمن الرحیم''موجود ہے۔
عقیدہ:۶.........ارکان چودہ ہیں جو داخل نماز ہیں اور وہ یہ نہیں ہیں جو لوگ سمجھتے ہیں۔اور عقیدہ رکھتے ہیں۔
دلیل:۶.........''انا اعطینا ك الكوثر ''کوثر سے مراد سبع مثانی۔سبع مثانی سے مراد چودہ اور چودہ سے مراد ارکان۔

عقیدہ:۷.........یہ اذان ممنوع ہے۔ آثار آسمانی سے نمازی آوے گا۔

دلیل:۷.........قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ بلکہ: '' ان انکر الاصوات لصوت الحمیر '' آیا ہے۔

عقیدہ:۸......... وضو کا لفظ خود ساختہ اور غلط ہے۔ اصل لفظ غسل سکر ہے۔

دلیل:۸.........''فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق''

عقیدہ:۹.........وضو میں صرف ہاتھ منہ دھونا ہے اور سر پیر کا مسح کرنا ہے بس۔

عقیدہ:۱۰......... جب سے زمانہ نے رنگ بدلا اور میرے جانشین ہوئے اصلی نماز کی صورت بگاڑ دی اور مشرکانہ دعائیں شامل کر دی ہیں۔

عقیدہ:۱۱.........رکعت کا لفظ قصر (قصر) تعریف ہو کر بنا ہے۔ اصل قصر اولیٰ اخری ہے۔ رکعت اولیٰ رکعت اخری نہیں ہے۔

عقیدہ:۱۲.........صلوٰۃ جنازہ میں ہاتھ نہ باندھے۔

دلیل:۱۲.........''واخفض جنا حك للمؤمنين ۰ '' دلیل ہے۔

عقیدہ:۱۳.........رمضان شریف کا مہینہ تیس دن کا ہے۔

دلیل:۱۳.........''وواعدنا موسى ثلثلين ليلة ۰ '' دلیل ہے۔

عقیدہ:۱۴.........''شهر رمضان'' سے شمسی مہینہ مراد ہے۔

دلیل:۱۴.........ورنہ آیت بالا کے معنیٰ درست نہ ہوں گے۔

۱۵.........صورت نماز اہل قرآن یہ ہے کہ اپنی تکبیر کہتا ہوا بصورت قعدہ بیٹھ جائے۔ پھر تکبیر کے ساتھ کھڑا ہو۔ پھر بایاں ہاتھ دائیں بغل میں دبائے اور دایاں ہاتھ بائیں شانے پر رکھے۔ پھر رکوع کرے۔ پھر سجدہ میں ٹھوڑی رکھے۔ پھر سر۔ پھر جلسہ میں آئے اور سینہ میں ہاتھ رکھے۔ پھر سجدہ کرے۔ وغیرہ وغیرہ۔

الجواب!

۱.........''قل اطيعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لا يحب الكافرين ۰ آل عمران: ۳۲''

۲.........''قال الله تبارك و تعالى ۰ وما ارسلنامن رسول الا ليطاع

بـاذن الله ولـو انهـم اذظـلـمـوا انـفسهـم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لو جدوا الله تو ابا رحيماً ۰ نساء:٦٤"

٣۔۔۔۔۔۔۔۔"يـا ايهـا الـذين آمنوا اطيعوا الله واطيعو الرسول واولى الامر منكم فان تنارعتم فى شىء فردوه الى الله والرسول ۰ نساء:٥٩"

٤۔۔۔۔۔۔۔۔"واطيـعـوا الله واطيعوا الرسول ۰ فان تو ليتم فانما على رسولنا البلاغ المبين ۰ تغابن:١٢"

٥۔۔۔۔۔۔۔۔"مـاكـان لـمـؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يـكون لهم الخير ة من امرهم ۰ ومن يعص الله ورسوله فقدضل ضلالا مبيناً ۰ الاحزاب:٣٦"

٦۔۔۔۔۔۔۔۔"فـلاوربك لايـؤ مـنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لايجد وافى انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلمو اتسليماً ۰ نساء :٦٥"

٧۔۔۔۔۔۔۔۔"قـل ان كـنتـم تـحبـون الله فـاتبـعونى يحببكم الله ۰ آل عمران: ٣٠"

٨۔۔۔۔۔۔۔۔"ومـا اتـاكـم الـرسـول فـخـذوه ومـا نهـاكـم عـنـه فانتهوا ۰ حشر:٧"

٩۔۔۔۔۔۔۔۔"هـو الـذى بعث فى الا ميين رسولا منهم يتلوا عليهم اياته ويـزكيهـم ويـعـلـمهـم الـكتـاب والـحـكمة وان كـانـوامـن قبل لفى ضلال مبين ۰ جمعه:٢"

١٠۔۔۔۔۔۔۔۔"وانـزلـنـااليك الـذكـرلتبيـن لـلناس ما نزل اليهم ولعلهم يتفكرون ۰ نحل:٤٤"

١١۔۔۔۔۔۔۔۔"وارسـلـنـاك لـلـنـاس رسـولاوكفى بالله شهيداً ۰ من يطع الرسول فقداطاع الله ومن تو لى فما ارسلناك عليهم حفيظاً ۰ نساء:٧٩٬٨٠"

١٢۔۔۔۔۔۔۔۔"لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة ۰ احزاب:٢١"

١٣۔۔۔۔۔۔۔۔"ومـن يشـا قـق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غيـر سبيـل الـمؤ مـنيـن نـو لـه مـا تـولـى ونصلـه جهنم وساء ت مصيراً ۰

نساء:۱۱۵"

۱۴......."فامنوا باللّٰه ورسوله النبی الامی الذی یؤ من باللّٰه وکلماته واتبعوه لعلکم تهتدون ۰ الاعراف:۱۵۸"

۱۵......."فلیحذرالذین یخالفون عن امره ان تصیبهم فتنة اویصیبهم عذاب الیم ۰ نور:۶۳"

۱۶......."واذاقیل لهم تعالواالیٰ ماانزل اللّٰه والی الرسول رأیت المنافقین یصدون عنك صدودًا ۰ نساء:۶۱"

آیات مذکوہ بالا ونیز دیگر آیات کثیرہ سے نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ دو امر ثابت ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو جس طرح احکام قرآنیہ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔اسی طرح آنحضرتﷺ کے احکام کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے۔جیسا کہ آیت نمبر ۱ و آیت نمبر ۸ سے ثابت ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ آنحضرتﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ آپﷺ قرآن مجید کے صحیح مطالب وصحیح تفسیر بیان فرمائیں۔جیسا کہ آیت نمبر ۹ ونمبر ۱۰ سے ثابت ہے۔

اسی لئے جب کسی آیت کے متعلق آپﷺ سے کوئی تفسیر منقول ہو تو اس کے مخالف کوئی دوسری تفسیر ہرگز قابل التفات نہ ہوگی۔اگرچہ الفاظ قرآن میں باعتبار لغت کے اس کا احتمال بھی موجود ہو۔

آنحضرتﷺ کے عہد مبارک سے آج تک تمام امت محمدیہ کا یہی اعتقاد رہا ہے۔ اور اگر کسی نے کبھی اس کے خلاف عقیدہ ظاہر کیا ہے تو اسکو باجماع مسلمین کافر و مرتد سمجھا گیا اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو کفار و مرتدین کے ساتھ شریعت میں معمول ہے۔

ایسی ہی تفسیر کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ان الذین یلحدون فی آیاتنا لایخفون علینا ۰ افمن یلقی فی النار خیرام من یاتی امنا یوم القیامة ۰ اعملواماشئتم ۰ انه بما تعملون بصیر ۰ حم سجدہ:۴۰"

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''هويضع الكلام على غير موضعه اخرجه ابن ابى حاتم ۰ (كذافي الاتقان ص۱۹۱ ج۲) ''الحاد کرنے والا وہ شخص ہے جو کلام کو بے محل استعمال کرے۔

اور تفسیر روح المعانی میں ہے:

''ينحرفون فى تاويل آيات القران عن جهة الصحت والاستقامة يحملو نها على المحامل الباطلة وهومرادابن عباس بقوله يضعون الكلام فى غير موضعه انتهى ثم قال فى تفسير قوله تعالىٰ) افمن يلقٰى فى النار الاية تنبيه علىٰ كيفية الجزاء (ثم قال فى قوله) اعملوا ماشئتم تهديد شديد للكفر الملحلدين الذين يلقون فى النار (روح ص ۱۱۲ و۱۱۳ ج۲٤)''

''وہ آیات کی تفسیر میں صحت واستقامت سے علیحدہ ہوتے ہیں اوران کو معانی باطلہ پر محمول کرتے ہیں اور یہی مراد حضرات ابن عباسؓ کی ہے۔اس ارشاد سے کہ وہ لوگ کلام کو بے محل استعمال کرتے ہیں (اس کے بعد حق تعالیٰ کے ارشاد:''افمن يلقى فى النار ۰ الايه'' کی تفسیر میں لکھا ہے) کہ یہ اس پر تنبیہ ہے کہ کفار ملحدین کی سزا کیسی ہوگی (پھر:''اعملوا ماشْتم'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ تہدید شدید ہے کفار ملحدین کے لئے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے۔''

عقائد نسفی ہے:

''النصوص على ظاهر هاوالعدول عنها الى معان يد عيها اهل الباطل الحاد''

''نصوص اپنے ظاہری معانی پر محمول ہیں اوران معانی سے ایسے معانی کی طرف عدول کرنا جن کا اہل باطل دعوی کرتے ہیں الحاد ہے۔''

اور علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص آیت کریمہ:'' من ذالذى يشفع عنده ''کے الفاظ کو تحلیل کرکے:''من ذل ذى ''قرار دے کر یہ تفسیر کرتا تھا کہ (جو شخص اپنے نفس کو ذلیل کرے۔وہ اللہ کے نزدیک سفارش کرسکتا ہے۔

شیخ الاسلام سراج الدین بلقینیؒ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو یہ فتویٰ دیا کہ وہ ملحد زندیق ہے۔(اتقا ن مصرى ص۱۹۱ ج ۲فضل مايحتاج اليه المفسر)

اور قرآن شریف میں ہے:

''لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرأنه فاذاقرأناه

فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه ۰ القیامة ۱۶‘‘

’’اے پیغمبر! آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے۔تاکہ آپ اس کو جلد جلدی لیں۔ ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا۔اور اس کا پڑھوا دینا تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔پھر اس کا بیان کر دینا ہمارے ذمہ ہے؟۔

الغرض آیات وعبارات مذکورہ سے واضح ہوا کہ جو شخص وہ عقائد رکھے جو فرقہ چکڑالویہ کی کتابوں سے سوال میں ظاہر کئے گئے ہیں وہ بلاشبہ ملحد وزندیق اور کافر خارج از اسلام ہے۔ کیونکہ وہ بہت سی ضروریات دین کا منکر ہے۔جیسا کہ عقائد مذکورہ کے دیکھنے والے پر مخفی نہیں رہ سکتا۔عقائد مذکورہ کا ضروریات دین کے خلاف ہونا چونکہ بالکل بدیہی اور آفتاب کی طرح روشن ہے۔اس لئے ضرورت نہیں کہ ہر عقیدے کے متعلق جدا جدا کچھ لکھا جاوے۔

علاوہ ازیں اس وقت ہجوم مشاغل کے سبب فرصت بھی نہیں۔آئندہ اگر فرصت ملی یا کسی دوسرے صاحب نے ہمت کی اور اس کی تفصیل لکھ دی تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کو اس رسالہ کا ضمیمہ بنادیا جاوے گا۔

فرقہ مرزائیہ کے عقائد

مرزاغلام احمد ساکن قادیان ضلع گورداسپور پنجاب اس فرقہ کا بانی ہے اور اس وقت اس فرقہ کی تین پارٹیاں مشہور ہیں۔ایک ظہیر الدین اروبی کی متبع اور دوسری مرزا محمود کی متبع جس کو قادیانی پارٹی کہا جاتا ہے۔تیسرے مسٹر محمد علی لاہوری کی متبع جس کو لاہوری پارٹی کہا جاتا ہے۔

پہلی پارٹی مرزاغلام احمد کے مذہب کو بغیر کسی نفاق وتاویل کے ظاہر کرتی ہے اور ان کو ان کی تعلیم کے مطابق نبی اور رسول مستقل ناسخ شریعت مانتی ہے کلمہ: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ! کو معاذ اللہ منسوخ کہتی ہے اور آنحضرت ﷺ کی شہادت میں مرزا کا نام لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

دوسری پارٹی خواہ اپنی چالاکی کی وجہ سے کہ مسلمان ایسے شدید کفر سے فوراً متنفر ہو جائیں گے۔یا اپنی کم فہمی کی وجہ سے مرزا کی تصریحات کے خلاف اس کو صاحب شریعت ناسخ القرآن نہیں مانتی۔لیکن نبی اور رسول ہونے کا بلکہ دوسرے انبیاء سے افضل ہونے کا اعتقاد رکھتی اور ظاہر کرتی ہے۔

تیسری پارٹی اس کو مسیح موعود اور مہدی وامام کہتی ہے۔نبی اور رسول کا لفظ بھی اس کے

لئے استعمال کرتی ہے۔ مگر یہ کہہ کر کہ لغوی اور مجازی امتی نبی ہیں۔ ایسے نہیں جیسے پہلے انبیاء گزرے ہیں۔

ان تینوں پارٹیوں کے عقائد مفصل حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب دام مجدہم نے اپنے رسالہ ''اشد العذاب'' میں ان کی کتابوں میں سے بقید صفحات نقل کئے ہیں جن میں سے بعض بطور نمونہ اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔ (یہ رسالہ اور دیگر رسائل حضرت سید مرتضیٰ حسن احتساب قادیانیت جلد دہم میں مکمل شائع ہوگئے ہیں۔ مرتب)

اروبی مرزائی کے عقائد

رسالہ المبارک ص۳ میں اروبی کہتا ہے۔ اپنے عقائد کا خلاصہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ! پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوئے احسن طور پر یہ بیان کرنا ہوگا کہ لا الہ الا اللہ احمد جری اللہ۔ اور اسی کتاب کے صفحہ مذکور پر ہے۔ قرآن کریم کو سچے دل سے منجانب اللہ یقین کرتے ہوئے اس تازہ وحی الٰہی پر یقین لانا مقدم سمجھنا ہوگا جو حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔

پھر اسی صفحہ میں لکھتا ہے اور خدا کی عبادت کرتے وقت مسجد اقصیٰ اور مسیح موعود کے مقام قادیان کی طرف منہ کرنے کو ترجیح دینی ہوگی۔ پھر رسالہ ''تبدیل قانون'' ص۲،۳ میں مفصل تحریر کے ذیل میں لکھتا ہے۔ ''یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے لئے وہ شریعت نہیں رہی جو آج سے تیرہ سو برس پہلے تھی۔ دیکھو حضرت مسیح موعود کیسی وضاحت سے لکھتے ہیں .... الخ۔''

قادیانی پارٹی کے عقائد

مرزا محمود خلیفہ قادیان اپنی کتاب (حقیقت النبوۃ ص۱۷۴) میں لکھتے ہیں کہ: ''پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔'' اور اخبار الفضل جلد دوم نمبر۱۲۲ و نمبر۱۲۳ مورخہ ۴ و ۱۶ اپریل ۱۹۱۵ء میں ہے کہ: ''محکم کیا ہے حضرت مسیح موعود نبی ہیں یہ بلحاظ نفس نبوت یقیناً ایسے جیسے ہمارے آقا سیدنا محمد ﷺ'' محکم کیا ہے۔ نبی کا منکر: ''اولیك هم الكفرون حقا۰'' کے فتوے کے نیچے داخل ہے۔ (اشد العذاب ص۴۵ بحوالہ رسالہ موجودہ قادیانی مذہب)

اور رسالہ موجودہ قادیانی مذہب ص۳ میں بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد۲ نمبر۱۰ لکھا ہے:

قرآن شریف میں انبیاء کے منکرین کو کافر کہا گیا ہے۔اور ہم لوگ حضرت مسیح موعود کو نبی اللہ مانتے ہیں۔اس سے ہم آپ کے منکروں کو کافر کہتے ہیں۔

لاہوری پارٹی کے عقائد

اشد العذاب ص ۵۷ میں بحوالہ ہنڈ بل نمبر۲ص ۱: ''قبل اس کے کہ جناب میاں صاحب اور ان کے مریدین کے عقائد کو خلاف عقائد حضرت مسیح موعود دکھایا جاوے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ امام الزمان مجدد ملہم من اللہ جزدی ظلی بروزی مجازی امتی نبی بمعنی محدث نہ بمعنی نبی مہدی و مسیح موعود ہیں۔

یہ تو وہ عقیدہ ہے جو لاہوری پارٹی مرزا کے متعلق رکھتی ہے اس کے علاوہ خود اس کے رئیس مسٹر محمد علی صاحب نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن میں بہت سی آیات قرآنیہ کی ایسی تحریف کی ہے جن میں سے ہر ایک مستقل وجہ کفر معلوم ہوتی ہے۔ان عقائد پر غور کرتے ہوئے ہر ایک پارٹی کے متعلق جدا جدا تحریر فرمایا جاوے کہ یہ پارٹیاں خارج از اسلام ہیں یا ان میں کوئی تفصیل ہے؟۔

الجواب:ان تینوں پارٹیوں میں چند وجوہ تو کفر ہیں اور بعض وجوہ خاص خاص پارٹیوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔اس جگہ مشترک وجوہ میں سے چند وجوہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔وہ یہ ہیں:

۱..........مرزا کو باوجود ایسے صاف دعویٰ نبوت کے جس میں کسی تاویل کی ہرگز گنجائش نہیں مسلمان بلکہ مہدی و مسیح سمجھنا۔

۲..........ختم نبوت کے مسئلہ میں جو کہ ضروریات دین میں سے ہے تاویل فاسد کرنا اور اس کے اجماعی مفہوم کو بدلنا۔

۳..........مرزا کو باوجود کھلی ہوئی توہین انبیاء کے مسلمان سمجھنا یہ وجوہ کفر ایسی ہیں جو تینوں پارٹیوں میں مشترک ہیں اور ان کے کفر کیلئے کافی ہیں۔ان کے علاوہ دوسری بہت سی وجوہ اور بھی ہیں جن کے استیعاب کی اس جگہ ضرورت نہیں اور وجوہ مذکورہ بالا کے کفر ہونے کا ثبوت تمام کتب مذہب میں موجود ہے۔جن میں سے چند عبارات اس جگہ نقل کی جاتی ہیں:

علامہ خفاجی شرح شفاء میں فرماتے ہیں:

''وقال ابن القاسم فی من تنبأ انه کالمرتد سواء کان دعا ذلك

ای الی متابعة نبوته سرا کان اوجهرًا کمسیلمة لعنه الله وقال اصبغ بن الفرح هوالی من زعم انه نبی یوحی الیه کالمرتدفی احکامه لانه قد کفر بکتاب الله لانه کذبه ﷺ فی قوله انه خاتم النبین ولا نبی بعده مع الفریة علی الله ۰ نسیم الریاض ج٤ ص٣٩٢"

"ابن قاسم اس شخص کے متعلق کہتے ہیں جو نبوت کا دعویٰ کرے کہ وہ مثل مرتد کے ہے خواہ اپنی نبوت کی طرف وہ لوگوں کو سراً دعوت دے یا جہراً جیسے مسیلمہ کذاب لعنہ اللہ تعالیٰ اور اصبغ بن فرح فرماتے ہیں کہ وہ یعنی وہ شخص جو یہ کہے کہ میں نبی ہوں اور مجھ پر وحی آتی ہے۔ تمام احکام میں مثل مرتد کے ہے اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کا منکر ہے۔ کیونکہ اس نے آنحضرت ﷺ کی اس حکم میں تکذیب کی کہ آپ ﷺ خاتم النبین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر افتراء بھی کرتا ہے۔ (کیونکہ اس نے اس کو نبی صاحب وحی نہیں بنایا۔ یہ محض افتراء کرتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے)"

علا زرقانی فرماتے ہیں:

"قال ابن حبان من ذهب الی ان النبوة مکتسبة لا تنقطع اوالی ان الولی افضل من النبی فهرزندیق یحبب قتله شرح مذاهب ۰ زرقانی ص١٨٨ج٦"

ابن حسان فرماتے ہیں جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ نبوت کسب وعمل سے حاصل ہوسکتی ہے اور کبھی منقطع نہ ہوگی یا یہ کہ نبی سے ولی افضل ہے وہ زندیق ہے اس کا قتل واجب ہے:

شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ:

"وقد قتل عبدالملك ابن مروان الحارث المتنبیء وصلبه و فعل ذلك غیر واحد من الخلفاء والملوك باشبا ههم واجمع علماء وقتهم علی صواب فعلهم والمخالف فی ذلك من کفر هم کافر ۰ اکفار الملحدین ص٥٦ طبع کراچی"

عبدالملک ابن مروان نے حارث مدعی نبوت کو قتل کیا اور سولی پر چڑھایا اور یہی معاملہ بہت سے خلفاء اور شاہان اسلام نے مدعیان نبوت کے ساتھ کیا ہے اور ہر زمانہ کے علماء نے اس پر اجماع واتفاق کیا کہ ان خلفاء اور ملوک کا فعل درست ہے اور جو شخص ان مدعیان نبوت کے کفر میں

اختلاف کرے وہ بھی کافر ہے۔

اور شرح شفاء میں ہے:

"وكذلك نكفر من ادعى نبوه احد مع نبيناﷺ اى فى زمنه كمسيلمة الكذاب والاسود العنسى اوادعى نبوة احد بعده فانه خاتم النبيين بنص القران والحديث فهذا تكذيب الله ورسولهﷺ كالعيسوية ، نسيم الرياض شرح شفاء ج٤ ص٥٠٧)"

اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر سمجھتے ہیں جو ہمارے نبیﷺ کے ساتھ کسی کو نبی مانے یعنی خود آنحضرتﷺ کے زمانہ مبارک میں کسی کو نبی تسلیم کرے۔ جیسے مسلیمہ کذاب اور اسود عنسی یا آپﷺ کے بعد کسی شخص کی نبوت کا قائل ہوا۔ اس لئے کہ آنحضرتﷺ بنص قرآن وحدیث خاتم النبیین ہیں تو (آپﷺ کے ساتھ یا آپﷺ کے بعد کسی کو نبی قرار دینا) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب ہے جیسے عیسویہ کہتے ہیں۔

اور صبح الاعشیٰ ص۳۰۵ میں ہے:

"وهاتان المسئلتان من جملة ماكفر وابه بتجويز النبوة بعد النبیﷺ وسلم الذى اخبر تعالىٰ انه خاتم النبيين"

اور یہ دونوں مسئلے ان مسائل میں سے ہیں جن کی وجہ سے ان لوگوں کی تکفیر کی گئی ہے۔ کیونکہ انھوں نے نبی کریمﷺ کے بعد نبوت جاری رہنے کو جائز قرار دیا۔ جن کے متعلق حق تعالےٰ نے خبر دی ہے کہ آپﷺ خاتم النبیین ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"اذالم يعرف ان محمداﷺ آخر الانبياء فليس بمسلم ولوقال انارسول او قال بالفار سيته من پيغمبر م يريد به من پيغام مى برم يكفر ، فتاوى عالمگیر ى ج٢ ص٢٦٣"

جو کوئی شخص یہ اعتقاد نہ رکھے کہ محمدﷺ آخر الانبیاء ہیں وہ مسلمان نہیں ہے۔ اور اگر یہ کہا کہ میں رسول ہوں (اگرچہ اس کی مراد اصطلاحی رسول و پیغمبر نہ ہو) بلکہ پیغام رساں مراد ہو جب بھی وہ کافر ہے۔ (کیونکہ یہ تاویل بے معنی اور الحاد کا دروازہ کھولنے والی ہے)

علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''من اعتقدوحیابعد محمدﷺ کفر با جماع المسلمین''
جوشخص آنحضرتﷺ کے بعد کسی نئی وحی کا اعتقاد کرے وہ باجماع مسلمین کافر ہے۔
اشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ میں لکھتے ہیں:

''اذالم یعرف ان محمد ﷺ آخرالانبیاء فلیس بمسلم الانہ من لضروریات ۔ اشباہ ص ۱۰۲''
جوشخص نبی کریمﷺ کو آخر الانبیاء نہ سمجھے وہ مسلمان نہیں۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے ہے۔

اور ملاعلی قاری شرح شمائل میں مہر نبوت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:''واضافتہ الی النبوۃ لانہ ختم بہ بیت النبوۃ حتی لا ید خل بعدہ احد''
خاتم النبوت میں خاتم کی اضافت نبوت کی طرف اس لئے کی گئی کہ اس نے بیت نبوت پر مہر لگا دی کہ اس کے بعد اس میں کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔

اور نیز علامہ موصوف شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲ میں فرماتے ہیں کہ :''ودعوی النبوۃ بعد نبینا ﷺ کفر بالاجماع''
اور ہمارے نبیﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا باجماع مسلمین کفر ہے۔
اور علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد نے اپنی تفسیر میں اس مسئلہ کو نہایت مکمل لکھا ہے جس کے چند جملے یہ ہیں:

''وکونہ ﷺ خاتم النببین ممانطقت بہ الکتب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر المدعی خلافہ ویقتل ان اصر ۔ روح المعانی ص ٦٥ ج ٧''
آنحضرتﷺ کا خاتم النبیین ہونا ان چیزوں میں سے ہے جن پر قرآن مجید نے تصریح فرمائی اور احادیث نبویہ نے ان کو واضح کر دیا۔ پس جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہو اس کو کافر کہا جاوے گا۔ اور اگر اس پر اصرار کرے گا تو قتل کیا جائے گا۔
اور تحفہ شرح منہاج میں لکھا ہے:

''اوکذب رسولاً او نبیاً نقصہ بای منقص کان صغراسمہ یرید تحقیرہ اوجوز بنبوۃ احد بعد وجود نبوۃ نبیناﷺ نبی قبل فلایرن ۔

اکفار المحدین ص ٤٢"

یا کسی رسول و نبی کی تکذیب کرے یا ان کی کسی طرح تنقیص شان کرے خواہ اسی طرح ہو کہ ان کے نام کی تصغیر بقصد تحقیر کرے۔ یا ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کے بعد کسی دوسرے شخص کے لئے نبوت کو جائز رکھے (وہ کافر ہے) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (باجود نبی ہونے کے آخر زمانہ میں نازل ہوں گے۔ اس سے ختم نبوت پر شبہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ سے پہلے نبی ہو چکے ہیں۔)

اور ابن حزم میں فرماتے ہیں کہ:

"وکذلك من قال (الی قوله) اوان بعد محمد ﷺ نبیا غیر عیسیٰ بن مریم علیه السلام فانه لا یختلف اثنان فی تکفیره الصحة قیام الحجة بکل (الملل والنحل ج ۲ ص ۲٦۹)"

ایسے ہی وہ شخص بھی کافر ہے جو یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بجز عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور نبی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے کہ اس میں دو آدمی بھی اختلاف نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ اس پر حجت قائم ہے۔

اور شیخ ابوشکور سالمی تمہید میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقالت الروافض ان العالم لا یکون خالیامن النبی قط و هذا کفرلان الله تعالی قال و خاتم النبیین ومن ادعی النبوة فی زماننا فانه یصیر کافرا ومن طلب منه المعجزات فانه یصیر کافرالانه لا شك فی النص فیجب الاعتقاد بانه لا شرکة لا حد فی النبوة لمحمد ﷺ بخلاف ماقاله الروافض ان علیا کان شریکاً لمحمد ﷺ فی النبوة وهذامنهم کفر"

روافض کہتے ہیں کہ عالم کسی وقت ہرگز نبی سے خالی نہیں رہ سکتا اور یہ کفر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: "و خاتم النبیین" اور جو شخص ہمارے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اس سے بنظر (اعتقاد) معجزات طلب کرے وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ اس نے نص قرآنی میں شک کیا۔ پس واجب ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ محمد ﷺ کے ساتھ نبوت میں کسی کی شرکت نہیں ہے۔ بخلاف روافض کے جو کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نبوت میں شریک تھے اور یہ ان کا (کھلا ہوا) کفر ہے۔

اور حضرت امام غزالی اپنی کتاب اقتصاد میں فرماتے ہیں:

''ان الامة فهمت باالاجماع من هذا اللفظ ومن قرائن احواله انه افهم عدم نبی بعده ابداوعدم رسول بعده ابد وانه لیس فیه تاویل ولا تخصیص...... (الاقتصاد باب الرابع فی بیان من یجب التکفیر من الفرق ص ۱۲۳) فکلامه من انواع الهذیان لایمنع الحکم بتکفیره لانه مکذب لهذا النص الذی اجمعت الامة علی انه غیر ماؤل ولا مخصوص''

تمام امت محمدیہ نے اس لفظ (یعنی خاتم النبیین) سے یہی سمجھا ہے کہ اس نے یہ بتلایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد قیامت تک نہ کوئی نبی ہوگا نہ رسول اور یہ کہ نہ اس میں کوئی تاویل ہے نہ تخصیص اور جو شخص اس میں کسی قسم کی تخصیص وتاویل کرے اس کا کلام مجنونانہ ہذیان (بڑ) اور یہ تاویل اس پر حکم کفر کرنے سے مانع نہیں ہے کیونکہ وہ اس نص قرآنی کی تکذیب کرنے والا ہے جس کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ وہ نہ مؤول ہے نہ مخصوص۔

اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیته الطالبین ج ۱ ص۸۸ میں فرماتے ہیں:

''ادعت ایضا ان علیا نبی (الی قوله) لعنهم الله والملائکة وسائر خلقه الی یوم الدین وقلع آثارهم و آبار خضرائهم ولا جعل منهم فی الارض دیار لا نهم بالغوا فی غلوهم و مردو اعلی الکفرو ترکو الاسلام وفار قوالایمان وحجدو الا اله والرسل والتنزیل نعوذ بالله ممن ذهب الی هذه المقالة۔''

روافض نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ حضرت علیؓ نبی ہیں۔لعنت کرے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام مخلوق ان پر قیامت تک اور برباد کرے ان کی کھیتوں کو اور نہ چھوڑے ان میں سے کوئی گھر میں بسنے والا۔اس لئے کہ انہوں نے اپنے غلو میں مبالغہ سے کام لیا اور کفر میں جم گئے اور اسلام وایمان کو چھوڑا اور انبیاء اور قرآن کا انکار کیا۔پس ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔اس شخص سے جس نے یہ قول اختیار کیا۔

اور علامہ عارف باللہ شیخ عبدالغنی نابلسیؒ شرح فراید میں روافض کی تکفیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فساد مذهبهم غنی عن البیان الشهادة العیان کیف و هویؤ، الی تجویز نبی مع نبینا ﷺ او بعده و ذلك یستلزم تکذیب القران و قد نص علی انه خاتم النبیین واخر المرسلین و فی السنة العاقب لا نبی بعدی واجمعت الامة علی ابقاء هذ الکلام علی ظاهره وهذا احد المسائل المشهورة التی کفر نابها الفلاسفة لعنهم الله تعالیٰ۔ اکفار الملحدین ص ٤٢ طبع دیوبند انڈیا“

ان کے مذہب کا فساد محتاج بیان نہیں بلکہ مشاہد ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کے ساتھ یا بعد بھی کوئی نبی پیدا ہوسکتا ہے۔اور اس سے قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے۔اس لئے کہ اس کی تصریح کر دی گئی ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین اور آخر المرسلین ہیں۔اور حدیث میں ہے کہ میں عاقب ہوں۔میرے بعد کوئی نبی نہیں۔اور امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر بغیر کسی تاویل وتخصیص کے رکھا جائے اور یہ بھی انہیں مسائل میں سے ہے۔جن کی وجہ سے ہم نے فلاسفہ ملاعنہ کی تکفیر کی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ مرزا کو باوجود ان خیالات وعقائد باطلہ کفریہ کے جو باجماع امت کفر ہیں اور جن سے مرزائی کتابیں لبریز ہیں نہ صرف مسلمان بلکہ مسیح موعود مہدی موعود۔ محدث وغیرہ مانتے ہیں جس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ (معاذ اللہ) تمام اسلاف امت صحابہ کرامؓ وتابعینؒ اور آئمہ اجتہاد اور ساڑھے تیرہ سو برس کے علماء گمراہی وضلالت میں تھے کہ وہ جن اقوال و افعال کو باجماع کفر وضلال کہتے ہیں۔وہ بجائے کفر وضلالت کے ہدایت مجسمہ اور مسیحیت موعودہ ہے اور کوئی ایسا عقیدہ رکھنا جس سے تمام امت کا گمراہی پر ہونا لازم آئے باتفاق کفر ہے۔

شفاء قاضی عیاض اور اس کی شرح ملا علی قاریؒ میں ہے:

”وکذلك نقطع بتکفیر کل قائل قال قول یتوصل به الی تضلیل الامة المرحومة وتکفیر جمیع الصحابة۔شرح شفا للقاری ص ۵۲۱ ج ۲“

اور ایسے ہی ہم اس شخص کے کفر کا بھی یقین رکھتے ہیں جو کوئی ایسا قول اختیار کرے جس سے تمام امت مرحومہ اور تمام صحابہ کرامؓ کی تکفیر لازم آتی ہو۔

اور علامہ ابن حجر مکیؒ کتاب ”الزواجر عن اقتراف الکبائر“ میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

’’وفی معنی ذلك کل من فعل فعلا اجمع المسلمون علی انه لا یصدر الاعن کافر (الی قوله) اویشك فی نبوة نبی (الی قوله) اوفی تکفیر کل قائل قولا یتوصل به الی تضلیل الامة (زواجرص ۲٤ ج ۱)‘‘

اوراسی حکم میں ہے جوشخص جوکوئی ایسافعل کرے جس کے متعلق مسلمانوں کااجماع ہو کہ یہ فعل سوائے کافر کے کسی سے صادر نہیں ہوسکتا۔یا کسی نبی کی نبوت میں شک کرے یا اس شخص کی تکفیر میں شک کرے جوایسا قول اختیار کرتا ہے کہ جس سے تمام امت کا گمراہ ہونا سمجھا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے شخص کے کفر میں جوشخص شک کرے وہ بھی کافر ہے۔پس جب کسی کافر کو جس کا کفر کھلا ہوا اور صاف ہو صرف مسلمان کہنا بلکہ اس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے۔جیسا کہ زواجر کی عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا ہو۔اگر چہ کسی تاویل کے ساتھ ہوتو پھر مرزا کواس کے عقائد معلوم ہونے کے بعد مہدی اور مسیح وغیرہ کہنے والاضرور بالضرور کافراور خارج از اسلام ہےاور قاضی عیاضؒ نے شفاء میں اور ملاعلی قاریؒ نے اس کی شرح میں اس پر اجماع نقل کیاہے۔ولفظہ ہذا!

’’فالا جماع علی کفر من لم یکفر احد امن النصاری والیهود وکل من فارق دین المسلمین او وقف اوشك قال القاضی ابوبکر لان التوقیف والاجماع اتفاقا علی کفرهم فمن وقف فی ذلك فقد کذب النص والتوقیف اوشك فیه والتکذیب والشك فیه لا یقع الامن کافر۔ (متن الشفاء از شرح قاری ص ۵۱۰ ج ۲)‘‘

اس شخص کے کفر پر اجماع ہے جونصاریٰ ویہود میں سے کسی کوکافر نہ سمجھے یا اس شخص کو کافر نہ سمجھے جومسلمانوں کے دین سے جدا ہو۔یااس میں (بلاوجہ شرعی) توقف یاشک کرے قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ نقل شرعی اور اجماع دونوں ان کے کفر پر متفق ہیں۔پس جوشخص اس میں (بلاوجہ شرعی) توقف یاشک کرے۔اس نے نص شرعی کی تکذیب کی اوراس میں تکذیب یاشک کافر ہی کرسکتا ہے۔

اسی طرح درمختار باب المرتدین میں اس شخص کے متعلق جس نے کسی نبی کی توہین کی ہو تصریح کرتے ہیں:

’’ومن شك فی عذابه و کفره کفر (الشامی ج ۳ ص ۳۱۷)‘‘

اور جو شخص اس کے کفر اور معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر یہ کہا جائے کہ یہود و نصاریٰ اور ہندو آریہ وغیرہ کو مسلمان کہنا تو بے شک حسب تصریحات مذکورہ کفر ہے۔ لیکن قادیانی کا کفر اس درجہ میں نہیں۔ اس کے متعلق اگر کوئی شخص بوجہ حسن ظن کے تاویل کرے تو گنجائش ہے۔ کیونکہ وہ مدعی اسلام ہے اور ظاہر میں قران و حدیث کا اقرار کرتا ہے اور نماز روزہ وغیرہ احکام و شرائع اسلامیہ کا پابند ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ ضروریات دین کے خلاف میں تاویل معتبر نہیں۔ اور نہ اس کی گنجائش ہے۔ ورنہ اگر یہی حسن ظن اور تاویل کی وسعت کی جائے تو دنیا میں کوئی کافر نہیں رہتا۔ کیونکہ عموماً کفار کے طبقات کچھ نہ کچھ تاویل رکھتے ہیں۔ بت پرست اور مشرکین کی تاویل خود قرآن میں مذکور ہے:

''ما نعبدهم الا ليقر بونا الى الله زلفى (زمر ۳) '' اور یہ ان کی تاویل بلاشبہ مرزا کی تاویلات سے زیادہ بہتر ہے۔

مرزا قادیانی کے عقائد کفریہ

نبوت کا دعویٰ' وحی کا دعویٰ' ختم نبوت کا انکار' ختم نبوت کے اجماعی معانی اور اس بارہ میں آیات قرآنیہ کی تحریف' عیسیٰ علیہ السلام کی سخت ترین توہین' دوسرے انبیاء کی توہین۔ وغیرہ وغیرہ! ان کی تمام تصانیف میں اس قدر واضح اور صاف ہیں کہ ان میں کوئی تاویل کرنا اس سے کم نہیں جو مشرکین کی تاویل بت پرستی کے متعلق آیت مذکورہ میں گزری ہے یا حدیث میں ہے کہ مشرکین بوقت طواف تلبیہ میں کہا کرتے تھے۔ لا شريك لك الاشريكا هولك (ترمذی)

اس لئے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ضروریات دین کے بارہ میں اجماعی معانی کے سوا آیات و روایات کی کسی دوسرے معنی کی طرف تاویل کرنا عذر مسموع نہیں اور یہ تاویل ان پر حکم تکفیر کے لئے مانع نہیں ہو سکتی۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ الاكفار الملحدين میں اس کے متعلق کافی نقول جمع فرمادی ہیں۔ (من شاء فلير اجع ثمه) والله الحمد اوله وآخره)

عالم الاسلام والقادیانیه

عداوة القادیانیة للمالك الاسلامیة

ممالک اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداری

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

تعارف

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت جب پاکستان میں چلی تو پوری امت مسلمہ کو قادیانی کذاب اور قادیانیت کے مذموم عقائد وعزائم سے باخبر کرنا ضروری ہو گیا۔ اللہ رب العزت نے یہ کام مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے لیا۔ آپ نے ''ممالک اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداری'' کے عنوان پر عربی اردو میں ایک پمفلٹ مرتب کیا۔ اسلامی ممالک بالخصوص عرب دنیا کو بھجوایا گیا۔ عربی متن اور اس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

عالم الاسلام والقاديانية

عداوة القاديانيه للمالك الاسلامية قاطبة

''القاديانية شرذمة من الهند تنسب الی قاديان كورة من بنجاب

بسم الله الرحمن الرحيم!

ممالک اسلامیہ سے قادنیوں کی غداری

عراق وبغداد

عراق کی فتح اور عمدہ نتائج

''لارڈ ہارڈنگ کا یہ سفر (سفر عراق) سابق والسرائے لارڈ کرزن کے سفر خلیج فارس سے زیادہ اہم اور زیادہ اچھے نتائج کی امید دلاتا ہے۔ ہم اس وقت اس سفر کے نتائج اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں...... یقیناً اس نیک دل افسر (لارڈ ہارڈنگ) کا عراق جانا عمدہ نتائج پیدا کرے گا۔ ہم ان نتائج پر خوش ہیں...... خدا ملک گیری اور جہانبانی اسی کے سپرد کرتا

الهند خرج منها رئیسهم مرزا غلام احمد قد تدرج فی دعاویه من مبلغ الاسلام و مرشده الیٰ المجدد ثم المحدث ثم النبی ثم الرسول والوحی والشریعة ۰ ولم یزل یتشدق فی دعاویه الباطلة ویخبط خبط العشواء فتارة قال انا آدم و تارة نوح و تارة ابراهیم و اخری موسیٰ و عیسیٰ و محمدﷺ و احمدﷺ و ادعی ایضاً انه مریم ام عیسی علیه السلام و انه کرشن رئیس عبدة الاصنام من الهنود و مع ذلك تعلّیٰ علی سائرالانبیاء وائمة الامة وتفوه فی شانهم من السب والشتم بما تقشعر منه الجلود فهذه القادیانیة من زنادقة هذا الزمان یظهرون الاسلام والایمان بالقرآن والرسول ثم یؤمنون هذا المتنبی الکذاب ویکفرون من لم یؤمن به حتی اطلقو القول بتکفیر الامة المرحومة کلهم الامن آمن بمتنبیهم الکذاب وقد عادت هذه الطائفة الطاغیة داهیة علی السلام والمسلمین والممالك الاسلامیة قاطبة و ذالك لان هذه الجرثومة قد غرسها الانکلیز للتفریق بین المسلمین وغیره من اغراضه الفاسدة وقد اقربه هذا المتنبّی الکذاب فی بعض الرسائله ولم یزل هذا المتنبّی یتملق عند الانکلیزو ویمدحه بملاشدقیه وکتبه مملوة من ذالك فهذه نبذة مماجنت هذه الشرذمة علی الاسلام والممالك الاسلامیة وقد اقرت بهاواشاعتها فی الجرائد والصحف بغایة الوقاحة نذکر انموذجا منها نقلاعن تصانیفهم وجرائدهم ۰"

ہے۔ جو اس کی مخلوق کی بہتری چاہتا ہے اور اس کو حکمراں بناتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔ پس ہم پھر کہتے ہیں کہ ہم خوش ہیں۔ کیونکہ ہمارے خدا کی بات پوری ہوتی ہے......اور ہمیں امید ہے کہ برٹش حکومت کی توسیع کے ساتھ ہمارے لئے اشاعت اسلام کا میدان بھی وسیع ہو جائے گا...... اور غیر مسلم کو مسلم بنانے کے ساتھ ہم مسلمانوں کو پھر مسلمان کریں گے۔"

(اخبار الفضل قادیان جلد۲ شمارہ نمبر۱۰۳ ص۳، ۱۱ فروری ۱۹۱۵ء)

عراق کے فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہائے

"عراق کے فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہائے اور میری (میاں محمود احمد) تحریک پر سینکڑوں آدمی بھرتی ہو کر چلے گئے..........لیکن جب وہاں حکومت قائم ہوگئی تو

(۱)..........'' صنیع القادیانیة ببغداد والعراق فی اخرجها عن سلطة الاسلام الی تسلط البریطانیة ریئس القادیانیة الیوم مرزا محمود قد خطب یوم الجمعة فی قادیان۔ ''

'' ان رجال الاحمدیة (القادیانیة) قد بذلوا انفسهم واراقوادمائهم فی فتح العراق (للبریطانیة) وبامری دخل مائة من الرجال فی عسکر البریطانیة ولکنهالما احکمت سلطتها فی تلک البلادو تمکنت فیها قد شرطت علی عمالها الحریة للمسیحین فی نشر مذهبهم والد عوة الیه ولم تشترط مثل ذلك للاحمدیین (یسمعون انفسهم احمدیین اضافة الی غلام احمد) بل الاحمدیون انشکوا الی عامل العراق ما یعتریهم من الازی لا یلتفت الیه'' (الفضل قادیان جلد ۱۱ شمارہ ۱۷ ص ۸ ' ۳۱ اگست ۱۹۲۳ء)

گورنمنٹ نے یہ شرط تو کروائی کہ پادریوں کو عیسائیت کی اشاعت کرنے میں کوئی روک نہ ہوئی۔ مگر احمدیوں کے لئے صرف اس قسم کی شرط نہ رکھی۔ بلکہ اگر احمدی اپنی تکلیف پیش کرتے ہیں تو بھی عراق کے ہائی کمشنر اس میں دخل دینے کو اپنی شان سے بالا سمجھتے ہیں۔''

(الفضل قادیان جلد ۱۱ شارہ نمبر ۱۷/ص ۸/۳۱/اگست ۱۹۲۳ء)

مذکورہ تحریر سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مرزائیوں کا مذہبی نصب العین یہ ہے کہ دنیا کی جہانبانی انگریزوں کو ملے۔ تا کہ ان کے زیر سایہ یہ اپنی مذہبی تبلیغ کرنے میں آزاد رہیں۔ یہ نہایت ہی خوفناک نظریہ ہے۔

گورنمنٹ برطانیہ قادیانیوں کی تلوار ہے

'' حضرت مسیح موعود (مرزا) فرماتے ہیں کہ میں وہ مہدی موعود ہوں اور گورنمنٹ برطانیہ میری وہ تلوار ہے..... جس کے مقابلہ میں ان علماء کی کچھ پیش نہیں جاتی...... اب غور کرنے کا مقام ہے کہ پھر ہم احمدیوں کو اس فتح (بغداد) سے کیوں خوشی نہ ہو..... عراق عرب ہو یا شام۔ ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔ فتح بغداد کے وقت ہماری فوجیں مشرق سے داخل ہوئیں۔ دیکھئے کس زمانہ میں اس فتح کی خبر دی گئی۔ ہماری گورنمنٹ برطانیہ نے جو بصرہ کی طرف چڑھائی کی اور تمام اقوام سے لوگوں کو جمع کر کے اس کی طرف بھیجا۔ دراصل اس کے محرک خدا تعالیٰ کے وہ فرشتے تھے جن کو اس گورنمنٹ کی مدد کے لئے اس نے ایسے وقت اتارا جبکہ وہ لوگوں

”هذه الخطبة قد نشرت من قاديان فى جريدتهم الا سبوعيه الفضل نمبر ١٧ وايضاً نشر فى هذه الجريدة ١٩١٥ء ١١ فرورى نمبر ١٠٣ ص ٣ جلد٢ “ ”سفر لوردهاڈنگ هذا (يعنى سفره العراق اهم من سفره العراق اهم من سفر لورد كرزن الى خليج فارس وارجى لنتائج المفيدة قدسرنا ذهاب هذا الامير الصالح القلب الى العراق لمانرى فى ذهابه اليه فوائد عظيمه وان الله تعالى يفوض الحكومة الى من يراه اهلالها ونرجوان يتسع لنادائرة العمل فى التبليغ والاشاعة جسما تتسع دائرة الحكومة البريطانيه اهه“وقد نشر فى هذه الجريدة

”قال المسيح الموعود (يعنى متنبيهم الكذاب مرزا) اننى انا المهدى الموعودوان حكومة البريطانية سيفى الذى نصرت به فى حرب علماء الاسلام ٠ فانظر واكيف لايفرح الاحمديون بهذا الفتح (يعنى فتح بغداد) ونحن نحب ان نرى لمعان هذا السيف (يعنى دولته البريطانية فى العالم كله العراق والشام فيه سواء“

”قد دخلت عساكرنا فى فتح بغداد من جهة الشرق وان حكومة البرطانية لما حملت على بصره ارسل الله اليها ملكين ينصران هذه الدولة ٠ صينعهم بالشام (سيريا) قال فى الجريدة المذكورة“

(الفضل قاديان ج٦شماره٤٢ ص٩ / ٧دسمبر ١٩١٨ء)

کے دلوں کو اس طرف مائل کر کے ہر قسم کی مدد کے لئے تیار کریں۔“

(الفضل قادیان ج٦ شمارہ۴۲/ ۷/دسمبر ۱۹۱۸ءص۹)

سیریا (شام)

بیت المقدس کے حقدار صرف قادیانی ہیں

”اگر یہودی اس لئے بیت المقدس کی تولیت کے مستحق نہیں کہ وہ جناب مسیح اور حضرت نبی کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کے منکر ہیں......اور عیسائی اس لئے غیر مستحق ہیں کہ انہوں نے خاتم النبیین کی رسالت کو نبوت کا انکار کر دیا ہے تو یقیناً یقیناً غیر احمدی (مسلمان) بھی مستحق تولیت بیت المقدس نہیں...... کیونکہ یہ بھی اس زمانہ میں مبعوث ہونے والے خدا کے ایک

''وان لم يكن ليهود اهلا لولاية بيت المقدس لا انحرافهم عن الايمان بنبوة عيسىٰ عليه السلام ونبوة نبينا ﷺ وكذالك ليست النصارى اهدو هالنلك لانكارهم نبوة خاتم النبيين فذلك المسلمون غير الاحمديين ليسوا اهلا لنلك فانهم انكروا نبوة من بعث من اولى العزم فى هذا الزمان نبيامن الله فان قيل ان نبوة مرزا غلام احمد ليست بثابت فيقال عند من

اولوالعزم نبی (مرزا قادیانی) کے منکر اور مخالف ہیں۔ اگر کہا جائے کہ حضرت مرزا صاحب کی نبوت ثابت نہیں تو سوال ہوگا کہ کن کے نزدیک؟۔ اگر جواب یہ ہے کہ نہ ماننے والوں کے نزدیک۔ تو اس طرح یہود کے نزدیک مسیح اور آنحضرت ﷺ کی اور مسیحیوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی رسالت ونبوت بھی ثابت نہیں۔ اگر منکرین کا فیصلہ ایک نبی کو غیر نبی ٹھہراتا ہے تو کروڑوں عیسائیوں اور یہودیوں کا اجماع ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ منجانب اللہ نبی اور رسول نہ تھے۔ پس اگر غیر احمدی بھائیوں کا یہ اصل درست ہے کہ بیت المقدس کی تولیت کے مستحق تمام نبیوں کے ماننے والے ہی ہو سکتے ہیں تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ احمدیوں کے سوا خدا کے تمام نبیوں کا مومن اور کوئی نہیں۔''

(الفضل قادیان ج۹ شمارہ ۳۶ص ۴، ۷ نومبر ۱۹۲۱ء)

اگر اہل قادیانی ہو جاتے تو......؟

''اب اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے وہ زمین نکلی ہے تو پھر اس کا سبب تلاش کرنا چاہئے۔ کیا مسلمانوں نے کسی نبی کا انکار تو نہیں کیا...... سلطنت برطانیہ کے انصاف اور امن اور آزادی مذہب کو ہم دیکھ چکے آزما چکے ہیں اور آرام پا رہے ہیں۔ اس سے بہتر کوئی حکومت مسلمانوں کے لئے نہیں ہے۔ اس زمانہ میں کوئی مذہبی جنگ نہیں۔''

(اخبار الفضل جلد ۵ شمارہ ۷۵ص ۱۹۸/ مارچ ۱۹۱۸ء)

ترکی

ترک سے مذہبا ہمارا کوئی تعلق نہیں

قادیانی جماعت کا ایڈریس بخدمت ایڈورڈ میکلیگن لیفٹیننٹ گورنر پنجاب:

''ہم یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ مذہبا ہمارا ترکوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم اپنے مذہبی نقطہ خیال سے اس امر کے پابند ہیں کہ اس شخص کو اپنا مذہبی پیشوا سمجھیں جو حضرت مسیح موعود کا جانشین ہو اور دنیاوی لحاظ سے اسی کو اپنا بادشاہ سلطان یقین کریں جس کی حکومت کے نیچے ہم رہتے ہوں۔

فان قلتم عند المخالفين فنبوة المسيح ومحمد ﷺ عند اليهود ونبوة نبينا عند انصاری كذالك غير ثابتة ۰ فان كان بقول المخالفين يحكم بتكذيب الانبياء فاجتماع ملايين من اليهود والنصاری علی مخالفة نبينا وانكار نبوة يستلزم عدم نبوة ﷺ ۰ فان سلمنا ضابطة المسلمين بان المستحق لتولية بيت المقدس هم الذين امنو بجميع الانبياء فنحن لامحاشی باعلان ان مصداقه ليس الا الاحمدييون فان غيرهم من الامة المحمدية لم يؤمنوا بنبی هذ الزمان (غلام احمد)'' (الفضل قاديان ج ۹ شماره ۳۶ ص ٤ / ۷نومبر ۱۹۲۱ء)

''وايضاً ذكر فی هذه الجريدة خطبة لبعض قائدی هذه الفرقة قال فيها''

'' انا جربنا عدل الحكومة البريطانية والامن والاطمينان فيها و حرية المذهب فاليوم ليست حكومة احری بالمسلمين من حكومة البريطانية ۰'' (الفضل قاديان جلد ٥ شماره ۷٥ ص ۸ ۱۹ مارچ ۱۹۱۸ء)

صنيعهم بالتركية

''ذكر فی جريدة الفضل المذكور ۰ انا نری ان نصدع بالصدق فی

پس ہمارے خلیفہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے خلیفہ ثانی ہیں اور ہمارے بادشاہ اور سلطان حضور ملک معظم ہیں۔'' (الفضل قادیان ۲۲ دسمبر ۱۹۱۹ء ج ۷ ش ۴۸)

سلطان ٹرکی ہرگز خلیفۃ المسلمین نہیں

''صیغہ امور عامہ قادیان کا اعلان'' اخبار لیڈر الہ آباد مجریہ ۲۱ جنوری ۱۹۲۰ء میں خلافت کانفرنس کا ایڈریس بخدمت جناب وائسرائے شائع کیا گیا ہے۔ فہرست دستخط کنندگان میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کے نام سے پہلے کسی شخص مولوی محمد علی قادیانی کا نام درج ہے۔ مولوی محمد علی کے نام کے ساتھ قادیانی کا لفظ محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے لکھا ہے۔ اور نہ قادیان سے کوئی تعلق رکھنے والا احمدی نہیں ہے' جو سلطان ٹرکی کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کرتا ہو...... معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری سرگروہ کے غیر مبائع ہیں۔ لیکن وہ لفظ قادیانی کے ساتھ لکھنے کے ہرگز مستحق نہیں ہیں۔ نہ اس لئے کہ وہ قادیان کے باشندہ ہیں اور نہ اس لئے کہ وہ مرکز قادیان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ان کے عقیدہ کے مطابق سلطان ٹرکی خلیفۃ المسلمین ہے تو اس عقیدہ کو ظاہر کرنے کے لئے قادیان کی آڑ کیوں لیتے ہیں؟۔ لہذا بذریعہ اس اعلان کے پبلک کو مطلع کیا

امرنا بانه ليس بيننا وبين الترك اى رابطة مذهبية فان مذهبنا ان لا نقتدى مذهبا وعقيدة الابمن هو خليفة المسيح الموعود عند ناوان لانطيع الاسلطان الذى نحن فى امرته وسلطاننا اليوم الملك معظم للبريطانية''

(الفضل قاديان جلد ۷ شماره ٤٨' ٢٢ دسمبر ۱۹۱۹ء)

''قد نشر فى جريدة جلد ۷ نمره (٦١) ١٦ فبرائر ١٩٢٠ء اعلامية من صيغة الامور العامة فى قاديان''

''لعلم كل من ينسلك فى القاديانية ان من اعتقد فى سلطان التركية انه خليفة المسلمين فليس هومن الاحمديين القاديانيين۔''

صنيعهم بافغانستان

''فى ٣١ اگست ١٩٢٤ء قتل رجلان من القاديانية فى كابل

جاتا ہے کہ قادیان سے تعلق رکھنے والے کسی احمدی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ سلطان ٹرکی خلیفۃ المسلمین ہے۔'' (الفضل قادیان ج ۷ ش ۶۱' ۱۶/فروری ۱۹۲۰ء)

افغانستان

شاہ افغانستان امیر امان اللہ خاں کے عہد حکومت میں نعمت اللہ خان مرزائی کو مرزائی عقائد رکھنے کی وجہ سے علماء افغانستان کے فتویٰ سے مرتد قرار دیا گیا تھا اور شریعت مطہرہ کے قانون کے مطابق اس جرم ارتداد میں اس کو بتاریخ ۳۱/ اگست ۱۹۲۴ء بعد نماز ظہر بروز اتوار بمقام شیر پور (چھاؤنی کابل) سنگسار کر کے قتل کیا گیا۔ اس پر ہندوستان کے مرزائیوں نے شور و غل مچایا اور اس فعل کو خلاف اسلام قرار دینے کی کوشش کی۔ اس پر اس وقت کے حضرات علماء کرام نے تحقیقی مقالات اور اخبارات میں مضامین لکھے۔ اسی موضوع پر شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا شبیر احمد عثانی نور اللہ مرقدہ نے اپنا رسالہ ''الشهاب لرجم الخاطف المرتاب'' لکھا جس نے مسئلہ ارتداد کو شرعی نقطہ نظر سے حل کرتے ہوئے فرقہ مرزائیہ کو ہمیشہ کے لئے لاجواب اور خاموش کر دیا۔

عبداللطیف مرزائی جہاد کی مخالفت کی وجہ سے قتل کیا گیا

''ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کی شہادت کی وجہ

(افغانستان) بامر الحكومة و ذلك لانه ثبت عند حكومة افغانستان ارتداد هما عن الاسلام باعتقادهم النبوة لمرزا غلام احمد وايضاً ثبت عندها انهما من جواسيس الانكليز وهمايدسسان بين المسلمين من وجى متنبيهم ان حكم القرآن بالجهادوقد نسخه نبى هذا العصر مرزا غلام احمد وانه لايجوز اليوم لاحد الجهاد بالسيف لاعلائكلمة الله وكان قتلهما بفتوى العلماء واتفاقهم على ذلك فاغتاظت القاديانية على افغانستان لذلك والجائت ت الى ملجاء هم الانكليز وحرضتهم ومجلس الدول المتحده على كبت الحكومة الافغانيه" وقال خليفة متنبيهم مرزا محمود فى خطبة يوم الجمعة بقاديان۔ "

"ان رجالنا حين دخلوا فى افغانستان لوسكتوا عن بيان عقيدة

کیا تھی؟۔اس کے متعلق ہم نے مختلف افواہیں سنیں مگر کوئی یقینی اطلاع نہ ملی تھی۔ایک عرصہ دراز کے بعد اتفاقاً ایک لائبریری میں ایک کتاب ملی جو چھپ کر نایاب ہوگئی تھی۔اس کتاب کا مصنف ایک اطالوی انجینئر ہے۔جو افغانستان میں ایک ذمہ دار عہدہ پر فائز تھا۔لکھتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو اس لئے شہید کیا گیا کہ وہ جہاد...... کے خلاف...... تعلیم دیتے تھے......اور حکومت افغانستان کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبہ حریت کمزور ہوجائے گا...... اوران پر انگریزوں کا اقتدار چھا جائے گا۔اس کتاب کے مصنف کی یہ بات اس لئے بھی یقینی ہے کہ وہ شاہ افغانستان کا درباری تھا......اور اس لئے بھی کہ وہ اکثر باتیں خود وزراء اور شہزادوں سے سن کر لکھتا ہے اور ایسے معتبر راوی کی روایت سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچتا ہے کہ اگر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید خاموشی سے بیٹھے رہتے اور جہاد کے خلاف......کوئی لفظ بھی نہ کہتے تو حکومت افغانستان کو انہیں شہید کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔"

(میاں محمود احمد کا خطبہ جو مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد ۲۳ نمبر ۲۱ ص ۲،۱۶ اگست ۱۹۳۵ء)

جماعت احمدیہ کا مسلک جہاد کی مخالفت ہے

"اگر ہمارے آدمی افغانستان میں خاموش رہتے اور جہاد کے باب میں جماعت احمدیہ کے مسلک کو بیان نہ کرتے تو شرعی طور پر ان پر کوئی اعتراض نہ تھا۔مگر وہ اس بڑھتے ہوئے

الاحمديين فى مسئلة الجهاد بانه منسوخ لما قتلوا ولكنهم اضطروا على بيانها اعانة لمملكة البريطانيه وحبهم اياها الذى اشربوه فى قلوبهم من قاديان۔" (الفضل قاديان جلد ۲۲ شماره ۳۱ ص ۲۔۷ اگست ۱۹۳۵ء)

جوش کا شکار ہو گئے جو انہیں حکومت برطانیہ کے متعلق تھا...... اور وہ اس ہمدردی کی وجہ سے سزا کے مستحق ہو گئے جو قادیان سے لے کر گئے تھے۔" (الفضل قادیان ج ۲۳ ش ۳۱ ص ۲، ۶ اگست ۱۹۳۵ء)

گورنمنٹ افغانستان کے خلاف سازشی خطوط

"افغان گورنمنٹ کے وزیر داخلہ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا ہے۔ کابل کے دو اشخاص ملا عبدالحکیم چہار آسیائی و ملا نور علی دکان دار قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے اور لوگوں کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے انہیں صلاح کی راہ سے بھٹکا رہے تھے۔ جمہوریہ نے ان کی اس حرکت سے مشتعل ہو کر ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجرم ثابت ہو کر عوام کے ہاتھوں پنجشنبہ ۱۱ رجب کو عدم آباد پہنچائے گئے۔ ان کے خلاف مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکت افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط انکے قبضے سے پائے گئے...... جن سے پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھوں بک چکے تھے۔"

(الفضل قادیان ج ۱۲ ش ۹۶ ص آخری ۳/ مارچ ۱۹۲۵ء)

لیگ اقوام سے افغانستان کیخلاف مداخلت کی اپیل

"جماعت احمدیہ کے امام میرزا بشیر الدین محمود صاحب خلیفۃ المسیح الثانی نے لیگ اقوام سے پرزور اپیل کی ہے کہ حال میں پندرہ پولیس کانسٹیبلوں اور سپرنٹنڈنٹ کے روبرو دو احمدی مسلمانوں کو محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے حکومت کابل نے سنگسار کر دیا ہے۔ اس کے لئے دربار افغانستان سے باز پرس کے لئے مداخلت کی جائے۔ کم از کم ایسی وحشیانہ حکومت اس قابل نہیں کہ مہذب سلطنتوں کے ساتھ ہمدردانہ تعلقات رکھنے کے قابل سمجھی جائے۔"

(الفضل قادیان ج ۱۲ ش ۹۵...... ۲۸ فروری ۱۹۲۵ء)

قسطنطنیہ فتح ہو گیا اور کابل کو فتح کیا جائے گا

"اب دیکھو قسطنطنیہ بھی مفتوح ہو گیا۔ پھر حضرت مسیح موعود کے مخالف آپ کو اکثر کہا کرتے تھے۔ کابل میں چلو پھر دیکھو تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونا ہے۔ اب ایسے سامان پیدا ہو

وايضاً نقل فی هذه الجريدة القاديانية!

من حكومة افغانستان فی امر المقتولين ۔ مانصه!

’’ ان ملا عبدالحكيم وملا نور علی قد اختارا مذهب القاديانية فرفع امرهما جمهور المسلمين من افغانستان الی القضاء حتی قتلا بايدی المسلمين بعد ثبوت الجرم عليهما علی انهما قد ثبتت عليهما خيانة مملكة افغانستان فی اعانة اعدائها وبرزت من عندهما خطوط و مقررات تدل علی

رہے ہیں کہ عنقریب انشاء اللہ ہم کابل میں جائیں گے اور ان کو دکھائیں گے کہ جن کو وہ قتل کرنا چاہتے تھے اس کے (مرزا قادیانی کے) خدام خدا کے فضل سے صحیح سلامت رہیں گے۔‘‘

(اخبار الفضل مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء ج ۶ ص ۷ نمبر ۹۰)

امیر امان اللہ خاں نے نادانی سے انگریزوں سے جنگ شروع کی

’’اس وقت (بعہد شاہ امان اللہ خاں‘ جو کابل نے گورنمنٹ انگریزی سے نادانی سے جنگ شروع کر دی ہے۔ احمدیوں کا فرض ہے کہ گورنمنٹ کی خدمت کریں کیونکہ گورنمنٹ کی اطاعت ہمارا فرض ہے...... لیکن افغانستان کی جنگ احمدیوں کے لئے ایک نئی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ کابل وہ زمین ہے جہاں ہمارے نہایت قیمتی وجود مارے گئے اور ظلم سے مارے گئے اور بے سبب اور بلاوجہ مارے گئے۔ پس کابل وہ جگہ ہے جہاں احمدیت کی تبلیغ منع ہے اور اس پر صداقت کے دروازے بند ہیں۔ اس لئے صداقت کے قیام کے لئے گورنمنٹ برطانیہ کی فوج میں شامل ہو کر ان ظالمانہ روکوں کو دفع کرنے کے لئے گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کرنا احمدیوں کا مذہبی فرض ہے۔ پس کوشش کرو۔ تاکہ تمہارے ذریعے وہ شاخیں پیدا ہوں۔ جن کی حضرت مسیح موعود نے اطلاع دی ہے۔‘‘ (الفضل قادیان ج ۶ ش ۹۰ ص ۸...... ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء)

جنگ کابل میں مرزائیوں کی انگریزوں کو معقول امداد

’’قادیانی جماعت کا ایڈریس بخدمت ہزاکسی لینسی لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند‘ جب کابل کے ساتھ جنگ ہوئی تب بھی ہماری جماعت نے اپنی طاقت سے بڑھ کر مدد دی۔ اور علاوہ اور کئی قسم کی خدمات کے ایک ڈبل کمپنی پیش کی جس کی بھرتی بوجہ جنگ ہو جانے کے رک گئی۔ ورنہ ایک ہزار سے زائد آدمی اس کے لئے نام لکھوا چکے تھے...... اور خود ہمارے سلسلہ کے بانی کے

انهما کانا اجیرین لا عداء المملکة ۰ ''

(الفضل قادیان ج۱۲ شمارہ۹٦ ص آخری ۳مارچ ۱۹۲۵ء)

''قال فی جریدة الفضل مظهراً اللفرح والسرور بتسلط الکفار علی قسطنطنیه وارها بالمملکة افغانستان مانصه ۰ فانظر والی قسطنطنیه وارها بالمملکة افغانستان مانص۰''

چھوٹے صاجزادے اور ہمارے موجودہ امام کے چھوٹے بھائی نے اپنی خدمات پیش کیں اور چھ ماہ تک ٹرانسپورٹ کور میں آنریری کے طور پر کام کرتے رہے۔'' (الفضل قادیان ۴جولائی ۱۹۲۱ء ج۹ ش۱)

عبداللطیف مرزائی کو امیر امان اللہ خان نے کیوں قتل کروایا

''ہمارے آدمی کابل میں مارے گئے۔ محض اس لئے کہ وہ جہاد کرنے کے مخالف تھے۔ اٹلی کے ایک انجینئر نے جو حکومت افغانستان کا ملازم تھا لکھا ہے کہ امیر حبیب اللہ خان نے صاجزادے عبداللطیف کو اسی لئے مروایا کہ وہ جہاد کے خلاف تعلیم دے کر مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرتا تھا۔ پس ہم نے اپنی جانیں اس لئے قربان کیں۔ انگریزوں کی جانیں بچیں......مگر آج ہمیں بعض حکام سے یہ بدلہ ملا ہے کہ ہم سب سے باغی اور شورش پسند والا سلوک روا رکھا گیا ہے۔'' (الفضل قادیان یکم نومبر ۱۹۳۴ء ج۲۲ ش۵۴ ص۱۲)

حضرات! جنگ کابل کا مختصر واقعہ ہے کہ ۱۹۱۹ء میں افغانستان کے ترقی پسند برطانیہ دوست حکمراں حبیب اللہ کو شہید کردینے کے بعد اس ملک کے قدامت پسندوں نے ان کے بھائی نصر اللہ خان کو بادشاہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن امیر شہید کے خلف الرشید امان اللہ خان نے اپنے چچا کو قید کرکے خود تخت حکومت پر متمکن ہو گئے۔ افغانستان کی عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد امیر امان اللہ خان نے برطانیہ کے خلاف اعلان جہاد کردیا۔......اور افغانستان کی فوجیں درہ خیبر سے گزر کر آزاد سرحدی قبائل سے مل گئیں!!

بہرحال اس جنگ کے نتیجہ میں پہلے تو عارضی صلح ہوئی اور اس کے بعد ۱۹۲۱ء میں مستقل صلح نامہ ہو گیا۔ جس کی رو سے افغانستان کی کامل آزادی کو تسلیم کرلیا گیا۔ امیر امان اللہ خان نے روس کے ساتھ بھی تعلقات خوشگوار قائم رکھے اور ہر دو حکومت کے درمیان ایک معاہدہ کرکے روس کے ساتھ تعلقات کو استوار بنالیا......ایسے حضرات بہت کم ہیں جو اس حقیقت سے آگاہ ہوں کہ اس آزادی میں بہت کچھ محمودی اور عبیدی اور دیوبندی سیاست کا بھی؟۔ حسب الحکم مولانا شیخ الہند مرحوم مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کئی برس تک کابل میں قیام پذیر رہے اور جلوت وخلوت میں

”فانظر والی قسطنطنیه فانها قد فتحت ونحن ندخل افغانستان عن قریب ان شاء الله فاتحین“ (الفضل قادیان ج٦شمارہ ۹۰ص ۷/۲۷ مئی ۱۹۱۹ء)

وقال خلیفتهم محمود فی خطبة الجمعة بقادیان ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء:

”ان فی هذا العهد(یعنی عهد سلطنة شاه امان الله بکابل) الحرب

ثمر حریت کی تخم ریزی کرتے رہے جس کا نتیجہ امیر امان اللہ خان کا اعلان جہاد اور حصول حریت افغانیہ تھی۔تب ہی تو ایک انگریز نے جو برطانیہ کی طرف سی نمائندہ تھا کہا تھا کہ یہ صلح درحقیقت برطانیہ اور مولانا عبیداللہ کے درمیان ہے۔حضرات متذکرہ عنہا عبارت سے اچھی طرح اس بات کا اندازہ ہو چکا ہوگا کہ امیر امان اللہ خان نے جہاد کر کے اپنے ملک کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلا کر دولت حریت سے بہرہ ور کیا......اس جنگ میں مرزائیوں نے انگریزوں کی فوج میں شامل ہو کر ایک اسلامی ملک کو کس طرح نیست و نابود کرنے کے لئے ”اپنی قوت و طاقت سے زیادہ ہمدردی“ اور اسی ملک میں بیٹھ کر جہاد کی مخالفت کرنا کیا اسلام اور اسلامی اسٹیٹ سے کھلی ہوئی غداری نہیں؟۔دنیا کی کوئی باخبر حکومت ایسی منافقت اور غداری برداشت نہیں کر سکتی۔ہمیں خوف ہے کہ خدانخواستہ کسی وقت میں ہمارے ملک کے ساتھ بھی ایسی ہی غداری کریں گے۔مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہیے۔

پاکستان سے قادیانیوں کی غداریاں

۱.........مرزائیوں نے باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنا کیس مسلمانوں سے علیحدہ پیش کیا۔

۲.........مرزائیوں نے وزارتی کمیشن سے مسلمانوں سے جدا حقوق طلب کئے۔

۳.........مرزائیوں نے مذہب‘سیاست‘معیشت‘تجارت ہر معاملہ میں پاکستانی مسلمانوں سے جدا رہنے کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔

۴.........مرزائی ۳۰ سال سے آزادی کشمیر کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

(آفتاب احمد سیکرٹری جموں وکشمیر مسلم کانفرنس اخبار آزاد)

۵.........جنگ کشمیر میں جہاد کے نام سے مرزائیوں نے اپنی علیحدہ فرقان بٹالین تیار کی۔پاکستانی فوج ہوتے ہوئے یہ متوازی فوج کیسے اور کیوں؟۔ (اللہ رکھا ساغر کشمیری)

۶.........۵/اپریل ۱۹۴۷ء میں اکھنڈ ہندوستان کا الہامی عقیدہ بیان کرتے ہوئے

اللتی حرث بین مملكة افغانستان ولا نكليز بسؤع فهم من اميرها۔ ففريضة الاحمديين فی هذا الحرب ان يعينو البرطانيه بنفوسهم ونفاسهم وان يشتر كوافی جنود البريطانيه وهذا فرضهم من حيث المذهب۔"

(الفضل قاديان ج ٦ شماره ٩٠ ص ٨، ٢٧ مئی ١٩١٩ء)

"وايضاً قال خليفتهم فی خطاب الترحيب للورد ريڈن امتنانا عليه بما اسلفت امتهم فی خدمة البريطانية فی مبارزه المسلمين بافغانستان مانصه"

"انه قد اعانت جماعتنا فی حرب البرطانيا بكابل فوق طاقتهم وابن نبينا مرزا غلام احمد اخو خليفة اليوم قد تولی هذه الخدمة بنفسه۔" (الفضل قاديان ج ٩ شماره ١، ٤ جولائی ١٩٢١ء)

وايضا قال خليفتهم مرزا محمود فی خطبة فی نومبر ١٩٣٤ء بقاديان:" انا بذلنا انفسنا لنحفظ انفس الانكليسين ولكنهم عاملونا معاملة البغاة والاعداء۔" (الفضل قاديان يكم نومبر ١٩٣٤ء ج ٢٢ شماره ٥٤ ص١٢)

اقرار خليفة اليوم مرزا محمود بان جماعتهم قوم علحدة من المسلمين:

"قال انی ارسلت رسالة الی مفوض الامر ببريطانيه ان يجعلوا حقوق جماعتنا علی حدة من المسلمين كما انهم جعلوها للفار سيين والعيسائيين فقال كيف ذلك وانتم فرقة من المسلمين لا قوم براسه فقلت لابل ان كنا فرقة من قوم فذالك الفارسية والعيسائية فرقة من قومهم فلا فرق۔" (الفضل قاديان ١٣ نومبر ١٩٤٦ء بحواله اخبار زميندار ١٣ جولائی ١٩٥٣ء)

مملکت پاکستان کے وجود کو عارضی قرار دیا۔

۷..........حرمت جہاد کے فتویٰ کی نشر واشاعت ہی پاکستان و دیگر بلا د اسلامیہ کو نیست ونابود کرنے کی کوشش کی۔

۸..........حیدر آباد دکن و جونا گڑھ و دیگر ریاست ہائے ہند جو بلا جبر واکراہ پاکستان میں شامل ہوئی تھیں۔ پھر ان پر بھارت نے ناجائز قبضہ کرلیا۔ ان کی پیروی میں ظفر اللہ قادیانی

”فهذا انموذج ماجنت طائفة القاديانية علی الاسلام والمسلمین ودول المسلمین ذکرنا ھا نصحاً للمسلین لیکونو اعلی حذر من مکائدھم فانھم فی ظواھرھم ملتبسون بالمسلمین ویعدون انفسھم مسلمین و یصلون الصلوة ویقرون القرآن ویضمرون فی قلوبھم النفاق والکفر ولایزالون یطلبون الفرض لکید المسلمین ودولھم ۰ وھذا دینھم ودیدنم بالامة الاسلامیة ۰ “

قد بدت البغضاء من افواھم وما تخفی صدورھم اکیر اللھم انا نجعلك فی نحورھم ونعوذ بك من شرواھم !

العبد محمد شفیع

من کراتشی باکستان

٤شعبان ١٣٧٢ھ ١٨ اپریل ١٩٥٣ء

نے غداری سے کام لیا۔ان کی ہر تقریر و وعظ سے بھارت کو فائدہ پہنچا۔

۹............مرزائیوں نے راولپنڈی کی سازش میں نہ حصہ لیا۔ بلکہ اس کے بانی مبانی تھے جس کی پاداش میں اب تک چند مرزائی گرفتار ہیں۔

۱۰............انگریزوں کے ہاتھ میں پاکستان کی بیع کرنے کے ناپاک عزائم۔

مرزا محمود کا اقرار کہ وہ مسلمانوں سے علیحدہ اقلیت ہیں

”میں نے اپنے ایک نمائندہ کی معرفت ایک بڑے ذمہ دار افسر کو کہلا بھیجا ہے کہ پارسیوں اور عیسائیوں کی طرح ہمارے حقوق بھی تسلیم کئے جائیں جس پر افسر نے کہا کہ وہ تو اقلیت ہیں اور تم ایک مذہبی فرقہ۔اس پر میں نے کہا کہ پارسی اور عیسائی بھی تو مذہبی فرقہ ہیں جس طرح ان کے حقوق علیحدہ تسلیم کئے گئے ہیں اس طرح ہمارے بھی کئے جائیں۔تم ایک پارسی پیش کرو اس کے مقابلہ میں دو احمدی (مرزائی) پیش کرتا جاؤں گا۔“

(اخبار الفضل ۱۳ نومبر ۱۹۴۶ء بحوالہ اخبار زمیندار ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء ۲۰ شوال ۱۳۷۱ھ)

شائع کردہ: ناظم سلسلہ تبلیغ واشاعت شعبہ دارالافتاء آرام باغ کراچی

نبذة من نفثات صدر الدجال القادیانی

ادعاء المعجزات لنفسه والتفضل علی الانبیئا والاستخفاف بشانهم

۱............''فان قیل انّی تلك المعجزات ههنا قلت انی علیٰ کل ذلك قادر بل فلما ظهر علی ید احد من الانبیاء مثل ما ظهر علی یدی من المعجزات لتصدیق دعوتی بفضل الله تبارك وتعالی۔''

(تتمہ حقیقت الوحی ص۱۳۶ خزائن ج۲۲ ص۵۷۴)

۲............''بل الحق الذی لا یعتریه شك انه فجر بحر ذخارا من معجزات بحیث لا یمکن ثبوتها من سائر الانبیاء علیهم السلام قطعا ویقینا سوی نبینا محمدﷺ فقد اتم الله تعالیٰ حجة فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔''

(تتمہ حقیقت الوحی ص۱۳۶ خزائن ج۲۲ ص۵۷۴)

۳............''واللّٰه تعالیٰ قد اظهرلی آیات کثیرة لوظهرت لقوم نوح ما کانوا لیغرقوا۔''

(تتمہ حقیقت الوحی ص۱۳۷ خزائن ج۲۲ ل۵۷۵)

ترجمہ:۱......''اور اگر یہ اعتراض ہو کہ اس جگہ وہ معجزات کہاں ہیں تو صرف یہی جواب دوں گا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھلائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھلائے ہوں۔''

(تتمہ حقیقت الوحی ص۱۳۶ خزائن ج۲۲ ص۵۷۴)

ترجمہ:۲......''بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبیﷺ کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے اور خدا نے اپنی حجت پوری کر دی۔ اب چاہئے کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔''(ایضاً)

ترجمہ:۳......''اور خدائے تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوح کے زمانہ میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے۔''

(تتمہ حقیقت الوحی ص۱۳۷ خزائن ج۲۲ ص۵۷۵)

۴........"والذی نفسی بیده هوالذی بعثنی وسمانی نبیاو دعانی باسم المسیح الموعود واظهر لتصدیق دعوتی آیات عظمیة تبلغ ثلثمائة الف وقد ذکرت نبذة منها فی هذا الکتاب ."

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۶۸' خزائن ج ۲۲ ص ۵۰۳)

۵........"الاخبار عن المغیبات التی ذکرت فی هذه السطور تشتمل علیٰ آیات جلیة فیصلة تنصیف علی عشر مائة الف ."

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶' خزائن ج ۲۱ ص ۷۲)

۶........"والذی نفسی بیده لوقامت شهود آیات العظام التی ظهرت لتصدیق دعوتی فی صعید واحد لماستطاع احد من ملوك الارض ان یکافهم بافواجه وجنوده ." (اعجاز احمدی ص ۲' خزائن ج ۱۹ ص ۱۰۸)

۷........"فواعجبالخصومی یشنعون علی بما یمرقون به من الاسلام ولوکان فی قلوبهم تقوی لما قالوا علی مایشمل الانبیاء من قبلی ."

(اعجاز احمدی ص ۶۵' خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۲)

ترجمہ:۴......"اور میں اس خدا کا قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے۔ اور میرا نام نبی رکھا ہے اور اس نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔ جن میں سے بطور نمونہ اس کتاب میں لکھے گئے ہیں۔"

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۶۸' خزائن ج ۲۲ ص ۵۰۳)

ترجمہ:۵......"ان چند سطروں میں جو پیش گوئیاں ہیں وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زائد ہیں اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے جو اول درجہ پر خارق عادت ہیں۔"

(براہین احمدیہ ص ۵۶' خزائن ج ۲۱ ص ۷۲)

ترجمہ:۶......"مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ وہ نشان جو میرے لئے ظاہر کئے گئے اور میری تائید میں ظہور میں آئے اگر ان کے گواہ ایک جگہ کھڑے کئے جائیں تو دنیا کا کوئی بادشاہ ایسا نہ ہوگا جو اس کی فوج ان گواہوں سے زیادہ ہو۔"

(اعجاز احمدی ص ۲' خزائن ج ۱۹ ص ۱۰۸)

ترجمہ:۷......"اب کس قدر تعجب کی جگہ ہے کہ میرے مخالف میرے پر وہ اعتراض

۸......... ''وعلی هذا فلیس فی قلوبهم من الایمان نقیر ولا قطمیر فانه لیس لی من الله معاملة الا وفیها شرکاء من الانبیاء السابقین فکل قدح یقدحون به فی امری لابدان یردعلی نبی من الانبیاء السابقین ۔''
(تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۶۸' خزائن ج ۲۲ ص ۵۶۵)

ادعاء النبوة مع الشريعة الجديدة لنفسه

۱......... ''قد قیل لی ان بشارتك مزکورة فی القرآن وما مصداق هذه الایة الاانت هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ۔'' (اعجاز احمدی ص ۷' خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۳)

۲......... ''هو الله الذی ارسل رسوله ۔ ''یعنی نفسه بالهدی و دین

کرتے ہیں جس کی رو سے ان کو اسلام سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ اگر ان کے دل میں تقویٰ ہوتی تو ایسے اعتراض کبھی نہ کرتے جن میں دوسرے نبی شریک غالب ہیں۔''

(اعجاز احمدی ص ۶۵' خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۲)

ترجمہ: ۸...... ''اگر یہی بات ہے تو ان لوگوں کا ایمان آج بھی نہیں کل بھی نہیں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کا کوئی معاملہ مجھ سے ایسا نہیں جس میں کوئی نبی شریک نہ ہو اور کوئی اعتراض میرے پر ایسا نہیں کہ کسی اور نبی پر وہی اعتراض وارد نہ ہوتا ہو۔''

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۶۸' خزائن ج ۲۲ ص ۵۶۵)

دعویٰ نبوت جدیدہ

ترجمہ: ۱...... ''اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ: ''هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ۔'' (اعجاز احمدی ص ۷' خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۳)

ترجمہ: ۲...... ''خدا وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔'' (اربعین نمبر ۳ ص ۳۶' خزائن ج ۱۷ ص ۴۲۶)

ترجمہ: ۳...... ''اور اگر کہو کہ صاحب شریعت افتراء کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر ایک مفتری تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔

الحق و تهذیب الاخلاق۰" (اربعین نمبر۳ص۳۶ خزائن ج۱۷ص۴۲۶)

۳......."فان قلت ان کل مفتر علے الله بنبوة لایهلك بافتراء بل من ادعی الشریعة خاصته قلنا اولا ان هذه دعوے بلادلیل فان الله تعالی لم یقید وعید الاهلاك لاجل الافتراء بقید الشریعة ولوسلمنا فلیست الشریعة الامن اوتی فی وحیه او امرو نواهی واخذبه لامته قانونا فخصمنا ملزم لهذا التعریف ایضاً فانی صاحب الشریعة بهذا المعنی الاتی..... انی اوتیت فی الوحی او امرو نواهی ومن جملتها قوله تعالیٰ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا فروجهم ذلك ازکی لهم الخ وهذا الوحی قد فی البراهین الاحمدیة وفیه امر ونهی وقد مضت علیه ثلث وعشرون سنة وکذالك فی عامة مایوحی الی یکون امرونهی وان قلت ان المراد من الشریعة هی التی فیها احکام جدیدة قلنا باطل فان الله تعالیٰ قال ان هذالفی الصحف الاولی صحف ابراهیم و موسی و حاصله ان التعلیم القرآنی موجود فی التوراة

ماسوائے اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔جس نے اپنی وحی کے ذریعے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔پس اس تعریف کی وجہ سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے۔اور نہی بھی۔مثلاً یہ الہام:"قل للمؤ منین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا فروجهم ذلك ازکی

لهم۰ "یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر ۲۳ برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے۔جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"ان هذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراهیم و موسیٰ "یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی موجود ہے اور یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستقیا امر و نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے۔کیونکہ اگر توریت یا قرآن میں باستقیائے احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ تھی۔"

(اربعین نمبر۴ص۶ خزائن ج۱۷ص۴۳۵،۴۳۶)

ترجمہ:۴......"اور جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد

ایضاً وان قلت ان الشریعة هی التی تستوفی الا وامر والنواهی کلها فهوایضاً باطل فانه لوکانت الاحکام الشریعة برمتها مستوفاة فی التوراة اوالقرآن المجید مابقی اجتهاد موضع۔'' (اربعین نمبر۴ص۶' خزائن ج۱۷ص۴۳۵'۴۳۶)

۴........''من جاء من الله حکما فله ان یاخذ من ذخیرة الاحادیث ماشاء یعلم من الله ویرد ما شاء۔'' (حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص۱۰' خزائن ج۱۷ص۵۱)

۵........''نقول فعلیهم ان ینبوا ما معنی لفظ الحکم الوارد فی شان المسیح الموعود المروی فی صحیح الخباری ونحن نعلم بیقین ان الحکم هوالذی یقبل حکم لرفع الاختلاف وتکون فیصلة ناطقة نافذة وان جعل الفامن الاحادیث موضوعة۔'' (اعجاز احمدی ص۲۹' خزائن ج۱۹ص۱۳۹)

۶........''ونحن نقول فی جوابه نقسم باللّٰه ان الاحادیث لیست باساس دعوی بل القرآن والوحی الذی ینزل علی نذکر للتائید احادیثا تکون مطابقة القرآن ولم تکن معارضة لما اوحی الی وما سوی ذلك من الاحادیث فنبذه نبذ الانجاس والاقذار۔ (والعیاذ باللّٰه)''

(اعجاز احمدی ص۳۰' خزائن ج۱۹ص۱۴۰)

کرے۔'' (حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص۱۰' خزائن ج۱۷ص۵۱)

ترجمہ:۵......''مگر ہم بادب عرض کرتے ہیں کہ پھر وہ حکم کا لفظ جو مسیح موعود کی نسبت جو صحیح بخاری میں آیا ہے اس کے ذرا معنی تو کریں۔ ہم تو اب تک یہی سمجھتے تھے کہ حکم اس کو کہتے ہیں کہ اختلاف رفع کرنے کے لئے اس کا حکم قبول کیا جائے اور اس کا فیصلہ گو وہ ہزار حدیث کو بھی موضوع قرار دے ناطق سمجھا جائے۔'' (اعجاز احمدی ص۲۹' خزائن ج۱۹ص۱۳۹)

ترجمہ:۶......''اور ہم اس کے جواب میں خدائے تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں۔ بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میرے وحی کے معارض نہیں۔ اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔''

(اعجاز احمدی ص۳۰' خزائن ج۱۹ص۱۴۰)

ادعاء المساوات بل الافضیلة علی نبینا ﷺ والعیاذ باللّٰہ

۱..........''والحاصل ان نبوتی ورسالتی من حیث انی محمد واحمد لامن نفسی وحصل لی ذلك كله بالفناء فی الرسول فلم یناقص مفهوم خاتم النبیین۔'' (حقیقت النبوۃ ص۲۶۲ ایک غلطی کا ازالہ ص۴ خزائن ج۱۸ ص۲۰۸)

۲..........''ولكن من تلاشی فی ذلك الخاتم النبیین بحیث انه اتسم باسمه لغایة الاتحاد ونفی الغیر یته وانعكس منه الوجه المحمدی كالمراة الصافیة فاطلاق النبی علیه لایفض خاتم النبوة فانه عین...... محمد ولو علی سبیل الظلیة۔'' (ضمیمہ حقیقت النبوۃ ص۲۶۳ ایک غلطی کا ازالہ ص۵ خزائن ج۱۸ ص۲۰۹)

۳..........''فبرعایة واسطة محمدن المصطفیٰ سمیت محمداً و احمد

آنحضرت ﷺ سے افضلیت کا دعویٰ

ترجمہ:۱...... ''غرض میری نبوت ورسالت باعتبار محمد اور احمد کے ہونے کے ہے۔نہ میرے نفس کی رو سے اور یہ تمام بحیثیت فنا فی الرسول مجھ ہی کو حاصل ہے۔لہذا خاتم النبیین کے مفہوم میں فرق نہ آیا۔'' (حقیقت النبوۃ ص۲۶۲ ایک غلطی کا ازالہ ص۴ خزائن ج۱۸ ص۲۰۸)

ترجمہ:۲...... ''لیکن اگر کوئی شخص اس خاتم النبیین میں ایسا گم ہوگیا ہو کہ بباعث نہایت اتحاد اور نفی غیریت کے اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرہ کا اس میں انعکاس ہوگیا ہو تو وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا۔کیونکہ وہ محمد ہی ہے گو ظلی طور پر۔''

(ضمیمہ حقیقت النبوۃ ص۲۶۳ ایک غلطی کا ازالہ ص۵ خزائن ج۱۸ ص۲۰۹)

ترجمہ:۳...... ''یعنی محمد ﷺ کے اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہو کر اور اس نام محمد اور احمد سے مسمیٰ ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔''

(ایک غلطی کا ازالہ ص۷ خزائن ج۱۸ ص۲۱۱ ضمیمہ حقیقت النبوۃ ص۲۶۵)

ترجمہ:۴...... ''اور اس طور سے خاتم النبیین کی مہر محفوظ ہے۔کیونکہ میں نے انعکاسی اور ظلی طور پر محبت کے آئینہ کے ذریعے سے وہی نام پایا۔اگر کوئی شخص اس وحی الٰہی پر ناراض ہو کہ

فاذا رسول ونبی۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۷، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۱، ضمیمہ حقیقت النبوۃ ص ۲۶۵)

۴.........”ولھذ الوجہ یبقی خاتم النبیین محفوظاً فانی سمیت باسم محمد واحمد من مراۃ الصحبۃ علی وجہ الانعکاس والظلیۃ ومن غظہ ھذا الوحی الالھی وانہ لم سمانی نبیاً رسولاً فھذا من غایۃ حمقہ فان بتسیمتی نبیا و رسولاً لا یفض خاتم اللہ تعالیٰ۔“

(ضمیمہ حقیقت النبوۃ ص ۲۶۵، ایک غلطی کا ازالہ ص ۷، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۱)

۵.........”وانی اقول ان تلقبی بالقاب النبوۃ و الرسالۃ بعد محمد الذی ھوخاتم النبیین فی الحقیقۃ لیس مما یشنع علیہ ولا یناقص ختمیۃ ﷺ فانی قد ذکر مرارانی علی موجب قولہ تعالی و اخرین منھم لما یلحقوابھم عین محمد الخاتم النبیین علی وجہ البروز واللہ تعالی قد سمانی نبیا ورسول فی البراھین الاحمدیۃ قبل ھذا بعشرین سنۃ وجعلنی عین وجودہ ﷺ فھذا الوجہ لم یتزلزل خاتمیۃ ﷺ بنبوتی فان الظل لا ینفصل عن ذی الظل۔“ (ایضاً ص ۲۶۵، ایک غلطی کا ازالہ ایضاً)

۶.........”ولم صرت عین محمد ﷺ علی سبیل الظلیۃ والبروز فلم یفض خاتم النبیین فان نبوۃ محمد ﷺ علی ھذا بقیت محدودۃ فی نفسہ ولم یتنباء غیر محمد ﷺ۔“

(ایضاً ص ۲۶۶، ایک غلطی کا ازالہ ص ۸، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲)

خدائے تعالیٰ نے کیوں میرا نام نبی اور رسول رکھا ہے تو یہ اس کی حماقت ہے۔ کیونکہ میرے نبی اور رسول ہونے سے خدا کی مہر نہیں ٹوٹتی۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ایضاً منقول از ضمیمہ حقیقت النبوۃ ص ۲۶۵)

ترجمہ:۵..... ”مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جو درحقیقت خاتم النبیین تھے مجھے نبی اور رسول کے لفظ پکارا جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور اس سے مہر ختمیت نہیں ٹوٹتی۔ کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیہ کریمہ:”وآخرین منھم لما یلحقوابھم۔“ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے اب سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنی اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔“ (ایضاً ص ۲۶۵، ایک غلطی کا ازالہ ص ایضاً)

۷............"ولما صرت البروز المحمدی الذی کان موجوداً من قدیم اعطیت النبوة البروزیة و تلك النبوة فسائر المخلوقات فی جنبها عاجزة فانها قد ختمت۔" (ضمیمہ حقیقت النبوۃ ص ۲۶۸ ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۱ خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۵)

۸............"کان مقدرا ان یبرز لمحمد ﷺ بروز فقد برزو الآن لم یبق الاستنباط من منبع النبوة سبیل غیره۔"

(کتاب مذکور ص ۲۶۸ ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۱ خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۵)

۹............"وعلی هذا قد سمانی تبارك و تعالی مراراً بالنبی والرسول ولکن عن سبیل البروز بحیث یرتفع نفسی من الدین ولا یبقیٰ الا محمد ﷺ فبهذا لقبت بمحمد واحمد فلم تذهب النبوة والرسالة الی غیر محمد ﷺ بل بقیٰ امر محمد عند محمد نفسه ﷺ (ضمیمه ص ۲۶۶ ایك غلطی کا ازاله ص ۱۲ خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۶) افتری علی الله ان هذة الایات نزلت فی شانه۔"

۱۰............"ومارمیت اذرمیت ولکن الله رمی۔"

(ضمیمہ حقیقت الوحی ص ۸۹ خزائن ج ۲۲ ص ۷۰۵)

۱۱............"دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی۔" (ایضاً ص ۸۱)

۱۲............"سبحن الذی اسریٰ بعبده لیلاً...... الخ۔"

(ایضاً ص ۸۱ خزائن ج ۲۲ ص ۷۰۷)

۱۳............"قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله...... الخ"

ترجمہ: ۶......"اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد ﷺ نبی رہے نہ اور کوئی............الخ۔" (حقیقت النبوت ص ۲۶۶ ایک غلطی کا ازالہ ص ۸ خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲)

ترجمہ: ۷......"اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا وہ میں ہوں۔ اس سے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی۔ اس نبوت کے مقام پر تمام دنیا بے دست و پا ہے۔ کیونکہ نبوت پر مہر ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۱ خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۵ ضمیمہ حقیقت النبوت ص ۲۶۸)

ترجمہ: ۸......"ایک بروز محمدی جمیع کمالات محمدیہ کے ساتھ آخری زمانہ کے لئے مقدر تھا۔ سو وہ ظاہر ہو چکا۔ اب بجز اس کھڑکی کے اور کوئی کھڑکی نبوت کے چشمہ سے پانی لینے کے لئے

(ایضاً ص۸۱)

۱۴..........''اثرك الله علی کل شیٔ''

(ضمیمہ حقیقت الوحی ص۸۳' خزائن ج۲۲ ص۷۰۹)

۱۵..........''نزلت سریر من السماء ولکن سریرك وضع فوق کل سریر.''
(ضمیمہ حقیقت الوحی ص۸۳' خزائن ج۲۲ ص۷۰۹)

۱۶..........''انا فتحنالك فتحا مبینا لیغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وما تاخر.''
(الاستفتاء ضمیمہ حقیقت الوحی ص۸۴' خزائن ج۲۲ ص۷۱۱)

۱۷..........''سبحانك الله رافك'' (ضمیمہ حقیقت الوحی ص۸۵' خزائن ج۲۲ ص۷۱۲)

۱۸..........''لولاك لما خلقت الافلاك.'' (ص۸۵' خزائن ج۲۲ ص۷۱۲)

۱۹..........''انا اعطینك الکوثر.'' (ص۸۶' خزائن ج۲۲ ص۷۱۳)

۲۰..........''اراد الله ان یبعثك مقاماً محموداً.''

(الاستفتاء ص۸۶' خزائن ج۲۲ ص۷۱۳)

۲۱..........''لعلك باخع نفسك ان لایکونوا مومنین.''

(حقیقت الوحی ص۸۰' خزائن ج۲۲ ص۸۳)

۲۲..........''قال فی تصنیفه.'' (تحفه گولڑویه ص ٤٠) ان معجزاته ﷺ بلغت ثلثة الاف و ادعی لنفسه فی الجزء الخامس من البراهین الاحمدية.'' (ص٥٦ خزائن ج٢١ ص ٧٥) عشر مائة الف فانظر کیف فضل نفسه علی نبینا ﷺ بتکثیر المعجزات آية کثرة (نعوذ بالله من هذه الکفریات القبیحة)''

باقی نہیں۔'' (کتاب مذکورہ ص۲۶۸' ایک غلطی کا ازالہ ص ایضاً)

ترجمہ:۹..........''اور اسی بناء پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول رکھا۔ مگر بروزی صورت میں میرا نفس درمیان نہیں ہے۔ بلکہ محمد ﷺ اسی لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمد کی چیز محمد ہی کے پاس رہی۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔'' (حقیقت النبوۃ ص۲۶۹' ایک غلطی کا ازالہ ص۱۲' خزائن ج۱۸ ص۲۱۶)

نوٹ: نمبر۱۰ سے نمبر۲۱ تک چونکہ ترجمہ کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے ترجمہ نہیں کیا گیا۔

۲۳............''لـه خسف القمر المنيرو ان لی خسف لقمران المشرقان اتنكر۔'' (اعجاز احمدی ص۷۱' خزائن ج۱۹ص۱۸۳)

۲۴............''وظـاهـران زمان الفتح المبين قد انقضی فی عهدهﷺ وبـقـی فتح اخرابين منه غلبة ونصرة وقد قدران يكون زمانه زمان المسيح الموعود والی هذا اشير فی قوله سبحان الذی اسری۔''

(سیرۃ الابدال ص۱۹۳' خزائن ج۱۶ص۲۸۸)

۲۵............''ان الله خـلـق ادم وجـعله سيدا و حاكما واميرا علی كل ذی رُوح مـن الانـس والـجان كما يفهم من آية اسجدوالادم ثم اذله الشيطان واخـرجـه من الجنان ورد الحكومة الی هذا الثعبان ومس ادم ذلة وخزی فی هـذا الـحـرب الـعـوان وان الـحـرب سجال وللا تقياء عندالرحمن فخلق الله الـمسيـح الـمـوعود ليجعل الهزيمة علی الشيطان فی اخر الزمان وكان وعداً مكتوباً فی القرآن۔''(حـاشيه درحاشيه ص ت خطبه الحاميه ملحقه سيرة الابدال' خزائن ج۱۶ ص۳۱۲)

۲۶............''ماينطق عن الهوی ان هوالا وحی يوحی۔''

(اربعین نمبر۴ص۳۶' خزائن ج۱۷ص۳۸۵)

۲۷............''ماكان الله ليعذبهم وانت فهيم۔''

(دافع البلاص۶' خزائن ج۱۸ص۲۲۶)

۲۸............'' انی بايعتك بايعنی ربی'' (ایضاً)

۲۹............''انـت مـنـی بـمـنـزلة اولادی انـت منی وانا منك واصنع الـفـلك بـاعيـنـنـا ووحينا ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله يد الله فوق ايـديهـم قـل انما انا بشر مثلكم يوحی الی انما الهكم اله واحد والـخير كله فی

ترجمہ:۲۲......''تحفہ گولڑویہ کے ص۱۰۳' خزائن ج۱۷ص۱۵۳ پر جناب رسول اللہﷺ کے معجزات کی تعداد تین ہزار لکھی ہے اور اپنے معجزات کی براہین احمدیہ جلد پنجم' خزائن ج۲۱ص۷۵ پر دس لاکھ بتلائی ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی' رسول اللہﷺ سے تین سو سے زائد درجہ عالی تھے۔''نعوذ بالله من هذه الكفريات القبيحة!

القرآن ۰ ‘‘ (دافع البلاص ۶٬۷، خزائن ج۱۸ص۲۲۶٬۲۲۷)

۳۰......... ’’وما ارسلناك الا رحمته اللعالمین ۰ اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون ۰ ‘‘ (حقیقت الوحی ص۸۲، خزائن ج۲۲ص۸۵)

هذه ترجمة ماهذیٰ به الاسود الکاذب من الکفر الازب کفراً بواحاً وصراحاً

لعنة الله علیه والملئکة والناس اجمعین!

ترجمہ:۲۳...... ’’اس کے لئے چاند کا خسوف ظاہر ہوا۔ اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔‘‘ (اعجاز احمدی ص۷۱، خزائن ج۱۹ص۱۸۳)

ترجمہ:۲۴ ..... ’’اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گزر گیا۔ اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا۔ اس کا وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اس طرف خدا کے اس قول میں اشارہ ہے: ’’سبحان الذی ۰ ‘‘

(سیرۃ الابدال ملحقہ خطبہ الہامیہ ص۱۹۳، خزائن ج۱۶ص۲۸۸)

نوٹ: ۲۵نمبر سے آگے ترجمہ کی ضرورت نہ تھی۔

ایمان وکفر قرآن کی روشنی میں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

عرصہ ہوا حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے کچھ سوال دربارہ قادیانیت النور تھانہ بھون میں شائع ہوئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے ان کا جواب دیا جو امداد الفتاویٰ کی جلد ششم میں موجود ہے۔ ان سوالات کے جوابات پر مشتمل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے رسالہ ''وصول الافکار الی اصول الکفار'' مرتب کیا۔ بعد میں ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مسٹر جسٹس منیر کی عدالت میں انکوائری کے دوران میں یہ بحث دوبارہ چل نکلی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''ایمان وکفر قرآن کی روشنی میں'' کتاب تحریر کی۔ اس مجموعہ میں اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ البتہ اس کے آخر میں جو وصول الافکار کا خلاصہ تھا وہ حذف کر دیا ہے۔ اس لئے کہ وصول افکار کے مکمل متن کے ہوتے ہوئے خلاصہ کی ضرورت نہ تھی۔ فلحمدللہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

الحمدلله وکفیٰ وسلام علی عباده الذین اصطفی

خصوصاً علیٰ سیدنا محمد المصطفیٰ ومن یهتدیه اهتدیٰ!

ایمان' اسلام' کفر کے الفاظ جتنے ہر طبقہ میں متعارف ہیں کہ ہر فرقے کے ان پڑھ جاہل تک ان کو جانتے ہیں۔ اتنا ہی ان کی جامع مانع تعریف کرنا دشوار بھی ہے۔ اور یہ صرف کفر وایمان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ عام متعارف اور زبان زد الفاظ جن کے معانی سمجھنے میں کسی بچہ کو بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا۔ جیسے ٹوپی' کرتہ' پاجامہ' جوتہ' مکان' میز' کرسی' لوٹا' گلاس وغیرہ! لیکن

اگر انہیں الفاظ میں سے کسی لفظ کی جامع مانع تعریف کا سوال پیدا ہو۔ تو بڑے سے بڑا ماہر چکرا ئے گا اور پورے غور و فکر کے بعد بھی جو تعریف کرے گا اس میں یہ خطرہ رہے گا کہ شاید اس کے مفہوم کے بعض افراد رہ گئے ہوں یا غیر مفہوم کے افراد اس میں داخل ہو گئے ہوں۔

علماء سلف مفسرین، محدثین، فقہاء متکلمین نے ایمان و اسلام کی مکمل تعریف۔ پھر کفر کی تعریف اور اس کے اقساط پر طویل مباحث اور مستقل رسالے لکھے ہیں۔ اس آخری دور میں مخزن علوم اسلامیہ، سند العلماء، استاذ الاساتذہ، سیدی و استاذی حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے اس موضوع پر ایک نہایت مکمل اور مفصل کتاب بنام 'اکفار الملحدین' تصنیف فرمائی ہے۔ سبب تصنیف یہ تھا کہ کفر کی ایک خاص قسم جس کو زندقہ یا الحاد کہتے ہیں اور یہی اس زمانہ کا کفر نفاق ہے۔ اس کو اسلام و ایمان سے ممتاز کرنا اور مسلمان اور زندیق میں فرق کرنا ہمیشہ غور طلب مسئلہ رہا ہے۔ اور اس زمانہ میں علوم قرآن و حدیث سے عام ناواقفیت کی بناء پر یہ اور بھی مشکل ہو گیا۔ ملحدین اور زنادقہ کی بن آئی کہ اسلام کے بھیس میں بدترین کفر کی تبلیغ کرتے رہیں۔ اور مسلم معاشرہ کا جز بنے رہیں اور مسلمانوں کے مار آستین بن کر ان کو ڈستے رہیں۔ بہت سے نیک دل مسلمان بھی اس فتنہ کا شکار ہونے لگے کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے۔ اس کو مسلمان سمجھنا چاہیے خواہ وہ عقائد و اعمال کچھ بھی رکھتا ہو۔ اور آج کل کی عرف میں اس کو سیاسی دانشمندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کسی حقیقت یا عقیدہ و نظریہ کا نام نہیں۔ بلکہ ایک بے معنی لفظ ہے جس کا جی چاہے اپنے عقائد اپنے خیالات اپنے اعمال پر قائم رہتے ہوئے مسلمان ہو سکتا ہے۔ اسلام اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔

اس فتنہ کے ہولناک نتائج اسلام اور مسلمانوں کے لئے جس قدر تباہ کن تھے وہ محتاج بیان تھیں۔ اس لئے کفر کی اس قسم کو جو اسلام کے لباس اور اسلام کے دعویٰ کے ساتھ عمل میں آتی ہے پوری طرح واضح کرنا وقت کا ایک اہم مسئلہ بن گیا۔

خصوصاً اس معاملہ میں دو چیزیں ایسی تھیں کہ ان میں عوام سے گذر بعض خواص اہل علم بھی اشتباہ میں پڑ سکتے ہیں۔

(الف)...... عام طور پر فقہاء و علماء کی تصریحات موجود ہیں کہ جو شخص کسی عقیدہ کفریہ کا قائل ہو۔ مگر صاف طور پر نہیں بلکہ تاویل کے ساتھ قائل ہو اس کو کافر نہ کہا جائے۔ اور یہ بھی ظاہر

ہے کہ جوشخص بھی دعوائے اسلام کے ساتھ کسی کافرانہ عقیدہ وقول کو اختیار کرتا ہے تو کسی نہ کسی تاویل کی آڑ لے کر ہی اختیار کرتا ہے۔اس کا نتیجہ پھر وہی نکلتا ہے کہ کسی مدعی اسلام کو کافر کہنا جائز نہ ہو۔ حالانکہ نصوص و قرآن و حدیث اس کے خلاف شاہد ہیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ فقہاو متکلمین کے اس متفقہ اصول کی وضاحت کی جائے کہ تاویل کے ساتھ کسی عقیدہ کفریہ کا قائل ہونا موجب کفر نہیں۔

(ب)...... یہ مسئلہ بھی ایک صحیح وصریح حدیث سے ثابت اور علماء وفقہاء کے نزدیک مسلمہ ہے کہ کسی اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے۔اس کا نتیجہ بھی بظاہر یہی نکلتا ہے کہ جو مدعی اسلام کعبہ کو اپنا قبلہ قرار دے۔ پھر خواہ وہ اللہ اور رسول کے بارے میں کیسے ہی غلط عقائد رکھتا ہو اور توہین کرتا ہو اس کو کافر نہ کہا جائے۔

یہ دونوں شبہات چونکہ علمی رنگ کے ہیں۔اس لئے اور بھی ضروری ہوا کہ ان کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے۔اس لئے حضرت الاستاذ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور ایسی بے نظیر کتاب تصنیف فرمائی کہ اس سے پہلے کوئی کتاب اتنی جامع نظر نہیں آئی۔

مگر اس کے ساتھ ہی اول تو یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ دوسرے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی اس رفعت علمی کی آئینہ دار ہے جس تک پہنچنے کے لئے خود ایک بڑا علم درکار ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام تو اس کے استفادہ سے محروم تھے ہی۔ روز بروز استعداد علمی کے تناقص نے اکثر اہل علم کو بھی محروم کر دیا۔اس تصنیف کے شائع ہونے کے بعد ہی سے بہت سے حضرات کا مطالبہ تھا کہ اس کے مضامین کو آسان ترتیب کے ساتھ سلیس اردو میں لکھا جائے۔ (اب اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو گیا ہے۔ مکتبہ لدھیانوی کراچی سے مل سکتی ہے) بہت سے دوستوں نے احقر کو بھی اس ضرورت کی طرف توجہ دلائی اور خود بھی اس کی ضرورت کا احساس پہلے سے تھا۔

لیکن بحکم قضاء وقدر یہ کام آج تک تعویق میں پڑا رہا۔اب جبکہ پاکستان میں قادیانی فتنہ نے نیا جنم لیا۔ اور ۱۹۵۳ء کی تحریک میں پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں مسلمان اور کافر اور اسلام اور کفر کی تعریف کے متعلق سوالات کئے گئے۔اور کفر و اسلام میں تلبیس کرنے والے پرانے شکاری نئے جال لے کر میدان میں آئے تو یہ مسئلہ اسلامیان پاکستان کے لئے پھر از سر نو معرکۂ بحث بن گیا۔اس وقت ضرورت کا احساس دوچند ہو گیا اور بنام خدا تعالیٰ زیر نظر اوراق کی کتابت شروع کی۔

اس میں استاد محترم کے تمام مواد بحث اور تحقیقات کو پورا لے لیا گیا ہے۔ مگر ترتیب و بیان سب اس ناکارہ کا ہے اور استاد محترم کا روئے سخن چونکہ ایک خاص فتنہ اور خاص اعتراضات کے جواب کی طرف تھا۔ اس لئے اسلام و ایمان یا کفر اور اس کی اقسام کی پوری تحقیق اس کتاب میں نہ تھی۔ اس کا احقر نے اضافہ کیا اور کسی خاص فرقہ کے عقائد و خیالات کو مدار بحث بنائے بغیر عمومی اور کلی طور پر مسئلہ کفر و اسلام کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ اور اب الحمدللہ یہ کتاب مسئلہ کفر و اسلام کی تمام ضروری مباحث پر حاوی اور ازالہ شبہات کے لئے کافی ہوگئی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی ولی التوفیق وھو بہ حقیق!

بناء پاکستان کے وقت مسئلہ کفر و اسلام کے ساتھ ایک اور بحث کا دروازہ کھلا کہ دنیا میں قوموں کی تقسیم و تفریق نسل و وطن اور رنگ و لسان کی بنیاد پر ہے یا مذہب۔ یعنی کفر و اسلام کی بنیاد پر۔ پھر بناء پاکستان کے بعد بھی یہ بحث مختلف صورتوں سے سامنے آتی رہی۔ اس لئے شروع میں اس مسئلہ پر بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک مختصر جامع شذرہ لکھا گیا۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم!

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
مقیم کراچی بمقام لاہور
جمادی الاول ۱۳۷۳ھ
جنوری ۱۹۵۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

مقدمہ

ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے والے اصول

تمام انسان اصل میں ایک قوم اور ایک ملت تھی۔ ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے۔ اور انسانیت کے ابتدائی دور میں سب کے نظریات و عقائد اور معاشی و معاشرتی اصول بھی ایک ہی تھے۔ سب ایک خدا کو ماننے والے اور اس کے احکام کو جو بذریعہ رسول ان تک پہنچے واجب الاتباع سمجھنے والے تھے۔ پھر جوں جوں ان کے افراد دنیا میں پھیلتے گئے اور ایک دوسرے

سے دوری ہوتی گئی۔ اور بڑھتے بڑھتے یہ دوری مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک پوری زمین کے اطراف پر حاوی ہوگئی تو معاشی اور معاشرتی اصول میں فرق پڑا۔ بول چال میں اختلاف آیا۔ زبانیں مختلف ہوگئیں۔ اسی کے ساتھ عقائد ونظریات بھی متاثر ہوئے۔ خدا پرستی کی جگہ مخلوق پرستی کا دروازہ کھلا۔ اور خدا کی مخلوق مختلف اقوام میں بٹ گئی اور قومیتوں کی جنگ شروع ہوگئی۔ اقوام کے باہمی تنازع کے ساتھ تعاون وتناصر کی ضرورت پیش آئی تو مختلف گروہوں نے مختلف اصول پر اپنے اپنے اعوان وانصار بنائے۔ شروع میں آبادی کی چار سمت مشرق، مغرب، جنوب اور شمال کے اصول پر دنیا میں چار قومیں سمجھی گئیں۔ پھر زمین کی سات اقلیموں کی بنیاد پر سات قومیں مانی گئیں (ملل ونحل شہرستانی ص ۱۰/ المقدمۃ الاولیٰ) پھر کسی نے نسل ونسب کی بنیاد پر اپنی قوم کو یکجا کرکے دوسرے قبائل وانساب کے مقابلہ پر نبرد آزما کردیا۔ کسی نے جغرافیائی اور وطنی یا لسانی بنیادوں پر لوگوں کو اپنی قوم بنالیا۔ اور جو ان بنیادوں میں ان سے مختلف تھے ان کو جداگانہ اور حریف قوم قرار دیا۔ کسی نے نظریات وعقائد کو قومیت کی بنیاد بناکر مخلوق پرستوں کو ایک قوم بنایا اور خالص خدا پرستوں کو حریف قوم قرار دیا۔

چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی صلاح وفلاح کے لئے ہر قرن میں اور ہر امت میں اپنے انبیاء بھیجے: "وان من امۃ الاخلا فیھا نذیر ۔ فاطر ۲۴" ہر ایک امت میں ہماری طرف سے کوئی ڈرانے والا ہو گزرا ہے۔

ان سب انبیاء کی ایک ہی تعلیم تھی کہ یہ خود ساختہ اختلافات ختم کرکے پھر ملت واحدہ بن جاؤ۔ مخلوق پرستی کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی پرستش کرو۔ نسلی، جغرافیائی اور لسانی امتیازات کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں اور صرف معاشرت میں سہولت پیدا کرنے کے اسباب اور نعمتیں سمجھو۔ ان کو قومی تفرقہ کی بنیادیں نہ بناؤ۔ جس کو کچھ ماننے والوں نے مانا اور بدبختوں نے انکار ومقابلہ کی راہ اختیار کی جس سے کفر واسلام کی جنگ چھڑ گئی۔

ہمارے رسول خاتم الانبیا ﷺ بھی تمام انبیاء کی سنت کے مطابق یہی پیغام لائے اور سب سے زیادہ موثر طریقہ پر اس کو پھیلایا۔ قرآن نے ایک طرف تو نسلی وطنی اور لسانی امتیازات کو آیات قدرت اور نعمائے الٰہیہ کہہ کر ان کا صحیح مقام بتلایا کہ وہ معاشرت میں سہولت پیدا کرنے کے اسباب ہیں۔ قومیتوں کی بنیادیں نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہوں ارشادات قرآنی:

۱..... ’’ومن آیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم۔ ان فی ذالك لآیات للعالمین۔ روم ۲۲ ‘‘ترجمہ:.....اور اس کی نشانیوں میں سے زمین وآسمان کا پیدا کرنا ہے۔ اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں جہاں والوں کے لئے۔

۲..... ’’جعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا۔ حجرات ۱۳ ‘‘ترجمہ:.....ہم نے تمہیں شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا۔ تا کہ تم پہنچانے جاؤ۔

اور دوسری طرف قدیم وحدت کو از سر نو قائم کرنے کی دعوت دی۔ آیت مذکورہ بالا سے پہلے ارشاد ہوا: ’’یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ۔ حجرات: ۱۳ ‘‘ ترجمہ:.....اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی ماں باپ کے جوڑے سے پیدا کیا۔

’’خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا۔ نساء: ۱ ‘‘ترجمہ:.....تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس جوڑے کو۔

رسول کریم ﷺ نے اپنی آخر عمر میں حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے جہاں اسلامی دستور کے اور بنیادی اصول بتلائے وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا:

’’ایھاالناس ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لا سود علی احمر الا بالتقویٰ ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم۔ ‘‘ترجمہ:.....اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اسی طرح کسی گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی تفوق حاصل نہیں۔ مگر تقویٰ کی وجہ سے۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ مکرم اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

الغرض! اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا خلاصہ یہ تھا کہ فرقہ وارانہ اور صوبجاتی اختلافات کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا کو پھر ایک صحیح متحدہ قومیت کی طرف لائیں۔ جو ان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی میراث تھی۔ اس کے لئے دو طریق اختیار کئے گئے۔

اول..... قومیتوں کی تقسیم وتفریق کی جو غلط بنیادیں۔ نسلی، لسانی اور وطنی اصول پر لوگوں نے بنائی تھیں ان کو یکسر باطل قرار دیا۔ کیوں کہ اگر بنیادوں پر قوموں کی تقسیم اور انسانیت کا تفرقہ تسلیم کر لیا جائے تو اولاً تو یہ خلاف عقل ہے کہ کسی زمین یا کسی خاندان میں پیدا ہونے کی غیر

اختیاری اور ضعیف وجہ سے کوئی شخص قومی اور اجتماعی معاملات میں دوسروں سے علیحدہ قوم سمجھا جائے۔ ثانیاً اگر انسان کی متحدہ قومیت میں اس کے تفرقے قبول کر لئے جائیں تو ان کو کسی وقت اور کسی حال میں مٹایا نہیں جاسکتا۔ جو شخص عرب یا عجم کے کسی خاندان میں پیدا ہو چکا ہے اب اس کے اختیار میں نہیں کہ دوسرے خاندان میں پیدا ہو جائے۔ اسی طرح جو ایشیاء میں پیدا ہوا وہ یورپ میں دوبارہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ الغرض یہ جغرافیائی' وطنی' لسانی اور نسلی تفرقے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں۔ ان کا مٹانا نہ کسی کے اختیار ہے اور نہ کسی عقل مند کو ان کے مٹانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ ان امتیازات کی حد اور ان کا صحیح مقام پہچاننا چاہئے کہ ان کی غرض صرف معاشی و معاشرتی سہولتیں ہیں اور بس! قومیتوں کی جدائی کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا طریقہ...... دعوت اتحاد کا یہ تھا کہ نظریات و عقائد کی بناء پر قومیت کی تفریق کا اصول تو تسلیم ہے کہ خدا کے ماننے والے اس کے منکروں کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں کے منکر ہوں گے وہ ماننے والوں سے علیحدہ دوسری ملت اور قوم قرار دیئے جائیں گے۔ قرآن نے اسی اصول کی بناء پر فرمایا:

''خلقکم فمنکم کافرو منکم مؤمن ۰ تغابن: ۲ ''ترجمہ:...... اس نے تم کو پیدا کیا۔ سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔

''انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا واماکفورا ۰ الدھر: ۳ ''ترجمہ:...... ہم نے بلاشبہ انسان کو راہ بتادی۔ خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکر!

اور ایک جگہ اسی نظریاتی اور عقائد کے اختلافات کی بناء پر ایک گروہ کو حزب اللہ اور دوسرے کو حزب الشیطان کا لقب دیا۔

الغرض! عقائد و نظریات کے اختلاف کو قوموں کے تفرقہ کا سبب اصولی طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے۔ پھر اس تفریق کو مٹانے کے لئے خدا پرستی کے اصول صحیحہ اور عقائد حقہ کی اشاعت و تبلیغ اور مخلوق پرستی یا انکار خدا اور رسول جیسے عقائد باطلہ کے مقاصد اور ان کی دینوی و اخروی تباہ کاری کو بیان کر کے خلق خدا کو ان سے بچانے کی تدبیریں اختیار کیں اور نصیحت و ہمدردی کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا جس کے ذریعے ناعاقبت اندیش انسانوں کو تباہی کی طرف جانے والے راستہ سے روکا نہ گیا ہو۔

لیکن بہت سے بدنصیب اور بے بصیرت انسانوں نے اس ہمدردی کو دشمنی سمجھا اور

عداوت و پیکار پر آمادہ ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں کفر و اسلام کی جنگ چھڑ گئی۔ اب اگر کوئی شخص اس جنگ کو ختم کرنا چاہے تو اس کے دو ہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا پرست اہل حق اپنے نظریہ کو چھوڑ کر منکروں اور کافروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور خدا کی مخلوق کو منکرین خدا کے حوالہ کر دیں۔ یعنی دوسرے لفظوں میں شفیق ڈاکٹر بیمار کی غلط روش سے عاجز آ کر اپنے ہاتھ سے اس کو زہر پلا دے۔

یا پھر صورت یہ ہے کہ غلط کار منکرین خدا' و رسول اپنی روش سے باز آ جائیں۔ ان دونوں طریق میں سے پہلا طریق تو معقول نہیں اور دوسرا اپنے اختیار میں نہیں۔ اس لئے یہ کفر و اسلام کا اختلاف اس وقت تک جاری رہنا ناگزیر ہے جب تک کہ منکرین خدا اور رسول یا ہوش میں آ جائیں یا ختم ہو جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی اصل دعوت حقیقت میں ایک اصلی اور صحیح متحدہ قومیت کی ہے جو وطنی اور لسانی بنیادوں پر نہیں بلکہ اصول صحیحہ اور عقائد حقہ پر مبنی ہو جس میں خدا اور اس کے رسولوں کی مخالفت کا گذر نہ ہو۔ اس لئے جو لوگ اس متحدہ قومیت کے منشور سے جدا ہو گئے وہ جدا قوم اور جدا ملت کہلائے۔ یہیں سے دو قومی نظریہ پیدا ہو گیا جس نے پاکستان بنوایا۔

ہندوستان میں جنگ آزادی کا سلسلہ ایک زمانہ سے جاری تھا۔ مگر اس کے بعض علمبرداروں نے نور و ظلمت کے متضاد وعناصر یعنی کفر و اسلام سے مرکب ایک غلط متحدہ قومیت کا نامعقول اور ناقابل عمل نظریہ بنا رکھا تھا۔ چند علمائے ربانی اس نظریہ کی عین گرما گرمی کے وقت بھی مسلمانوں کو ہمیشہ اسی دو قومی نظریہ کی طرف رہنمائی فرماتے رہے۔ مگر اس وقت یہ آواز نہ سنی گئی۔ اور بالآخر جنگ آزادی کی بیل اسی وقت منڈھے چڑھی۔ جبکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس صحیح دو قومی (ٹو نیشن) نظریہ کی قائل ہو کر اسی کو بنیاد قرار دے کر میدان عمل میں اتر آئی۔

پاکستان کے ہر باشندہ بلکہ دنیا کے سب مسلمانوں کو حکیم الامت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ اور قائداعظم اور ان کے رفقاء کار میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کا ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہئے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو صحیح راہ دکھائی اور اس کے نتیجہ میں حق تعالیٰ نے ان کو ایک آزاد و خود مختار سلطنت بخشی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے کے اسباب دنیا میں مختلف سمجھے گئے تھے۔ لیکن اسلام نے اپنی تعلیمات سے واضح کر دیا کہ قوموں کی تفریق و تقسیم صرف ایک

ہی اصول۔یعنی خدا کو ماننے یا نہ ماننے کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جس کا نام اسلام اور کفر ہے۔ دوسری کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانیت کے ٹکڑے کر کے ان کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ مقدمہ ختم ہوا۔اب اس رسالہ کا اصل مقصد شروع کیا جاتا ہے۔واللہ الموفق والمعین!

ایمان اور کفر کی تعریف

یہ ظاہر ہے کہ خدا کو ماننا اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا نام ہے اور نہ ماننا نافرمانی کا۔ پھر خدا کی فرمانبرداری یعنی اس کی پسند و ناپسند کو پہچان کر پسندیدہ چیزوں کو اختیار کرنا اور ناپسندیدہ سے بچنا۔اس دنیا میں بغیر اس کے عادتاً ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام لانے والا رسول آئے جو اس کی پسند و ناپسند کو ممتاز کر کے بتلا دے۔ کیونکہ انسان محض اپنی عقل سے تو اپنے باپ بھائی اور بیٹے اور دوست کی پسند و ناپسند کو بھی ممتاز نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ خود اس کے کلام یا طرز عمل سے اس کا اظہار نہ ہو جائے تو پھر حق تعالیٰ جس کی ذات انسانی ادراک و دسترس سے بالاتر ہے۔اس کی پسند و ناپسند کا ادراک انسان محض اپنی عقل سے کیسے کرسکتا ہے۔یہی حکمت ہے انبیاء علیہم السلام کے دنیا میں بھیجنے کی۔

الغرض اس دنیا میں خدا کے ماننے کا صرف ایک طریق ہے کہ اس کے رسول کی لائی ہوئی ہدایات کو دل اور زبان سے تسلیم کرے۔اسی کا نام اسلام ہے اور اس کی ہدایات کو تسلیم نہ کرنے کا ہی نام کفر ہے۔

مذہب کا سب سے بڑا بنیادی مسئلہ ایمان و کفر ہے۔اس لئے قرآن کریم نے اپنی سب سے پہلی سورت (بقرہ) کی سب سے پہلی آیات میں اسی مضمون کو بیان فرمایا۔ بلکہ پورے عالم کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا۔مومن' کافر اور منافق۔سورۃ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں مومنین کی شان میں اور بعد کی دو آیتیں کفار کے بارے میں آئی ہیں۔اور اس کے بعد تیرہ آیتیں منافقین کے حال میں ہیں۔ یہ تین گروہ حقیقت میں دو ہی ہیں۔ کیونکہ کافر اور منافق اصل میں ایک ہی گروہ ہے۔لیکن منافقین کی ظاہری صورت عام کفار سے مختلف ہونے کی بناء پر ان کا بیان علیحدہ کیا گیا۔چونکہ کفار کا یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک اور اشد ہے۔اس لئے اس کے حال کا بیان زیادہ تفصیل سے تیرہ آیتوں میں کیا گیا۔یہ پوری انیس آیتیں ہوگئیں۔ ان میں سے چند مع ترجمہ درج ذیل ہیں:

بسم الله الرحمن الرحیم!

۱......... ’’آلمٓ ذالك الكتب لاريب فيه هدى للمتقين الذين يؤمنون بالغيب ويقيمون الصلوة ومما رزقنٰهم ينفقون ۰ والذين يؤمنون بما انزل اليك وما انزل من قبلك وبالآخرة هم يؤقنون ۰ اولئك علىٰ هدى من ربهم واولئك هم المفلحون ۰ بقره:۱تا۵‘‘

یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔راہ بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو۔ وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں جو یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔اور وہ لوگ ایسے ہیں جو یقین رکھتے ہیں اس وحی پر جو آپ ﷺ کی طرف اتاری گئی اور اس وحی پر بھی جو آپ ﷺ سے پہلے اتاری گئی اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔

۲......... ’’ان الذين كفر و سواء عليهم أنذرتهم ام لم تنذرهم لايؤمنون ۰ ختم الله على قلوبهم وعلىٰ سمعهم وعلىٰ ابصارهم غشاوة ولهم عذاب عظيم ۰ بقره: ۶/۷‘‘

بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ اب ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔بند لگا دیا اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔اور ان کے لئے سزا بڑی ہے۔

۳......... ’’ومن الناس من يقول آمنا بالله و باليوم الآخر وما هم بمؤمنين ۰ بقرة:۸‘‘

اور لوگوں میں بعض ایسے جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر۔حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔

’’المفلحون‘‘ تک چار آیتوں میں مومنین کا بیان ہے اور اس کے بعد ’’عذاب عظیم‘‘ تک کفار کا اور اس کے بعد: ’’ومن الناس‘‘ سے منافقین کا بیان شروع ہوا ہے۔اور اس کے ضمن میں ایمان وکفر اور مومنین وکافر اور منافق کی تعریف بھی آ گئی۔ابتدائی چار آیتیں جو مومنین کے بارہ میں آئی ہیں۔ان میں اولاً مومن اور ایمان کا اجمالی ذکر کیا گیا: ’’الذین

یؤمنون بالغیب ''یعنی وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ غیب سے اس جگہ وہ تمام اعتقادیات مراد ہیں جو انسان کی نظر و مشاہدہ سے غائب ہیں۔ جیسے فرشتے، قیامت، جنت، دوزخ، پل صراط اور میزان عدل وغیرہ! (تفسیر ابن کثیر و خازن وغیرہ)

اس اجمال میں لفظ بالغیب لانے سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ ان کا ایمان حاضر و غائب یکساں ہے۔ ان کے مقابل فریق منافقین کی طرح نہیں جس کا حال اگلی آیات میں یہ بیان ہوا ہے کہ: ''واذا لقوالذین آمنو قالوا امنا واذا خلوا الی شیطینهم قالوا انا معکم ۰ بقرة ١٤ ''یعنی جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب کفار کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

اس ایمان اجمالی کی تفصیل بعد کی تیسری آیت میں مکمل تعریف کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: '' الذین یؤمنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك و بالآخرة هم یوقنون ۰ ''یعنی وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ پر نازل شدہ کتاب اور شریعت پر بھی ایمان لائے اور آپ ﷺ سے پہلے انبیاء پر نازل شدہ وحی اور شریعت پر بھی۔ اور وہ آخرت کا بھی یقین رکھتے ہیں۔

ایمان کا سب سے پہلا جز جو اللہ پر ایمان لانا ہے۔ اس کو صراحتاً ذکر کرنے کی اس لئے ضرورت نہ سمجھی گئی کہ جب اللہ پر ہی کسی کا ایمان نہ ہو تو اس کے کسی رسول یا وحی پر ایمان لانے کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے اور اسی سورۃ کے ختم پر جب مکرر ایمان کے مفہوم کی تشریح فرمائی گئی تو وہاں ایمان باللہ کو صریح ان لفظوں میں ذکر بھی کر دیا گیا: ''آمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمؤمنون ۰ کل آمن بالله وملئکته وکتبه ورسوله ۰ لا نفرق بین احد من رسله ۰ بقرة: ٢٨٥ ''

عوام میں جو ایمان مجمل و مفصل مشہور ہیں۔ یہ غالباً اسی پر مبنی ہیں۔ ایمان مجمل سورت بقرۃ کی پہلی آیات سے اور ایمان مفصل اس کی آخری آیات سے لیا گیا ہے۔

پس آیت مذکورہ سے ایمان کے تین بنیادی اصول معلوم ہوئے:

(۱)......اللہ پر ایمان لانا۔ (۲)......رسول اللہ ﷺ اور انبیاء سابقین کی سب وحیوں پر ایمان۔ (۳)......آخرت پر ایمان۔ اور یہی تین چیزیں درحقیقت ایمان کے اصول ہیں۔ باقی

سب فروع ہیں:

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فیصل التفرقۃ فی الاسلام الزندقۃ ص ۱۹۵ میں لکھا ہے:

''اصول الایمان ثلثۃ الایمان باللہ و برسولہ و بالیوم الآخرۃ وما عداہ فروع، ''ایمان کے اصول تین ہیں۔اللہ تعالیٰ پر ایمان۔اس کے رسول پر ایمان۔اور قیامت پر ایمان۔اس کے ماسوا سب فروع ہیں۔

اور ان اصول کو بھی کوئی مختصر کرنا چاہے تو صرف ایمان بالرسول میں سب اصول آجاتے ہیں۔کیونکہ جب تک اللہ پر ایمان نہ ہو اس کے رسول پر ایمان ہو ہی نہیں سکتا اور رسول پر ایمان ہو جائے تو یوم قیامت پر ایمان خود اس کے اندر داخل ہے۔کیونکہ ایمان بالرسول سے ان تمام ہدایتوں پر ایمان لانا مراد ہے۔جو رسول نے پیش کی ہیں اور ظاہر ہے ان ہدایتوں میں روز قیامت کی تصدیق بھی ایک بہت بڑی ہدایت ہے۔اسی لئے آئمہ اسلام نے ایمان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

''ھو تصدیق بجمیع ماجاء بہ النبی ﷺ فیما علم مجیئہ بالضرورۃ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۹ باب الحکام المرتدین) ''ایمان رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپ ﷺ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو جائے۔

فائدہ متعلقہ ختم نبوت

اس آیت میں ایمان اور مومن کی تعریف کے ضمن میں ایک لطیف طریقہ پر یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ سلسلہ نبوت و رسالت و وحی رسالت آنحضرت ﷺ پر ختم ہے۔کیوں کہ اس میں آنحضرت ﷺ پر نازل شدہ وحی پر ایمان لانے کے ساتھ صرف انبیاء سابقین اور ان کی وحی پر ایمان لانے کی تلقین ہے۔انبیاء مابعد کا کوئی ذکر نہیں۔ظاہر ہے کہ اگر آپ ﷺ کے بعد بھی کسی قسم کا نبی مبعوث ہونے والا ہوتا تو جس طرح انبیاء سابقین کی وحی پر یقین کرنے کو جزء ایمان قرار دیا گیا۔اسی طرح انبیاء مابعد پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضروری تھا۔بلکہ ایک حیثیت سے انبیاء مابعد کا ذکر بہ نسبت انبیاء سابقین کے زیادہ ضروری تھا۔کیونکہ انبیاء

سابقین کا ذکر تو خود قرآن میں بھی آ چکا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تشریحات وتوضیحات میں اس سے زیادہ آ چکا ہے۔ اس کے متعلق امت کے گمراہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ بخلاف اس نبی کے جو آئندہ مبعوث ہونے والا ہو۔ تاکہ اس کے حالات وعلامات سے امت واقف نہیں اور امت کو بلاواسطہ اس سے سابقہ پڑنا تھا۔ اور اس کے ماننے یا نہ ماننے پر امت کی نجات یا ہلاکت کا دارومدار ہوتا ایسی حالت میں خدا کی آخری کتاب اور رؤف ورحیم نبی ﷺ کا فرض ہوتا کہ آئندہ مبعوث ہونے والے نبی کی پوری کیفیات وحالات وعلامات کو ایسی طرح واضح کرتے کہ اس میں کسی اشتباہ والتباس کی گنجائش نہ رہتی اور پھر امت کو اس پر اور اس کی وحی پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے کے غیر مبہم احکام بکرات ومرات قرآن وحدیث میں مذکور ہوتے۔

مگر بجائے اس کے ہوا یہ کہ قرآن نے جہاں اصول ایمان کا تذکرہ کیا تو انبیاء سابقین اوران کی وحی پر ایمان لانے کو جزو ایمان کی حیثیت سے ذکر فرمایا اور بعد میں مبعوث ہونے والے کسی نبی یا رسول کا یا اس کی وحی کا نام تک نہ لیا۔ پھر ایک جگہ نہیں قرآن میں دس سے زیادہ آیات اسی مضمون کی آئی ہیں جن میں آپ ﷺ سے پہلے آنے والی وحی پر ایمان لانے کی تاکید ہے بعد کی کسی وحی یا نبی کا تذکرہ تک نہیں۔

یہ قرآن کی ایک کھلی ہوئی شہادت اس امر پر ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ صرف عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخر زمانہ میں آئیں گے جو پہلے مبعوث ہو چکے ہیں اور جن پر امت محمدیہ پہلے سے ایمان رکھتی ہے لہذا کوئی نیا پیدا ہونے والا شخص اس امت کو اپنی نبوت و وحی کی طرف دعوت دے کر امت کے لئے مدار نجات نہیں بن سکتا۔ واللہ الموفق والمعین!

مومن وکافر کی تعریف اور کفر کے اقسام

اس عنوان کا اگرچہ مجمل خاکہ عنوان اول کے ضمن میں آ چکا ہے لیکن پوری وضاحت کے لئے اس کی تشریح اس عنوان میں لکھی جاتی ہے جس کا مبنیٰ وہی آیات ہیں جن کا ذکر عنوان اول میں آیا ہے اور چونکہ اسلام وکفر کی تعریف میں چند اصطلاحی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے اس لئے ان الفاظ کی تعریفات پہلے لکھی جاتی ہیں۔

تعریفات

ایمان: رسول اللہ ﷺ کی قلبی تصدیق ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپ ﷺ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو بشرطیکہ اس کے ساتھ اطاعت کا اقرار بھی ہو۔

اسلام: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار بشرطیکہ اس کے ساتھ ایمان یعنی تصدیق قلبی موجود ہو۔

کفر: جن امور کی تصدیق ایمان میں ضروری ہے ان میں سے کسی امر کی تکذیب وانکار۔

مومن: وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی دل سے تصدیق کرے ہر اس امر میں جس کا ثبوت آپ ﷺ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو۔ بشرطیکہ زبان سے بھی اس تصدیق کا اور اطاعت کا اقرار کرے۔

مسلمان: وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار کرے بشرطیکہ دل میں بھی ان کی تصدیق رکھتا ہو۔

کافر: وہ شخص جو ان میں سے کسی ایک چیز کا دل سے انکار یا زبان سے تکذیب کردے۔

اسلام وایمان اور مسلم ومومن میں فرق

لغتہً ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اسلام اطاعت وفرمانبرداری کا۔ ایمان کا محل قلب ہے اور اسلام کا محل قلب اعضاء وجوارح ہیں۔ لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محض دل میں تصدیق کر لینا شرعاً اس وقت تک معتبر نہیں جب تک زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار نہ کرے اور اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار اس وقت تک معتبر نہیں جب تک اس کے ساتھ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ ہو۔

الغرض لغوی مفہوم کے اعتبار سے ایمان واسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں اور قرآن وحدیث میں اسی لغوی مفہوم کی بناء پر ایمان واسلام کے اختلاف کا ذکر بھی ہے۔ لیکن خود قرآن وحدیث کی ہی تصریحات کے مطابق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً کوئی ایمان بدون اسلام کے یا

اسلام بدون ایمان کے معتبر نہیں' اسی مضمون کو بعض اہل تحقیق نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایمان و اسلام کی مسافت تو ایک ہے۔ فرق مبدء اور منتہی میں ہے۔ ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہر پر منتہی ہوتا ہے اور اسلام ظاہر سے شروع ہو کر قلب پر منتہی ہوتا ہے۔ اگر قلبی تصدیق ظاہری اقرار وغیرہ تک نہ پہنچے تو وہ تصدیق ایمان معتبر نہیں۔ اسی طرح ظاہری اقرار و اطاعت اگر تصدیق قلبی تک نہ پہنچے وہ اسلام معتبر نہیں۔ (افادہ الاستاذ العلامہ مولانا انور شاہ قدس سرّہ)

اب جب ایمان و اسلام کا لغوی اور شرعی مفہوم متعین ہو گیا تو مومن و مسلم کا مفہوم بھی ظاہر ہو گیا۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس میں حضرت امام غزالیؒ اور حضرت امام سبکیؒ کی یہی تحقیق لکھی ہے جو اوپر گزر چکی۔ حضرت امام سبکیؒ کے چند جملے یہ ہیں۔

الاسلام موضوع للانقياد الظاهر مشروطاً فيه الايمان و الايمان موضوع للتصديق الباطل مشروطاً فيه القول عند الامكان ٠ فتح الملهم جلد ١ ص ١٥١)

''اسلام'' موضوع ہے ظاہری اطاعت و فرمانبرداری کے لئے۔ مگر اس میں ایمان شرط ہے اور ایمان موضوع ہے باطنی تصدیق کے لئے۔ مگر اس میں زبان سے کہنا بھی شرط ہے۔ بوقت امکان۔

اور شیخ کمال الدین بن ہمامؒ شارح ہدایہ نے اپنی عقائد کی مستند و مشہور کتاب اور اس کی شرح مسامرہ میں امت محمدیہ کا اتفاق اس پر نقل فرمایا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

وقد اتفق اهل الحق وهم فريقا الاشاعرة والحنفيه على تلازم الايمان والاسلام بمعنى انه لاايمان يعتبر بلا اسلام و عكسه اى لااسلام يعتبر بدون ايمان فلاينفك احدهما عن الاخر ٠ ص ١٨٦ جلد ٤ طبع)

اور اہل حق نے اتفاق کیا ہے اور وہ دونوں گروہ اشاعرہ اور حنفیہ ہیں کہ ایمان اور اسلام باہم متلازم ہیں۔ یعنی ایمان بلا اسلام کے معتبر نہیں اور نہ اس کا عکس۔ یعنی نہ اسلام بلا ایمان کے معتبر۔ پس ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

ثبوت قطعی

جو چیز آنحضرت ﷺ سے بذریعہ تواتر ہم تک پہنچی ہے اس کا ثبوت قطعی ہے جیسے قرآن، نمازوں کی تعداد، تعداد رکعات اور رکوع و سجود وغیرہ کی کیفیات۔ اذان، زکوٰۃ کی تفصیلات۔ حج اور اس کی بہت سی تفصیلات۔ آنحضرت ﷺ پر ختم نبوت وغیرہ۔

تواتر کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے لیکر ہم تک ہر قرن ہر زمانہ میں دنیا کے مختلف خطوں میں اس کے آنحضرت ﷺ سے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں رہے ہوں کہ ان سب کا غلطی یا کذب پر متفق ہو جانا عقلاً محال سمجھا جاتا ہو۔

ثبوت بدیہی

جس کو عرف فقہا اور متکلمین میں ضروری یا بالضرورۃ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ ساتھ اس کی شہرت تمام خاص و عام مسلمانوں میں اس درجہ ہو جائے کہ عوام تک اس سے واقف ہوں۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا فرض ہونا۔ اذان کا سنت ہونا۔ اور نبوت کا آنحضرت ﷺ پر ختم ہو جانا وغیرہ۔

ضروریات دین

جو چیزیں آنحضرت ﷺ سے بذریعہ تواتر اس درجہ شہرت و بداہت کے ساتھ ثابت ہوں کہ ہر خاص و عام اس سے باخبر ہو۔ ان کو فقہا اور متکلمین کی اصطلاح میں ضروریات دین کہا جاتا ہے۔

تنبیہ

ایمان بہت سی مجموعی چیزوں کی تصدیق و تسلیم کا نام ہے جن کا ذکر اوپر تعریف میں آچکا ہے۔ لیکن کفر میں ان سب چیزوں کا انکار یا تکذیب ضروری نہیں بلکہ ان میں سے کسی ایک چیز کی تکذیب و انکار بھی کفر ہے خواہ باقی سب چیزوں کو صدیق دل سے قبول کرتا ہو۔ اسی لئے ایمان اور اسلام ایک ہی حقیقت ہے اور کفر کی بہت سی اقسام ہوگئی ہیں جن میں سے دو بنیادی قسمیں تو قرآن کی مذکورہ آیات سورہ بقرہ میں بیان کر دی گئیں۔ ایک کفر ظاہر اور دوسرے کفر نفاق، باقی اقسام کی تفصیل و تشریح اب بیان کی جاتی ہیں۔ واللہ الموفق والعین!

کفر اور کافر کے اقسام

اس رسالہ کا اصل موضوع بحث یہی مضمون ہے جیسا کہ تمہید میں لکھا جا چکا ہے:
مذکور الصدر تفصیل میں یہ معلوم ہو چکا کہ کفر' تکذیب رسول کا نام ہے پھر تکذیب کی چند صورتیں ہیں اور ان صورتوں کے اختلاف ہی سے کفر کی چند اقسام بن جاتی ہیں جن کو حضرت امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ'' نیز اپنی کتاب ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' میں اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں اور امام بغویؒ نے آیت: ''ان الذین کفروا سواء علیھم.'' کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ نیز علم عقائد و کلام کی مستند کتب شرح مواقف و شرح مقاصد میں بھی ان کا تفصیلی ذکر ہے۔

ان اقسام تکذیب کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱)............ایک تکذیب کی صورت تو یہ ہے کوئی شخص صراحۃً رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول ہی تسلیم نہ کرے۔ جیسے بت پرست' یہود اور نصاریٰ۔

(۲)............دوسری یہ کہ رسول تسلیم کرنے کے بعد باوجود آنحضرت ﷺ کے کسی قول کو صراحۃً غلط یا جھوٹ قرار دے۔ یعنی آپ ﷺ کی بعض ہدایات پر ایمان رکھے اور بعض کی تکذیب کرے۔

(۳)............تیسری یہ کہ کسی قطعی الثبوت قول یا فعل رسول کو یہ کہہ کر رد کر دے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا قول یا فعل نہیں ہے یہ بھی درحقیقت رسول کی تکذیب ہے۔

(۴)............چوتھی صورت یہ ہے کہ قول و فعل کو بھی تسلیم کرتے ہوئے اس کے مفہوم کی تاویل کر کے قرآن و حدیث کی قطعی تصریحات کے خلاف کسی خود ساختہ مفہوم پر محمول کرے۔ کفر و تکذیب کی یہ صورت چونکہ دعوائے اسلام اور ادائیگی شعائر اسلام کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے اس میں اکثر لوگوں کو بہت مغالطہ پیش آتا ہے۔ خصوصاً جب اس پر نظر کی جائے کہ تاویل کے ساتھ انکار کرنا باتفاق علماء تکذیب میں داخل نہیں اور ایسے شخص کو کافر بھی نہیں کہا جا سکتا اور ظاہر ہے کہ ملحدین بھی کسی تاویل کا سہارا ضرور لیتے ہیں۔ اس لئے اس قسم کی تشریح و توضیح زیادہ ضروری ہے تاکہ تاویل اور الحاد میں فرق معلوم ہو سکے اور معلوم ہو جائے کہ تاویل کے محل میں تاویل موجب کفر نہیں۔ مگر الحاد و زندقہ کی تاویل بالاجماع موجب کفر ہے۔ اس

لئے اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

کفر' زندقہ والحاد

تکذیب کی یہ چوتھی صورت قرآن کی اصطلاح میں ''الحاد'' اور حدیث میں ''الحاد وزندقہ'' کے نام سے موسوم ہے۔

الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا ۰ افمن یلقی فی النار خیرام من یاتی امنا یوم القیامة (الایة) عن ابن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول سیکون فی ھذہ الامة مسخ الاوذلك فی المکذبین بالقدر والزندیقیه' اخرجه الامام احمد فی مسندہ (ج ۲ ص ۱۰۸) وقال فی الخصائص سندہ صحیح)

''جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں کیا وہ شخص جو جہنم میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو امن کے ساتھ آئے گا قیامت کے دن۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ عنقریب اس امت میں مسخ ہوگا' اور سن رکھو کہ وہ تقدیر کو جھٹلانے والوں میں ہوگا' اور زندیقین میں اس کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور خصائص میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

امام بخاریؒ (ج ۲ ص ۱۰۲۳) نے اس قسم کی تکذیب کے متعلق صحیح بخاری میں ایک مستقل باب لکھا ہے''باب قتل من ابی قبول الفرائض وما نسبوا الی الردة ''اس باب میں اس قسم کی تکذیب کو بھی ارتداد قرار دیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے مسوی شرح مؤطا میں اس قسم کی تکذیب کے متعلق لکھا ہے۔

''وان اعتراف به ظاهراً ولكن يفسر بعض ماثبت من الدين ضرورة بخلاف مافره الصحابة والتابعون واجمعت عليه الامة فهو الزنديق كما اذا اعترف بان القرآن حق وما فيه من ذكر الجنة والنار حق لكن المراد بالجنة الابتهاج الذى يحصل يسبب الملكات المحمودة و المراد بالنار هى الندامة التى تحصل بسبب الملكات المذمومة وليس فى الخارج جنة ولا نار فهو زنديق ۰ مسوىٰ شرح مؤطا ج۲ص ۱۳۰''

''اور اگر اقرار تو کرے اس کا ظاہری طور پر لیکن دین کی بعض ان چیزوں کی جو ثابت ہیں ایسی تفسیر بیان کرے جو صحابہؓ اور تابعینؒ اور اجماع امت کے خلاف ہو تو وہ زندیق ہے' مثلاً یہ تو اقرار کرے کہ قرآن حق ہے اور جو اس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے وہ بھی ٹھیک ہے لیکن جنت سے مراد وہ خوشی و فرحت ہے جو اخلاق حمیدہ سے پیدا ہوتی ہے اور دوزخ سے مراد وہ ندامت ہے جو اخلاق مذمومہ کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ ویسے کوئی نہ جنت ہے نہ دوزخ۔ پس یہ شخص زندیق ہے۔''

تاویل اور تحریف میں فرق

ثم التاویل تاویلان تاویل لایخالف قاطعامن الکتاب والسنة واتفاق الامة وتاویل یصادم ماثبت بقاطع فذلك الزندقة فکل من انکررؤیة الله تعالیٰ یوم القیامة اوانکر عذاب القبر وسؤال المنکروالنکیراوانکر الصراط والحساب سواء قال لا اثق بهٔولاء الرواة اوقال اثق بهم لکن الحدیث ماؤل ثم ذکر تاویلاً فاسد الم یسمع من قبله فهوالرندیق...... اوقال ان النبی ﷺ خاتم النبوة ولکن معنی هذاالکلام انه لایجوزان یسمی بعده احد بالنبی و امامعنی النبوة وهو کون الانسان مبعوثامن الله تعالیٰ الیٰ الخلق مفترض الطاعته معصوماً من الذنوب ومن البقاء علی الخطاء فیمایری فهوموجودة فی الائمة بعده فذلك الذندیق (اکفار الملحدین ص ٤٤/٤٥ مطبوعه مجلس علمی کراچی)

''پھر تاویل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تاویل تو وہ ہے جو کتاب وسنت اور اتفاق امت کی کسی قطعی بات کی مخالف نہیں اور ایک تاویل وہ ہے جو ان مذکورہ چیزوں سے ثابت شدہ کسی حکم قطعی کی متصادم ہو۔ پس یہ شکل ثانی ''زندقہ'' ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا منکر ہو قیامت کے روز' یا عذاب قبر کا منکر ہو۔ اور منکر اور نکیر کے سوال کا منکر ہو' یا پل صراط اور حساب کا منکر ہو۔ خواہ وہ یوں کہے کہ مجھے ان راویوں پر اعتبار نہیں اور یا یوں کہے کہ ان راویوں کا تو اعتبار ہے مگر حدیث کے معنی دوسرے ہیں اور یہ کہہ کر ایسی تاویل بیان کرے جو اس سے پہلے نہیں سنی گئی۔ پس وہ ''زندیق'' ہے۔ یا یوں کہے کہ نبی اکرم ﷺ خاتم النبوۃ ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ

آپ ﷺ کے بعد کسی شخص کا نام ''نبی'' رکھنا جائز نہیں، مگر نبوۃ کے معنی اور مصداق یعنی انسان کا خداتعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونا مخلوق کی طرف کہ اس کی اطاعت فرض اور وہ گناہوں سے معصوم ہو اور اس بات سے معصوم ہو کہ اگر اس کی رائے میں غلطی ہو تو وہ اس پر باقی رہے تو یہ معنی اور مصداق آپ کے بعد آئمہ میں موجود ہیں۔ پس یہ شخص ''زندیق'' ہے۔

تکذیب رسول کی یہ چوتھی صورت جس کا نام زندقہ والحاد ہے درحقیقت نفاق کی ایک قسم ہے اور عام نفاق سے زیادہ اشد اور خطرناک ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب کہ سلسلہ وحی سے منقطع ہو گیا اور کسی شخص کے دل میں چھپے ہوئے کفر ونفاق کے معلوم ہونے کا ہمارے پاس کوئی قطعی ذریعہ نہیں ہے تو اب منافق صرف ان ہی لوگوں کو کہہ سکتے ہیں جن سے اسلام کا مدعی ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ اقوال یا اعمال ایسے سرزد ہو جائیں جو ان کے باطنی کفر کی غمازی کریں۔ زندقہ والحاد اسی کی ایک مثال ہے اور اسی لئے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اور تفسیر ابن کثیر میں آیت: ''فی قلوبهم مرض: البقره ''کے تحت میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: ''المنافق فی عهد رسول الله ﷺ هو الزندیق الیوم ۰ تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ٤٦ طبع مصر''

یعنی آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کسی کے دل میں کفر ونفاق کتنا ہی چھپا ہو۔ لیکن ہمارے پاس اس کا ذریعہ علم نہ ہونے کے باعث ہم اس کو کافر یا منافق نہیں کہہ سکتے اب نفاق کی ایک ہی قسم موجود ہے جس کو زندقہ کہتے ہیں۔ یعنی دعوائے اسلام اور شرائع کا پابند ہونے کے ساتھ کوئی عقیدہ کفریہ رکھنا یا ضروریات دین میں تاویل باطل کر کے اس کے اجماعی معنی میں تحریف کرنا۔

حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ جوامت کے مسلّم امام ہیں اور تمام اسلامی فرقے ان کی امامت کے قائل ہیں۔ خدا بخش قادیانی نے اپنی کتاب عسل مصفیٰ میں جس کو مرزا غلام احمد نے حرفاً حرفاً سن کر تصدیق کی ہے ص ۱۶۴ پر مجدد دین اسلام کی فہرست لکھتے ہوئے حضرت امام غزالیؒ کو پانچویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے مسئلہ کفر وایمان میں الحاد وزندقہ کی شدید مضرت اور اس مسئلہ کی نزاکت کا خیال فرما کر ایک مستقل کتاب ''التفرقه بین الاسلام والزندقه ''تصنیف فرمائی جس میں قرآن وسنت اور عقل ونقل سے واضح کر دیا کہ تاویل اور الحاد میں کیا فرق ہے اور یہ

کہ زنادقہ و ملاحدہ کی اسلامی برادری میں کوئی جگہ نہیں وہ دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں۔ نیز کسی مدعی اسلام کے کافر قرار دینے میں جو احتیاط لازم ہے اس کے پیش نظر امام موصوف نے اس کتاب میں ایک زریں وصیت اور ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ اس کو مع ترجمہ کے لکھا جاتا ہے:

فصل: اعلم ان شرح مايكفربه ومالايكفربه يستدعى تفصيلا طويلا يفتقر الى ذكر كل المقالات و المذاهب و ذكر شبهه كل واحد ودليله وو جه بعده عن الظاهر وو جه تاويله وذلك لا تحويه مجلدات وليس يسع لشرح ذلك اوقاتى فاقتنع الآن بوصيه وقانون اماالوصية فان تكف لسانك عن اهل القبلة ما امنك ما داموا قائلين لا اله الا الله محمد رسول الله غير مناقضين لها والمناقضة تجويز هم الكذب علىٰ رسول الله ﷺ بعد راوغير عذرفان التكفير فيه خطروالسكوت لا خطرفيه واماالقانون فهو ان تعلم ان النظريات قسمان قسم يتعلق باصول العقائد و قسم يتعلق بالفروع واصول الايمان ثلاثة الايمان با لا الله وبرسوله و وباليوم الآخروماعداه فروع (واعلم ان الخطاء فی اصل الا مامة وتعلينها وشروطهاوماتيعلق بها لا يو جب شى منه تكفيراً فقدانكرابن كيسان اصل وجوب الا مامة ولا يلزم تكفيره يلتفت الىٰ قوم يعظمون امرالامامة ما ويجعلون الا يمان بالامام مقرونا بالا يمان بالله وبر سو له (اصل ص٣٥) والىٰ خصومهم المكفرين لهم بمجرد مذهبهم فى الامامة وكل ذلك اسراف اذليس فی واحد من القولين تكذيب الرسول ﷺ اصلا ومهما وجد التكذيب وجب التكفيروان كان فى الفروع فلوقال قائل مثلا البيت الذى بمكة ليس هى الكعبة التى امرالله بحجها فهذا كفراذثبت تواتراً عن رسول الله ﷺ لذالك البيت بانه الكعبة ينفعه انكاره بل يعلم قطعا انه معاند فی انكاره الاان يكون قريب عهد بالاسلام ولم يتواتر عنده ذلك وكذلك من نسب عائشةؓ الى الفاحشة وتدنزل القرآن بير آتها فهو كافر لان هذا وامثاله لا يمكن الا بتكذيب اوانكار والتواتر ينكره الانسان بلسانه ولا يمكنه ان يجهله بقلبه ۰ نعم

لوانکر ماثبت با خبار الاحادفلا یلزمه به الکفر ولو انکر ماثبت بالا جماع فهذا فیه نظر لان معرفة کون الاجماع حجة قاطعة مختلف فیه فهذاحکم الفروع واماالاصول الثلثة فکل ما لم یحتمل التاویل فی نفسه وتو اترنقله ولم یتصور ان یقوم برهان علیٰ خلافه فخلافه تکذیب محض و مثاله ماذکرنا ہ من حشر الاجسادو الجنة والنار واحاطة علم اللّٰہ تعالیٰ بتفاصیل الا مور وما یتطرق الیه احتمال ولو بالمجاز البعید فینظر فیه الی برهان فان کان قاطعاوجب القول به لکن ان کان فی اظهاره مع العوام ضررلقصور فهمهم فاظهاره بدعة وان لم یکن البرهان قاطعاً یعلم ضرو رة فی الدین کنفی المعتزلة للرؤیة عن الباری تعالیٰ فهذا بدعة ولیس یکفرواماایظهر له ضررفیقع فی محل لاجتهادوالنظر فحیتمل ان یکفرویحتمل ان لایکفر .... (ثم قال) ولا ینبغی ان نظن ان التکفیر ونفیه ینبغی ان ید رك قطعاًفی کل مقام بل التکفیر حکم شرعی یرجع الیٰ اباحة المال ولسفك الدم اوالحکم بالخلودفی النارفمأ خذه کمأ خذسائرالاحکام الشرعیة تارة یدرك بیقین وتارة بظن غالب وتارة یترد دفیه ومهما حصل الترددفالتوقف فی التکفیر اولیٰ والمبادرة الی التکفیر انما یغلب علی طباع من نعیب علیهم الجهل !

ولا بد من التنبیه بقاعدة آخریٰ فهوان المخالف قد یخالف نصاً متواتراً ویز عم انه ماؤل ولکن تاؤیله لا انقداح له اصلافی اللسان ال علی قرب ولا علی بعد فذلك کفروصاحبه مکذب وان کان یزعم انه ماؤل ۔ (فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة ص۱۹۵ ۔ ۱۹۸)

جاننا چاہئے کہ اس بات کی شرح کرنے کے لئے کہ کیا چیزیں موجب تکفیر ہیں اور کیا نہیں ۔ بہت تفصیل طویل درکار ہے۔ کیونکہ اس میں ضرورت ہے تمام مقالات و مذاہب کے ذکر کرنے کی اور ہر ایک کا شبہ اور اس کی دلیل ۔ اور اس کے بعد کی وجہ ظاہر سے ۔ اور اس کی تاویل کی وجہ کی ۔ اور یہ متعدد جلدوں میں بھی نہیں سما سکتا ۔ اور نہ اس کی شرح کیلئے میرے وقت میں گنجائش ہے ۔ اس لئے میں اس وقت ایک قانون اور ایک وصیت پر اکتفا کرتا ہوں ۔

وصیت: سو وصیت تو یہ ہے کہ تم اپنی زبان کو اہل قبلہ کی تکفیر سے روکو جب تک ممکن ہو یعنی جب تک وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ! کے قائل رہیں اور اس سے مناقضہ نہ کریں اور مناقضہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے کسی حکم کے غلط اور جھوٹ ہونے کو جائز سمجھیں خواہ کسی عذر سے یا بغیر عذر کے۔ کیونکہ تکفیر میں تو خطرہ ہے اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔

ضابطہ تکفیر

اور قانون یہ ہے کہ تمھیں معلوم کرنا چاہئے کہ نظریات کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو اصول عقائد سے متعلق ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو فروع کے متعلق ہے۔ اور ایمان کے اصول تین ہیں۔ اول: اللہ پر ایمان لانا۔ دوم: اس کے رسول ﷺ پر بھی۔ سوم: قیامت کے دن پر۔ اور ان کے علاوہ جو ہیں وہ فروع ہیں۔ اور جاننا چاہئے کہ خطاء (غلطی) امامت کی اصل اور اس کے تعین اور اس کی شروط وغیرہ میں جیسا کہ روافض وخوارج میں پائی جاتی ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی موجب تکفیر نہیں ہے۔ کیونکہ ابن کیسان نے امامت کے اصل وجوب ہی کا انکار کیا ہے اور نہیں لازم ہے اس کی تکفیر۔ اور نہیں التفات کیا جائے گا اس قوم کی طرف۔ جو امامت کے معاملہ کو عظیم سمجھتے ہیں اور امام کے ساتھ ایمان لانے کو خدا اور رسول کے ساتھ ایمان لانے کے برابر کرتے ہیں۔ اور نہ ان کے مخالفین کی طرف التفات کیا جائے گا۔ جو ان کی تکفیر کرتے ہیں محض اس لئے کہ وہ مسئلہ امامت میں اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ سب حد سے گذرنا ہے کیونکہ ان دونوں اقوال میں سے کسی میں بھی رسول اللہ ﷺ کی تکذیب بالکل لازم نہیں آتی۔ اور جس جگہ تکذیب پائی جائیگی تو تکفیر ضرری ہوگی اگر چہ وہ فروع ہی میں ہو' مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ جو گھر مکہ معظمہ میں ہے۔ وہ کعبہ نہیں ہے جس کے حج کا اللہ تعالٰی نے حکم دیا ہے' تو یہ کفر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ اس کے خلاف ثابت ہے اور اگر وہ اس امر کا انکار کرے اور کہے کہ حضور ﷺ نے اس گھر کے کعبہ ہونے کی شہادت ہی نہیں دی تو اس کا انکار اس کو نافع نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا اپنے انکار میں معاند ہونا قطعی طور پر معلوم ہو جائے گا۔ بجز اس کے کہ وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہو۔ اور یہ بات اس کے نزدیک ابھی حد تواتر کو نہ پہنچی ہو۔ اور اسی طرح جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھے۔ حالانکہ قرآن مجید میں ان کی براءت نازل ہو چکی تو وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ یہ اور اس جیسی باتیں بغیر تکذیب اور انکار کے ممکن نہیں اور تواتر کا

کوئی انسان زبان سے خواہ انکار کردے مگر یہ ناممکن ہے کہ اس کا قلب اس سے نا آشنا ہو ہاں! البتہ اگر کسی ایسے امر کا انکار کرے جو خبر واحد سے ثابت ہے تو اس سے کفر لازم نہ آئے گا اور اگر کسی ایسی چیز کا انکار کرے جو کہ اجماع سے ثابت ہے تو اس میں ذرا تامل کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ اجماع کا حجت ہونا مختلف فیہ ہے تو اس کا حکم فروع کا ہوگا' اور اصول ثلاثہ کے متعلق یہ ہے کہ جو فی نفسہ تاویل کو محتمل نہیں اور اس کی نقل تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس کے خلاف کسی دلیل کے قائم ہونے کا تصور نہیں ہوسکتا۔ سو اس کی مخالفت کرنا تو تکذیب ہے۔ اور اس کی مثال وہی ہے جو ذکر ہو چکی ہے یعنی حشر ونشر اور جنت ودوزخ اور حق تعالیٰ کے علم کا تمام امور کی تفصیلات پر محیط ہونا۔ اور جو اس میں سے ایسے ہیں کہ ان میں احتمال کی راہ ہے اگرچہ مجاز بعید ہی کے طریق پر ہو' تو اس میں دلیل کی طرف دیکھا جائے گا۔ پس اگر دلیل قطعی ہو۔ تب تو اس کا قائل ہونا واجب ہے۔ لیکن اگر اس کے ظاہر کرنے میں عوام کا ضرر ہو بوجہ ان کے قصور فہم کے۔ تب تو اس کا ظاہر کرنا بدعت ہے اور اگر دلیل قطعی نہ ہو جیسے معتزلہ کا رؤیت باری سے انکار کرنا۔ پس یہ بدعت ہے۔ اور کفر نہیں ہے اور وہ چیز جس کا ضرر ظاہر ہو' تو وہ مقام اجتہاد میں واقع ہوجائے گی۔ پس ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے تکفیر بھی کی جاوے اور ممکن ہے کہ تکفیر نہ بھی کی جائے (پھر آگے چل کر فرمایا ہے) اور یہ مناسب نہیں کہ تم یہ خیال کرلو کہ تکفیر اور عدم تکفیر کے لئے ضروری ہے کہ ہر جگہ یقینی طور پر معلوم ہوجائے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ تکفیر ایک حکم شرعی ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ اس سے اباحت مال اور خون کا ہدر ہونا۔ یا خلود فی النار کا حکم لازم آتا ہے۔ سو اس کا منشا بھی دوسرے احکام شرعیہ کے منشا کی طرح ہے۔ کہ کبھی تو یقین کے ساتھ معلم ہوتا ہے اور کبھی ظن غالب کے ساتھ اور کبھی تردد کے ساتھ۔ اور جب تردد ہو تو تکفیر میں توقف کرنا بہتر ہے اور تکفیر میں جلدی کرنا ان ہی طبیعتوں پر غالب ہوتا ہے جن پر جہل کا غلبہ ہے۔ اور ایک قاعدہ پر بھی تنبیہہ کردینا ضروری ہے' وہ یہ کہ مخالف کبھی کسی نص متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ ماؤل ہے لیکن اس کی تاویل ایسی ہوتی ہے کہ اس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی زبان میں نہ قریب نہ بعید۔ تو یہ کفر ہے اور ایسا شخص مکذب ہے۔ اگرچہ وہ یہ سمجھتا رہے کہ وہ ماؤل ہے۔ آخر میں کچھ اور اسی قسم کی تاویلات باطلہ کا بیان کرکے لکھا:

فامثال هذا المقالات تکذیبات عبر عنها بالتاؤیلات (ایضاً)

پس اسی جیسی باتیں تکذیبات جن کا نام تاویلات رکھ لیا گیا ہے:

حضرت امام غزالیؒ کی اس مفصل تحریر سے واضح ہو گیا کہ قرآن و حدیث میں ایسی تاویلات باطلہ کرنا جو ان کے اجماعی مفہوم کو بدل دیں اور امت کے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی نیا مفہوم ان سے پیدا ہو جائے ایسی تاویل بھی تکذیب رسول ہی کے حکم میں ہے جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

آئمہ اسلام کی مزید شہادتیں زندقہ کے کفر ہونے پر

اس میں سب سے پہلی اور سب سے قوی شہادت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا وہ اجماع ہے جو رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ''مانعین زکوۃ'' کو مرتد قرار دے کر ان سے جہاد کرنے پر ہوا۔ حالانکہ یہ سب لوگ نماز، روزہ اور تمام شعائر اسلام کے پابند تھے۔ صرف ایک حکم شرعی ''زکوۃ'' کا انکار کرنے سے باجماع صحابہ کافر قرار دیئے گئے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

وفيهم من الردة عن شرائع الا سلام بقد رماارتد عنه من شعائر الاسلام اذكان السلف قد سموامانعي الزكوة مرتدين مع كو نهم يصومون ويصلون ۰ (فتاوىٰ ابن تيميه ص ۲۹۱ / ج ٤)

ان لوگوں میں شعائر اسلام سے مرتد ہونا پایا جاتا ہے کیونکہ ایک شعار اسلام (زکوۃ) کے منکر ہیں۔ کیونکہ سلف نے ان کا نام مرتدین رکھا ہے۔ اگرچہ یہ نماز بھی پڑھتے تھے اور روزے بھی رکھتے تھے۔

دوسری شہادت صحابہ کرامؓ کا وہ اجماع ہے جو ''مسیلمہ کذاب'' کے کفر وارتداد اور اس کے مقابلہ میں جہاد پر ہوا۔ حالانکہ وہ اس کی پوری جماعت کلمہ کی قائل۔ اور حسب تصریح تاریخ ابن جریر طبری ص ۲۴۴ ج ۳/ اپنی اذانوں میں: '' اشهد ان محمد رسول الله '' کی شہادت مناروں پر پکارنے والے اور نماز روزے کے پابند تھے۔ مگر اس کے ساتھ وہ آیت خاتم النبیین اور حدیث: ''لا نبي بعدي ۰ ''میں قرآن وحدیث کی تصریحات اور امت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف تاویلات کر کے ''مسیلمہ کذاب'' کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نبوت کا شریک مانتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باجماع و اتفاق ان کو کافر قرار دیا اور ان سے جہاد

کرنا ضروری سمجھا اور خالد بن ولیدؓ کی امارت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عظیم الشان لشکر جہاد کے لئے روانہ ہوا۔ مسیلمہ کذاب کے پیرووں میں سے چالیس ہزار مسلح جوان مقابلہ پر آئے۔ معرکہ نہایت سخت ہوا۔ صحابہ کرامؓ کے لشکر میں سے بارہ سو حضرات شہید ہوئے۔ اور مسیلمہ کے لشکر سے اٹھائیس ہزار آدمی مارے گئے اور خود مسیلمہ بھی مارا گیا۔ (تاریخ طبری)

جمہور صحابہؓ میں سے کسی ایک نے بھی اس پر انکار نہ کیا اور نہ کسی نے یہ کہا کہ یہ لوگ کلمہ گو اہل قبلہ ہیں۔ ان کو کیسے کافر کہا جائے؟ نہ کسی کو اس کی فکر ہوئی کہ اسلامی برادری میں سے اتنی بڑی اور قوی جماعت کم ہو جائے گی۔ اسی لئے عام کتب عقائد میں اس مسئلہ کو اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے ''جوہرۃ التوحید'' میں ہے:

ومن لمعلوم ضروری حجد من دینا یقتل کفر الیس حد وقال شارحه ان هذا مجمع علیه وذکر ان الماتریدیة یکفرون بعد هذا بانکار القطعی وان لم یکن ضروریا۔

''جو شخص کسی قطعی بدیہی حکم کا انکار کرے اس کو بوجہ کافر ہو جانے کے قتل کیا جائے گا۔ بطور حد کے نہیں۔ اور اس کتاب کی شرح میں ہے کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ علماء ماتریدیہ مطلقاً قطعی حکم کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں خواہ بدیہی نہ ہو۔

اور حافظ حدیث امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ''اقامۃ الدلیل'' میں اجماع کو سب سے بڑی قطعی دلیل قرار دیا ہے:

واجماعهم حجة قاطعة یجب اتباعها بل هی اوکد الحجج وهی مقدمة علی غیر ها۔ (اقامة الدلیل ص ۱۳۰ ج ۳)

''اور امت کا اجماع حجت قاطعہ ہے جس کا اتباع واجب ہے بلکہ وہ تمام حجتوں سے زیادہ موکد ہے۔ اور وہ غیر اجماع پر مقدم ہے۔''

ائمہ اسلام' مفسرین' محدثین' فقہا اور متکلمین' سب کے سب اس مسئلہ میں یک زبان ہیں کہ ضروریات دین یعنی اسلام کے قطعی اور یقینی مسائل میں سے کسی مسئلہ میں تاویلات باطلہ کر کے اس کو اس مفہوم اور صورت سے نکالنا جو قرآن و حدیث میں مصرح ہے اور جمہور امت وہی مفہوم سمجھتی آئی ہے درحقیقت قرآن و حدیث اور عقائد اسلام کی تکذیب کرنا ہے۔ علم عقائد کی مشہور مستند کتاب ''مقاصد'' میں کفر اور کافر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

وان کان مع اعترافه بنبوة النبی ﷺ واظهاره شعائر الاسلام یبطن عقائد هی کفر بالاتفاق۔ خص باسم الزندیق۔''

''اور اگر کوئی ایسا ہو کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اور شعائر اسلام کے اظہار کے باوجود ایسے عقائد پوشیدہ رکھتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں تو اس کو زندیق کے نام سے خاص کیا جاتا ہے۔''

ردالمحتار میں علامہ شامیؒ نے اسی مضمون کی تشریح میں فرمایا ہے:

فان الزندیق یموه کفره ویروج عقیدته الفاسدة ویخرجهافی الصورة الصحیحة وهذامعنی ابطاله الکفر فلا ینافی اظهاره والدعوىٰ الی الضلال۔ (ص۳۲٤ ج۳)

کیونکہ زندیق ملمع سازی کرتا ہے اپنے کفر کے ساتھ اور اپنے فاسد عقیدہ کو رواج دیتا ہے اور نکالتا ہے اس کو صحیح صورت میں۔ اور یہی معنی ہیں ''ابطال کفر'' کے۔ پس وہ ''جہار'' (یعنی کھلم کھلا کفر) کے منافی نہیں۔ اور نہ گمراہی کی طرف دعوت دینے کے منافی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ میں اقسام تکذیب و کفر کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے:

ولا شبهته ان الا یمان مفهومه الشرعیٰ المعتبر به فی کتب الکلام والعقائد و التفسیر والحدیث هو تصدیق النبی ﷺ فیما علم مجیئه ضرورةعمامن شانه ذلك لیخرج الصبی والمجنون و الحیوانات۔ والکفرعدم الایمان عمامن شانه ذلك التصدیق فمفهوم الکفر هوعدم تصدیق النبی ﷺ فیها علم مجیئه ضرورة وهو بعینه ماذ کرنا من ان من انکرواحدامن ضروریات الدین اتصف بالکفر نعم عدم التصدیق له مراتب اربع فیحصل للکفر ایضااقسام اربعة۔ الاول کفر الحجهل وهو تکذیب النبی ﷺ صریحا فیها علم مجیئه بد مع العلم (ای فی زعمه الباطل) بکو نه علیه السلام کاذبا فی دعواه وهذا وهوکفر ابی جهل واضرابه والثانی کفر الجحودو العناد وهو تکذیبه مع العلم بکونه صادقا فی دعواه وهو کفر اهل الکتاب لقوله تعالی الذین آتیناهم الکتاب یعرفونه کمایعرفون ابنأ هم

وقوله وجحد وابها واستيقنتها انفسهم ظلما وعلوا ۰ وكفرابليس من هذا القبيل والثالث كفر الشك كما كان لاكثر المنافقين والرابع كفر التاويل وهو ان يحمل كلام النبی ﷺ علی غير محله اوعلی التقية و مراعاة المصالح ونحو ذلك ولما كان التوجه الی القبلة من خواص معنی الايمان سواء كان شاملة وغيره شاملة عبرو اعن اهل الايمان باهل قبلة كما ورد فی الحديث نهيت عن قتل المصلين و المراد المؤمنين مع ان نص القرآن علی ان اهل القبلة هم المصدقون بالنبی ﷺ فی جميع ما علم مجيئه وهو قوله تعالی وصدعن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند الله ۰ فتاوی عزيزی ج ۱ ص ۴۲"

ترجمہ: اور اس میں شبہ نہیں کہ ایمان کا مفہوم شرعی جو کہ کتب کلام وعقائد وتفسیر وحدیث میں معتبر ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنا ان تمام باتوں میں جن کا آپ ﷺ سے منقول ہونا بداہتہ معلوم ہے یہ اس شخص پر جو تصدیق کا اہل ہے یعنی بچہ۔ اور مجنون اور حیوانات اس سے خارج ہیں اور کفر اسی شخص کے عدم ایمان کو کہتے ہیں۔ پس کفر کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ان باتوں میں تصدیق نہ کرنا۔ اور وہ بعینہہ وہی بات ہے جو ہم نے ذکر کی کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرے وہ صفت کفر کے ساتھ موصوف ہو جائے گا۔ ہاں! عدم تصدیق کے چار درجات ہیں۔ اس لئے کفر کے بھی چار اقسام نکلیں گے۔ اول کفر جہل اور وہ نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنا صریحا ان چیزوں میں جن کو آپ ﷺ لے کر آئے۔ یہ سمجھتے ہوئے (یعنی اپنے زعم باطل میں) کہ نبی ﷺ کاذب ہیں اپنے دعوے میں اور یہ ابوجہل وغیرہ کا کفر ہے۔ دوسرا کفر جحود اور عناد اور وہ یہ کہ آپ ﷺ کو باوجود دل سے سچا جاننے کے تکذیب کئے جانا۔ اور یہ اہل کتاب کا کفر ہے جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور دوسری جگہ فرمایا کہ ان لوگوں۔ نے انکار کیا۔ حالانکہ ان کے دل پر یقین ہیں اور یہ انکار ظلم اور تعلی وتکبر کے سبب سے ہے اور ابلیس کا کفر اسی قسم میں سے ہے اور تیسرا کفر شک جیسا کہ اکثر منافقین کا تھا اور چوتھا کفر تاویل اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کلام کو اس کے غیر محمل پر محمول کرے یا اس کو تقیہ پر اور مراعاۃ مصالح وغیرہ پر محمول کرے۔ اور جبکہ توجہ الی القبلہ ایمان کا خاصہ ہے خواہ خاصہ شاملہ ہو یا غیر شاملہ اس لئے اہل

ایمان کو اہل قبلہ سے تعبیر کر دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ مجھے نماز پڑھنے والوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے اور مراد اس جگہ مسلمان ہیں نیز نص قرآن اس پر شاہد ہے کہ اہل قبلہ وہی ہیں جو نبی کریم ﷺ کی تمام لائی ہوئی چیزوں میں تصدیق کرتے ہیں اور وہ نص حق تعالیٰ کا یہ قول ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا' اور مسجد حرام کے ساتھ اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا زیادہ شدید ہے اللہ کے نزدیک۔ خوب سمجھ لینا چاہیے۔

حافظ ابن قیمؒ نے شفاء العلیل میں انہی تاویلات باطلہ کے متعلق فرمایا:

مافی الشفاء العليل للحافظ بن القيم ۰ والتاويل الباطل يتضمن تعطيل ماجاء به الرسول والكذب علىٰ المتكلم انه اراد ذلك المعنى فتضمن ابطال الحق وتحقيق الباطل ونسبة المتكلم الى مالا يليق به من التلبيس والالغاز مع القول عليه بلا علم انه اراء هذا المعنى فالمتاوّل عليه ان يبين صلاحية اللفظ للمعنے الذى ذكره اولاو استعمال المتكلم له فى ذالك المعنى فى اكثر المواضع حتى اذا استعمله فيما يحتمل غيره يحمل على ماعهد منه استعماله فيه وعليه ان يقيم دليلا سالماعن المعارض على الموجب بصرف اللفظ عن ظاهره وحقيقة الى عجارة و استعمارته والاكان تلك مجرد دعوى منه فلايقبل ۰ ”حافظ ابن قیمؒ کی شفاء تلیل میں ہے کہ ”اور تاویل باطل متضمن ہے۔ رسولوں کی لائی ہوئی چیزوں کو معطل کر لے کہ اور متکلم پر جھوٹ کو کہ اس نے یہ معنی مراد لئے پس لازم آئے گا اس سے ابطال حق' اور باطل کا ثبوت اور متکلم کی نسبت ایسی چیز کی طرف جو اس کے شایان شان نہیں یعنی تلبیس اور معمہ کی باتیں کرنا نیز اس پر یہ افتراء بلاعلم کہ اس نے اس سے یہ معنی مراد لئے۔ پس تاویل کرنے والے پر لازم ہے کہ سب سے پہلے یہ ثابت کرے کہ لفظ مستعمل میں اس معنی کی صلاحیت ہے جو اس نے ذکر کئے ہیں اور یہ بھی کہ متکلم نے بھی اس کو اکثر مواضع میں انہی معنی میں استعمال کیا ہے تا کہ جب متکلم اس کو ایسے کلام میں استعمال کرے جہاں دوسرا احتمال بھی ہو تو وہ اسی معنی پر محمول ہو جس میں اس کا استعمال مروج رہا ہے اور اس پر یہ بھی لازم ہے کہ دلیل قائم کرے ایسی کہ جو معارض سے سالم ہو اس بات پر کہ جو موجب ہوا ہے لفظ کو ظاہری اور حقیقی معنی سے مجاز اور استعارہ کی طرف پھیرنے کا ورنہ تو یہ صرف ایک دعویٰ ہو گا جو قابل قبول نہ ہو گا۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے:

ثم لوقد رانهم متاؤلون لم يكن تاويلهم سائغنا بل تاويل الخوارج ومانعي الزكواة اوجه من تاويلهم اما الخوارج فانهم احياء اتباع القرآن وان ماخلفه من السنة لايجوز العمل به امّا مأنعوا الزكواة فقد ذكروا انهم قالو ان الله قال لنبيه فقط فليس علينا ان ندفعها لغيره فلم يكونو ايد فعونها لابى بكرولا يخرجونها له . (فتاوى ابن تيميةؒ ج ٤ ص٢٩٧)

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ لوگ متأولین (یعنی تاویل کرنے والے) ہیں تو ان کی تاویل قابل قبول نہیں۔ بلکہ خوارج اور مانعین زکواۃ کی تاویل تو اس سے زیادہ اقرب اور قابل قبول تھی۔ کیونکہ خوارج نے دعویٰ کیا تھا اتباع قرآن کا اور سنت میں جو قرآن کے مخالف ہو اس پر ترک عمل اور عدم جواز کا اور مانعین زکواۃ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب فرما کر فرمایا کہ: ''آپ ﷺ لیجئے ان کے مالوں سے صدقہ اور یہ خطاب ہے نبی کریم ﷺ کو۔ پس ہم پر غیر نبی کی طرف زکواۃ ادا کرنا لازم نہیں۔ اس لئے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زکواۃ ادا نہیں کرتے تھے۔

وفى ص ١٨٥ وقد اتفق الصحابة والائمة بعدهم على قتال مانعى الزكواة وان كانوا يصلون الخمس ويصومون شهر رمضان وهوء لاء لم يكن لهم شبهة سائغه فلهذا كانوا مرتدين وهم يقاتلون على منعها وان اقروا بالوجوب كما امر الله . ''اور ص ۸۵ میں ہے اور صحابہؓ نے اور آئمہؒ نے مانعین زکواۃ سے جہاد کرنے پر اجماع فرمایا اگر چہ وہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے تھے۔ اور رمضان شریف کے روزے رکھتے تھے اور ان حضرات کو کوئی شبہ پیش نہیں آیا لہذا یہ مرتد تھے اور ان سے جہاد کیا جائے گا۔ اس کے روکنے پر اگر چہ وہ اس کے وجوب کا اقرار کریں جیسا کہ حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔''

وقال من ص٦٩ بغية المرتا دانما القصدهنا التنبيه على ان عامة هذه التاويلات مقطوع ببطلانها وان الذى يتاوله اويسوغ تاويله فقد يقع فى الخطاء فى نظيره اوفيه بل قد يكفر من تاويله . ''یہاں مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ عام طور سے یہ تاویلیں یقیناً باطل ہیں اور جو شخص یہ تاویلیں کرتا یا ایسی تاویل کو جائز

رکھتا ہے وہ کبھی اس کے مثل میں اور کبھی خود اسی میں (خطائیں) پڑ جاتا بلکہ کبھی تاویل کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

اور شرح جمع الجوامع میں ہے:

''جاحد الجمع علیه من الدین بالضرورة کافر قطعاً۔ ''''جس چیز پر اجماع قطعی ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے قطعاً

اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے خیالی حاشیہ شرح عقائد میں لکھا ہے:

''والتاویل فی ضروریات الدین لایدفع الکفر ۔ حاشیه نمبر ۳ خیالی ص ۱۲٦ ''اور ضروریات دین میں تاویل کرنا کفر سے نہیں بچا سکتا۔''

اور شیخ اکبر محی الدین ابن العربی نے فتوحات مکیہ میں فرمایا ہے:

''التاویل الفاسد کالکفر ۔ باب ۲۸۹ ج ۲ ص ۸۵۷ ''''تاویل فاسد کفر کی طرح ہے۔

اور وزیر یمانی کی ایثار الحق علی الخلق ص ۴۴۱ میں ہے:

''لان الکفر هو جحد الضروریات من الدین اوتاویلها ۔ ''''کیوں کہ کفر یہی ہے کہ ضروریات دین کا انکار کرنا یا اس کی تاویل کرنا۔''

قاضی عیاضؒ کی کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ میں ہے:

وذلك یقطع بتکفیر کل من کذب وانکر قاعدة من قواعد الشریعة وما عرف یقینا بالنقل المتواتر من فعل رسول اللهﷺ ووقع الاجماع المتصل علیه کمن انکرو جوب الصلوات الخمس اوعدد رکعاتها وسجدتها ویقول انما اوجب الله علینا فی الکتاب الصلواة علی الجملة وکونها خمسا وعلی هذه الصفات والشروط لا اعلمه اذلم یرد فیه فی القرآن نص جلی ۔ (شفاء ج ۲ ص ۲٤۸ فصل مقالات الکفر)

''اور اسی طرح قطعی طور پر کافر کہا جائے گا اس شخص کو۔ جھٹلا دے یا انکار کرے قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کا یا اس چیز کا جو فعل رسول اللہ ﷺ سے نقل متواتر کے ساتھ یقینی طور پر معلوم ہوا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ جیسے کوئی پانچ نمازوں یا ان کی رکعات کے عدد یا سجدوں کا انکار کرے۔ اور یوں کہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز تو فی الجملہ واجب کی ہے۔

ان صفات اور شروط کے ساتھ میں اس کو نہیں مانتا کیونکہ اس کی قرآن میں کوئی نص جلی نہیں ہے۔''

اور شرح شفاء قاضی عیاض میں ہے:

وکذلك انعقد اجماعهم علی ان مخالفة المسع الضروری کفرو خروج عن الاسلام (ص ۱۲۱) ایسے ہی سب کا اجماع اس پر منعقد ہے کہ یقینی روایات کی مخالفت کفر اور اسلام سے خروج ہے۔

تنبیہ: یہاں صحابہؓ تابعینؒ اور ائمہ دینؒ کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو چکی کہ تاویل کرنے والے کی تکفیر نہ کرنے کا ضابطہ عام نہیں بلکہ وہ تاویل جو ضروریات دین کے خلاف کی جائے وہ تاویل نہیں بلکہ تحریف اور الحاد ہے اور باجماع امت کفر ہے اور اگر تاویل مطلقاً رفع کفر کے لئے کافی سمجھی جائے تو شیطان بھی کافر نہیں رہتا کہ وہ بھی اپنے فعل کی تاویل پیش کر رہا ہے: ''خلقتنی من نار و خلقته من طین: اعراف ۱۲ '' اسی طرح بت پرست مشرکین بھی کافر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کی تاویل تو خود قرآن میں مذکور ہے: ''مانعبدهم الا لیقربونا الی الله زلفی: الزمر ۳ '' اس سے واضح ہو گیا کہ جو تاویل کسی نص صریح یا اجماع یا ضروریات دین کے مخالف ہو وہ تاویل نہیں بلکہ تحریف اور تکذیب رسول ہے جس کا دوسرا نام الحاد و زندقہ ہے۔

مسئلہ تکفیر اہل قبلہ

جو لوگ ایمان و اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور نماز' روزہ وغیرہ کے پابند ہیں مگر اسلام کے کسی قطعی اور یقینی حکم میں تاویلات باطلہ کر کے تصریحات کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف اس کا مفہوم بدلتے ہیں' ان کو کافر و مرتد قرار دینے پر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کلمہ گو اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر باتفاق امت ممنوع ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس جگہ اہل قبلہ کے مفہوم کو واضح کیا جائے۔

اصل اس باب میں آنحضرت ﷺ کی دو حدیثیں ہیں۔ ایک وہ جو بخاری (ج ۱ ص ۵۷ باب فضل استقبال القبلة) و مسلم وغیرہ میں اطاعت امراء کے بارے میں حضرت انسؓ سے منقول ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

''من شهد ان لا اله الا الله واستقبل قبلتنا وصلی صلوتنا واکل

ذبیحتنا فهو مسلم ۰ الا ان ترواکفرابو احاعندکم من الله فیه برهان ۰ ''

''جو شخص لا الــہ الا اللہ کی شہادت دے اور ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہی مسلمان ہے مگر یہ کہ دیکھو تم کفر صریح تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں دلیل ہو۔''

اور دوسری روایت ابوداؤد کتاب الجہاد (ج ۱ ص ۲۵۲ بـاب الـغـزامـع ائـمـة الجور) میں ہے جس کا متن یہ ہے:

عـن انـس قـال قـال رسـول الله ﷺ ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لا اله الا الله ولا تکفره بذنب ولا تخرجه من الاسلام بعمل ۰

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں اصل ایمان ہیں۔ رکنا اس شخص سے جو لا الــہ الا اللہ کہے اور نہ تکفیر کرو اس کی کسی گناہ کے سبب اور نہ اسے خارج از اسلام قرار دو کسی عمل کے سبب۔

اس میں سے پہلی حدیث میں تو ختم کلام پر خود ہی تصریح کر دی گئی ہے کہ کلمہ گو کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے گا جب تک اس سے کوئی قول یا فعل موجب کفر صریح اور نا قابل تاویل یقینی طور پر ثابت نہ ہو جائے۔

اور دوسری حدیث کے الفاظ میں اس کی تصریح ہے کہ کسی گناہ یا عمل کی وجہ سے خواہ وہ کتنا ہی سخت ہو کافر نہ کہا جائے گا۔ لیکن باتفاق علماء امت۔ گناہ سے مراد اس جگہ کفر کے سوا دوسرے گناہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عملی خرابیاں، فسق و فجور، کتنا ہی زیادہ ہو جائے ان کی وجہ سے اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے گا۔ نہ یہ کہ قطعیات اسلام کے خلاف عقائد کا اظہار بھی کرتا ہے تب بھی اس کو کافر نہ سمجھا جائے۔

مانعین زکواۃ اور جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کو کافر و مرتد قرار دے کر ان سے جہاد کرنے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع اس کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ اہل قبلہ جن کی تکفیر ممنوع ہے۔ اس کا مفہوم یہ نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کر لے یا نماز پڑھ لے۔ اس کو کسی عقیدہ باطلہ کی وجہ سے بھی کافر نہ کہا جائے بلکہ معلوم ہوا کہ کلمہ گو یا اہل قبلہ یہ دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان کے مفہوم میں صرف وہ مسلمان داخل ہیں جو شعائر اسلام نماز وغیرہ کے پابند ہونے کے ساتھ تمام موجبات کفر اور عقائد باطلہ سے پاک ہوں۔

اہل قبلہ کا یہ مفہوم تمام علماء امت کی کتابوں میں بصراحت و وضاحت موجود ہے۔ ذیل میں چند اقوال آئمہ اسلام کے پیش کئے جاتے ہیں جن سے دو چیزوں کی شہادت پیش کرنا مقصود ہے۔

(۱)..........اہل قبلہ کا صحیح مفہوم

(۲)..........اصل موضوع بحث پر شہادت کہ اسلام کے قطعی اور یقینی احکام میں قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ مفہوم کے خلاف کوئی مفہوم قرار دینا بھی تکذیب رسول کے حکم میں ہے اور ایسی تکذیب کو زندقہ والحاد کہا جاتا ہے۔

محقق ابن امیر الحاج جو حافظ ابن حجر اور شیخ ابن ہمام کے مشہور شاگرد اور محقق ہیں، شرح تحریر الاصول، اہل قبلہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ھو الموافق علی ماھو من ضروریات الاسلام کحدوث العالم وحشر الاجساد من غیر ان یصدر عنہ شیء من موجبات لکفر قطعا من اعتقاد راجع الی وجود الہ غیر اللہ تعالیٰ او حلولہ فی بعض اشخاص الناس او انکار نبوۃ محمد ﷺ او ذمہ او استخفافہ ونحو ذلک المخالف فی اصول سواھا (الی ان قال) وقد ظھر من ھذا ان عدم تکفیر اھل القبلۃ بذنب لیس علی عمومہ الا ان یحمل الذنب علی مالیس بکفر فیخرج الکفر بہ کما اشار الیہ السبکی۔ (شرح تحریر)" "اہل قبلہ وہ ہے جو موافق ہو تمام ضروریات اسلام کے، جیسے عالم کا حدوث، اور حشر اجساد، اس طرح پر کہ اس سے کوئی چیز موجبات کفر میں سے صادر نہ ہو۔ مثلاً ایسا اعتقاد جو مفضی ہو حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا کے ماننے کو۔ اور خدا تعالیٰ کے کسی شخص میں حلول کرنے کو۔ یا نبوۃ محمد ﷺ کے انکار کو۔ یا آپ ﷺ کی مذمت یا آپ ﷺ کے استخفاف کو۔ اور اسی طرح کی اور باتیں (یہاں تک کہ مصنف فرماتے ہیں کہ) اسی سے ظاہر ہو گیا کہ اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرنے کی حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔ ہاں اگر گناہ سے مراد کفر کے علاوہ لیا جائے جیسا کہ علامہ سبکیؒ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے تو عموم مراد ہو سکتا ہے۔

نیز شرح مقاصد میں عدم تکفیر اہل قبلہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال المبحث السابع فی حکم مخالف الحق من اھل القبلۃ لیس بکا

فرما لم يخالف ماهومن ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر الاجساد۔

''ساتواں مبحث اس شخص کے حکم میں جومخالف حق ہو۔اہل قبلہ میں سے کہ وہ کافر نہیں جب تک مخالفت نہ کرے کسی چیز کی ضروریات دین میں سے جیسے عالم کا حادث ہونا اور حشر ونشر۔''

قال الشارح ان الذين اتفقوا على ماهو من ضروريات الاسلام كحدوث العالم وحشر الاجسادو مايشبه ذلك واختلفوا فى اصول سواها كمسئلة الصفات وخلق الافعال وعموم الارادة وقدم الكلام وجواز الروية ونحوذلك ممالا نزاع فيه ان الحق فيه واحد هل يكفر المخالف للحق بذلك الاعتقاد و بالقول به ام لا فلانزاع فى كفرا هل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفى الحشر ونفى العلم بالجزئيات ونحوذلك وكذابصدور شىء من موجبات الكفر عنه۔ (شرح مقاصد)

''شارح فرماتے ہیں اور معنی اس کے یہ ہیں کہ جولوگ ضروریات اسلام پر تو متفق ہیں۔جیسے حدوث عالم اور حشر وغیرہ اور ان کے سوا دوسرے اصول میں اختلاف کرتے ہیں جیسے مسئلہ صفات اور خلق افعال اور عموم ارادہ'' اور'' کلام اللہ کا قدیم'' ہونا اور'' رؤیۃ اللہ کا جواز وغیرہ جن میں کوئی نزاع اس امر میں نہیں ہے کہ اس میں حق ایک ہی ہے تو کیا اس اعتقاد اور اس کا قائل ہونے کی وجہ سے اس مخالف حق کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ سو کوئی اختلاف نہیں ہے ایسے اہل قبلہ کی تکفیر میں جو تمام عمر طاعات پر مداومت کرنے کے ساتھ ''قدم عالم'' اور نفی حشر اور نفی بالجزئیات وغیرہ کا قائل ہو۔اور اسی طرح موجبات کفر میں سے کسی چیز کے صدور سے اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔''

اور ملاں علی قاریؒ کی شرح فقہ اکبر میں ہے:

اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر الاجساد و علم الله بالكليات وبالجزئيات وما اشبه ذلك من المسائل فمن واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم و نفى الحشرا ونفى علمه سبحانه بالجزئيات لا يكون من اهل القبلة وان المراد بعد عدم تكفير احد من اهل القلبلة عند اهل السنة انه لا يكفر مالم يوجد شىء من امارات الكفر و علاماة ولم يصد رعنه شى ء من

موجباته ۰شرح فقه اکبر ص ۱۸۹"

جاننا چاہئے کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین پر متفق ہیں جیسے حدوث عالم اور حشر ونشر اور علم اللہ بالجزئیات وغیرہ پس جو شخص تمام عمر طاعات وعبادات کا پابند ہونے کے باوجود (قدم عالم اور نفی حشر یا نفی علم اللہ بالجزئیات کا معتقد ہو وہ اہل قبلہ نہیں ہے اور مراد اہل قبلہ سے اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی تکفیر اس وقت تک نہ کی جائے گی جب تک علامات کفر میں سے کوئی چیز اس میں نہ پائی جائے اور جب تک اس سے موجبات کفر میں سے کوئی بات سرزد نہ ہو۔

اور فخر الاسلام بزدوی کی "کشف الاصول باب الاجماع ج ۳ ص ۲۳۸" میں نیز امام سیف الدین آمدیؒ کی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں اور "غایۃ التحقیق شرح اصول حسامی" میں ہے:

ان غلافیه (ای فی هواه) حتی وجب اکفاره به لا یعتبر خلافه وو فاقه ایضا لعدم دخوله فی مسمی الامة المشهود لها بالعصمة وان صلی الی القبلة واعتقد نفسه مسلما لان الامة لیست عبارة عن المصلین الی القبلة بل عن المؤمنین وهو کافروان کان لایدری انه کافر ۰ (غایة التحقیق)

اگر غلو کیا اپنی خواہشات نفسانیہ میں حتیٰ کہ واجب ہوگئی اس کی تکفیر اس کی وجہ سے اجماع میں اس کے خلاف یا مخالفت کا اعتبار نہ ہوگا اور اگر چہ وہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔ کیونکہ "امت" قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں ہے۔ بلکہ "مومنین" کا نام ہے اور وہ کافر ہے۔ اگر چہ اس کو اپنے کافر ہونے کا علم نہ ہو۔

اور رد المختار باب الامامة میں علامہ شامی نے بحوالہ شرح تحریر الاصول ابن همام لکھا ہے:

"لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان من اهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات کما فی شرح التحریر (شامی ج ۱ ص ٤١٤ باب الامامة) "جو شخص ضروریات اسلام کا مخالف ہو۔ اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر چہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور تمام عمر طاعات پر پابند رہے۔

اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

والحاصل ان المذهب عدم تكفير احدمن المخالفين فيما ليس من الاصول المعلومة من الدين ضرورة (بحر) اورحاصل یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ مخالفین میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے جو اصول دین کے سوا کسی چیز میں مخالف ہیں۔

اور شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس میں ہے:

اهل القبلة فی اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروريات الدين ای الامور التی علم ثبوتها فی الشرع واشتهرفمن انكرشيئا من الضروريات كحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم الله سبحانه بالجزئيات و فرضية الصلواة والصوم لم يكن من اهل القبلة ولوكان مجاهدا بالطاعات وكذالك من باشر شيئا من امارات التكذيب كسجود الصنم والاهانة بامر شرعی والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة و معنی عدم تكفير اهل القبلة ان لا يكفر بارتكاب المعاصی ولا بانكار الامور الخفية غير المشهورة (نبراس ص ۲٤۲)

اہل قبلہ متکلمین کی اصطلاح میں وہ ہے جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہو۔ یعنی ان امور کی جن کا ثبوت شریعت میں معلوم و مشہور ہے۔ پس جو انکار کرے کسی چیز کا ضروریات دین میں سے جیسے حدوث عالم اور حشر اور علم اللہ بالجزئیات اور فرضیت نماز روزہ تو وہ اہل قبلہ سے نہ ہوگا۔ اگر چہ وہ طاعات کا پابند ہو اور اسی طرح وہ شخص بھی اہل قبلہ میں سے نہ ہوگا جو کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے جو کہ تکذیب کی کھلی علامت ہے جیسے بت کو سجدہ کرنا یا کسی ایسے امر کا ارتکاب کرے کہ جس امر شرعی کا استہزاء اور اہانت ہو وہ اہل قبلہ نہیں ہے اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معاصی سے اس کی تکفیر نہ کی جائے یا امور خفیہ غیر مشہورہ کے انکار سے اس کی تکفیر نہ کی جائے۔

اور علم عقائد کی معروف و مستند کتاب ''مواقف'' میں ہے:

لايكفر اهل القبلة الا فيما فيه انكار ماعلم مجيئه به بالضرورة اواجمع عليه كاستحلال المحرمات ۰

اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے گی مگر اس صورت میں کہ اس میں ضروریات دین کا انکار یا ایسی چیز کا انکار لازم آئے جس پر اجماع ہو چکا ہے جیسے حرام اشیاء کو حلال سمجھنا۔

اور شرح فقہ اکبر میں ہے:

ولا يخفى ان المراد بقول علمائنا لا يجوز تكفير اهل القبلة بذنب ليس مجرد التوجه الى القلبة فان الغلاة من الروافض الذين يدعون ان جبرئيل غلط في الوحي فان الله تعالى ارسله الى عليؓ وبعضهم قالوا انه اله وان صلوا الى القبلة ليسوا بمؤمنين وهذا هوالمراد بقوله ﷺ من صلى صلوتنا واكل ذبجتنا فذالك مسلم ۰ (شرح فقه اكبر ص ۱۹۹)

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ہمارے علماء کے اس قول کی مراد کہ اھل قبلہ کی تکفیر کسی گناہ کے سبب جائز نہیں۔ محض قبلہ کی طرف رخ کر لینے کی نہیں کیونکہ بعض متشدد روافض ایسے ہیں جو مدعی ہیں کہ جبرئیل نے وحی لانے میں غلطی کی۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا تھا۔ اور بعض روافض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ معبود ہیں۔ یہ لوگ اگر چہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے رہیں مگر مومن نہیں۔ اور یہی مراد ہے نبی کریم ﷺ کے فرمان کی۔ جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہی مسلم ہے۔

اور کلیات ابوالبقاء میں ہے:

فلانكفراهل القبلة مالم يات بمايو جب الكفرو هذا من قبيل قوله تعالى ان الله يغفرالذنوب جميعاً مع ان الكفر غير مغفور ومختار جمهور اهل السنة من الفقهاء والمتكلمين عدم اكفار اهل القبلة من المبتدعة الماؤلة في غير الضرورية لكون التاويل شبه كما في خزانة الجزجاني والمحيط البرهاني و احكام الرازي و اصول البزدوي و رواه الكرخي والحاكم الشهيد عن الامام ابي حنيفة والجز جاني عن الحسن بن زياد و شارح المواقف و المقاصد والا مدي عن الشافعي والا شعري لا مطلقا (كليات ابي البقاء ص ٥٥٤)

پس ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہ کریں گے جب تک ان سے موجبات کفر کا صدور نہ ہو۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے باوجود اس کے کفر غیر مغفور ہے۔ اور مذہب جمہور اہل السنّت کا فقہاء متکلمین میں سے بدعتی جو تاویلات کرتے ہیں غیر ضروریات دین میں۔ ان کے متعلق یہ ہے کہ ان کی تکفیر نہ کی جائے۔ جیسا کہ خزانہ جرجانی'

اور محیط برہانی اور احکام رازی اور اصول بزدوی میں ہے۔ اور یہی روایت کیا ہے کرخی اور حاکم شہید نے امام ابوحنیفہؒ سے اور جرجانی سے حسن بن زیاد سے اور شارح مواقف اور القاصد اور آمدی نے شافعی سے اور اشعری سے۔

اور فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں ہے:

اذلا نكفر احدا من اهل القبلة الا بانكار قطعي من الشريعة (ص ١٤٣) ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے مگر بسبب انکار کے کسی قطعی حکم شرع کا۔

اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے:

وچوں ایں فرقه مبتدعه اهل قبله انددر تكفير آنها جرت نبايد نمود تازمانے كه انكار ضروريات دينيه ننمايند ورد متواترات احكام شرعيه نكنندوقبول ماعلم مجيئه من الدين بالضرورة نكنند۔ (مكتوبات ص ٣٨ ج ٢ ص ٦/٨)

اور چونکہ یہ فرقہ مبتدعہ اہل قبلہ میں اس لئے ان کی تکفیر میں جرات نہیں کرنی چاہئے جب تک کہ یہ ضروریات دین کا انکار اور متواترات احکام شرعیہ کا رد نہ کریں اور ضروریات دین کو قبول نہ کریں۔

عقائد عضدیہ میں ہے:

لانكفر احدا من اهل القبلة الابما فيه نفي الصانع المختار اوبما فيه شرك اوانكار النبوة و انكار ماعلم من الدين بالضرورة او انكار مجمع عليه و اما غير ذلك فالقائل مبتدع وليس بكافر۔

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کریں گے مگر اس سبب سے کہ اس میں حق تعالیٰ کے وجود کی نفی ہو اور یا جس میں شرک ہو یا انکار نبوت ہو یا ضروریات دین کا انکار ہو یا کسی مجمع علیہ امر کا انکار ہو اور اس کے سوا۔ پس اس کا قائل مبتدع ہے کافر نہیں۔

کسی مدعی اسلام کی تکفیر میں انتہائی احتیاط

مذکور الصدر تقریر سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ ہر قبلہ کی طرف منہ کرنے والے کو اہل قبلہ نہیں کہتے۔ یہ شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جو صرف ان لوگوں کے حق میں بولا جاتا ہے جو ہمارے

قبلہ کی طرف نماز پڑھیں اور ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار یا تحریف نہ کریں جس کی بناء پر بہت سے ایسے لوگوں کو بھی کافر قرار دینا پڑے گا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور نماز روزہ بھی ادا کرتے ہیں قرآن کی تلاوت اور خدمت بھی کرتے ہیں مگر اسلام کے قطعی اور ضروری احکام میں سے کسی حکم کے منکر ہیں۔

لیکن اس جگہ ایک دوسری بے احتیاطی کا خطرہ ہے کہ مسلمانوں میں باہمی تکفیر کا دروازہ کھل سکتا ہے جو ان کے لئے تباہی کا راستہ ہے اور ایک زمانہ سے یہ خطرہ صرف خطرہ ہی نہیں رہا۔ بلکہ ایک واقعہ بن گیا ہے۔ کہ حقائق دین سے ناواقف کچھ نام کے علماء نے یہ پیشہ بنا لیا کہ ذرا ذرا سی بات پر مسلمان کو کافر قرار دینے لگے۔ باہمی کفر کے فتوے چلنے لگے اس میں ان لوگوں کو کتب فقہ کے ان مسائل سے بھی دھوکا لگا جو کلمات کفریہ کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں کہ فلاں فلاں باتیں کلمہ کفر ہیں جن کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ جس کلمہ سے قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار نکلتا ہے۔ اس کو کلمہ کفر قرار دیا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی حضرات فقہا نے اس کی بھی تصریح فرما دی ہے کہ ان کلمات کے کلمات کفر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس شخص کی زبان سے یہ کلمات نکلیں اس کو بے سوچے سمجھے اور بدون تحقیق مراد کے کافر کہہ دیا جائے۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کی مراد وہی معنی و مفہوم ہیں جو کافرانہ عقیدہ یا کسی ضروری اسلام کا انکار ہے۔

لیکن حقیقت حال سے ناواقف لوگوں نے ان کلمات ہی کو فیصلہ کا مدار بنا لیا۔ اور تکفیر بازی شروع کر دی جس کی ایک بھاری مضرت تو یہ ہوئی کہ ایک مسلمان کو کافر کہنا بڑا سخت معاملہ ہے جس کے اثرات پورے اسلامی معاشرہ پر پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں اپنے ایمان کا خطرہ ہوتا ہے جس کا بیان گزر چکا ہے دوسری طرف اس تکفیر بازی سے یہ شدید نقصان پہنچا کہ فتوائے کفر ایک معمولی چیز ہو کر رہ گئی ہے۔ جو مدعی اسلام درحقیقت کافر ہیں ان کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ لوگ تو ایک دوسرے کو کافر کہا ہی کرتے ہیں ہم بھی اس تکفیر بازی کے شکار ہیں۔

اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس جگہ یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ کسی ایسے شخص کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے کہ کافر قرار دینے میں انتہائی احتیاط لازم ہے معمولی باتوں پر یا کسی محتمل اور مبہم کلام پر بغیر تحقیق مراد کے ایسا فتویٰ دینے میں اپنے ایمان کا خطرہ ہے اس بے

احتیاطی کے متعلق امام غزالیؒ کا مفصل مقالہ آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مزید توضیح و تاکید کے لئے مندرجہ ذیل سطور اور لکھی جاتی ہیں۔

تکفیر مسلم خود کفر ہے

حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول الله ﷺ ما اکفر رجل رجلا الاباء احدهما ان کان کافر اوالاکفر بتکفیره (ترغیب والترهیب للمنذری ج ۳ ص ٤٥٧ حدیث نمبر ٤٠٨٩)وفی روایة فقد وجب الکفر علی احدهما. اکفار الملحدین ص ٥٠''

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں تکفیر کرتا کوئی شخص کسی شخص کی مگر ان دونوں میں سے ایک کفر کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ شخص فی الواقع کافر تھا تب تو وہ کافر ہوا ہی۔ ورنہ یہ تکفیر کرنے والا اس کی تکفیر کے سبب کافر ہو گیا۔ اور ایک روایت میں کہ ان دونوں میں سے ایک پر کفر واجب ہو گیا۔

ایک شبہ اور جواب: خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو کافر کہا گیا ہے اگر وہ واقع میں کافر نہیں ہے تو کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ لیکن کفر کی جو تعریف بنص قرآن اوپر لکھی گئی ہے۔ وہ بظاہر اس شخص پر منطبق نہیں ہوتی جس نے کسی کو بلا وجہ شرعی غلط طور پر کافر کہہ دیا۔ کیوں کہ ایسا کہنے والے نے نہ خدا کی تکذیب کی اور نہ اس کے رسول کی اسی لئے بعض فقہا نے اس کو محض تہدید و تخویف پر محمول کیا ہے۔ جیسے ترک صلوٰۃ پر فقد کفر کے الفاظ بطور تہدید کے آئے ہیں جن سے حقیقی کفر مراد نہیں۔

اور مختصر مشکل الآثار میں (حسب منقول از اکفار الملحدین ص ۵۱) اور امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''ایثار الحق علی الخلق ص ٤٣٢ ''میں اس کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ کسی کو کافر کہنے سے اس جگہ یہ مراد ہے کہ اس کے عقائد و خیالات کفر ہیں تو اگر فی الواقع اس کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں بلکہ سب عقائد ایمان کے ہیں تو گویا ایمان کو کفر کہنا لازم آئے گا اور ایمان کو کفر کہنا بلاشبہ اللہ اور رسول کی تکذیب ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله (مائدة ٥) جو شخص ایمان سے انکار

کرے اس کے عمل ضائع ہو گئے۔

حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں خواہ اعمال اس کے کتنے ہی خراب ہوں اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔ بلکہ ایسے شخص کو کافر کہنے سے خود کہنے والے کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کو کافر کہنے کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ گویا ایمان کو کفر کہہ رہا ہے۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی عقیدہ کفریہ ہے اس کی وجہ سے اگر کسی نے اس کو کافر کہہ دیا تو کہنے والا باتفاق کافر نہیں ہوگا کیوں کہ اس نے ایمان کو کفر قرار نہیں دیا۔ اگر چہ حضرات فقہاء اور علمائے محققین نے ایسی حالت میں بھی اس کو کافر کہنے میں جلد بازی کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ جب تک کہ اس کے عقیدہ کفریہ کا کلمہ کفریہ کی کوئی جائز تاویل ہو سکتی ہے اس کو کافر کہنا جائز نہیں سمجھا۔ تاہم اگر کسی کے کسی عقیدہ یا کلمہ کفر کو سن کر جلد بازی میں کافر کہہ دیا تو کہنے والا باجماع فقہاء کافر نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کے متعلق غلط خبر یا غلط فہمی یا کسی اور وجہ سے کسی عقیدہ کفریہ کا دھوکا اور مغالطہ ہوا۔ مثلاً اس کو خیال ہوا کہ فلاں آدمی نے معاذ اللہ کسی نبی کی توہین کی ہے یا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی ہے تو ایسی صورت میں لازم تو یہ تھا وہ اس خیال کی تحقیق کرتا اور خلاف واقعہ پا کر بدگمانی سے باز آ جاتا۔ لیکن اس نے بے احتیاطی سے محض اپنے خیال کی بناء پر اس کو کافر کہہ دیا۔ اس صورت میں بھی کہنے والے نے چونکہ ایمان کو کفر نہیں کہا اس لئے کہنے والا کافر نہیں ہو گا یہ دوسری بات ہے کہ بے احتیاطی کی وجہ سے گنہگار ہو۔

حضرات فقہاء نے اس معاملہ میں اس درجہ احتیاط کا حکم دیا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی مشتبہ کلام سرزد ہو جائے جس میں سو احتمال میں سے ننانوے احتمالات مضمون کفر ہونے کے ہوں اور صرف ایک احتمال عبارت میں اس کا بھی ہو کہ اس کے کوئی صحیح اور جائز معنی بن سکتے ہوں تو مفتی پر لازم ہے کہ ننانوے احتمالات کو چھوڑ کر اسی ایک احتمال کی طرف مائل ہو اور اس کو کافر کہنے سے باز رہے۔ بشرطیکہ وہ خود اپنے کسی قول وفعل سے اس کی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد وہی معنی ہیں جن سے کفر عائد ہوتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"اذا كان فى لمسئلة وجوه توجب الكفر ووجه واحد يمنع فعلى المفتى ان يميل الى ذلك الوجه الااذاصرح بار ادة مايوجب الكفر فلاينفعه التأويل حينئذ۔ "جب کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ کفر کی موجب ہوں اور ایک وجہ مانع کفر ہو تو

مفتی کے ذمہ ضروری ہے کہ اس ایک وجہ کی طرف مائل ہو مگر جبکہ قائل اس وجہ کی تصریح کر دے جو موجب کفر ہے تو پھر تاویل سے اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

تنبیہ: یہ معلوم ہونا چاہئے کہ فقہا کے اس کلام کے یہ معنی نہیں جو بعض جہلاء نے سمجھے ہیں کہ کسی شخص کے عقائد و اقوال میں ایک عقیدہ و قول بھی ایمان کا ہو تو اس کو مومن سمجھو کیونکہ یہ معنی ہوں تو پھر دنیا میں کوئی کافر حتیٰ کہ شیطان ابلیس بھی کافر نہیں رہتا۔ کیونکہ ہر کافر کا کوئی نہ کوئی عقیدہ اور قول تو ضرور ہی ایمان کے موافق ہوتا ہے بلکہ مقصد حضرات فقہاء کا یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان سے نکلا ہوا کوئی کلمہ جو لغت و عرف کے اعتبار سے مختلف معانی پر محمول ہو سکتا ہے جن میں ایک معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ عقیدہ کفریہ سے نکل جاتا ہے اور دوسرے تمام معانی اس کو عقیدہ کفریہ ٹھہراتے ہیں تو ایسی حالت میں مفتی پر لازم ہے کہ اس کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کر کے اس کو مومن ہی قرار دے بشرطیکہ وہ خود ایسی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد معنی کفری ہیں۔

الغرض حدیث مذکور میں کسی مسلمان کو غلط طور پر کافر کہنے کو خود کہنے والے کے لئے کفر قرار دیا ہے خواہ محض تہدید و تخویف کے لئے ہو جیسا کہ بعض فقہاء نے سمجھا ہے (الیواقیت للشعرانی) یا اس سے حقیقتاً کفر مراد ہو بہر دو صورت حدیث سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ کسی مدعی اسلام کو کافر کہنے میں سخت احتیاط لازم ہے۔ اور اسی بناء پر محققین علماء و فقہاء نے ایسے کلمات و عقائد کی بناء پر جن کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو یا اس کے کوئی صحیح معنی کسی تاویل جائز سے بن سکتے ہوں۔ کسی مسلمان کی تکفیر کو جائز نہیں سمجھا۔

احتیاط کا دوسرا پہلو

جس طرح فروعی اختلافات کی وجہ سے یا کسی محتمل اور مبہم کلام کی وجہ سے یا کسی ایسے عقیدہ و کلمہ کی وجہ سے جس کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت بے احتیاطی اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے کیونکہ اس صورت میں ایمان کو کفر کہنا لازم آتا ہے ٹھیک اسی طرح کسی یقینی کافر کو مسلمان ٹھہرانا بھی نہایت خطرناک جرم اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ اس سے کفر کو ایمان قرار دینا لازم آتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان کو کفر یا کفر کو ایمان قرار دینا اگر اپنے اختیار و ارادہ سے ہو تو بلاشبہ کفر ہے ورنہ کفر کے خطرہ سے تو خالی نہیں۔

علاوہ ازیں کسی کافر کو مسلمان کہہ دینا محض ایک لفظی سخاوت نہیں بلکہ پوری ملت اور اسلامی معاشرہ پر ظلم عظیم ہے۔ کیونکہ اس سے پوری ملت کا معاشرہ متاثر ہوتا ہے نکاح' نسب' میراث' ذبیحہ' امامت نماز اور اجتماعی اور سیاسی حقوق سبھی پر اثر پڑتا ہے اس لئے کفر کی وہ صورت جس کو حسب تقریر مذکور اصطلاح شرع میں زندقہ اور الحاد کہا جاتا ہے جس میں ایک شخص خدا اور رسول کے ماننے کا دل اور زبان سے معترف بھی ہے اور نماز روزہ حج زکواۃ وغیرہ شعائر اسلام کا پابند بھی ہے مگر اس کے ساتھ کچھ عقائد کفریہ رکھتا ہے یا ضروریات دین میں تاویل باطل کر کے احکام دین کی تحریف کرتا ہے۔ اس کا معاملہ نہایت خطرناک مزلۃ الاقدام ہے اس میں ذرا سی بے احتیاطی ایک حقیقی مسلمان کو اسلام سے خارج بھی کر سکتی ہے اور ایک دشمن اسلام کافر کو اسلامی برادری کا مار آستین بھی بنا سکتی ہے اور یہ دونوں خطرے ملت کے لئے بڑے عظیم اور ان کے عواقب ونتائج نہایت دوررس ہیں۔

نوٹ: اس سے آگے وصول الافکار الی اصول الاکفار" کا خلاصہ تھا۔ اسے حذف کر دیا ہے۔ متذکرہ بالا رسالہ مکمل اس جلد میں شامل اشاعت ہے۔ مرتب!

البیان الرفیع

(بیان در مقدمہ بہاول پور)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

حامداً ومصلیاً!

عالم نبیل فاضل جلیل مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند بہت بلند پایہ فاضل تھے۔ مدتوں تک دارالعلوم دیوبند میں مفتی کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے ہیں۔ فتنہ مرزائیہ کی تردید میں آپ کی بہت سی مصنفات ہیں۔ مگر ختم نبوت تین حصوں میں ایک لاجواب تصنیف ہے۔ آپ کا بیان ۲۱/ اگست ۱۹۳۲ء کو ڈسٹرکٹ جج صاحب بہاولپور کی عدالت میں ہوا۔ بیان ۷ بجے صبح سے شروع ہوا اور گیارہ بجے مختار مدعاعلیہ نے جرح کی جو ۲۱/ اگست کو ۱ بجے ختم ہوئی۔ مفتی صاحب نے مختار مدعاعلیہ کی جرح کے مسکت جواب دیئے اور مرزائیت کے کفر و ارتداد کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔ مفتی صاحب کا یہ بیان جن معارف و حقائق علمیہ کا خزینہ ہے۔ اس کا صحیح اندازہ پڑھنے سے ہو سکتا ہے۔ اسے اس مجموعہ میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ مرتب!

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

منکر ختم نبوت بالاجماع کافر و مرتد ہے

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نہ صرف میرے نزدیک بلکہ تمام علمائے امت کے نزدیک یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرے یا ختم نبوت کا انکار کرے وہ کافر و مرتد ہے اور اسکا نکاح کسی مسلمان عورت سے جائز نہیں۔ اگر نکاح کے بعد یہ عقائد اختیار کرے تو نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور بغیر حکم قاضی اور بلا عدت اسے دوسرا نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ اس کے ثبوت کیلئے سب سے پہلے میں عدالت کی توجہ اس طرف مبذول کراتا ہوں۔ کہ کس وقت ایک مسلمان کو کن افعال یا اقوال کی بناء پر کافر کہا جا سکتا ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ خدائے تعالیٰ یا اس کے رسول کا انکار کفر ہے۔ لیکن یہ بات ذرا توضیح طلب ہے کہ رسول کے

انکار کے کیا معنی ہیں؟۔

رسول ﷺ کے انکار کے معنے

میں سب سے پہلے ایک آیت پیش کرتا ہوں۔قرآن شریف میں ارشاد ہے:"فلا وربك لا يؤمنون حتىٰ يحكّموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوافى انفسهم حرجا ممّا قضيت و يسلّموا تسليما ، نساء ٦٥"

اس آیت میں صراحتہً بیان کیا گیا ہے کہ وہ شخص ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جو آنحضرت ﷺ کو اپنے تمام معاملات میں حکم نہ بنائے اور آپ ﷺ کے فیصلہ کو ٹھنڈے دل سے قبول نہ کرے۔اس آیت کی تفصیل میں حضرت امام جعفرؒ صادق فرماتے ہیں کہ:"لو ان قوما عبدوالله تعالىٰ واقاموالصلوٰة واتوالزكوٰة وصامورمضان وحجوا البيت ثم قالوالشئى ضعه رسول الله ﷺ الا ضع خلاف ماضع اوو جد وافى انفسهم حرجاً لكانوا مشركين ،" (روح المعانی ج۲ جز۵ ص۶۵)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی قوم یا جماعت خدا کی عبادت کرے۔نماز پڑھے زکوۃ دے روزے رکھے اور سارے اسلامی کام ادا کرے۔لیکن آنحضرت ﷺ کے کسی فعل پر حرف گیری کرے وہ مشرک ہے۔

خدا اور رسول ﷺ کے حکم کا انکار کفر ہے

اس بناء پر تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا انکار کفر ہے۔اسی طرح اس کے کسی ایک حکم کا نہ ماننا بھی کفر ہے۔

ابلیس کا کفر انکار حکم کی وجہ سے ہے

سب سے پہلا کافر ابلیس مانا جاتا ہے۔وہ اسی قسم کا منکر ہے۔وہ خدا کا منکر نہیں صرف خدا کے ایک حکم نہ ماننے کی وجہ سے کافر مانا گیا ہے۔اس لئے میں اس کے متعلق چند علماء کی عبارتیں پیش کرتا ہوں:

۱..........."شرح مقاصد (بحث سابع فى حكم مخالف الحق طئ من اهل القبلة) ليس بكافر مالم يخالف ماهومن ضروريات الدين "اس کے بعد اسی کتاب میں ہے:"فلا نزاع فى كون اهل القبلة الموا اظب طول العمر على

الطاعات با عتقاد نفی الحشر ونفی العلم با لجزیات اونحوذالك كذالك بصدور شیئی من موجبات الكفر عنه ''اس عبارت کا مطلب ہے کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اہل قبلہ میں سے جو شخص ساری عمر مداومت کرنے والا ہو۔ جب وہ قدم عالم کا قائل ہو جائے یا حشر کا انکار کرے یا اس کے امثال کا تو وہ کافر ہے یا ایسا ہی کوئی اور حکم موجبات کفر ہے میں سے اس سے صادر ہو۔

اہل قبلہ کا معنی

حضرت ملا علی قاریؒ تحریر کرتے ہیں:''اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا علی ماهو من ضروریات الدین كحدوث العالم وحشر الا جسادو علم الله بالكلیات والجزئیات وما اشبه ذالك من المسائل فمن واظب طول عمره علیٰ الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم ونفی الحشر ونفی علمه سبحانه بالجزیات ولا یكون من اهل القبلة وان المراد بعدم تكفیر احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لایكفر مالم یوجد شئی من امارات الكفر وعلاماته ولم یصدر عنه شئی من موجباته ۰ شرح فقه اكبر ص ۱۸۹ ''

یعنی اہل قبلہ (جن کی تکفیر نہیں کی جاتی) سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو ضروریات دین پر متفق ہوں۔ تو جو شخص ساری طاعات و عبادات پر مداومت کرے۔ مگر قدم عالم اور نفی حشر کا قائل ہو۔ وہ اہل قبلہ نہیں ہے اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی چیز علامات کفر میں سے اس میں نہ پائی جائے۔ اس وقت تک اس کی تکفیر نہ کی جائے۔ علامہ شامی در المختار جلد اول ص ۴۱۴ ، ۴۱۵ باب الامامة میں ہے:''لا خلاف فی كفر المخالف فی ضروریات الاسلام من حدوث العالم وحشر الا جساد و نفی العلم با الجزئیات وان كان من اهل القبلة المواظب طول عمره علیٰ الطاعات كمافی شرح التحریر''

یعنی امت میں کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ جو شخص ضروریات اسلام کا مخالف ہو۔ وہ کافر ہے۔ اگرچہ اہل قبلہ سے ہو اور ساری عمر عبادات پر مداومت کرے۔ یہی مضمون بحر الرائق۔ شرح کنز باب المرتدین اور غایۃ التحقیق شرح حسامی اور کشف الاصول میں ہے۔ نبراس میں علمائے

محققین کی تحقیق اس طرح نقل فرمائی ہے:''اهل القبلة فی اصطلاح المتکلمین من یصدق بضروریات الدین ای الا مور اللتیی علم ثبوتهافی الشرع واشتهر . النبر اس شرح شرح العقائد ص ۳۴۲''

''یعنی متکلمین کی اصطلاح میں اہل قبلہ وہ شخص ہے جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرے۔یعنی وہ امور جن کا ثبوت شریعت میں معلوم ومشہور ہے۔''جو شخص ضروریات دین میں کسی چیز کا انکار کرے ۔وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ۔اگرچہ اطاعات میں انتہائی کوشش کرنے والا ہو۔ایسے ہی وہ شخص جو کسی ایسے کام کا مرتکب ہو۔تکذیب رسول کی علامت ہے۔جیسے توہین کسی امر شرعی کی یا کسی امر شرعی کا استہزاء کرنا۔

یہاں تک کہ علمائے محققین کی چند شہادت اس بات پر پیش کی ہیں کہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا انکار کفر ہے۔اسی طرح آپ ﷺ کے احکام میں سے کسی ایک قطعی حکم کا انکار بھی کفر ہے۔قطعی الثبوت سے میرا مطلب وہ حکم ہے'جو اسلام میں ایسا مشہور ومعروف ہے کہ امت'قرون اولیٰ سے لے کر آج تک ایسا ہی سمجھتی چلی آئی ہے۔

قطعی الثبوت اور ضروریات دین میں فرق

قطعی الثبوت اور ضروریات دین میں اتنا فرق ہے کہ ضروریات دین ان کو کہا جاتا ہے۔جن کا ثبوت تواتر کو پہنچ کر ایسا ہی واضح ہو گیا ہو کہ تمام امت اسے ہمیشہ ایسا ہی جانتی رہی ہو۔قطعی الثبوت وہ چیز ہے جس کا ثبوت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علمی قواعد کی بناپر قطعی ہو۔خواہ امت کا کوئی فرد اسے نہ جانتا ہو۔اس لئے قطعی الثبوت کے انکار کو اس وقت کفر کہا جائے گا۔جبکہ اس کی تبلیغ اس کو کردی جائے۔ضروریات دین کا منکر مطلق کافر ہے۔اس میں تبلیغ کرنے کی ضرورت نہیں۔یہ بات جو میں نے علماء کی تحقیق سے پیش کی ہے۔خود مرزا قادیانی اور اس کے متبعین کی کتابوں میں موجود ہے۔مرزا قادیانی لکھتا ہے:

''کیونکہ کافر کا لفظ مومن کے مقابلے پر ہے اور کفر دو قسم ہے۔ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔دوسرا یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے۔اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے

۔پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے۔کافر ہے۔اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دو قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔" (حقیقت الوحی ص۱۷۹ خزائن ج۲۲/۱۸۵)

اور اسی کتاب میں لکھتا ہے:

"علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا۔وہ خدا اور رسول کو نہیں مانتا۔"

(حقیقت الوحی ص۱۶۳ خزائن ج۲۲ ص۱۶۸)

نیز مسٹر محمد علی ایم اے لاہوری اپنی تفسیر بیان القرآن ص۵۷۴ میں آیت کریمہ: "ان الذین یکفرون باالله ورسله ویریدون ان یفرقوابین الله ورسله "کے تحت میں لکھتا ہے کہ: "اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق سے صرف یہ مراد نہیں کہ اللہ کو مان لیا اور رسولوں کا انکار کردیا۔جیسے براہم ہیں بلکہ یہ بھی کہ بعض رسولوں کو مان لیا اور بعض کا انکار کردیا۔جیسے تمام اہل کتاب کی حالت ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ کے کسی رسول کا انکار گویا اللہ ہی کا انکار ہے۔"

نیز (مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ) واشهد انا نتمسك بكتاب الله القران ونتبع اقوال رسول الله منبع الحق والعرفان ونقبل ما انعقد عليه الاجماع بذلك الزمان لا نزيد عليها ولا ننقص منها وعليها نحي وعليها نموت ومن زاد علىٰ هذه الشريعة مثقال ذرة اونقص منها اوكفر بعقيدة اجماعية فعليه لعنته الله والملئكة والناس اجمعين. " (انجام آتھم ص۱۴۴ خزائن ج۱۱ ص۱۴۴)

"گواہ رہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن سے تمسک کرتے ہیں اور رسول کے اقوال کا اتباع کرتے ہیں،جو حق اور معرفت کا چشمہ ہے اور ہم ان چیزوں کو قبول کرتے ہیں۔جس پر اس زمانہ میں اجماع منعقد ہوا۔نہ اس پر زیادتی کرتے ہیں اور نہ کمی،اسی پر زندہ رہیں گے اور اسی پر مریں گے جو شخص مقدار ایک شوشہ کے زیادتی کرے یا کمی کرے۔اس پر اللہ کی لعنت،ملائکہ کی لعنت،تمام آدمیوں کی لعنت،یہ میرا عقیدہ ہے۔"

ان عبارتوں سے یہ بات واضح ہوگی کہ علمائے اسلام کے نزدیک متفقہ طور پر خود مرزا قادیانی کے نزدیک جس طرح رسول کا انکار کفر ہے۔اسی طرح اسلام کے کسی اجماعی عقیدہ یا ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار بھی کفر ہے۔

مرزا نے بہت سے ضروریات دین کا انکار کیا ہے

اس کے بعد میں یہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ مرزا قادیانی نے ضروریات دین میں سے بہت سی چیزوں کا انکار کیا اور اسی بناء پر وہ باجماع امت کافرومرتد ہیں۔اس وقت ان ضرریات دین سے پہلی چیز ختم نبوت کا انکار ہے اور نبوت کا دعویٰ اور وحی اور شریعت مستقلہ کا دعویٰ ہے۔نبوت کے دعویٰ کا خود مدعا علیہ کو اپنے بیان میں اقرار ہے۔اس لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔

وحی اور شریعت مستقلہ کے دعویٰ کے ثبوت میں مرزا قادیانی کے اقوال ذیل پیش کرتا ہوں کہ:''سچا خدا وہی ہے کہ جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔''

(دافع البلاص ۱۱' خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۱)

یہی مضمون اور دعویٰ:''اور ہرگز ممکن نہیں کہ کوئی شخص جھوٹا ہو کر اور خدا پر افتراء کر کے آنحضرت کے زمانہ نبوت کے موافق یعنی ۲۳ برس تک مہلت پا سکے۔ضرور ہلاک ہوگا۔''

(اربعین جز ۴ ص ۵' خزائن ج ۱۷ ص ۴۳۴)

ایک اور جگہ لکھا ہے کہ:''حق یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو مجھ پر نازل ہوتی ہے۔اس میں ایسے الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں۔نہ ایک دفعہ بلکہ صد ہا دفعہ (اس کے اوپر الفاظ یہ ہیں) کہ چند روز ہوئے کہ ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا۔''

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۲' خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۶)

''اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے۔وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی کی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔''

(حقیقت الوحی ص ۱۴۹' خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۳' ۱۵۴)

''اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ اور خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف آیا ہے جو جو کچھ کہتا ہے۔اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔''

(انجام آتھم ص ۶۲' خزائن ج ۱۱ ص ۶۲)

اور مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ: ''مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے۔ جیسے توراۃ اور انجیل اور قرآن مجید پر تو کیا مجھ سے توقع ہو سکتی ہے کہ میں ان کے ظنیات بلکہ موضوعات کے ذخیرہ کو سن کر اپنے یقینات کو چھوڑ دوں گا۔'' (اربعین نمبر۴ ص۱۹' خزائن ج۱۷ ص۴۵۴)

''اسی طرح میں اسکی اس پاک وحی پر ایسی ہی ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔'' (حقیقت الوحی ص۱۵۰' خزائن ج۲۲ ص۱۵۴)

مرزا قادیانی کے اقوال اس بارہ میں اگر جمع کئے جاویں تو اور بھی بہت سے ہیں۔ لیکن ان سے بقدر ضرورت یہ بات معلوم ہوگئی کہ مرزا قادیانی وحی اور رسالت کا مدعی ہے اور اپنی وحی کو بالکل قرآن کے برابر سمجھتا ہے۔ اور اس کے منکر کو جہنمی کہتا ہے۔

تیرہ سو سال کا اسلامی اجماعی عقیدہ

اس کے بعد امت محمدیہ کا ساڑھے تیرہ سو برس کا عقیدہ اس بارے میں پیش کرتا ہوں کہ جو شخص وحی اور نبوت کا دعویٰ کرے یا آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا یا کسی کو نبوت دیا جانا تجویز کرے۔ اس کے متعلق علمائے امت کی کیا رائے ہے اور آئمہ امت نے کیا فرمایا؟۔

علامہ خفاجی شرح شفاء میں لکھتے ہیں: ''قال ابن القاسم فیمن تنبّاء انه کا المرتد سواء کان دعاذلك الیٰ متابعة نبوته سرا کان اوجهر اکمسیلمة لعنة الله تعالیٰ وقال ابن الفرج هوای من زعم انه نبی یوحیٰ الیه کا المرتد فی احکامه لا نه قد کفر بکتاب الله لانه کذبه ﷺ فی قوله انه خاتم النبیین و لا نبی بعده مع الفرية علی الله ۰ نسیم الریاض ج٤ ص٣٩٢'''' ایسے ہی ابن قاسم نے اس شخص کے متعلق کہا ہے کہ دعویٰ نبوت کرے اور کہے کہ مجھ پر وحی نبوت آتی ہے اور ابن قاسم مدعی نبوت کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ وہ مثل مرتد کے ہے۔ خواہ لوگوں کو اپنے اتباع کی دعوت دے یا نہ دے۔ اور پھر یہ دعویٰ خفیہ ہو یا علانیہ جیسے مسلیمہ کذاب۔ اور ابن الفرج فرماتے ہیں جو شخص یہ کہے کہ میں نبی ہوں اور مجھ پر وحی آتی ہے۔ وہ مثل مرتد کے ہے۔ اس لئے کہ اس نے قرآن سے کفر کیا۔ آنحضرت ﷺ کو اس قول میں جھٹلا دیا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور اس نے اپنے اللہ پر افتراء بھی باندھا کہ اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔''

اسی طرح شرح شفا میں ہے: ”كذلك نكفر من ادعىٰ نبوة احد مع نبينا عليه السلام ان فى زمنه كمسيلمة الكذاب والاسود العنسى اوادعى النبوة احد بعده فانه خاتم النبيين بنص القرآن والحديث فهذا تكذيب لله ورسوله عليه السلام ۰ نسيم الرياض ج ٤ ص ٥٠٦“ یعنی ہم ایسے ہی اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کرے۔ یعنی آپ ﷺ کے زمانے میں جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے کیا یا آپ ﷺ کے بعد کرے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں بنص قرآن وحدیث۔ پس دعویٰ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب ہے۔

نیز ہے: ”اذالم يعرف ان محمداً ﷺ آخر الانبياء فليس بمسلم لا نه من ضروريات الدين ۰ الاشباه والنظائر كتاب السير ص ١٠٢“ ”یعنی جب کوئی شخص یہ نہ جانے کہ آنحضرت ﷺ تمام نبیوں کے آخری ہیں۔ کافر ہے۔ کیونکہ آپ کا آخری نبی ہونا ضروریات دین میں سے ہے“۔

نیز فقہ حنفی کی مشہور کتاب البحر الرائق ص ۱۲۱ ج ۵ میں ہے کہ: ”اگر کوئی کلمہ شک کے ساتھ یہ کہے کہ اگر انبیاء کا فرمان صحیح اور سچ ہو تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ کہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔“

نیز فتاویٰ عالمگیریہ ص ۲۶۳ ج ۲ میں ہے: ”اذالم يعرف ان محمدا عليه السلام آخر الآنبياء“ ”یعنی اگر کوئی آدمی یہ عقیدہ نہ رکھے کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں اور اگر کہے کہ میں رسول ہوں یا فارسی میں کہے کہ من پیغمبرم اور مراد یہ ہو کہ میں پیغام پہنچاتا ہوں۔ تب بھی کافر ہو جاتا ہے۔ جس کا منشا یہ ہے کہ ایسے الفاظ ہوں۔ جو دعویٰ نبوت کے موہم ہوں۔ وہ بھی کفر ہے۔

علامہ ابن حجر کی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ”من اعتقد وحيا بعد محمد ﷺ فقد كفر باجماع المسلمين“ ”یعنی جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد وحی کا اعتقاد رکھے۔ وہ باجماع مسلمین کافر ہے۔

حضرت ملا علی قاری ”شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں: ”ودعوى النبوة بعد نبينا كفر بالا جماع“ ”آنحضرت ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرنا باجماع کفر ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد اپنی تفسیر کے ص ۶۵ ج ۷ میں لکھتے ہیں: ”وكونه

علیه الصلوٰة والسلام خاتم النبیین من مانطقت ......الخ ''یعنی آنحضرت ﷺ کا آخری نبی ہونا ان مسائل میں ہے۔ جن پر تمام آسمانی کتابیں ناطق ہیں۔ جن کو حدیث نبویہ نے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ جس پر امت نے اجماع کیا ہے۔ اس لئے اس کے خلاف کا مدعی کافر سمجھا جائے گا۔ اگر کوئی اصرار کرے گا تو قتل کیا جاوے گا۔''

حافظ ابن حزمؒ اپنی کتاب الملل والنحل ص۲۶۹ ج ۲ باب الکلام فیمن یکفر ولا یکفر میں لکھتے ہیں: ''وکذلك من قال ......الخ ''اور ایسا ہی جو شخص یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سوائے عیسیٰ ابن مریم کے اور کوئی نبی ہے تو کوئی شخص بھی اس کے کافر ہونے میں اختلاف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان امور پر صحیح اور قطعی حجت قائم ہو چکی ہے۔''

حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیة الطالبین ص۸۸ طبع سوم مصر میں فرماتے ہیں کہ: ''ادعت ایضاً ......الخ ''روافض نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ حضرت علیؓ نبی ہیں۔ خدا ان کو لعنت کرے اور اس کے فرشتے بھی اور اس کی تمام مخلوق دن قیامت تک اور جلا دے۔ ان کے کھیتوں کو۔ کیونکہ انہوں نے اس بارہ میں غلو سے کام لیا ہے اور اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔ پس ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اس شخص سے جس نے یہ قول کیا ہے۔''

ان تمام حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگی کہ امت محمدیہ قرن اول سے لے کر آج تک اس پر متفق ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد وحی یا نبوت کا دعویٰ کرے یا ختم نبوت کا انکار کرے۔ وہ کافر اور مرتد ہے۔ اس کے بعد مرزا قادیانی کی عبارتیں اس کی تائید میں پیش کرتا ہوں:

''وماکان لی ان ادعی النبوة وا خرج من الاسلام والحق بقوم کافرین ''(حمامتہ البشریٰ ص۷۹، خزائن ج۷ ص۲۹۷) ''مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ نبوت کا دعویٰ کروں اور اسلام سے نکل جاؤں اور کافر قوم کے ساتھ مل جاؤں۔'' اس قول سے معلوم ہو گیا کہ پہلے خود مرزا قادیانی کا عقیدہ بھی یہ رہا۔ جو تمام امت کا عقیدہ تھا۔

مدعیان نبوت کے خلاف اسلامی درباروں کے فیصلے

اس کے بعد میں چند وہ فیصلے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جو مدعیان نبوت کے بارہ میں اسلامی درباروں سے صادر ہوئے۔ اسلام میں سب سے پہلا مدعی مسیلمہ کذاب اور پھر اسود عنسی

ہیں۔اسود عنسی کو وہاں حضورﷺ کے حکم سے قتل کر دیا گیا اور کسی نے نہ پوچھا کو تیری نبوت کے کیا دلائل ہیں اور تیرے صدق کا معیار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۵۵ ج ۶)

آنحضرتﷺ کے بعد مسیلمہ کذاب پر باجماع صحابہؓ جہاد کیا گیا اور آخر اسے قتل کیا گیا۔وہ سب سے پہلا اجماع جو اسلام میں منعقد ہوا۔وہ مسیلمہ کے جہاد پر تھا۔جس میں کسی نے یہ بحث نہ ڈالی کہ مسیلمہ اپنی نبوت کے لئے کیا دلائل اور کیا معجزات رکھتا ہے۔ بلکہ اس بناء پر آنحضرتﷺ کے بعد دعویٰ نبوت سرے سے کذب وافتراء مان لیا گیا۔اس لئے باجماع صحابہؓ اس پر جہاد کیا گیا۔اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں طلیحہ نامی ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کے قتل کیلئے حضرت خالدؓ کو بھیجا۔(فتوح البلدان ص ۱۰۲)

اس کے بعد حارث نامی ایک شخص نے خلیفہ عبدالملک کے عہد میں دعویٰ نبوت کیا۔ خلیفہ نے علماء وقت سے جو کہ صحابہؓ اور تابعین تھے۔فتویٰ لیا اور متفقہ فتویٰ سے اسے قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا گیا۔کسی نے اس بحث کو روا نہ رکھا کہ اس کی صداقت کا معیار دیکھیں اور معجزات اور دلائل طلب کریں۔قاضی عیاض نے اس واقعہ کو اپنی کتاب (شفاء ج ۲ ص ۲۵۷/۲۵۸ مطبوعہ مصر ۱۹۵۰) میں نقل کر کے فرمایا ہے:''وفعل ذالك غير واحدمن الخلفاء والملوك با شباههم ''یعنی بہت سے خلفاء بادشاہوں نے بہت سے ایسے مدعیان نبوت کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہے اور اس وقت کے علماء نے اجماع کیا ہے کہ یہ ان کی کاروائی صحیح اور درست تھی۔اور جو شخص ان کے کفر کا منکر ہو۔وہ خود کافر ہے۔ہارون رشید کے زمانہ میں ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا۔خلیفہ نے علماء کے متفقہ فیصلہ سے اسے قتل کیا۔کتاب المحاسن ص ۹۶ جلد اول میں مذکور ہے۔

یہاں تک میری گذارش کا خلاصہ یہ تھا کہ تمام امت اس پر متفق ہے کہ آنحضرتﷺ کے بعد جو شخص دعویٰ نبوت یا وحی کا کرے یا ختم نبوت کا انکار کرے۔وہ کافر مرتد ہے اور اس فیصلے کو قرون اول سے لیکر تمام اسلامی عدالتوں اور درباروں نے نافذ کیا ہے کہ مدعی نبوت اور اس کے ماننے والے دونوں کافر مرتد ہیں۔

آئمہ کے ان اقوال سے یہ بات ثابت اور واضح ہوگی کہ یہ جو کچھ ختم نبوت کا عقیدہ پیش کیا گیا ہے۔وہ قرآن مجید کی آیت:'' ولكن رسول الله و خاتم النبيين' ' کا صریح حکم ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس آیت کا مطلب سوائے اس کے اور نہیں ہو سکتا جو صحابہؓ نے اور تابعینؒ نے باجماع بیان کیا ہے کہ آنحضرتﷺ کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ جائز نہیں۔

تفسیر ابن کثیر ص ۷۹ جلد ۸ آیت خاتم النبیین کی تفسیر میں ہے: ''فهذه الا یة نص فی انه لا نبی بعده ...... الخ ''یعنی یہ آیت اس بات میں نص صریح ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا تو رسول بطریق اولیٰ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے۔ اور عکس ضروری نہیں۔ اسی پر رسول اللہ ﷺ سے احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں۔ جس کو صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت نے آپ ﷺ سے نقل کیا ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۹۱ ج ۸ میں ہے: ''فمن رحمة الله ارسال محمد ...... الخ ''یعنی پس بندوں پر خدا کی رحمت ہے۔ محمد ﷺ کو ان کی طرف بھیجنا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت کی تعظیم و تکریم میں یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر تمام انبیاء اور رسل کو ختم کر دیا ہے اور دین حنیف کو آپ ﷺ پر کامل اعتماد ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول نے اپنی احادیث متواترہ میں خبر دی ہے کہ میرے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہونے والا نہیں۔ تا کہ امت جان لے کہ ہر وہ شخص جو آپ ﷺ کے بعد اس مقام نبوت کا دعویٰ کرے وہ بڑا جھوٹا اور مفتری ہے۔ دجال اور ضال مضل ہے۔ اگرچہ شعبدہ بازی بھی کرے اور قسم قسم کے جادو اور طلسم اور نیرنگیاں دکھلائے۔ اس لئے کہ سب کا سب عقلاء کے نزدیک باطل اور گمراہی ہے اور ایسے ہی خداوند تعالیٰ ان پر لعنت کرے اور ایسے ہی قیامت تک ہر مدعی نبوت پر یہاں تک کہ وہ مسیح الدجال تک ختم کر دیئے جاویں گے۔ اس بارہ میں جو احادیث متواترہ کا دعویٰ ابن کثیرؒ نے کیا ہے۔ وہ سب تقریباً میرے رسالہ ختم النبوۃ (جو طبع شدہ ہے) میں محفوظ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: ''لا تقوم الساعة حتی تبعث دجالون کذالون کلهم یزعم انه نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی ''یعنی قیامت اس وقت تک نہیں ہوگی۔ جب تک بہت سے دجال اور جھوٹے لوگ نہ اٹھائے جائیں۔ جن میں ہر ایک یہ کہتا ہوگا کہ میں نبی ہوں۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۷ کتاب الفتن' ترمذی ج ۲ ص ۴۵ باب لا تقوم الساعة حتی یخرج کذابون)

دوسری حدیث میں ہے: ''مثلی ومثل الا نبیاء من قبلی ...... الخ ''یعنی میرے اور پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی نے گھر بنایا ہو اور آراستہ و پیراستہ کیا ہو۔ مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو اور اس کے آس پاس لوگ چکر لگاتے ہوں اور خوش ہوتے ہوں اور یہ

کہتے ہوں کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی تا کہ تعمیر مکمل ہو جاتی ۔ وہ آخری اینٹ میں ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں ۔ (بخاری ج۱ ص ۵۰۱ باب خاتم النبیین)

تیسری حدیث: ’’فضلت علی الا نبیاء...... الخ ‘‘یعنی مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے ۔ چھٹی یہ ہے کہ میرے ساتھ تمام انبیاء کو ختم کر دیا گیا ہے ۔

(مسلم ج۱ ص۱۹۹ کتاب المسلجد ومواضع الصلوٰۃ)

چوتھی حدیث: ’’انا اخر الانبیاء وانتم اخر الا مم...... الخ ‘‘میں انبیاء کا آخری ہوں اور تم تمام امتوں کے آخری ہو

(ابن ماجه ص۲۹۷ باب فتنة الد جال وخروج عیسی بن مریم)

یہاں تک میرے بیان کا ایک جزو ختم ہوا کہ ضروریات دین کا انکار باجماع امت کفر ہے ۔ اور ختم نبوت کا عقیدہ اور اسی طرح مدعی نبوۃ کا مرتد ہونا بھی ضروریات دین میں سے ہے ۔ مرزا قادیانی نے ان تمام ضروریات دین کا کھلے طور پر انکار کر دیا ہے ۔ لہٰذا وہ باجماع امت کافر و مرتد ہیں ۔

توہین انبیاء علیہم السلام

اس کے بعد دوسری چیز توہین انبیاء علیہم السلام ہے ۔ انبیاء پر ایمان لانا اور ان کی بلا تخصیص و استثناء توقیر کرنا اور تعظیم کرنا قرآن اور حدیث کا کھلا ہوا فیصلہ اور اجماعی مسئلہ ہے ۔ اس کے بارے میں قرآن شریف کا ارشاد ہے: ’’ان الذین یکفرون بالله ورسله ویریدون ان یفر قوابین الله ورسله ۔ نساء ۱۵۰ ‘‘اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء پر بلا استثناء ایمان لانا ضروری ہے ۔

مرزا قادیانی نے اپنی متعدد کتابوں میں متعدد مواقع پر انبیاء کی توہین کی ہے ۔ خاص کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس قدر اہانت اس کی کتابوں میں صراحتاً موجود ہے کہ ایک بھلا آدمی بھی دوسرے آدمی کو نہیں کہہ سکتا ۔ مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ: ’’لیکن مسیح کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی ۔ بلکہ یحییٰ علیہ السلام نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے ۔ کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق

جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اسی وجہ سے خداتعالیٰ نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔''

(دافع البلاء ص۴ خزائن ج۱۸ ص۲۲۰ حاشیہ)

اس عبارت نے یہ بات بھی صاف کر دی ہے کہ اس میں جو کچھ حضرت مسیح کے متعلق کہا گیا ہے۔ وہ مرزا قادیانی کا اپنا عقیدہ ہے جس کو بحوالہ قرآن بیان کرتے ہیں۔ وہ کسی عیسائی وغیرہ کا قول نقل نہیں کرتے۔ اسی طرح اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: ''پس اس نادان اسرائیلی نے ان معمولی باتوں کا پیشگوئی کیوں نام رکھا۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص۴' خزائن ج۱۱ ص۲۸۸)

اس کتاب کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ: ''ہاں آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں۔ کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص۵' خزائن ج۱۱ ص۲۸۹ حاشیہ)

ضمیمہ انجام آتھم میں ہے کہ: ''اور آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں۔ جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔'' اسی صفحہ پر ہے کہ: '' آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔'' اسی صفحہ پر ہے کہ: ''سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص۷' خزائن ج۱۱ ص۲۹۱ حاشیہ)

مرزا قادیانی نے ضمیمہ انجام آتھم میں یہ گالیاں یسوع کا نام لے کر کہی ہیں اور خود لکھتا ہے کہ: ''ابن مریم جس کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں'' (توضیح المرام ص۳' خزائن ج۳ ص۵۲) اسی طرح مرزا قادیانی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ: ''اور مفتری ہے۔ وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔ بلکہ مسیح تو مسیح میں تو اس کے چار بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں۔'' (کشتی نوح ص۱۶' خزائن ج۱۹ ص۱۸) اس کے حاشیہ پر لکھتا ہے کہ: ''یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔'' (کشتی نوح ص۱۶ خزائن ج۱۹ ص۱۸ حاشیہ)

مرزا قادیانی کی ان عبارات سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ جس کو یسوع کہتے ہیں۔ وہی عیسیٰ ابن مریم ہے۔ لہٰذا یہ بات ناقابل التفات ہے کہ مرزا قادیانی نے گالیاں یسوع کو دی ہیں نہ کہ عیسیٰ کو۔ نیز کشتی نوح کے حاشیہ پر خود مرزا قادیانی بجائے یسوع کے لفظ عیسیٰ لکھ کر کہتے ہیں

کہ: ''یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔'' (کشتی نوح ص ۶۵' خزائن ج۱۹ ص ۷۱ حاشیہ)

ان عبارات سے مرزا قادیانی کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرنا اور مغلظات گالیاں دینا ثابت ہوگیا۔

توہین انبیاء علیہم السلام بالاجماع کفر ہے

اس کے بعد علمائے امت کا متفقہ فیصلہ اس بارہ میں پیش کرتا ہوں کہ جو شخص خدا کے کسی نبی کی ادنیٰ توہین کرے۔ وہ باجماع امت کافر ہے۔ درمختار شامی ص ۳۵۶ ج ا باب المرتد میں ہے: ''والکافر بسب نبی من الانبیاء'' یعنی وہ شخص جو کسی نبی کو گالیاں دینے کی وجہ سے کافر ہوگیا۔ اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قطعاً قبول نہ ہوگی اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔''

یہی مضمون درمختار میں فصل جزیہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے کہ اگر اپنے دل سے بھی کسی نبی کو مبغوض رکھے۔ اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح شامی ص ۳۱۷ ج ۳ باب المرتد ہے: ''قال ابن السخنون المالکی واجمع المسلمون .... الخ'' یعنی ابن سخنون مالکی فرماتے ہیں کہ: ''تمام مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ رسول کو گالیاں دینے والا کافر ہے اور اس کا حکم قتل ہے اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔'' یہی عبارت بعینہٖ شفاوغیرہ میں بھی موجود ہے۔ کتاب الخراج میں ہے: ''ای مسلم سب .... الخ'' یعنی جو مسلمان آنحضرت ﷺ کو گالیاں دے یا آپ ﷺ کی تکذیب کرے یا آپ ﷺ پر عیب لگائے تو وہ کافر ہوگیا۔ اس کی عورت اس سے بائنہ ہوگئی۔

تحفہ شرح منہاج باب المرتدین میں ہے: ''اوکذب نبیاً او رسولاً ''یعنی جو شخص نبی یا رسول کی تکذیب کرے یا کسی شخص کی نبوت کو ہمارے رسول کریم ﷺ کے بعد جائز رکھے۔ وہ کافر ہے۔

امت کے اجماعی فیصلوں سے مرزا قادیانی کے کفر اور ارتداد کی دوسری وجہ مل گئی۔ ان وجوہ سے ثابت ہوگیا کہ مرزا قادیانی اور ان کے متبعین بالاجماع کافر و مرتد ہیں۔

مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد کے ساتھ جائز نہیں

اس کے بعد یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر کے ساتھ ہرگز کسی وقت جائز نہیں سمجھا گیا اور اگر بعد نکاح خاوند کفر اختیار کرے۔ اس کا نکاح ہمیشہ فسخ شمار کیا گیا ہے: ''**لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن (الممتحنة: ۱۰)**'' ''یعنی مسلمان عورتیں کفار کے لئے حلال نہیں اور نہ کفار مرد مسلمان عورتوں کیلئے حلال ہیں۔ قرآن کا یہ کھلا ہوا فیصلہ ہے اور خود مرزا قادیانی اور ان کے متبعین بھی اس کے قائل ہیں۔

فتاویٰ احمدیہ ص ۷ جلد ۲ میں ''تاکید کی جاتی ہے کہ کوئی احمدی اپنی لڑکی غیر احمدی کے نکاح میں نہ دے۔'' اسی طرح مرزا محمود نے لکھا ہے کہ:

''ایک اور سوال بھی ہے کہ غیر احمدی کو لڑکی دینا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت مسیح موعود نے اس احمدی پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ جو اپنی لڑکی غیر احمدی کو دے۔ آپ سے ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا۔ لیکن آپ نے اس کو یہی فرمایا کہ لڑکی کو بٹھائے رکھو۔ لیکن غیر احمدیوں کو نہ دو۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے غیر احمدیوں کو لڑکی دیدی تو حضرت خلیفہ اول نے اس کو احمدیوں کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی۔ باوجود کہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا۔ اب میں نے اس کی سچی توبہ دیکھ کر قبول کر لی ہے۔ (انوار خلافت ص ۹۳، ۹۴)

میں اپنے بیان کو اس پر ختم کرتا ہوں کہ باجماع امت بہ تصریح قرآن وحدیث کوئی مسلمان عورت کسی قادیانی مذہب والے کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اگر وہ بعد نکاح کے ایسا مذہب اختیار کرلے تو شرعاً وہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ قضائے قاضی اور عدت کی ضرورت نہیں۔

فتاویٰ جات ردقادیانیت

(ماخوذ از فتاویٰ دار العلوم دیو بند ج ۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم !

تعارف

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیو بندیؒ عرصہ تک دارالعلوم دیو بند کے دارالافتاء کے صدر نشین رہے۔ آپ کے زمانہ افتاء میں دیو بند سے جو آپ کے فتاویٰ جات جاری ہوئے۔ اسے فتاوی دارالعلوم دیو بند کی جلد دوم میں ''امداد المفتیین'' کے نام سے جمع کر دیا گیا ہے۔ دارالاشاعت کراچی سے یہ شائع ہوئی۔ اس کے ۱۰۸۰ صفحات ہیں۔ اس میں سے فتنہ قادیانیت سے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے تمام فتاوی جات کو ''احتساب قادیانیت'' کی اس جلد میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ فلحمد للہ!

اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب

سوال ا:...... ''لاتکفر اهل قبلتك'' حدیث ہے یا نہیں اور اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب ا:...... حدیث:'' لا تکفر اهل قبلتك '' کے متعلق جواباً عرض ہے کہ ان لفظوں کے ساتھ تو یہ جملہ کسی حدیث کی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن اس مضمون کے جملے بعض احادیث میں وارد ہیں مگر قادیانی مبلغ جو ان الفاظ کو نا تمام نقل کر کے اپنے کفر کو چھپانا چاہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں جیسے قرآن سے کوئی شخص:'' لا تقربوا الصلوة ''نقل کرے۔ کیونکہ جن احادیث میں اس قسم کے لفظ واقع ہیں ان کے ساتھ ایک قید بھی مذکور ہے۔ یعنی بذنب اولعمل وغیرہ جس کی غرض یہ ہے کہ کسی گناہ و معصیت کی وجہ سے کسی اہل قبلہ کو یعنی مسلّم مسلمان کو کافر مت کہو۔ چنانچہ بعض روایات میں اس کے بعد ہی یہ لفظ بھی منقول ہیں۔ الا ان تروا کفرا بواحاً ! یعنی جب تک کفر صریح نہ دیکھو کافر مت کہو۔ خواہ گناہ کتنا بھی سخت کرے۔

یہ روایت ابوداؤد کتاب الجہاد (ج۱ص۳۵۲ باب الغزو مع آئمة الجور) میں حضرت انسؓ سے اس طرح مروی ہے: ''الکف عمن قال الا له الا الله ولا تکفره بذنب ولا تخرجه من الا سلام بعمل''

نیز بخاری (ج۱ص۵۷ باب فضل استقبال القبلة) نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے: '' مرفوعامن شهد ان لا اله الا الله واستقبل قبلتنا وصلے صلا تناواکل ذبیحتنا فهو المسلم ۔''

اہل قبلہ سے مراد باجماع امت وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کو مانتے ہیں۔ نا کہ یہ قبلہ کی طرف نماز پڑھ لیں۔ چاہے ضروریات اسلامیہ کا انکار کرتے رہیں۔

کما فی شرح المقاصد الجلد الثانی من صفحه ۲۶۸ الی صفحه ۲۷۰ قال المبحث السابع فی حکم مخالف الحق من اهل القبلة لیس بکافر مالم یخالف ماهو من ضروریات الدین الی قوله والا فلا نزاع فی کفرا هل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات با عتقاد قدم العالم ونفی الحشر ونفی العلم با لجزئیات وکذا بصدورشئی من موجبات الکفر...... الخ ۔ وفی شرح الفقه الا کبر وان غلافیه حتی وجب اکفاره لا یعتبر خلافه و فاقه ایضا الی قوله وان صلے الی القبلة وا اعتقد نفسه مسلمالان الامة لیست عبارة عن المصلین الی القبلة بل عن المومنین ونحوه فی الکشف البذدوی صفحه ۲۳۸/ج۳ (لاخلاف فی کفره المخالف فی ضروریات الا سلام وان کان من اهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات ۔ (اکفار المحدین ص۱۱ مطبوعه دیو بند) وقال الشامی ایضاً اهل القبلة فی اصطلاح المتکلمین من یصدق بضروریات الدین ای الا مورالتی علم ثبو تهافی الشرع واشتهرومن انکر شیئا من الضروریات الاسلام کحدوث العالم وحشر الا جسادونفی العلم با لجزئیات وفرضیة الصلوٰة والصوم لم یکن من اهل القبلة ولو کان مجاهد ابا لطاعات الی قوله و معنی عدم تکفیر اهل القبلة ان لا یکفر با رتکاب المعاصی ولابانکار الا مور الخفیة غیر المشهورة هذا ما حققه المحققرن فا حفظه ومثله قال المحقق ابن امیر الحاج فی شرح

التحرير لا بن همام والنهي عن تكفير اهل القبلة هوالموافق على ماهو من ضروريات الاسلام هذه جملة قليلة من اقوال العلماء نقلتها واكتفيت بها لقلة الفراغة وتفصيل هذه المسئلة فى رسالته اكفار الملحدين فى شئى من ضروريات الدين لشيخنا ومولانا الكشميرى مدظله والله اعلم''

اہل قبلہ کا مطلب

سوال۲:......کلمہ گواور اہل قبلہ کی شرعاً کیا تعریف ہے۔؟ قادیانی مرزائی ولاہوری مرزائی احمدی اہل قبلہ وکلمہ گومسلمان ہیں یانہیں۔اگر نہیں تو کس وجہ سے۔؟

الجواب۲:......کلمہ گواور اہل قبلہ ایک خاص اصطلاح ہے اسلام اور مسلمانوں کی' جس کا یہ مطلب کسی کے نزدیک نہیں کہ جوکلمہ پڑھ لے خواہ کسی طرح پڑھے وہ مسلمان ہے یا جوقبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہے۔بلکہ یہ لفظ اصطلاحی نام ہے اس شخص کا جوتمام احکام اسلامیہ کا پابند ہو۔جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ایم اے پاس ہے۔تو ایم اے ایک اصلاحی نام ہے ان تمام علوم کا جو اس درجہ میں سکھائے جاتے ہیں نہ یہ کہ جوایم اے کے لفاظ میں پاس ہوتا ہو اور یاد رکھتا ہو۔اس طرح اہل قبلہ کے معنی بھی باتفاق امت یہی ہیں کہ جوتمام احکام اسلامیہ کا پابند ہو:کما صرح به فى عامة كتب الكلام !اوراسکی مفصل بحث رسالہ''اكفار الملحدين ''مصنفہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ میں موجود ہے۔ضرورت ہوتو ملاحظہ فرمایا جائے۔مگر رسالہ عربی زبان میں ہے۔(اب اس کا ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔مرتب) (اردوزبان میں بھی اس مضمون کا ایک رسالہ احقر کا ہے جس کا نام وصول الافکار ہے)والله تعالىٰ اعلم۔ امدا دالمفتيين جلد دوم ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۳!

اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا دعویٰ کرنا

سوال۳:......اللہ جل جلالہ کا کلام کرنا اپنے بندہ سے اور بندہ کا اللہ تعالیٰ سے یہ منصب و درجہ خاص انبیاء علیہم السلام کا ہے یا عام۔اگر خاص انبیاء علیہم السلام کا ہے اور نبوت ختم ہو چکی ہے۔اب فی زمانہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ کلام فرمایا تو اس پر اور اس کلام کو حق جاننے والا اور اس کے معتقد پر شرعاً کیا حکم ہوگا۔بيّنوا بسند الكتاب۔ توجروا من الله الوهاب؟

جواب ۳:...... اللہ تعالیٰ کا کلام بالمشافہتہ اور بطور وحی کے خاصہ انبیاء علیہم السلام ہے، جو آنحضرت ﷺ کے بعد قطعاً منقطع ہے اور مدعی اس کا کافر ہے۔ صرح به فی شرح الشفاء۔ البتہ بصورت الہام عامہ مومنین کو حاصل ہوسکتا ہے۔ لیکن عرفاً اس کو کلام نہیں کہا جاتا۔ اس لیے ایسے الفاظ بولنا کہ (اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام فرمایا) اگر اس کی مراد یہ ہے کہ بطور وحی کے بالمشافہتہ فرمایا تب تو کفر ہے اور اگر مراد اس سے بطور الہام دل میں ڈالنا ہے تب بھی درست نہیں۔ کیونکہ اس میں ایہام ہوتا ہے ادعاء وحی کا اور کفر کے ایہام سے بچنا بھی ضروری ہے۔

(امداد المفتیین ج ۲ ص ۱۲۸)

وفات عیسیٰ علیہ السلام پر چند اشکالات اور ان کا جواب

سوال ۴:...... لوکان موسیٰ و عیسیٰ حییّن لما وسعهما الا اتباعی ابن کثیر برحاشیه فتح البیان ص۳۷۸ ج۱ الیواقیت الجواهر ج۲ ص۲۱ شرح فقه اکبر ص ۱۰ میں بھی یہی مضمون ہے۔

۵...... ''ان عیسیٰ بن مریم عاش عشرین ومائة سنة ''الحدیث کنز العمال ص۱۲۰ ج ۶، جلالین ص۵۲ (زیر آیت: '' فیوّ فیهم اجورهم: آل عمران '' حاشیہ پر حدیث نقل کی ہے) اس حدیث سے وفات ثابت ہوتی ہے۔

۶...... خلاصہ سوال یہ ہے کہ ہمارے حضرت ﷺ کی وفات کیوں ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر کیوں نہ اٹھائے گئے۔؟

۷...... ''ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل : المائده ۷۵ '' اس آیت سے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر استدلال کرنا کیسا ہے؟۔

۸...... ''اموات غیر احیاء ۰ '' سے وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت ہوتی ہے؟۔

۹...... شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ: '' لا نبی بعد ی ۰ '' کے یہ معنی ہیں کہ تشریعی نبوت ختم ہوچکی۔ لیکن غیر تشریعی نبوت ختم نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟۔

جواب ا:...... حدیث: '' لوکان موسیٰ عیسیٰ حییّن '' دو تین کتابوں میں مذکور ہے۔ مگر سب میں بلا سند لکھی ہے اور جب تک سند معلوم نہ ہو کیسے یقین کرلیا جائے کہ یہ حدیث صحیح قابل عمل ہے؟۔ اگر اسی طرح بلا سند روایات پر عمل کریں تو سارا دین برباد ہو جائے۔ اسی لیے

بعض اکابر محدثین نے (غالباً حضرت عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا ہے: ''لو لا الاسناد لقال من شاء ماشاء'' دوسرے! اگر بالفرض سند موجود بھی ہو اور مان لو کہ صحیح بھی، تو غایت یہ ہے کہ یہ حدیث دوسری احادیث سے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی پر صریح ہیں اور درجہ تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔ ان کی معارض ہوگی اور تعارض کے وقت شرعی اور عقلی قاعدہ یہی ہے کہ اقوی کو ترجیح ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک غیر معروف حدیث ان تمام صحیح اور قوی متواتر روایات حدیث پر راجح نہیں ہوسکتی۔ یہ قادیانی ہی مذہب کی خصوصیت ہے کہ مطلب کے موافق نہ ہو تو صحیح بخاری و مسلم کی حدیث کو معاذ اللہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کیلئے تیار ہو جائیں اور مطلب کے بزعم خود موافق ہو تو ضعیف روایت کو ایسا اہم بنائیں کہ صحیح اور متواتر روایات پر ترجیح دے دیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں کرسکتا۔

حدیث عاش علیہ السلام مائة وعشرین سنة سے وفات مسیح کا شبہ اور اس کا جواب

۲......اس حدیث سے وفات کا ثابت کرنا قادیانی فراست ہی کی خصوصیات سے ہے۔ اولاً: اس لئے کہ حدیث خود متکلم فیہ ہے۔ بعض محدثین نے اس کو قابل اعتماد نہیں مانا۔ ثانیاً: اگر حدیث ثابت بھی ہو جائے تو صحاح ستہ میں جو قوی اور صریح و صحیح روایات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور نزول فی آخر الزمان کے متعلق وارد ہیں۔ یہ حدیث ان کا معارضہ عقلاً واصولاً نہیں کرسکتی۔ ثالثاً: حدیث کی مراد صاف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر ایک سو بیس سال زندہ رہے۔ آسمان پر زندہ رہنا چونکہ بطور معجزہ ہے۔ اس لئے اس حیات کو حیات دنیوی میں شمار نہ کرنا چاہیے تھا اور نہ کیا گیا۔ اور اس حدیث میں زمین اور اس عالم عناصر کی حیات کا ذکر ہے بطور اعجاز، جو حیات کسی کے لئے ثابت ہو۔ اس کا اس میں شمار کرنا اور داخل سمجھنا عقل ونقل کے خلاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر کیوں نہ اٹھایا گیا؟

۳......حق تعالیٰ کے معاملات ہر شخص کے ساتھ جدا جدا گانہ ہیں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرے کہ جو معاملہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کیا وہی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیوں نہ کیا اور جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا وہی ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیوں نہ کیا۔ اور صرف

ان معاملات وواقعات سے ایک نبی کو دوسرے نبی پر نہ کوئی ترجیح وتفصیل دی جاسکتی ہے۔ جب تک دوسری صحیح وصریح روایات تفضیل پر دلالت نہ کریں۔ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ پڑھنے والوں پر مخفی نہیں کہ بعض انبیاء کو آروں کے ذریعہ دو ٹکرے کر دیا گیا اور بعض کو آگ میں ڈالا گیا اور بعض کو خندق وغیرہ میں پھر کسی پر آفات ومصائب اول جاری کر دیئے۔ پھر آخرالامر بچالیا اور کسی کو اول ہی سے محفوظ رکھا۔ اب یہ سوال کرنا کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر زندہ رکھا گیا ہے۔ ایسا ہی حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ معاملہ کیوں نہ کیا گیا۔ یہ تو ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ جو معاملہ موسیٰ علیہ السلام اور لشکر فرعون کے ساتھ بنص قرآن کیا گیا۔ وہی معاملہ نبی کریم ﷺ اور کفار مکہ کے ساتھ کیوں نہ ہوا کہ جنگ احد میں حضور ﷺ کا دندان مبارک شہید ہونے اور چہرۂ انور زخمی ہونے کی نوبت آئی۔ آپ ﷺ کو ہجرت کر کے وطن اور مکہ چھوڑنا پڑا۔ غار میں چھپنا پڑا۔ سب کفار قریش پر ایک دفعہ ہی آسمانی بجلی کیوں نہ آگئی۔ یا دریا میں غرق کیوں نہ ہوگئے۔ جیسے یہ سوال حضرت حق تعالیٰ کے معاملات میں بے جا ہیں ایسے ہی یہ بھی بالکل بے جا اور نامعقول سوال ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھا آپ ﷺ کو بھی زندہ آسمان پر رکھنا چاہیے تھا۔ کیونکہ زیادہ دنوں تک زندہ رہنا یا آسمان پر رہنا ان سے کوئی فضیلت نبی کریم ﷺ پر ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ زیادتی عمر فضیلت ہوتی تو بہت سے صحابہ کرامؓ اور عوام امت کی عمریں آپ ﷺ سے دوگنی چوگنی ہوئی ہیں۔ ان کو بھی افضل کہہ سکیں گے اور اسی طرح اگر آسمان میں رہنا یا چڑھنا ہی مدار فضیلت ہو تو فرشتوں کو حضور ﷺ سے افضل ماننا لازم آئے گا جو نصوص شرعیہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

آیت ''قد خلت من قبله الرسل'' اور: ''اموات غیر احیاء'' سے وفات مسیح پر استدلال صحیح نہیں۔

۴..... ''قد خلت من قبله الرسل'' سے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر استدلال کرنا انہیں لوگوں کا کام ہے جنہیں عربی عبارت سمجھنے سے کوئی علاقہ نہیں اور جو محاورات زبان سے بالکل واقف نہیں۔ کیونکہ اول تو اس جیسے عمومات سے کسی خاص واقعہ مشہورہ پر کوئی اثر محاورات کے اعتبار سے نہیں پڑتا۔ بلکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بیمار طبیب سے پوچھے کہ پرہیز کس چیز کا ہے؟۔ وہ کہہ دے کہ ترشی اور تیل مت کھاؤ۔ ترشی اور تیل کے سوا ساری چیزیں کھاؤ، مضر نہیں۔ اب اگر یہ بیوقوف جا کر پتھر یا لوہا کھائے یا سنکھیا کھائے اور استدلال میں قادیانی مجتہدین کا سا

استدلال پیش کرے کہ حکیم صاحب نے کہا تھا کہ ترشی اور تیل مت کھاؤ۔ ترشی اور تیل کے سواساری چیزیں کھاؤ۔ کوئی مضرنہیں۔ اور ساری چیزوں میں پتھراور لوہا اور سنکھیا (زہر) بھی داخل ہے۔ لہٰذا میں جو کچھ کھاتا ہوں حکیم صاحب کے فرمانے سے کھاتا ہوں۔ انصاف کیجئے کہ کوئی عقلمند اس کو صحیح العقل سمجھے گا؟۔ اور پھر یہ بھی انصاف کیجئے کہ اس قادیانی استدلال میں اور اس میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ ذرا غور سے معلوم ہو جائے گا کہ اگر بالفرض خلت کے معنی موت ہی ہوں تو بھی اس سے ان انبیاء کی موت ثابت نہیں ہو سکتی جن کے لئے قرآن وحدیث کی دوسری نصوص حیات ثابت کرتی ہیں۔ جیسے سب چیز کھاؤ کے قول سے پتھر اور زہر کا کھانا داخل مراد نہیں۔ اس کے علاوہ خلت کے معنٰے لغت میں موت کے نہیں بلکہ گذر جانے کے ہیں۔ خواہ مر کر خواہ کسی دوسرے طریقہ سے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا۔ امام راغب اصفہانی مفردات القران میں اس لفظ کے یہی معنی لکھتے ہیں:

’’والخلو یستعمل فی الزمان والمکان لکن لما تصور فی الزمان المضی فسر اھل اللغة خلا الزمان یقول مضی الزمان وذھب قال تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل۔ ‘‘ (مفردات القرآن ص۱۵۸)

یہ لفظ صریح ہیں کہ خلت کے معنی قرآن شریف میں چلے جانے اور گزر جانے کے ہیں جس میں عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء بلاشبہ برابر ہو گئے۔ تعجب ہے کہ قادیانی خانہ ساز پیغمبر کے صحابی اتنی سی بات کو کیوں نہیں سمجھتے اور اگر حق تعالیٰ ان کو چشم بصیرت عطاء فرمائے اور وہ اب بھی غور کریں تو سمجھیں گے کہ آیت بجائے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر دلیل ہونے کے حیات کی طرف مشیر ہے۔ کیونکہ صریح لفظ ماتت وغیرہ چھوڑ کر خلت شاید اللہ تعالیٰ نے اسی لئے اختیار فرمایا ہے کہ کسی بے وقوف کو موت عیسیٰ علیہ السلام کا شبہ نہ ہو جائے۔ اگر چہ محاورہ شناس کو تو پھر بھی شبہ کی گنجائش نہ تھی۔

۵...... ’’اموات غیر احیاء ‘‘ کی تفسیر بہ اعتبار لغت بھی اور جو کچھ مفسرین نے تحریر فرمایا ہے۔ اس کے اعتبار سے بھی یہی ہے کہ یہ سب حضرات ایک معین مدت کے بعد مرنے والے ہیں۔ نہ یہ کہ بالفعل مر چکے ہیں۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے: ’’انك میّت وانھم میّتون ‘‘ تو کیا اس کا یہ مطلب تھا کہ معاذ اللہ آپ ﷺ اس وقت وفات پا چکے ہیں۔ بلکہ بالاتفاق وہی معنے مذکور مراد ہیں کہ ایک وقت معین میں

وفات پانے والے ہیں۔ یہ بھی جھوٹی نبوت کی نحوست ہے کہ اتنی سی بات سمجھ میں نہ آئی۔

۶......شیخ محی الدین ابن عربی کا قول استدلال میں پیش کرنا اول تو اصولاً غلطی ہے۔ کیونکہ مسئلہ ختم نبوت عقیدہ کا مسئلہ ہے۔ جو یا جماع امت بغیر دلیل قطعی کے کسی چیز سے ثابت نہیں ہوسکتا اور دلیل قطعی قرآن کریم اور حدیث متواتر اور اجماع امت کے سواء کوئی نہیں۔ ابن عربی کا قول ان میں سے فرمایئے کس میں داخل ہے؟۔ اس لئے اس کا استدلال میں پیش کرنا ہی اصولی غلطی ہے۔ ثانیاً خود ابن عربی اپنی اسی کتاب فتوحات میں نیز فصوص میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ نبوت شرعی ہر قسم کی ختم ہوچکی ہے۔ ابن عربی اور دوسرے حضرات کی عبارتیں صریح وصاف رسائل ذیل میں مذکور ہیں: ''عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام' التنبیہ الطربی فی الذب عن ابن العربی وغیرہ''

اسی طرح صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری بھی اپنی دوسری تصانیف میں اسی کی تصریح کرتے ہیں جو جمہور کا مذہب ہے۔ یعنی ہر قسم کی نبوت ختم ہوچکی ہے۔ آئندہ یہ عہدہ کسی کو نہ ملے گا۔

حدیث لوکان موسیٰ وعیسیٰ حییّن کی تحقیق

سوال ۱۰:......''لوکان موسیٰ وعیسیٰ حیین '' کی یہ حدیث کسی کی کتاب میں موجود ہے یا کہ بیہقی کا جو حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس میں ہے یا نہیں؟۔

جواب:......حدیث: ''لوکان موسیٰ وعیسیٰ حییّن '' کسی کی معتبر کتاب میں موجود نہیں۔ البتہ تفسیر ابن کثیر میں ضمناً یہ الفاظ لکھے ہیں اور اسی طرح اور بعض کتب تصوف میں نقل کردیا ہے۔ مگر سب جگہ بلاسند نقل کیا ہے۔ اس لئے یہ حدیث بچند وجوہ احادیث مشہورہ کے معارض نہیں ہوسکتی۔ اولاً: معارض کیلئے مساوات فی القوہ شرط ہے اور اس حدیث کا کہیں پتہ نہیں اور جہاں کہیں ہے تو وہ بلاسند ہے اور یہ قول ائمہ حدیث کا مقبول ومشہور ہے کہ: ''لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء '' ثانیاً: اگر بالفرض یہ حدیث معتبر ہی ہوتو احادیث متواترہ دربارہ حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام کے معارض ہوگی اور ترجیح کی نوبت آئے گی تو ظاہر ہے کہ احادیث کثیرہ متواترۃ المعنے کو اس کے مقابلہ میں ترجیح ہوگی نہ ایک اس حدیث کو جس کا حدیث ہونا بھی ہنوز متعین نہیں۔ ثالثاً: اگر ان الفاظ کو صحیح اور ثابت بھی مان لیا جائے تب بھی اس سے وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت نہیں

ہوتی۔ بلکہ اس کے معنے صاف یہ ہوتے ہیں کہ عالم زمین پر حیات ہوتے۔ کیونکہ حدیث میں اتباع نبوت کا ذکر ہے اور یہ اتباع اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ سو یہ صحیح ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام اس عالم میں زندہ ہوتے تو آپ ﷺ کا اتباع کرتے۔ اب چونکہ ایک دوسرے عالم میں ہیں زندہ ہیں۔ اس لیے اتباع ان پر ضروری نہ رہا۔ نہ سمجھنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔ اور اگر اس مضمون کو مبسوط دیکھنا چاہیں تو مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نے اس مضمون پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ وہ ملاحظہ فرمایئے۔ (الحمدللہ! احتساب قادیانیت جلد دہم کے ص ۳۳۸ تا ۳۵۶ پر یہ رسالہ مکمل شائع ہوگیا ہے۔ مرتب)

شیخ ابن عربی کے قول کا مطلب

سوال ۱۱:...... شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ: ”لا نبی بعدی۔“ کے یہ معنی ہیں کہ تشریعی نبوت ختم ہوچکی۔ لیکن غیر تشریعی نبوت ختم نہیں ہوئی یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:...... شیخ محی الدین ابن عربی کا قول استدلال میں پیش کرنا اولاً! تو اصولاً غلطی ہے۔ کیونکہ مسئلہ ختم نبوت عقیدہ کا مسئلہ ہے جو باجماع امت بغیر دلیل قطعی کے کسی چیز سے ثابت نہیں ہوسکتا اور دلیل قطعی قرآن کریم اور حدیث متواتر اور اجماع امت کے سوا کوئی نہیں۔ ابن عربی کا قول ان میں سے فرمایئے کس میں داخل ہے۔ اس لیے اس استدلال میں پیش کرنا ہی اصولی غلطی ہے۔ ثانیاً خود ابن عربیؒ اپنی اسی کتاب فتوحات (ج ۳ ص ۳۸ مطبوعہ دارالکتب مصر) میں نیز فصوص میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ نبوت شرعی ہر قسم کی ختم ہوچکی ہے اور جس عبارت کو سوال میں پیش کیا ہے۔ اس کا صحیح مطلب خود فتوحات کی تصریح سے یہ ہے کہ نبوت غیر تشریعی ایک خاص اصطلاح شیخ اکبرؒ کی ہے جو مرادف ولایت ہے۔ نہ وہ نبوت جو مصطلح شرع ہے۔ کیونکہ جمیع اقسام نبوت کے انقطاع پر خود فتوحات کی بے شمار عبارتیں شاہد ہیں۔ ابن عربی اور دوسرے حضرات کی عبارتیں صریح وصاف رسائل مذکورۃ الصدر میں کچھ مذکور ہیں۔ اور قلمی احقر کے پاس منقول لیکن سب کے نقل کرنے کی فرصت وضرورت نہیں۔

اسی طرح صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری بھی اپنی دوسری تصانیف میں اس کی تصریح کرتے ہیں جو جمہور کا مذہب ہے۔ یعنی ہر قسم کی نبوت ختم ہوچکی ہے۔ آئندہ یہ عہدہ کسی کو نہ ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم! (امداد المفتیین ج ۲ ص ۱۳۴)

مرزائی اگر جماعت میں شریک ہوجائے تو نماز مکروہ نہیں ہوگی

سوال۱۲:...... لاہوری جماعت کے مرزائی حنفیوں کی جماعت نماز میں شریک ہوجاتے ہیں تو نماز میں کوئی کراہت آئی ہے یا نہیں۔خصوصاً ایسی حالت میں کہ حنفی ایسے جاہل ہوں کہ اگر امام مرزائی کو رد کرے تو خوف فتنہ کا ہو۔؟

جواب:......نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی۔البتہ مسلمانوں کی جماعت میں تابمقدور ان کو شریک نہ ہونے دیا جائے۔کیونکہ اس سے عام مسلمان ان کو مسلمان سمجھ کر ان کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور ان کو اپنی مفسدانہ ریشہ دوانیوں کا موقع مل جاتا ہے۔ہاں اگر ان کے منع کرنے میں فتنہ کا اندیشہ شدید ہو تو چندے صبر کیا جائے اور آہستہ آہستہ لوگوں کو ان کے عقائد باطلہ اور مکائد پر مطلع کرتے رہنا چاہیے۔(واللہ تعالیٰ اعلم) (امداد المفتین ج۲ص۲۳۲ص۲۳۳)

(الحمدللہ اب قادیانوں کی طرح لاہوری مرزائیوں کا کفر بھی امت مسلمہ کے سامنے الم نشرح ہوچکا ہے۔پوری دنیا میں کہیں کوئی لاہوری یا قادیانی مسلمانوں کے ساتھ کسی دینی امر میں اتحاد نہیں رکھتے۔اس کے باوجود اب بھی اگر کہیں لاہوری مرزائی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوتا ہو تو ان کو علیحدہ کرنا مسلمانوں پر ضروری ہے۔اب چپ رہنا دینی وایمانی غیرت کے منافی ہے۔احقاق حق اور ابطال باطل کے بعد مصلحت کوشی کفر واسلام کی حدود کو غلط ملط کرنا ہے جو حرام ہے۔مرتب)

اپنے کو مسلمان ظاہر کرکے مسلمان لڑکی سے قادیانی کا نکاح کرنا

سوال۱۳:......ایک شخص جسکی تحریر موجود ہے کہ میں احمدی نہیں ہوں اور نہ میرا لڑکا احمدی ہے۔نکاح میرے لڑکے سے کردو۔جب نکاح ہوچکا تو معلوم ہوا کہ اب تک احمدی ہے اور لڑکا بھی احمدی ہے اور ہماری لڑکی کو بھی احمدی کرنا چاہتے ہیں۔آیا نکاح جائز ہے یا نہیں۔جب نکاح ہوا لڑکی نابالغ تھی۔اب بالغ ہے۔؟

جواب:......جمہور علماء جو مرزا قادیانی کے عقائد پر مطلع ہوئے سب کے نزدیک وہ کافر مرتد ہے اور اسی طرح وہ لوگ جو اس کو باوجود ان عقائد کے معلوم ہونے کے مسلمان سمجھے خواہ نبی کہے یا مسیح یا جو کچھ بھی کہے بہرحال کافر مرتد ہے۔اس کی تحقیق کی ضرورت ہو تو مطبوعہ رسالہ ''فتاویٰ تکفیر قادیان'' جس میں سینکڑوں علماء ہندوستان کے دستخط ہیں منگوا کر ملاحظہ فرمایئے۔اور

مرتد کا نکاح کسی طرح صحیح نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر بعد نکاح مرتد ہو جاوے تو فسخ ہو جاتا ہے: ’’قال فی الدرالمختار ویبطل منه اتفاقاً قامایعتمد الملة وهی خمس النکاح والشهادة...... الخ۔‘‘ (حاشیہ شامی من باب المرتد ص۴۳۰ ج۳)

اس لئے اس لڑکی کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ دوسری جگہ نکاح کرنا شرعاً درست ہے۔ اس کے علاوہ صورت مذکورہ میں تو اگر قادیانی کو مرتد کافر بھی نہ مانا جائے تب بھی لڑکی اور اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ کیونکہ خاوند وغیرہ نے بوقت نکاح ان کو دھوکہ دیا ہے: ’’قال الشامی لو تزوجة علیٰ انه حراوسنی اوقادرعلی المهر والنفقة فبان بخلافه الیٰ قوله لها الخیار ثم قال بعد اسطرلوز وج بنته الصغیر ة من ینکر انه یشرب المسکر فاذاهو مدوّن له وقالت بعد ماکبرت لا ارضی با لنکاح ان لم یکن یعرفه الا ب بشربه وکان غلبة اهل بیته صالحین فالنکاح باطل۔‘‘

(شامی باب الکفارۃ صفحہ۳۶۲ جلد۲ مصری)

عبارات مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ اگر بالفرض قادیانی کو کافر نہ مانیں تب بھی صورت مذکورہ میں لڑکی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بذریعہ حاکم مسلم اپنا یہ نکاح فسخ کرالے۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم! (امداد المفتیین ص۵۰۷ ص۵۰۸)

قادیانی کا نکاح مسلمہ کے ساتھ جائز نہیں

سوال۱۴:...... حنفی کا نکاح قادیانی سے جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:...... مرزا قادیانی کے متبعین خواہ قادیانی پارٹی سے متعلق ہوں یا لاہوری سے جمہور علماء امت اہل ہندوستان وحجاز ومصر وشام کے اجماع واتفاق سے خارج از اسلام ہیں جس کی وجہ مفصل و مدلل حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تبلیغ دارالعلوم دیوبند کے رسالہ ’’اشد العذاب‘‘ میں مذکور ہے۔ اور فتاویٰ علمائے ہندوستان کے مہری اور دستخطی جداگانہ چھپے ہوئے ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو ان دونوں رسالوں کو ملاحظہ فرما لیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ فرقہ قادیانی مسلمان نہیں۔ اس لئے کسی مسلمان مرد وعورت کا نکاح ان سے جائز نہیں۔ اور اگر کسی نے پڑھ بھی دیا تو شرعاً معتبر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم! (نوٹ: رسالہ ’’اشد العذاب‘‘ احتساب قادیانیت کی جلد دہم میں چھپ چکا ہے۔ مرتب!)

مرزائی کا دھوکہ دے کر سنی عورت سے نکاح کرنا

سوال ۱۵:...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرزائی شخص نے اپنے کو سنی المذہب ہونے کا یقین دلا کر نکاح کیا۔ لڑکی اگرچہ نکاح سے مطلقاً متنفر تھی۔ لیکن اس کے والد نے نکاح اس سے کر دیا۔ تین ماہ خاوند کے گھر رہی۔ ہم بستری بھی ہوئی۔ حمل ٹھہر گیا۔ بعد ش بعض شرائط نکاح کے پورا نہ کرنے پر و نیز اچھا سلوک نہ کرنے پر لڑکی اپنے والدین کے گھر آئی۔ وہ شخص کہ جب تک لڑکی اس کے گھر میں تھی اسے سنیوں کے مترجم قرآن پڑھنے سے منع کرتا تھا۔ منکوحہ کو بایں وجہ بھی زید سے نفرت ہے اور تھی۔ اور کہتی ہے کہ خنزیر کے یہاں میں جانا نہیں چاہتی ہوں۔ پس اندریں صورت کیا حکم ہے کہ آیا اس کا نکاح زید سے فسخ ہو گیا یا شرعاً کیا صورت ہے۔ اور نیز زید لاہور میں ہے۔ اور اس کی منکوحہ اور اس کے والد ملتان میں اور وضع حمل ملتان میں ہوا۔ اس نے اس مدت میں اپنی بیوی کی خیر خبر بھی نہیں لی؟۔

جواب:...... مرزائی خواہ قادیانی ہوں یا لاہوری جمہور علماء کے نزدیک کافر و مرتد ہیں۔ ہندوستان اور بیرون ہند میں جن علماء حضرات کو ان کے مذہب پر اطلاع ہوئی سب نے باجماع ان کی تکفیر کی ہے۔ اور مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے کسی طرح حلال نہیں: ''لن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المومنین سبیلا۔'' اسی لئے عورت کا نکاح مرزائی سے منعقد ہی نہیں ہوا۔ اب دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ قانونی گرفت سے بچنے کیلئے حکام وقت سے اجازت لے لی جائے۔ فقط: واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم! (امدادالمفتیین ج۲ص۵۸ص۵۹)

خاوند مرزائی ہو گیا تو فوراً نکاح جاتا رہا

سوال ۱۶:...... ایک مولوی صاحب نے اپنی لڑکی صغیر کا نکاح اپنے ایک رشتہ دار سے کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد زوج مرزائی ہو گیا۔ منکوحہ نے بلوغت کے بعد عدالت میں فسخ نکاح کیلئے دعویٰ دائر کر دیا۔ آیا اس کا نکاح فسخ ہو گیا۔ یا نہیں؟۔

جواب:...... ان (مرزائی) عقائد کی وجہ سے زید کافر اور مرتد ہو گیا اور نکاح اس کا مسماۃ ہندہ سے فسخ ہو گیا۔ خاوند کے مرتد ہو جانے سے فوراً بلا قضاء قاضی فسخ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ درمختار میں باب نکاح الکافر میں ہے: ''وارتداد احدھما فسخ عاجل بلا قضاء (قولہ بلا قضاء) ای بلا توقف علیٰ قضاء القاضی وکذا بلا توقف علی مضی عدۃ

فی المدخول بھا۔" (شامی ص ۴۲۵ ج ۲/امداد المفتیین ج ۲ ص ۶۳۸، ۶۳۹)

قادیانی کو کسی اسلامی جلسہ یا ادارہ میں شریک کار بنانا!

سوال ۱۷:...... قادیانیوں، مرزائیوں احمدی ہو یا محمودی، میل جول رکھنا ان کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، شادی بیاہ کرنا، ان سے مسلمانوں کو اپنی مساجد اور قبرستانوں کیلئے چندہ لینا یا ان کو اشاعت اسلام کی غرض سے چندہ دینا جائز ہے یا نہیں؟۔ ۲...... وقتی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو اپنی انجمنوں مجلسوں وغیرہ کا قادیانیوں کو ممبر عام اس سے کہ وہ خصوصی ہوں یا عمومی بنا کر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

(۳)...... کچھ لکھے پڑھے کہتے ہیں کہ قادیانی یہاں صرف بیس ہی تو ہیں۔ اگر ان کو شامل کر لیا جائے تو کیا حرج ہے؟۔ مسلمانوں کی شان نہیں کہ وہ اس قلیل مقدار سے خوف زدہ ہو کر اس اشتراک عمل سے باز رہیں۔ یہ ایک مولوی صاحب کا مقولہ ہے۔ لہٰذا ہم کو بتایا جائے کہ یہ مولوی صاحب ٹھیک فرماتے ہیں یا نہیں؟۔

جواب:...... مرزا غلام احمد قادیانی باتفاق امت کافر ہیں۔ ان کے وجوہ کفر اور عقائد کفریہ کو علماء نے مستقل رسالوں میں جمع کر دیا ہے۔ ضرورت ہو تو رسائل ذیل میں دیکھ لیا جائے۔ "اشد العذاب" مصنفہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب "القول الصحیح"...... "فتاویٰ تکفیر قادیان" اور جب کہ یہ لوگ کافر و مرتد ٹھہرے تو ان کو اسلامی اداروں کا رکن بنایا جائے گا تو گویا خود علماء اسلام ان کو ایک عزت دینی کے عہدہ پر جگہ دے رہے ہیں۔ اس سے عوام پر یہ اثر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو مثل علمائے اسلام کے مقتداء سمجھنے لگتے ہیں اور ان کے فتوے ماننے لگتے ہیں۔ جو سراسر ضلالت و گمراہی ہے۔ اور جس قدر مصالح ان لوگوں کی شرکت میں پیش نظر ہیں اس سے بہت زیادہ نقصانات شدیدہ کا خطرہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے۔ اس لئے ہرگز ان لوگوں کو اسلامی مجالس میں شریک نہ کرنا چاہیے ہمارے اکابر و اساتذہ نے بہت غور و فکر اور تجارب کے بعد ہی رائے قائم کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم! (امداد المفتیین ج ۲ ص ۱۰۲۲)

قادیانی سے مقاطعہ جائز ہے؟

سوال ۱۸:...... زید نے کہا کہ کمیٹی مجھ کو چھوڑ دے مگر قادیانیوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ اس وجہ سے کمیٹی نے زید سے ترک موالات کر لیا۔ اسی باعث کمیٹی والے تقریب وغیرہ میں نہ زید کو

بلاتے ہیں۔نہ زید کے یہاں جاتے ہیں۔مگر زید کے ساتھ کمیٹی والے ہمدردی ہی کرتے ہیں۔ زید کے ساتھ نشست اور خلاملا (ملاجلا)ہی ہے تو آیاترک موالات کامل ہے یا ناقص۔ترک موالات کی تعریف مشرح طور سے تحریر فرمائی جائے۔تاکہ اس پر عمل کیا جاوے؟۔

جواب:......زید کا ایسا کہنا سخت گناہ ہے اور کفر کا اندیشہ ہے۔لیکن فقط اتنی بات سے خارج نہیں ہوا۔لہٰذا جو حقوق عام مسلمانوں کے ہیں ان کا وہ بھی حقدار ہے۔مثلاً مل جائے تو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا۔ بیمار ہو تو عیادت کرنا وغیرہ۔اس لئے ایسے حقوق عامہ کو ترک نہ کیا جائے۔مگر خصوص تعلقات نکاح شادی وغیرہ بالکل قطع کر دیئے جائیں اور اگر یہ خیال ہو کہ مکمل ترک موالات کرنے اور قطع تعلق کرنے سے وہ راہ راست پر آجائے گا تو اس میں بھی مضائقہ نہیں کہ چندروز کیلئے بالکل قطع تعلقات کر دیا جائے۔مگر اس صورت کو ہمیشہ نہ رکھیں۔

وقدصرح العینی فی شرح المنیة بکراھة المعاشرة تارك الصلوٰة فهذااولیٰ۰ والله تعالیٰ اعلم! (امدادالمفتیین ج۲ص۱۰۲۳)

قادیانی کی تجہیز تکفین اوران کے نکاح میں شرکت

سوال۱۹:......کسی قادیانی کی تجہیز و تکفین میں دیدہ ودانستہ حصہ لینے والے مسلمان کے حق میں کیا حکم ہے؟۔

(۲)..........قادیانی کی شادی میں شریک ہونا اور امداد کرنا کیسا ہے؟۔

(۳)..........دعوت قادیانی کی مسلمان کیلئے کیسی ہے؟۔

(۴)..........علمائے دین کے فتویٰ کو غلط بتانیوالا اور توہین کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟۔

(۵)..........عزیز واقارب دوست آشنا نیز برادری کے بھائی اور مسلمانان قصبہ قادیانیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کریں تاکہ وہ عنداللہ ماخوذ نہ ہوں؟۔

(۶)..........قادیانی کی شادی کرنا کیسا ہے؟۔

جواب:......مرزاغلام احمد کے تمام متبعین خواہ کسی پارٹی کے ہوں جمہور علمائے اسلام کے اتفاق سے کافرومرتد ہیں۔ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا یا شریک ہونا ہرگز جائز نہیں۔اور جو کوئی مسلمان شریک ہو وہ گناہ گار ہے۔توبہ کرنی چاہیۓ۔

(۲)............ یہ بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ اس سے لوگ ان کو مسلمان سمجھنے لگتے ہیں اور ان کو اپنی گمراہی پھیلانے کا موقع ملتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ''فلا تقعد بعد الذکری: الانعام ۶۸ ...... ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار: ھود ۱۱۳''

(۳)............ ہرگز نہ کھانی چاہیے۔ بالخصوص ذبیحہ ان کا بالکل مردار ہے۔ اس سے پرہیز ضروری ہے۔

(۴)............ ایسا شخص سخت گناہگار ہے۔ بلکہ اندیشہ کفر ہے۔ توبہ کرنی چاہیے: ''صرح بہ فی کلمات الکفر من جامع الفصولین والبحر''

(۵)............ مسلمانوں کو قادیانیوں سے کسی قسم کا تعلق شرکت شادی وغمی وغیرہ کا ہرگز نہ رکھنا چاہیے۔ اگرچہ رشتہ داری وقرابت بھی ہو۔ رشتہ اسلام کے قطع کرنے والے کے ساتھ رشتہ قرابت کوئی چیز نہیں۔

(۶)............ قادیانی مرد یا عورت کا کسی سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ مرتد ہیں اور مرتد کا نکاح کسی سے منعقد نہیں ہوسکتا: ''قال فی الدر المختار ولا یصح ان ینکح مرتد او مرتدۃ احدًا من الناس مطلقاً'' (امداد المفتیین ج۲ص۱۰۲۳، ص۱۰۲۴)

قادیانیوں سے اختلاط

سوال۲۰:...... مرزائیوں کے دونوں فریق قادیانی ولاہوری بالیقین مرتد خارج عن الاسلام ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو مرتد کا کیا حکم ہے۔ مرتدین کے ساتھ اختلاط برتاؤ کرنا عوام کو ان کی باتیں سننا' جلسوں میں شریک ہونا' ان سے مناکحت کرنا' ان کی شادی وغمی میں شریک ہونا' ان کے ساتھ کھانا پینا' تجارتی تعلقات سے قائم رکھنا' ان کو ملازم رکھنا۔ یہ امور جائز ہیں یا نہیں؟۔

جواب:...... مرزا غلام احمد کا کافر مرتد ہونا اور ان کے اقوال وکلمات غیر محصورہ کا غیر محتمل للتاویل ہونا اظہر من الشمس ہو چکا ہے۔ اور اسی لئے جمہور علمائے امت ان کی تکفیر پر متفق ہیں۔ اس کی مفصل تحقیق کرنا ہو تو مستقل رسائل مثل ''اشد العذاب'' مصنفہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور ''القول الصحیح فی مکائد المسیح'' مصنفہ مولانا محمد سہول صاحب اور مطبوعہ ''فتاویٰ علمائے ہند دربارہ تکفیر قادیانی'' جس میں ہر ضلع وصوبہ کے علماء کے سینکڑوں دستخط وتصدیق ہیں۔ ملاحظہ فرمائے جائیں۔ پھر مرزائیوں کے دونوں فرقے قادیانی اور لاہوری اتنی

بات پر متفق ہیں کہ وہ (مرزا قادیانی) اعلیٰ درجہ کا مسلمان بلکہ مجدد و محدث اور مسیح موعود تھے اور ظاہر ہے کہ کسی کافر مرتد کے متعلق بعد اس کے عقائد معلوم ہو جانے کے ایسا عقیدہ رکھنا خود کفر وارتداد ہے۔ اس لئے بلاشبہ دونوں فرقے کافر و مرتد ہیں۔ اور اب تو لاہوریوں نے جو تحریف قرآن اور انکار ضروریات دین کا خاص طور پر بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے سبب اب وہ اپنے کفر وارتداد میں مرزا صاحب کے تابع ہونے سے مستغنی ہو کر خود بالذات ارتداد کے علمبردار ہیں۔ اس لئے دونوں فریق سے عام مسلمانوں کا اختلاط اور ان کی باتیں سننا جلسوں میں ان کو شریک کرنا یا خود ان کے جلسوں میں شریک ہونا۔ شادی و غمی اور کھانے پینے میں ان کو شریک کرنا سخت گناہ ہے۔ اور مناکحت قطعاً حرام ہے۔ اور جو نکاح پڑھ بھی دیا جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر بعد انعقاد نکاح مرزائی ہو جائے تو نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے۔ البتہ تجارتی تعلقات اور ملازمت میں رہنا یا ملازم رکھنا بعض صورتوں میں جائز ہے۔ بعض میں وہ بھی ناجائز ہے۔ اس لئے بلاضرورت شدیدہ اس سے بھی احتراز ضروری ہے۔ (امداد المفتیین ج۲ص۱۰۲۴ ص۱۰۲۵)

فلسفہ ختم نبوت

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ۱۸۹۸ء میں سیوہارہ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۲ء میں دہلی میں وفات پائی۔ مدرسہ فیض عام سیوہارہ، مدرسہ شاہی باغ مراد آباد اور دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ اساتذہ میں امام العصر علامہ انور شاہ کاشمیریؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایسے نادرِ روزگار شیوخ کا شمار ہوتا ہے۔ مختلف اوقات میں دارالعلوم دیوبند، مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل اور مدرسہ اسلامیہ کلکتہ میں درس دیا۔ ندوۃ المصنفین دہلی کی بنیاد رکھی۔ جمیعۃ علماء ہند میں کام کیا۔ یو پی کی اسمبلی اور ہندوستان کی پارلیمنٹ کے ممبر رہے۔ درج ذیل بلند پایہ کتابیں تصنیف فرمائیں:

۱۔ قصص القرآن، چار جلد۔ ۲۔ اسلام کا اقتصادی نظام۔ ۳۔ اخلاق اور فلسفہ اخلاق۔ ۴۔ بلاغ المبین۔ ۵۔ رسولِ کریم ﷺ

قصص القرآن ج ۴ ص ۹ تا ۲۱۰ سے ۱۔ ''حیات عیسیٰ علیہ السلام'' اور ۲۔ ''فلسفہ ختم نبوت'' مقالہ دوسری جلد سے یہ دو رسائل احتساب قادیانیت کی جلد ہذا میں شامل کر رہے ہیں۔

فلسفہ ختم نبوت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْراً وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ الْمَبْعُوْثُ کَافَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَ نَذِیْرًا اَمَّا بَعْد!
نبوت و رسالت کا وہ سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تھا رُشد و ہدایت کے اسلوب و نہج کے لحاظ سے اس معنی میں یکسانیت رکھتا ہے کہ اس تمام سلسلہ میں نبوت و رسالت جغرافیائی حدود میں محدود رہی ہے اور اس لیے مختلف زبانوں میں ایک ہی وقت میں متعدد انبیاء علیہم السلام کی بعثت فرائض رسالت ادا کرتی رہی ہے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام حق نے اگرچہ ایک گونہ وسعت اختیار کی اور بنی اسرائیل کی گم کردہ راہ بھیڑوں کے علاوہ بھی بعض حلقہ انسانی اس دعوت کے مخاطب بنے' تاہم انھوں نے عالمگیر دعوت و پیغام کا دعویٰ نہیں کیا اور انجیل شاہد ہے کہ خود ذاتِ قدسی نے بہ صراحت کہہ دیا کہ ان کی بعثت کا تخاطب محدود ہے۔ لیکن یہ سلسلہ آخر کب تک اسی طرح محدود رہ سکتا تھا؟ اور جو حلقہ دعوت و ارشاد آہستہ آہستہ ترقی پذیر اور وسعت گیر ہوتا جا رہا تھا وہ قانونِ قدرت کے عام اصول کے خلاف کس طرح ہمیشہ کے لیے محصور رہ سکتا تھا؟

البتہ انتظار تھا تو اس کا کہ وہ وقت قریب آ جائے جبکہ دنیا کی وسیع پہنائیوں اور عالمگیر وسعتوں کے درمیان ایسی ہم آہنگی پیدا ہو جائے کہ نہ ایک کے مفاد و مضار دوسرے حصوں سے اوجھل ہو سکیں اور نہ بیگانہ و بے تعلق رہ سکیں بلکہ خدا کی یہ وسیع کائنات مادی اسباب کی ہمہ گیری کی بدولت ایک ''کنبہ'' بن جائے اور انسان کبیر (عالم) کے تمام جوارح (ممالک و امصار) ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو جائیں کہ ایک کا نفع و ضرر دوسروں کے نفع و ضرر پر اثر انداز ہونے لگے بلکہ قانونِ فطرت اپنا

مظاہرہ کرے اور مادی دنیا کی ہمہ گیر ہم آہنگی کے رونما ہونے سے قبل روحانی پیغام سعادت کو عالمگیر وسعت اور ہمہ گیر عظمت عطا فرمائے۔ چنانچہ عالم اسباب میں فطرت کے عام قانون کی طرح رُشد و ہدایت کا جو آغاز پہلے انسان کے ذریعہ ہوا تھا اس کا انجام اس مقدس ہستی تک پہنچ کر کامل و مکمل ہو گیا جس کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہے
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔
(مائدہ ۳) مسئلہ کے اس پہلو کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں وہ زندگیاں تو ام اور ہم رشتہ نظر آتی ہیں' ایک مادی اور دوسری روحانی اور خدائے برتر کی ربوبیت کاملہ نے عالم کی ان ہر دو حیات کی رہ گزر کے لیے روشنی کا بھی انتظام کیا ہے تاکہ ان پر عمل پیرا ہو کر زندگی کی ٹھوکروں' لغزشوں اور تاریک راہوں سے محفوظ رہا جا سکے' چنانچہ اسی مقصد کے لیے اس نے مادی دنیا کے لیے آگ کا درخت لگایا۔ اَفَرَأَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ءَ اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَا اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِؤُنَ (واقعہ ۷۱' ۷۲) چقماق میں آگ پیدا کی اور تیل کو ذریعہ بنا کر دیئے کو روشنی بخشی۔ یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (نور ۳۵) مگر اس روشنی کو آغاز بھی بخشا اور انجام بھی اور فطری اور مصنوعی دونوں طریقوں سے اس کی ابتداء کو انتہا تک پہنچا کر کامل و مکمل کر دیا کہ اس کے بعد نہ روشنی کی طلب باقی رہے نہ انتظار۔

غرض جو روشنی صنعت کے ہاتھوں دیئے کی شکل میں نمود پذیر ہوئی اور شمع کا فوری' لالٹین' روشن گیس اور بجلی کے قمقموں کی شکل میں ترقی کرتی رہی اور جو روشنی براہِ راست فطرت کے ہاتھوں چھوٹے سے ستارہ کی صورت میں چمکی اور بڑے بڑے روشن ستاروں اور بدر و قمر کی شکل میں رُو بہ ترقی نظر آتی رہی وہ آخرکار ایک ایسی روشنی پر جا کر رُک گئی۔ جس کے بعد کسی روشنی کی ضرورت ہی باقی نہ رہی اور طلب و انتظار کی تمام شکلیں اس روشنی میں جا کر ختم ہو گئیں' دنیا نے جس کو آفتاب کہہ کر پکارا۔ اسی طرح اس کی رحمت عالم اور ربوبیت کامل نے روحانی روشنی کا آغاز پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ کیا اور مادی دنیا کی وسعتوں کے ساتھ ساتھ اس کو نوح' ہود' صالح' ابراہیم' اسمٰعیل' اسحٰق' موسیٰ' عیسیٰ علیہم السلام جیسے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ روحانی ستارے اور قمر و بدر بنا کر وسعت عطا فرمائی اور آہستہ آہستہ ترقی دے کر اس درجہ پر پہنچا دیا کہ مناسب وقت آنے پر وہ روشنی محمد ﷺ کے پیغام رُشد و ہدایت کی شکل میں آفتاب روحانیت بن کر سارے عالم پر چھا گئی۔

یہی وجہ ہے کہ اگر قرآن عزیز نے سورۂ قمر میں مادی آفتاب کے لیے ''سراج'' کی تشبیہ دے کر اس کی عالمگیر درخشانی کا ذکر فرمایا تو سورۂ احزاب میں روحانی آفتاب محمد ﷺ کو ''سراجاً منیراً'' کہہ کر دونوں آفتاب ہائے درخشاں کی ہم آہنگی کا اعلان فرمایا اور مادی و روحانی ہر دو آفتابِ عالمتاب کو سراج (چراغ) سے تشبیہ دے کر ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ گو یہ روشنیاں اپنی ہمہ گیر وسعت کے لحاظ سے آفتاب کہلانے کی مستحق ہیں تاہم یہ بات کسی طرح فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ یہ انجام اصل کے اعتبار سے اسی آغاز کا کامل و مکمل نمونہ ہے جس کی ابتدائی نمود روحانی اور مادی دیئے (سراج) سے ہوئی اور روحانی وسعت و عظمت کے لحاظ سے بعض کو بعض پر اور ایک کو سب پر فضیلت و برتری حاصل ہوئی مگر اصل اور بنیاد کے پیش نظر سب کی نہاد ایک ہی روشنی ''وحی الٰہی'' سے وابستہ و پیوستہ ہے۔ **الانبیاء اخوۃ من علات و دینھم واحد.**

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۳)

ان ہر دو حقائق کے پیش نظر لانے کے بعد یہ حقیقت بھی لائق توجہ ہے کہ فطرت ہم کو روز و شب یہ تماشا دکھلا رہی ہے کہ اس کارزارِ حیات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ زیر و بم، نشیب و فراز، عروج و زوال اور زوال و کمال کے دائرہ میں محدود و محصور ہے یعنی جب کسی امر کے متعلق کہا جائے کہ یہ عروج و کمال کو پہنچ رہا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اب سے قبل اس میں جو کمی تھی وہ پوری ہو رہی ہے اور اسی طرح جب یہ سنا جاتا ہے کہ فلاں شئے ابھی ابتدائی درجہ میں ہے تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ اس کو ابھی بحدِ کمال پہنچنا ہے۔

غرض آغاز اور انجام، ابتداء اور انتہاء ان ہی دو نقطوں سے کارزارِ ہستی کا دائرہ بنتا ہے اور یہی دونوں زوال و عروج، نقص و کمال اور نشیب و فراز کی پرکار بناتے ہیں۔ پس آدم علیہ السلام نبوت کا آغاز تھے اور محمد ﷺ اس کا آخری انجام۔

پس جو شخص بھی دلیل یا وجدان کی ہدایت سے یہ تسلیم کرتا ہے کہ کائنات ہست و بود سب کچھ اسی کی مخلوق ہے تو گویا وہ یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ یہ سب نہ ازلی ہیں نہ ابدی بلکہ ان کے لیے آغاز بھی ہے اور انجام بھی، اور اس لیے انسانی تخلیق نے کوئی بھی روپ اختیار کیا ہو بہرحال پہلا انسان اپنے ساتھ ہی مادی و روحانی ہدایت لے کر آیا ہے اور یہی وہ آغاز تھا جس کو ادیانِ سماوی نے نبوتِ آدم کے نام سے یاد کیا ہے اور جس کا سلسلہ برابر اس دنیا میں قائم رہا تاآنکہ محمد ﷺ کا ظہور ہوا اور ذاتِ قدسی صفات نے

بعثت عام کا اعلان فرمایا۔

تو اب اس روحانی رُشد و ہدایت یا پیغام الٰہی کے نشو و ارتقاء کے لیے اگر ذاتِ اقدس محمد ﷺ کے ساتھ ختم نبوت کو وابستہ نہ سمجھا جائے تب تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہی وقوع پذیر تسلیم کی جا سکتی ہے۔ ایک! یہ کہ سلسلہ نبوت و رسالت نبی اکرم ﷺ پر ختم نہیں ہوا بلکہ اس سے آگے ترقی و تکمیل کی راہ پر گامزن ہے یہاں تک کہ اس حد کمال تک پہنچ جائے جس کے بعد کسی تکمیل کی حاجت باقی نہ رہے' دوسری! صورت یہ کہ اس سلسلہ کے آغاز نے جو ترقی کی راہ اختیار کی ہے وہ تنزل کی جانب مائل ہو جائے اور یہ پیغام کسی طرح بھی شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکے۔ تیسری! شکل یہ ہے کہ جو سلسلہ ایک خاص حیثیت میں رُوبہ ترقی ہے وہ جب حد تکمیل کو پہنچ جائے تو پھر کمال صورتِ زوال اختیار کر لے یا یوں کہہ دیجئے کہ حد کمال آغاز کی جانب لوٹ جائے اور تحصیل حاصل کا نمونہ پیش کر دے۔

لیکن آخری دو شکلیں غیر معقول بلکہ فطری تقاضا کے خلاف ہیں' پہلی صورت تو اس لیے کہ اس سے خدائے تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ اور صفت رحمت و قدرت کا نقص لازم آتا ہے کہ جس مقصد سے اس نے ایک آغاز کیا تھا اسی مرضی و مشیت کے باوجود اس کو درجہ تکمیل نہ دے سکا۔ تعالی اللّٰہ علواً کبیراً.

اور اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ گویا مان لینا ہوگا کہ کائنات ہست و بود میں نقص' نشیب' زوال اور ابتداء کے علاوہ کمال' فراز' عروج اور انتہاء کا وجود ہی نہیں ہے گویا دکانِ فطرت میں عیب کے سوا ہنر کا کوئی سودا موجود ہی نہیں۔ اسی طرح دوسری شکل' اس لیے جب کہ تکمیل ایسی حقیقت کا نام ہے جس کے بعد اس سلسلہ کی نہ ضرورت باقی رہے نہ طلب' تو پھر رُشد و ہدایت اور پیغام حق جیسی روشن شئے کے پایۂ تکمیل تک پہنچ جانے کے بعد اس کو ابتداء سے پھر دُہرانا بے معنی بات ہے اور تحصیل حاصل نہ عقل کا کام ہے نہ حکمت و دانائی کا۔ چہ جائیکہ ایسے فعل کی نسبت اس ذات کی جانب ہو جس کے لیے کہا گیا ہے اِنَّ رَبَّکَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ.

پس اگر مؤخر الذکر دونوں صورتیں غیر معقول اور ناقابل توجہ ہیں تو اب پہلی شکل ہی لائق غور رہ جاتی ہے مگر جب اس کی تحلیل کی جائے تو یہ سوال خود بخود سامنے آ جاتا ہے کہ جب کہ تاریخ ادیان و ملل نے بلکہ واقعات و حقائق نے یہ ثابت کر دیا اور روشن دلائل و براہین سے ثابت کر دیا کہ قرآن عزیز ایک ایسا روحانی قانون' دستور' آئین

اور پیغام رُشد و ہدایت ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے تمام سابقہ ادیان اور موجودہ مدعیانِ وحی و الہام عاجز و درماندہ رہے ہیں اور ہیں۔ تو پھر علم و عقل اور حکمت و دانش کا وہ کون سا تقاضا ہے جس کے پیش نظر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (مائدہ ۳) کا انکار کیا جا سکے اور جو تکمیل کہ محمد ﷺ کے ذریعہ ہو چکی اس کو جھٹلا کر اور تاریخ ادیان کی صاف اور صادق شہادت کا منکر بن کر اس سلسلہ کی آخری کڑی ''نبی منتظر'' کے لیے چشم براہ ہوا جا سکے۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن عزیز نے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (احزاب ۴۰) کہہ کر روشن کیا ہے اور جس کی شہادت خود ذاتِ قدسی صفات نے یہ کہہ کر دی ہے۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ مثلی و مثل النبیین من قبلی کمثل رجل بنی داراً فاتمھا الالبنۃ. واحدۃ فجئت انا فاتممت تلک اللبنۃ. (مسند احمد ج ۳ ص ۹)

ترجمہ۔ میری اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے مکان بنایا اور اس کو مکمل کر لیا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی پس میں قصر نبوت کی وہی اینٹ ہوں جس نے آ کر اس قصر کی تکمیل کر دی۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس بات کو مان لینے میں کیا حرج ہے کہ قصر نبوت کی تکمیل آپ ﷺ ہی کی ذات سے ہوئی لیکن پھر آپ ﷺ کے کمالِ نبوت کے مختلف اطوار و احوال میں سے یہ امتیازی شان بھی منصۂ شہود پر آئی کہ جو شخص بھی جدید نبی یا رسول بنے اس کا انتساب آپ ﷺ ہی کے فیض نبوت کے ساتھ وابستہ ہو یعنی آئندہ بھی نبی اور رسول آتے رہیں۔ مگر وہ مستقل نہ ہوں بلکہ آپ ﷺ کے ماتحت اور قرآن ہی کے زیر نگیں ہوں، لیکن یہ کہنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جو بات کہی گئی اس کو خواہ کسی خوبصورت سے خوبصورت عنوان سے کہیے سب کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کے بعد نبی اور رسول کی احتیاج باقی ہے اور اس کے بغیر دین الٰہی اور پیغام ربانی تشنۂ تکمیل ہے۔ ورنہ تو تکمیل نبوت کے بعد نبی اور رسول کی جگہ خاتم النبیین کے صرف نائب اور جانشین ہونے چاہئیں تا کہ ان کے ذریعہ پیغام کامل اور ہدایت تام کی یاد دہانی ہوتی رہے اور یہی وہ نیابت و وراثت ہے جس کا حق خدمت علماء امت اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءُ (کنزالعمال ج ۱۰ ص ۱۳۵ حدیث نمبر ۲۸۶۷۹) کے مصداق بن کر ادا کرتے چلے آئے ہیں اور تا قیام حشر کرتے رہیں گے۔

اس اہم مسئلہ کی وضاحت یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ کتاب کائنات کے وہ صفحات جن پر مذاہب وملل کی تاریخ ثبت ہے شاہد ہیں کہ اقطاع عالم کے درمیان رسل و رسائل اور دیگر وسائل کے مفقود ہونے کی وجہ سے جبکہ فطرت نے رشد و ہدایت کے پیغام کو عرصہ مدید تک جغرافیائی حدود میں محدود رکھا اور اس لیے ایک ہی دور میں متعدد مقامات پر متعدد انبیاء و رسل کا ظہور ہوتا رہا اور پھر جب کائنات پر وہ زمانہ پرتو ڈالنے لگا جس کے قریبی عرصہ میں ساری کائنات کے باہم روابط نے ہم آہنگی اور تعارف کی بنیاد ڈال دی اور فطری تقاضا کی بناء پر روحانی پیغام نے بھی بعثت خاص کی جگہ بعثت عام کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایسا پیغام آ گیا جو تمام عالم کے لیے یکساں طور پر بیک وقت رُشد و ہدایت کا آفتاب بن کر درخشاں ہے۔ تو اس کے بعد یا تو یہ ہونا چاہیے کہ وہی پیغام رہتی دنیا تک کے لیے رُشد و ہدایت کا پیغام بنے اور جس پیغمبر کی معرفت وہ پیغام آیا ہے اس کی ذاتِ اقدس کو اس پیغام کا مکمل و متمم مان کر خاتم الانبیاء والرسل تسلیم کیا جائے۔ ورنہ غور کیا جائے کہ محدود پیغام و دعوتِ حق کے بعد جب بعثت عام نے ساری کائنات کی راہنمائی کا فرض انجام دے دیا تو اس کے بعد ضرورت وطلب کا کونسا عنوان باقی رہا جس کی تکمیل کے لیے اس سلسلہ کو پھر بھی جاری رکھا جائے اور یا بعثت خاص کو دُہرایا جائے؟ جس کا حاصل عروج سے انحطاط کی شکل میں ظاہر ہو اور یا بعثت عام کی تحصیل حاصل کی غیر معقولیت' معقولیت کی شکل اختیار کرے اور آیت وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاس. (سباء ۲۸) کی بشارت کو بے حقیقت بنا دیا جائے۔

ذاتِ اقدس محمد ﷺ کی بعثت عام کے بعد ایسی حیثیت سے اس سلسلہ کا اجراء تحصیل حاصل اور غیر معقول اس لیے ہے کہ فطرت کے مادی اور روحانی تقاضا کے خلاف اگر قدرتِ حق کو یہ منظور تھا کہ پیغام و دعوت اور نظام رُشد و ہدایت تدریجی طور پر ترقی پذیر نہ ہو اور مادی دنیا کے محدود حالات سے بے نیاز ہو کر انجام پائے تو بلاشبہ آغاز ہی میں وحی الٰہی "بعثت عام" کی شکل اختیار کرتی اور پھر رہتی دنیا تک وہی بروئے کار ہوتی اور یا اس کا سلسلہ کسی تکمیل کا محتاج نہ ہو کر رہتی دنیا تک تجدید کی شکل میں جاری رہتا۔

مگر واقعات اور مشاہدات اس کے خلاف ہیں اور اوّل محدود پیغامات کا سلسلہ اور ان کے درمیان ترقی پذیر وسعت کا دائرہ اور پھر دعوتِ عام کی شکل میں اس ترقی کی انتہاء یہ پوری تدریجی کیفیت صاف بتلا رہی ہے کہ فطرتِ الٰہی نے فیصلہ کر لیا ہے کہ دوسرے امور کی طرح رُشد و ہدایت الٰہی کا یہ پیغام بھی آغاز کی نمود کے ساتھ آہستہ

آہستہ ترقی پذیر اور وسعت گیر ہوتا رہے تا آنکہ وہ وقت آ جائے کہ یہ وسعت عالمگیر دعوت بن کر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے اور یہ سلسلہ اس حد پر پہنچ کر ختم ہو جائے اور آئندہ نبی و رسول کی جگہ نائبین رسول علماء تاقیام ساعت اس مکمل قانونِ دعوت کی روشنی میں تبلیغ حق کا فرض انجام دیتے رہیں تاکہ ایک جانب ''وحدتِ امت'' کا وہ نظام جو بعثت عام اور دعوتِ عام سے وابستہ ہو چکا ہے پارہ پارہ نہ ہو سکے اور دوسری جانب حیاتِ عالم کے ساتھ ساتھ اس پیغام حق کا فرض بھی مسلسل ادا ہوتا رہے اور اس طرح خدائے برتر کا یہ اعلان تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا (فرقان ۱) جدید نبی منتظر اور رسولِ مطلوب کے نظریہ کی شکل میں بے روح ہو کر نہ رہ جائے۔

سطورِ بالا میں انبیاء علیہم السلام کے پیغام حق کی 'وحدت کا تذکرہ آ چکا ہے مسئلہ ختم نبوت کے ساتھ اس کا بہت گہرا تعلق ہے اور اس سلسلہ کی دلیل روشن کے لیے تمہید و توطیہ بننے کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب ہم اس خاکدانِ ہستی پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے کہ ہر کثرت کے لیے کوئی نقطہ وحدت ضرور ہے چنانچہ افراد کے لیے نوع' انواع کے لیے جنس' اجناس کے لیے جوہر' جواہر کے لیے وجود اور وجودات کے لیے وجود بحت (خالص) محور و مرکز ہے اسی طرح اجسام کے لیے سطح' سطحات کے لیے خط اور خطوط کے لیے نقطہ مرکز و مدار ہے' نیز اعداد خواہ اپنی کثرت میں کسی حد تک کیوں نہ پہنچ جائیں ان کا محور و مرکز ہر حالت میں ''اکائی'' ہے۔

غرض جب بھی کسی کثرت کا تصور کیجئے اس کے ساتھ وحدت کا تصور لازم و ضروری ہے اور اگر وحدت کو پیش نظر لائیے تو وہ کسی نہ کسی کثرت کے لیے محور و مرکز ہونے کا ضرور پتہ دیتی ہے پس وحدت و کثرت کا یہی رابطہ ہے جس نے حدودِ عدم سے گزر کر ہست کے ساتھ تعلق پیدا کیا اور اس کو عالم ہست و بود کا نام دیا۔

تو اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر جب ہم سلسلہ نبوت و رسالت پر نظر ڈالتے ہیں اور سبع سماوات کی طرح سطح عالم پر مختلف ادوار میں ہزاروں سیارگانِ رُشد و ہدایت کو ضوفشاں پاتے ہیں۔ تب مسطورہ بالا حقیقت کی بنیاد پر فطرت تقاضا کرتی ہے کہ اس کثرت کا بھی کوئی نقطہ وحدت ضرور ہونا چاہیے جو کثرت کے لیے محور و مرکز بن سکے اور جس طرح ''اکائی'' کے بعد کثرت کے لیے کوئی اور مبداء و منتہاء نہیں ہے اسی طرح انبیاء و رسل کے سلسلہ کثرت کے لیے بھی ایک ہی مبداء و منتہاء ہونا از بس ضروری ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جو ''ختم نبوت'' کے نام سے موسوم ہے اور اسی کو قرآنِ حکیم نے اس جو ہر حکمت کے ساتھ ادا کیا ہے۔

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ.

(احزاب ۴۰) ''محمد ﷺ مردوں میں سے کسی کے صلبی باپ نہیں ہیں تاہم وہ خدا کے پیغمبر اور آخرالانبیاء ہیں۔''

نبوت ''نباءٗ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''خبر دینا'' ہے اور رسالت' کے معنی ''پیغام'' ہیں اور اسلام کی اصطلاح میں نبوت و رسالت خدا کی جانب سے ایک منصب ہے جو مخلوق کی رُشد و ہدایت کے لیے کسی مخصوص انسان کو عطا ہوتا ہے اور اس کے لائے ہوئے پیغام کو ''وحی'' کہتے ہیں کیونکہ یہ پیغام درحقیقت پیغامبر کا اپنا کلام نہیں ہوتا بلکہ خدائے برتر کا فرمان ہوتا ہے جس میں خطاء وقصور یا سہو ونسیان کی مطلق گنجائش نہیں ہوتی۔

لاَ یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلاَ مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ.

(حم سجدہ ۴۲) ''اس (وحی الٰہی) کے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے باطل کا گزر بھی نہیں ہوتا یہ تو اتارنا ہے حکمت والے ہر طرح قابل ستائش والے کی جانب سے (یعنی خدا کی جانب سے)

گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب خدائے برحق کسی شخصیت کو نبوت و رسالت یعنی پیغام حق سے سرفراز کر دیتا ہے تو تمام انسانوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک خدا کے فرمان ''وحی الٰہی'' کے سامنے بے چون و چرا سرتسلیم خم کر دیں وہ شخصیت کی صداقت اور خدا کی جانب سے اس کے دعویٰ وحی کی حقانیت کا تو ہر حیثیت سے حق رکھتے ہیں لیکن اگر اس کے دونوں دعووں کی تصدیق و تائید عقل کی راہ سے دلائل و براہین کے ساتھ ہو جائے اور کسوٹی پر اس کی صداقت بے لوث اور صاف روشن ہو جائے تب اس کے دیئے ہوئے پیغام خدا کو ماننے نہ ماننے میں وہ آزاد نہیں رہ سکتے اور بلاشبہ اس کے پیغام کو پیغام حق سمجھ کر قبول کر لینا اور اس کے سامنے سر نیاز جھکا دینا فرض اوّلین ہے۔ ہاں چونکہ وہ پیغام کسی بڑے سے بڑے عاقل و فرزانہ انسان کا ''پیغام'' نہیں بلکہ ''پیغام الٰہی'' ہے اس لیے وہ خود یہ ضروری سمجھتا ہے کہ جو کچھ کہے عقل کی کنج و کاؤ سے خواہ کتنا ہی بالاتر ہو لیکن عقل کی نگاہ میں اور دلائل و براہین کے ترازو میں ناممکن اور محال نہ ہو کیونکہ فطرت اور عقل کے درمیان بیر نہیں ہے بلکہ عقل فطرت کے قوانین کے سمجھنے اور سمجھ کر قبول کرنے کے لیے بہترین ذریعہ اور آلہ ہے اور وحی الٰہی درحقیقت

فطرت کے روحانی قوانین کی ترجمان ہے۔

بہرحال کسی نبی یا رسول کے مبعوث ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا کی مخلوق ''جن و بشر'' اپنی روحانی سعادت اور اخلاق و کردار کی بلندی کے لیے اپنے عقل و دماغ کے اختراع کی بجائے پیغام حق کو راہنما بنائے تا کہ ذی عقل کائناتِ الٰہی اس راہ میں رقیبانہ تضاد و تصادم سے بے نیاز ہو کر انسانوں کے نہیں بلکہ انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر اجتماعی وحدت، عالمگیر اخوت و مساوات کی قدروں کو حاصل کر سکیں اور ایک دوسرے کا حاکم و محکوم اور آقا و غلام بننے کے بجائے سب ہی یکساں طور پر صرف اپنے پیدا کرنے والے ہی کے محکوم و غلام بن جائیں۔

دوسری جانب اس خاکدانِ عالم کا یہ حال ہے کہ اس کی ہر ایک شئے نشو و ارتقاء کے قانونِ قدرت میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مادی اور روحانی قوانین و نوامیس کی خالق ایک ہی ذات ہے تو بلاشبہ دونوں کے نوامیس و قوانین میں ہم آہنگی اور وحدت کارفرما نظر آنی چاہیے ورنہ العیاذ باللہ وحدت و اکائی کی جگہ دوئی کو محور و مرکز ماننا پڑے گا جو فطرتاً ناممکن اور عقلاً محال ہے۔

تب از بس ضروری ہے کہ رشد و ہدایت کے اس منصب ''نبوت و رسالت'' کا سلسلہ بھی قانون ارتقا سے اسی طرح جکڑا ہوا ہونا چاہیے جس طرح مادیات کا، اور اس لیے تسلیم کرنا ہوگا کہ ''رُشد و ہدایت'' کا یہ سلسلہ ارتقائی بنیادوں پر اس طرح ترقی پذیر ہو کہ کائناتِ انسانی اپنے بقاء و وجود تک کسی وقت بھی اس راہ میں نشو و ارتقاء سے محروم نہ رہے۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد اب رُشد و ہدایت کے اس نظام کو جو منصب نبوت و رسالت کے نام سے معنون ہے یوں سمجھنا چاہیے کہ قانونِ قدرت نے ایک جانب انسان کی مادی نشو و ارتقاء کا یہ سامان مہیا کیا کہ اس کی عقل و دانش اور اس کے شعورِ دماغی کو آہستہ آہستہ ترقی پذیر کرنا شروع کیا اور دوسری جانب اسی معیار پر انسان کو روحانی و اخلاقی تربیت کا ساز و سامان بھی انبیاء و رسل کے ذریعہ آہستہ آہستہ ترقی پذیر شکل میں عطا فرمایا اور آخر ایک وقت وہ بھی آیا کہ انسان عقل و شعور کی ابتدائی اور متوسط منازل سے گزر کر بلوغ و کمال کی اس حد پر پہنچ گئے جس کو ان کے لیے حد کمال کہا جا سکتا ہے اور جس معراجِ کمال پر پہنچ کر انسان ''انسانِ کامل'' کہلانے کا بجا طور پر مستحق ہو جاتا ہے۔ تاہم حد بلوغ کی اس معراجِ ارتقاء پر پہنچ جانے پر بھی اس کی جلاء اور صیقل کے لیے رہتی دنیا تک نت نئے سامان ہوتے رہیں گے اور خالق کائنات

کی ربوبیت کاملہ ان کے کمال کو نقص سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنی تربیت حق کا ہاتھ ان سے نہ اٹھائے گی۔

ٹھیک اسی طرح نبوت و رسالت کی شمع رُشد و ہدایت کا یہی حال رہا ہے کہ وہ ہزاراں ہزار سال تک اپنے ابتدائی اور متوسط منازلِ ارتقاء سے گزرتی رہی اور آخرکار وہ وقت بھی آ پہنچا کہ اس کی ترقی اور نشوو ارتقاء نے ''کمال و تمام'' کی شکل اختیار کر لی اور اس حد کمال پر پہنچ گئی جہاں اس کے ذریعہ کائناتِ ہست و بود کے سامنے ایسا قانون مکمل اور دستورِ کامل آ گیا جو ہر طرح عقل و شعورِ انسانی کے حد بلوغ کے مناسب حال ہے اور جس کی راہنمائی اور روشنی ''عروجِ کمال'' کی ضامن و کفیل ہے۔ ساتھ ہی اس میں یہ لچک بھی موجود ہے کہ گویہ قانونِ رُشد و ہدایت اپنے بنیادی اصول کے لحاظ سے اٹل اور غیر متبدل ہے مگر عقل و شعور کے کمال و بلوغ کے تحفظ کے لیے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ نے راہیں مسدود نہیں کیں بلکہ رہتی دنیا تک اس کی تربیت کے سامان مہیا کیے ہیں اسی طرح اس منصب نبوت و رسالت کی تکمیل اور نقطۂ ارتقاء کے حد کمال پر پہنچ جانے کے بعد اس کی عطا کردہ رشد و ہدایت کے تحفظ کی راہیں بھی بند نہیں کیں اور تا قیام قیامت اس کے جلاء و صیقل کے لیے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل کا سلسلہ قائم و دائم رکھا۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو حدیث نبوی ﷺ نے خاتم النبیین کی تفسیر کو ایک روشن مثال کے ذریعہ سمجھایا اور ''ختم نبوت'' کی حقیقی روح کو مادی شکل میں پیش کر کے حرفِ آخر قرار دیا۔

عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنیٰ بیتا فاحسنه واجمله الاموضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به ویعجبون لهٗ و یقولون هلاً وضعت هذه اللبنة قال فانا اللبنة وانا خاتم النبیین. (رواہ البخاری فی کتاب الانبیاء باب خاتم النبیین ج ۱ ص ۵۰۱) **و فی بعض الفاظه فکنت انا سددت موضع تلک اللبنة ختم بی البنیان و ختم بی الرسول.**

(کنزالعمال ج ۱۱ ص ۴۵۳ حدیث ۳۲۱۲۷ عن ابن عساکر)

حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ آراستہ پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ تعمیر میں

چھوڑ دی تو اب لوگ اس کو دیکھنے جوق در جوق آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی کہتے جاتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ بھر دی گئی تاکہ تعمیر کی تکمیل ہو جاتی چنانچہ میں نے اسی جگہ کو پُر کیا ہے اور میں وہی نبوت کی آخری اینٹ ہوں جس سے قصر مکمل ہو گیا اور میں ہی آخر الانبیاء ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ رب العلمین کی ربوبیت کاملہ نے کائناتِ ہست و بود میں قانونِ ارتقاء کو جس طرح نافذ فرمایا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ عقل وشعورِ انسانی کے حد بلوغ پر پہنچ جانے کے باوجود اس کی ترقی کا سلسلہ تاابد جاری رہے اور اس میں ایسی پابندی یا روک نہ ہونی چاہیے جس سے اس کی صلاحیتوں کے نشو و ارتقاء کا سدباب ہو جائے اور دوسری جانب پیغام حق کا جو سلسلہ نبوت و رسالت (بذریعہ وحی الٰہی) عالم کی رُشد و ہدایت کے لیے عطا ہوا ہے وہ بھی حد کمال و تمام پر پہنچ جانے کے باوجود فطرت کے قانونِ ارتقاء کے مطابق نہ کمال سے نقص کی جانب رجوع کرے کہ حقیقت ظل اور بروز کے پردہ میں مستور ہو کر رہ جائے اور نہ ربوبیت حق کے اس عطاء و نوال اور بخشش کا ہی سدباب ہو جائے جو ''رشد و ہدایت'' کے عنوان سے معنون اور عالم انسانی کی حقیقی راہنما ہے اس لیے طریقہ یہ رکھا گیا کہ جب انسان اپنے عقل وشعور میں حد بلوغ تک پہنچ گیا یا اس کے سامان پوری طرح مہیا ہو گئے تب نبوت و رسالت کو بھی بحد کمال و تمام پہنچا کر ختم کر دیا گیا اور اعلان کر دیا گیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ. (مائدہ ۳) ''آج میں نے تمھارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت (نبوت و رسالت) کو پورا کر دیا''

مگر رشد و ہدایت کو رہتی دنیا تک اس طرح باقی رکھا کہ آخری پیغمبر کے ذریعہ جو آخری پیغام کامل و مکمل بن کر آیا وہ اساس و بنیاد قرار پائے اور نت نئی مادی ترقیات کے ساتھ ساتھ اس کا فیضانِ علم بھی درخشاں و تاباں رہے اور یہ خدمت علماء حق کے سپرد ہو۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو کلام معجز نظام نے اس انداز میں بیان کیا ہے۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. (نساء ۵۹) ''اگر تم کسی معاملہ میں اختلاف کرو تو اس اختلاف کو اللہ اور اس کے پیغمبر محمد ﷺ کی جانب رجوع کرو۔

ظاہر ہے کہ اگر نبوت و رسالت محمد ﷺ پر پہنچ کر کامل نہ ہوتی اور اس کا سلسلہ کمالِ نبوت ہی کی شکل میں آگے بڑھتا رہتا تو یہ نہ کہا جاتا کہ محمد ﷺ کی جانب یعنی ان کے ارشاداتِ حق کی جانب رجوع کرو' بلکہ خطاب یہ ہوتا کہ تم اللہ کی جانب اور جو نبی تم

میں موجود ہو اس کی جانب رجوع کرو، اس لیے نبوت و رسالت کو ظل و بروز کی اصطلاحوں کی آڑ میں باقی رکھنے کی کوشش کرنا قانونِ فطرت اور دینِ حق کے صریح خلاف اور باطل ہے، چنانچہ اس حقیقت کو نمایاں کرنے کے لیے قرآنِ حکیم نے کئی جگہ مختلف معجزانہ خطابت کو اختیار کیا ہے ایک جگہ ارشاد ہے۔

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ. (انعام ۱۹) ''اور میری جانب اس قرآن کی وحی کی گئی تاکہ اس کے ذریعہ میں تم کو (بری باتوں سے) ڈراؤں اور ان تمام لوگوں کو بھی جن کو (رہتی دنیا تک) یہ قرآن پہنچے۔''

اور دوسری جگہ ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ. (انبیاء ۱۰۷) ''اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر۔''

اور ایک جگہ ہے۔

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًاo (فتح ۲۸) ''اللہ وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول محمد ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر، تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرے اور اللہ اس کے لیے بطور گواہ کافی ہے۔''

اور ایک جگہ ارشاد ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ. (نساء ۵۹) ''اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول محمد ﷺ کی اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں سے اولی الامر ہیں۔''

اس آیت میں صاف طور پر یہ کہہ دیا گیا ہے کہ اب انسانی رُشد و ہدایت کے لیے صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کی اور محمد ﷺ کی اطاعت کی جائے اور محمد ﷺ کے علاوہ اب کسی نبی و رسول کی اطاعت کا سوال نہیں ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا آخری طریقہ یہ ہے کہ تم میں سے جو صاحب امر ہوں۔ (علماء، مجتہدین، خلفاء حق) ان کی پیروی کرو۔

ان آیاتِ بینات کے علاوہ قرآن حکیم نے جن آیات میں خدا کی کتابوں یا رسولوں پر ایمان لانے کی ہدایت کی ہے وہاں یہ کہہ کر مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (بقرہ ۴) اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ

الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلَ. (نساء ۱۳۶) ''کہ محمد ﷺ اور ان سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور قرآن اور اس سے قبل کی کتابوں پر ایمان لاؤ'' اس حقیقت کو نمایاں کیا اور ابھارا ہے کہ جہاں تک پیغمبر اور کتاب اللہ پر ایمان لانے کا تعلق ذاتِ اقدس' قرآن حکیم اور اس سے قبل کے نبیوں' رسولوں اور کتابوں کا ہے اور یہ صرف اس لیے کہ یہ سلسلہ آگے بشکل نبوت و رسالت اور وحی الٰہی نہیں چلے گا بلکہ محمد ﷺ کی رسالت ہی بہ حد کمال پہنچ کر قیامت تک بلافصل باقی اور جاری رہے گی اور قرآن حکیم کامل و مکمل دستورِ ہدایت بن کر ہمیشہ اس کے لیے زندہ شہادت دے گا۔

حق تعالیٰ کی جانب سے ''خاتم النبیین'' کا جو منصب جلیل ذاتِ اقدس ﷺ کو عطا ہوا ہے عقل و نقل دونوں اعتبار سے ایک اور صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد ﷺ آخر انبیاء و رسل ہیں اور نبوت و رسالت کا سلسلہ آپ ﷺ پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔

تاج العروس میں ہے **(و) الخاتم (من کل شئی عاقبته و اٰخرته کخاتمته والخاتم و اٰخرالقوم کالخاتم) و منه قوله تعالٰی و خاتم النبیین ای اٰخرھم الخ.**

(فصل الثامن باب المیم)

تاج العروس کے علاوہ تمام معتبر اور مشہور عربی لغات ناطق ہیں' کہ ''خاتم'' بفتح تا ہو یا بہ کسرۂ تا ''آخرشی'' اس کے حقیقی معنی ہیں اور جب کسی شخصیت کے لیے بولا جائے تو ''آخرالقوم'' مراد ہوتے ہیں۔ اس لیے آخرالانبیاء و الرسل ہونا ذاتِ اقدس ﷺ کی وہ خصوصیت ہے جس میں دوسرا کوئی شریک و سہیم نہیں۔

یہ درست ہے کہ خاتم بمعنی ''مہر'' بھی حقیقی معنی ہیں اور یہی نہیں ان دونوں کے ماسوا اس لفظ کے چند اور معانی بھی حقیقی ہیں لیکن اطلاقات ہی اس کو ظاہر کر سکتے ہیں کہ ان ہر دو حقیقی معنی میں سے کون سے معنی برمحل ہیں؟ مثلاً جب آپ ہاتھ میں انگشتری پہنے ہوئے ہوں اور اس پر آپ کا نام کندہ ہو' اس وقت اگر کہا جائے کہ **''خاتمک فی انملک''** تو اس اس وقت خاتم بمعنی ''مہر'' حقیقی معنی ہوں گے لیکن اس لفظ خاتم کو اگر کسی انسان پر اطلاق کریں تو اس وقت خاتم بمعنی ''آخر'' حقیقی معنی ہوں گے اور خاتم القوم یا خاتم الانبیاء تب ہی صحیح ہوگا کہ آنے والا شخص قوم کا آخری فرد یا نبیوں کا آخری نبی ہو اور اس حقیقی اطلاق کی موجودگی میں مجازی معنی تب ہی قابل اعتناء ہوں گے کہ یا حقیقی معنی اس مقام پر ناممکن الاستعمال ہوں اور یا مجازی معنی حقیقی معنی سے مغائر و متضاد نہ ہوں بلکہ اس کے ساتھ پوری مطابقت رکھتے ہوں۔

تب یہ بات واضح اور صاف ہے کہ اگر کوئی شخص بلاغت قرآن اور اعجاز نظم قرآنی کے خلاف بلکہ عربیت کے عام اصول کے خلاف آیت کریمہ ''خاتم النبیین'' میں خاتم کے حقیقی معنی ترک کر کے بلحاظ اطلاق مجازی معنی ''مہر'' کے لیتا ہے تب بھی مجازی معنی اور مفہوم وہی صحیح اور لائق توجہ ہو سکتے ہیں جو حقیقی معنی ''آخر'' سے متبائن اور متخالف نہ ہوں' اور نبیوں کی مہر' کا یہ مطلب ہوگا کہ جس طرح کسی تحریر یا کسی شئے کے ختم پر ''مہر'' اس لیے لگائی جاتی ہے کہ اس پر تحریر یا شئے کا اختتام ہو گیا اور اب کسی بھی اضافے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اسی طرح ذاتِ اقدس ﷺ انبیاء و مرسلین کے سلسلہ کے لیے ''مہر'' ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد اب فہرست انبیاء و رسل میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں رہی اور اس سلسلہ پر مہر لگ گئی اور جس طرح کاغذ یا لفافہ پر مہر ثبوت ہے اس امر کا کہ اب اس کے بعد کسی مضمون یا لفظ و جملہ کی توقع عبث ہے۔ اسی طرح نبیوں کی مہر اس کے لیے کھلی دلیل ہے کہ اب کسی اضافہ کی توقع محال ہے پس ''مہر'' بہ اطلاق مجاز کے اس مفہوم کو چھوڑ کر اگر کسی خاص مزعومہ کی بناء پر یہ معنی مراد ہوں کہ ذاتِ اقدس ﷺ نبیوں کے لیے مہر ہیں کہ جس طرح کوئی کاغذ یا تحریر جب ہی مستند ہوتی ہے کہ اس پر ذمہ دار شخصیت کی مہر ثبت ہو' اس طرح کوئی نبی یا رسول نہیں بن سکتا جب تک آپ ﷺ اس کے لیے مہر تصدیق نہ بن جائیں' تو یہ مراد دو وجہ سے باطل ہے اوّل! اس لیے کہ یہ مفہوم حقیقی معنی ''آخر'' کے متضاد و متبائن ہیں۔ دوئم! اس لیے کہ ہزاروں یا لاکھوں انبیاء علیہم السلام جو ذاتِ اقدس ﷺ کے زمانہ بعثت سے قبل اس کائناتِ ارضی پر مبعوث ہو چکے اپنی اپنی اُمت کے زمانہ میں ان کی نبوت غیر مستند اور ناقابل قبول رہی' اس لیے کہ ان کی نبوت تصدیق کنندہ ''مہر'' ان کی بعثت سے ہزاروں یا سینکڑوں برس کے بعد آئی جبکہ وہ اپنے اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہو چکے تو اب بے سود و بے فائدہ۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ کے بعد جو نبی آئیں گے ان کے لیے آپ ﷺ ''مہر'' ہیں تو یہ ترجیح بلا مرجح کیوں؟ کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء و رسل کے لیے تو مہر نہ بنے اور بعد میں آنے والوں کے لیے ''مہر'' قرار پائے اور اگر یہ مطلب ہے کہ اگلوں اور پچھلوں سب ہی انبیاء و رُسل کے لیے مہر تصدیق ہیں تب بھی اگلوں کے لیے مہر ہونا بے کار رہا کہ ان کے وقت نبوت گزر جانے کے بعد مہر تصدیق پہنچی۔

علاوہ ازیں یہ احتمالات خود ساختہ اور ظنی ہیں اور کسی ایک احتمال کے یقینی ہونے کی بھی قرآن میں صراحت موجود نہیں ہے تو پھر حقیقی اطلاق کو ترک اور حقیقی سے

مطابق مجازی مفہوم سے روگردانی کے بعد ایسے احتمالات جو حقیقی مفہوم کا حق نہ ادا کرتے ہوں باطل نہیں تو اور کیا ہیں؟

پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن کا حکیمانہ طریق استدلال یہ ہے کہ وہ ایک مقام پر جو بات کہنا چاہتا ہے اس کو متعدد جگہ مختلف اسالیب بیان کے ساتھ اس طرح ادا کر دیتا ہے کہ ایک آیت دوسری آیت کی خود ہی تفسیر بن جاتی ہے اور حقیقت حال روشن ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ اس حقیقت کو مفسرین نے اس طرح ادا کیا ہے کہ **القران یفسر بعضہ بعضا** یعنی قرآن کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ کی خود تفسیر کر دیتا ہے چنانچہ یہی صورتِ حال یہاں بھی موجود ہے وہ یہ کہ قرآن حکیم اسلام کی خوبی بیان کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (مائدہ ۱۹) ''آج میں نے تمھارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت میں پسند کر لیا۔''

آیت کریمہ کو ایک مرتبہ خوب غور سے پھر پڑھیئے اور دیکھیے کہ اس جگہ نہ ''خاتَم'' ہے اور نہ ''خاتِم'' کہ اس کو معرضِ بحث میں لا کر خود ساختہ احتمالات پیدا کر لیے جائیں' بلکہ یہاں صاف صاف کہا گیا ہے کہ جو دین اسلام وجودِ انسانی کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت کا مرکز بنا ہوا ہے اس کو آج ''کامل'' اور اس نعمت دین کو تمام کر دیا گیا' اور ظاہر ہے کہ ''کامل'' کا مقابل ''ناقص'' اور ''تمام'' کا متوازی ''ناتمام'' ''ادھورا'' ہوتا ہے یعنی ایک چیز آہستہ آہستہ ترقی پذیر تھی اور رفتہ رفتہ اس حد پر پہنچ گئی جس کے بعد اب ترقی کا خاتمہ ہے اس لیے کہ وہ کامل و مکمل ہو کر سامنے آ گئی جس کے بعد ناقص یا ناتمام کے دُہرانے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔

سو اگر یہ صحیح ہے کہ اسلام' دورِ محمدی ﷺ پر پہنچ کر ہی کامل اور تمام ہوا ہے تو بلاشبہ آیت کریمہ **وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ** کے یہی معنی صحیح ہو سکتے ہیں محمد ﷺ اسی دین کے پیغامبر ہیں جو کائنات انسان کی ابتداء سے ہی رُشد و ہدایت انسانی کا فرض انجام دے رہا ہے اور خدا کا پسندیدہ ہے **وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ** اور انسانیت کی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ وہ بھی روحانی مدارجِ ارتقاء طے کرتے ہوئے آج ''کامل'' اور ''تمام'' ہو گیا اور اب کسی جدید پیغام کی حاجت نہیں رہی اور جب جدید پیغام کی ضرورت نہیں ہے تو اب نئے پیغامبر کی بھی ضرورت خود بخود باقی نہیں رہی اور رہتی دنیا تک یہی کامل

پیغام اور پیغامبر انسانی دنیا کے لیے کافی اور بس ہے۔ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ.

لہٰذا حقیقی اطلاق لیجیے یا مجازی ''خاتم'' کے معنی اور مفہوم میں ''آخر'' ہونے کا تصور غیر منفک اور لازم ہے اور اس کے خلاف جو کچھ بھی ہے وہ باطل ہے۔

آیت کریمہ کا شانِ نزول اگر چہ ایک خاص واقعہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن اپنے مفہوم و معنی کے لحاظ سے ہمہ گیر اور غیر موقت ہے اور عربیت اور نقل و روایات دونوں لحاظ سے ایک ٹھوس حقیقت کا اظہار کرتی ہے۔

اس آیت کے تین حصے ہیں ایک میں کہا گیا ہے کہ محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اس لیے کہ آپ ﷺ کی ''اولاد ذکور'' حیاتِ مستعار کو پورا کر چکی اور آپ ﷺ صلبی بیٹا نہیں رکھتے اور اسلام میں لے پالک ''متبنیٰ'' بے معنی رسم ہے اور اس سے دوسرے کا بیٹا گود لینے والے کا بیٹا نہیں بن جاتا اور اس کے احکام حاصل نہیں کر لیتا تو ایسی شکل میں زیدؓ کو محمد ﷺ کا بیٹا کہنا ہر طرح غلط ہے۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ مگر اس سے یہ احساس پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ جب آپ ﷺ مردوں میں سے کسی کے صلبی باپ نہیں ہیں تو امت کے ساتھ کس طرح آپ ﷺ کو شفقت پدری ہو سکتی ہے؟ حالانکہ امم سابقہ و سالفہ میں انبیاء و رسل اپنی اپنی امتوں کے بیشتر صلبی باپ بھی رہے ہیں اور روحانی باپ بھی۔ یہ احساس اس لیے نہیں ہونا چاہیے کہ اگر چہ آپ ﷺ امت مرحومہ کے صلبی باپ نہیں ہیں تو نہ ہوں مگر روحانی باپ تو ہیں جیسا کہ ہمیشہ انبیاء و رسل اپنی اپنی امتوں کے روحانی باپ ہوتے ہیں بلکہ روحانی باپ کا رشتہ و رابطہ تو صلبی باپ سے بھی ہزارہا درجہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ کیونکہ وہ مادی و روحانی دونوں تربیتوں کا کفیل و مربی ہے اس لیے دوسرے نبیوں اور رسولوں کی طرح آپ بھی خدا کے رسول ہیں۔ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ یہ آیت کا دوسرا حصہ ہے۔

پھر بات اسی حد پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ امت مرحومہ کے لیے اس سے بھی بلند و بالا یہ بشارت ہے کہ آپ ﷺ سے قبل جس قدر بھی روحانی باپ (انبیاء و رسل) گزرے ہیں علیٰ قدرِ مراتب ان میں امت کے لیے شفقت و رحمت کا جذبہ محدود رہا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے گزر جانے کے بعد دوسرا روحانی باپ (نبی یا رسول) مبعوث ہو کر امت پر میری ہی طرح یا مجھ سے زیادہ شفقت و تربیت کا حق ادا کرنے والا ہے، لیکن ذاتِ اقدس ﷺ کی یہ شانِ رفیع ہے کہ آپ ﷺ صرف اللہ کے رسول ہی نہیں ہیں بلکہ آخرالانبیاء والرسل ہیں جن کے بعد کسی نبی اور رسول کی بعثت کی

ضرورت نہیں رہی۔ اس لیے کہ دین کامل ہو گیا اور خدا کی نعمت پوری ہو گئی ایسی صورت میں تم اندازہ کر سکتے ہو کہ اس کی شفقت و رحمت کا کیا ٹھکانہ ہو گا؟ جو مربی یہ سمجھتا ہو کہ اب اگلوں کی طرح اس کے بعد دوسرا کوئی مربی آنے والا نہیں ہے کہ امت پر اپنی رحمت نچھاور کرے اب تو رہتی دنیا تک اس کی آغوش تربیت وا رہے گی اور اسی کی نبوت و رسالت کا غیر منقطع سلسلہ جاری رہے گا۔ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ.

خلاصہ یہ کہ محمد ﷺ کی شانِ مبارک اس خصوصی امتیاز کی حامل ہے کہ اس کی بعثت کے بعد کسی نبی یا رسول کی بعثت کی حاجت باقی نہیں رہی اور اس طرح یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی کہ ذاتِ اقدس ﷺ اس امر کے باعث نہیں ہیں کہ انھوں نے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا بلکہ جب خدا تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اب یہ سلسلہ نبوت و رسالت اس ارتقائی منزل پر پہنچ گیا ہے کہ آخری پیغام بن کر کامل و تمام ہو جائے تو ذاتِ اقدس ﷺ کو اس نے چن لیا اور بلاشرکت غیرے ان کو یہ منصب عظمیٰ عطا فرمایا۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم. (مائدہ ۵۴) پھر کسی نادان کا یہ کہنا کہ اگر آپ ﷺ آخرالانبیاء و الرسل ہیں تو یہ آپ ﷺ کی منقبت نہیں بلکہ نقص ہے کہ آپ ﷺ اس رحمت کے لیے سدباب ثابت ہوئے جو نبوت و رسالت کے عنوان سے جاری تھی۔

اس نادان کا یہ خیال اسی طرح فاسد ہے جس طرح اس شخص کا خیال جس نے ایک محفل میں شرکت کی اور دیکھا کہ جو معزز مہمان بھی آتا ہے اس کا پُرجوش استقبال ہوتا ہے اور اس سے محفل کی رونق میں اضافہ ہوتا جاتا ہے مگر جب اس نے دیکھا کہ ایک شخص ایسا بھی آ پہنچا جس کو سب نے حاصل محفل سمجھ کر نہ صرف پُرجوش استقبال ہی کیا بلکہ تمام محفل کا سرتاج کہا اور اس کے بعد محفل اپنا کام کر کے ختم ہو گئی تو یہ نادان بہت کڑھا اور پچھتانے لگا کہ کاش یہ حاصل محفل نہ بنتا اور محفل اسی طرح سجی سجائی رہتی اور مہمانوں کی آمد کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا۔

ٹھیک اسی طرح محمد ﷺ کے آخرالانبیاء والرسل ہونے پر یہ نادان اپنے فسادِ خیال کا اظہار کر رہا اور باطل تاویلات کے درپے ہو رہا ہے۔ یُضِلُّ بِہٖ مَنْ یَّشَاءُ وَیَهْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَاءُ. (بقرہ ۲۶)

قرآن عزیز نے اکثر مقامات پر ''نبی'' اور ''رسول'' کے ایک ہی معنی لیے ہیں جس کو اردو میں پیغمبر سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن خاص خاص مقامات پر وہ نبی اور رسول

میں فرق بھی کرتا ہے اس فرق کو علماء اسلام نے یوں ظاہر کیا ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص یعنی خدائے تعالیٰ جس شخصیت کو ہمکلامی کا شرف عطا فرماتے ہیں وہ ''نبی'' کہلاتا ہے کیونکہ لغت میں ''نبی'' خبر دینے والے کو کہتے ہیں۔ گویا جو شخص خدا سے براہِ راست لے کر بندگانِ خدا کو اس کے احکام کی خبر دے وہ نبی ہے' قطع نظر اس امر کے کہ اس کو جدید کتاب یا جدید شریعت عطا کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو' لیکن جب خدا نے ہم کلامی کے منصب کے ساتھ ساتھ اس شخصیت کو ''کتابِ جدید'' یا ''شریعت جدیدہ'' بھی عطا کی ہو تو اس کو ''رسول'' کہتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر قرآنِ حکیم نے اسی فرق و امتیاز کو معجزانہ اسلوب کے ساتھ ظاہر کیا ہے وہ کہتا ہے کہ جہاں تک گزشتہ انبیاء و رُسل کی فہرست کا تعلق ہے اس فہرست میں آپ ﷺ کا منصب صرف ''نبی'' نہیں بلکہ ''رسول'' ہے اور خود قرآن اس کے لیے شہادتِ جاوید ہے اور جبکہ وہ پیغام الٰہی کے سلسلہ میں آخری پیغامبر ہیں تو اس جگہ یہ یقین کر لینا چاہیے کہ وہ صرف مصطلحہ رسولوں کے ہی آخر نہیں ہیں بلکہ سرتاسر سلسلہ نبوت کے لیے ''آخر'' ہیں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ جب وہ خاتم الانبیاء ہیں تو خاتم الرسل بدرجہ اولیٰ و اتم ہیں' کیونکہ جب عام ہی کا وجود مفقود ہے تو خاص کا وجود کس طرح کتم عدم سے ظاہر ہو سکتا ہے؟ ''وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ'' اور اسی نمایاں حقیقت کو خود ذاتِ اقدس ﷺ نے ایک طویل صحیح حدیث میں برہان قاطع کے طور پر ظاہر کیا ہے۔ ''لا نبی بَعْدِیْ'' میرے بعد اب کسی نبی کی بعثت نہیں ہے۔ ''اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلاَ رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلاَ نَبِیَّ'' (ترمذی ج ۲ ص ۵۳ باب ذہبت النبوۃ و بقیت المبشرات) بلاشبہ رسالت اور نبوت دونوں ختم ہو گئے پس میرے بعد نہ رسول ہے اور نہ نبی۔ خُتِمَ بِیَ الْاَنْبِیَاءَ مجھ پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا۔ ''اَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ'' (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۱ باب ماجاء فی اسماء النبی ﷺ) میرا نام عاقب (عاقب: انجام کو پہنچانے والا) ہے۔

میرے بعد نبی کی بعثت نہیں ہے۔ وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ (مسند احمد، ترمذی، مسلم، بخاری وغیرہا)

حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام

قرآنِ عزیز اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں اور جس طرح نبی اکرم ﷺ خاتم الانبیاء و رسل ہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام خاتم الانبیاء بنی اسرائیل ہیں اور جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا اور درمیان کا یہ زمانہ جس کی مدت تقریباً پانچ سو ستر سال ہے۔ فترۃ (انقطاعِ وحی) کا زمانہ رہا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی جلالت قدر اور عظمت شان کا ایک امتیازی نشان یہ بھی ہے کہ اگر انبیاء بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت کا ''مقام امامت'' حاصل ہے تو عیسیٰ علیہ السلام مجددِ انبیاء بنی اسرائیل ہیں، اس لیے کہ قانونِ ربانی (تورات) کے بعد بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لیے انجیل (بائبل) سے زیادہ عظیم المرتبہ دوسری کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انجیل کا نزول قانونِ تورات کی تکمیل ہی کی شکل میں ہوا ہے یعنی نزولِ توراۃ کے بعد یہود نے جو قسم قسم کی گمراہیاں دین حق میں پیدا کر لی تھیں انجیل نے توراۃ کی شارح بن کر بنی اسرائیل کو ان گمراہیوں سے بچنے کی دعوت دی اور اس طرح تکمیل توراۃ کا فرض انجام دیا اور بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کا فراموش شدہ پیغام ہدایت عیسیٰ علیہ السلام ہی نے دوبارہ یاد دلایا اور تازہ بارانِ رحمت کے ذریعہ اس خشک کھیتی کو دوبارہ زندگی بخشی۔

مزید برآں یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام سرور کائنات محمد ﷺ کے سب سے بڑے منّاد اور مبشر ہیں اور ہر دو مقدس پیغمبروں کے درمیان ماضی اور مستقبل دونوں زمانوں میں خاص رابطہ اور علاقہ پایا جاتا ہے۔

قرآن عزیز نے نبی اکرم ﷺ کی مماثلت کے سلسلہ میں جن پاک ہستیوں

کے واقعات سے بہت زیادہ بحث کی ہے ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس ہستیاں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت قرآن کے ''تذکیر بایام اللہ'' میں اس لیے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ جس دین قویم اور ملت بیضاء کا عروج و کمال محمد ﷺ کی تقدیس کے ساتھ وابستہ تھا اور جس ملت کی دعوت و تبلیغ کا محور و مرکز ذاتِ اقدس بننے والی تھی، وہ ''ملت ابراہیم'' کے نام سے موسوم ہے ''مِلة اَبِیکُمْ اِبْرَاھِیم'' کیونکہ یہی وہ بوڑھے پیغمبر ہیں جنھوں نے شرک کے مقابلہ میں سب سے پہلے توحید الٰہی کو حنیفیت کا لقب دیا اور آئندہ ہمیشہ کے لیے خدا کی راہِ مستقیم کے لیے ''ملۃ حنیفیہ'' کا امتیاز قائم کر دیا، یعنی جو خدا کی پرستش کے لیے مظاہر کائنات کی پرستش کو وسیلہ بناتا ہے وہ ''مشرک'' ہے اور جو خالق کائنات کی یکتائی کا قائل ہو کر براہ راست اسی کی پرستش کرتا ہے وہ ''حنیف'' ہے، پس اس مقدس پیغمبر نے خدا پرستی کے اس حقیقی تصور کو عملی حیثیت میں اس درجہ نمایاں کیا کہ مستقبل میں ادیانِ حق کے لیے اس کی پیروی حق و صداقت کا معیار بن گئی اور خدائے برتر کی جانب سے قبولیت کا یہ شرف عطا ہوا کہ یہ مقدس پیغمبر کائناتِ رُشد و ہدایت کا امام اکبر اور مجددِ اعظم قرار پا گیا ''واتبعوا ملة ابراهيم حنيفا'' اور پیروی کرو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی جو سب سے کٹ کر صرف خدا کی جانب جھکنے والا ہے۔

مِلَّة ابيكم ابراهيم هُوَ سماكم المسلمين من قبل و في هٰذا. (حج ۷۸)

یہ ملت ہے تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی اس نے تمہارا نام ''مسلم'' رکھا، نزول قرآن سے قبل اور اس قرآن میں بھی تمہارا نام ''مسلم'' ہے۔ (مسلم اور حنیف مفہوم میں متحد ہیں۔ مسلم خدا کا تابعدار اور حنیف سب سے منہ پھیر کر صرف خدا کا ہو جانے والا)

اور موسیٰ علیہ السلام کی مقدس زندگی کا تذکرہ اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ ان کی دعوت و تبلیغ کے واقعات یعنی قوم کی جہالت و نافرمانی، دشمنانِ خدا سے نبرد آزمائی پیہم مصائب و آلام پر صبر و استقلال کا دوام و ثبات، اور اسی قسم کے دوسرے کوائف و حالات میں ان کے اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان بہت زیادہ مشابہت و مناسبت پائی جاتی ہے اور اس لیے وہ واقعات و حالات قبول و انکارِ حق اور ان سے پیدا شدہ نتائج کے سلسلہ میں بصیرت و عبرت کا سامان مہیا کرتے اور نظائر و شواہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ کا مقدس ذکر مسطورہ بالا خصوصیات و

امتیازات کی بنا پر خاص اہمیت رکھتا ہے۔

غرض قرآن عزیز نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات کو بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان کی حیاتِ طیبہ کے دیباچہ کے طور پر ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے واقعاتِ زندگی کو بھی روشن کیا ہے تاکہ قرآن کا مقصد ''تذکیر بایام اللہ'' پورا ہو۔

یہ ذکر پاک قرآن عزیز کی تیرہ سورتوں میں ہوا ہے۔ ان میں سے کسی جگہ نام مبارک عیسیٰ (یسوع) سے یاد کیا گیا ہے اور کسی جگہ ''مسیح'' اور ''عبداللہ'' کے لقب سے اور کسی مقام پر کنیت ''ابن مریم'' کے اظہار کے ساتھ۔

نقشۂ ذیل اس حقیقت کا کاشف اور اربابِ مطالعہ کی بصیرت کے لیے مدد و معاون ہے۔

شمار	سورہ	آیات	عیسیٰ	مسیح	عبداللہ	ابن مریم	تعداد آیات
۱	البقرہ	۸۷، ۱۳۶، ۱۳۸، ۲۵۳	۳	۰	۰	۲	۵
۲	آل عمران	۴۲۔۶۴۔۸۴	۵	۱	۰	۱	۲۴
۳	النساء	۱۵۶۔۱۵۹۔۱۷۱۔۱۷۲	۳	۳	۰	۲	۶
۴	المائدہ	۱۷۔۴۶۔۷۲۔۷۵۔۷۸۔۱۱۰۔۱۲۰	۶	۵	۰	۱۰	۱۸
۵	الانعام	۸۵	۱	۰	۰	۰	۱
۶	التوبہ	۳۰۔۳۱	۰	۱	۰	۱	۲
۷	مریم	۱۶۔۳۵	۱	۱	۱	۱	۱۹
۸	المؤمنون	۵۰	۱	۰	۰	۱	۱
۹	الاحزاب	۷۔۸	۱	۰	۰	۱	۲
۱۰	الشوریٰ	۱۳	۱	۰	۰	۰	۱
۱۱	الزخرف	۵۷۔۶۳	۱	۰	۰	۱	۲
۱۲	الحدید	۲۷	۱	۰	۰	۱	۱
۱۳	الصف	۶۔۱۴	۲	۰	۰	۲	۲

عمران و حنہ: بنی اسرائیل میں عمران ایک عابد و زاہد شخص تھے اور اسی زہد و عبادت کی وجہ سے نماز کی امامت بھی ان ہی کے سپرد تھی اور ان کی بیوی حنہ بھی بہت پارسا و عابدہ تھیں اور اپنی نیکی کی وجہ سے وہ دونوں بنی اسرائیل میں بہت زیادہ محبوب و

مقبول تھے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ آل عمران)

محمد بن اسحٰق "صاحب مغازی" نے عمران کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔ عمران بن یاشم بن میشا بن حزقیا بن ابراہیم بن غریا بن ناوش بن اجر بن یہوا بن نازم بن مقاسط بن ایشا بن ایاز بن رحبعم (رجبعام) بن سلیمان بن داؤد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) اور حافظ ابن عساکر رحمتہ اللہ علیہ نے ان ناموں کے علاوہ دوسرے نام بیان کیے ہیں اور ان دونوں بیانات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے تاہم اس پر تمام علماءِ انساب کا اتفاق ہے کہ عمران حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حنہ بنت فاقود بن قبیل بھی داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۶)

عمران صاحب اولاد نہیں تھے اور ان کی بیوی حنہ بہت زیادہ متمنی تھیں کہ ان کے اولاد ہو، وہ اس کے لیے درگاہِ الٰہی میں دست بدعاء اور قبولیت دعاء کے لیے ہر وقت منتظر رہتی تھیں۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حنہ صحن مکان میں چہل قدمی کر رہی تھیں، دیکھا کہ ایک پرند اپنے بچہ کو بھرا رہا ہے، حنہ کے دل پر یہ دیکھ کر سخت چوٹ لگی اور اولاد کی تمنا نے بہت جوش مارا اور حالت اضطراب میں بارگاہِ الٰہی میں دعاء کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے اور عرض کیا: "پروردگار! اسی طرح مجھ کو بھی اولاد عطا کر کہ وہ ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنے" دل سے نکلی ہوئی دعاء نے قبولیت کا جامہ پہنا اور حنہ نے چند روز بعد محسوس کیا کہ وہ حاملہ ہیں، حنہ کو اس احساس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ انھوں نے نذر مان لی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اس کو ہیکل (مسجد اقصیٰ) کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی۔ (بنی اسرائیل کی مذہبی رسوم میں سے یہ رسم بہت مقدس سمجھی جاتی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کریں) (البدایۃ والنہایۃ جلد ۲ ص ۵۲)

بہر حال اللہ تعالیٰ نے عمران کی بیوی حنہ کی دعاء کو شرفِ قبولیت بخشا اور وہ مسرت و شادمانی کے ساتھ امید بر آنے کی گھڑی کا انتظار کرنے لگیں۔

بشر بن اسحٰق کہتے ہیں کہ حنہ ابھی حاملہ ہی تھیں کہ ان کے شوہر عمران کا انتقال ہو گیا۔

مریم علیہا السلام کی ولادت

جب مدتِ حمل پوری ہو گئی اور ولادت کا وقت آ پہنچا تو حنہ کو معلوم ہوا کہ ان کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی ہے، جہاں تک اولاد کا تعلق ہے حنہ کے لیے یہ لڑکی بھی

لڑکے سے کم نہ تھی مگر ان کو یہ افسوس ضرور ہوا کہ میں نے جو نذر مانی تھی وہ پوری نہیں ہو سکے گی اس لیے کہ لڑکی کس طرح مقدس ہیکل کی خدمت کر سکے گی؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے افسوس کو یہ کہہ کر بدل دیا کہ ہم نے تیری لڑکی کو ہی قبول کیا اور اس کی وجہ سے تمہارا خاندان بھی معزز اور مبارک قرار پایا، حنہ نے لڑکی کا نام مریم رکھا، سریانی میں اس کے معنی ''خادم'' کے ہیں، چونکہ یہ ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کر دی گئیں اس لیے یہ نام موزوں سمجھا گیا۔

قرآن عزیز نے اس واقعہ کو معجزانہ اختصار کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَo ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُo فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّاط (آل عمران ۳۳، ۳۷)

''بیشک اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو (اپنے اپنے زمانہ میں) جہان والوں پر بزرگی عطا فرمائی (ان میں سے) بعض، بعض کی ذریت ہیں اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے (وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا: ''خدایا! میں نے نذر مان لی ہے کہ میرے پیٹ میں جو (بچہ) ہے وہ تیری راہ میں آزاد ہے، پس تو اس کو میری جانب سے قبول فرما، بیشک تو سننے والا جاننے والا ہے۔ پھر جب اس نے جنا تو کہنے لگی: ''پروردگار! میرے لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا ہے۔ اور لڑکا اور لڑکی یکساں نہیں ہیں (یعنی ہیکل کی خدمت لڑکی نہیں کر سکتی لڑکا کر سکتا ہے اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے، اور میں اس کو اس کی اولاد کو شیطانِ رجیم کے فتنہ سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس مریم کو اس کے پروردگار نے بہت اچھی طرح قبول فرمایا اور اس کی نشو و نما اچھے طریق پر کی اور زکریا کو اس کا نگران کار بنا دیا۔''

(عمران، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی ہے اور حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا بھی۔ یہاں والدِ مریم علیہا السلام مراد ہیں)

حضرت مریم علیہا السلام جب سن شعور کو پہنچیں اور یہ سوال پیدا ہوا کہ مقدس ہیکل کی یہ امانت کس کے سپرد کی جائے تو کاہنوں (ہیکل کے مقدس خدمتگاروں کو کاہن

کہتے ہیں) میں سے ہر ایک نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس مقدس امانت کا کفیل مجھ کو بنایا جائے مگر اس امانت کی نگرانی کا اہل حضرت زکریا سے زیادہ کوئی نہ تھا، اس لیے کہ وہ مریم علیہا السلام کی خالہ ایشاع (الیشبع) کے شوہر بھی تھے اور مقدس ہیکل کے معزز کاہن اور خدائے برتر کے نبی بھی تھے، اس لیے سب سے پہلے انھوں نے ہی اپنا نام پیش کیا مگر جب سب کاہنوں نے یہی خواہش ظاہر کی اور باہمی کشمکش کا اندیشہ ہونے لگا تو آپس میں طے پایا کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ اس کا فیصلہ کرلیا جائے، اور بقول روایاتِ بنی اسرائیل تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی، وہ دریا میں اپنے قلم (پورے) ڈالتے مگر قرعہ کی شرط کے مطابق ہر مرتبہ زکریا علیہ السلام ہی کا نام نکلتا، کاہنوں نے جب یہ دیکھا کہ اس معاملہ میں زکریا علیہ السلام کے ساتھ تائید غیبی ہے تو انھوں نے بخوشی اس فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا اور اس طرح یہ ''سعید امانت'' حضرت زکریا کے سپرد کردی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ مریم علیہا السلام کی کفالت کا یہ معاملہ اس لیے پیش آیا کہ وہ یتیم تھیں اور مردوں میں سے کوئی ان کا کفیل نہیں تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں قحط کا بہت زور تھا اس لیے کفالت کا سوال پیدا ہوا۔ لیکن یہ دونوں باتیں اگر نہ بھی ہوتیں تب بھی کفالت کا سوال اپنی جگہ پھر بھی باقی رہتا اس لیے کہ مریم علیہ السلام اپنی والدہ کی نذر کے مطابق ''نذرِ ہیکل'' ہو چکی تھیں اور چونکہ لڑکی تھیں اس لیے از بس ضروری تھا کہ وہ کسی مرد نیک کی کفالت میں اس خدمت کو انجام دیتیں۔

غرض زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے صنفی احترامات کا لحاظ رکھتے ہوئے ہیکل کے قریب ایک حجرہ ان کے لیے مخصوص کردیا تاکہ وہ دن میں وہاں رہ کر عبادت الٰہی سے بہرہ ور ہوں اور جب رات آتی تو ان کو اپنے مکان پر ان کی خالہ ایشاع کے پاس لے جاتے اور وہ وہیں شب بسر کرتیں۔ (مولانا آزاد ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۴۳) میں لکھتے ہیں ''قرآن میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ دو جگہ کیا ہے یہاں اور سورۂ آل عمران کی آیات ۳۵۔۶۳ میں، یہاں یہ ذکر حضرت زکریا کی دعاء اور حضرت یحییٰ کی پیدائش کے بیان سے شروع ہوا ہے اور اناجیل اربعہ میں سے سینٹ لوقا کی انجیل ٹھیک ٹھیک اسی طرح یہ تذکرہ شروع کرتی ہے لیکن سورۂ آلِ عمران میں یہ تذکرہ اس سے بھی پیشتر کے ایک واقعہ سے شروع ہوتا ہے یعنی حضرت مریم کی پیدائش اور ہیکل میں پرورش پانے کے واقعہ سے اور اس بارہ میں چاروں انجیلیں خاموش ہیں لیکن انیسویں صدی میں متروک اناجیل کا جو نسخہ ویٹیکان کے کتب خانہ سے برآمد ہوا، اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی

پیدائش کا یہ مفقود ٹکڑا مہیا کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک سرگذشت کا یہ ٹکڑا بھی اسی طرح الہامی یقین کیا جاتا تھا جس طرح بقیہ ٹکڑے یقین کیے جاتے ہیں۔''

حنہ اور ایشاع: ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جمہور کا قول یہ ہے کہ ایشاع (الیشبع) مریم علیہا السلام کی ہمشیرہ تھیں اور حدیث معراج میں نبی اکرم ﷺ نے عیسیٰ اور یحیٰ علیہما السلام کے متعلق یہ فرما کر ''**وھما ابنا خالتا**' جو رشتہ ظاہر فرمایا ہے اس سے بھی جمہور کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن جمہور کا یہ قول قرآنِ عزیز اور ''تاریخ'' دونوں کے خلاف ہے اس لیے کہ قرآن نے مریم علیہا السلام کی ولادت کے واقعہ کو جس اسلوب کے ساتھ بیان کیا ہے وہ صاف بتا رہا ہے کہ عمران اور حنہ، مریم علیہا السلام کی ولادت سے قبل اولاد سے قطعاً محروم تھیں یہی وجہ ہے کہ حنہ نے مریم علیہا السلام کی ولادت پر یہ نہیں کہا: ''خدایا! میرے تو پہلے بھی ایک لڑکی موجود تھی، اب تو نے دوبارہ بھی لڑکی ہی عطا فرمائی'' بلکہ درگاہِ الٰہی میں یہ عرض کیا کہ جس شکل میں میری دعاء تو نے قبول فرمائی ہے اس کو حسب وعدہ تیری نذر کیسے کروں؟ نیز توراۃ اور بنی اسرائیل کی تاریخ سے بھی کہیں یہ ثابت نہیں کہ عمران اور حنہ کے مریم علیہا السلام کے ماسواء کوئی اور اولاد بھی تھی بلکہ اس کے برعکس تاریخ یہود اور اسرائیلیات کا مشہور قول یہ ہے کہ ایشاع، مریم علیہا السلام کی خالہ تھیں۔

دراصل جمہور کی جانب یہ منسوب قول صرف حدیث معراج کے مسطورہ بالا جملہ کے پیش نظر ظہور میں آیا ہے حالانکہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد (**وھما ابنا خالتا** وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں) مجاز متعارف کی شکل میں ہے یعنی آپ ﷺ نے بہ طریق توسع والدہ کی خالہ کو عیسیٰ علیہ السلام کی خالہ فرمایا ہے اور اس قسم کا توسع عام بول چال میں شائع و ذائع ہے۔

علاوہ ازیں ابن کثیر (رحمہ اللہ) کا اس کو ''قولِ جمہور'' کہنا بھی محل نظر ہے اس لیے کہ محمد بن اسحٰق، اسحٰق بن بشر، ابن عساکر، ابن جریر اور ابن حجر (رحمہم اللہ) جیسے جلیل القدر اصحابِ حدیث و سیر کا رجحان اس جانب ہے کہ ایشاع، حنہ کی ہمشیر اور مریم علیہا السلام کی خالہ ہیں، حنہ کی بیٹی نہیں ہیں۔

مریم علیہا السلام کا زہد و تقویٰ

مریم علیہا السلام شب و روز عبادتِ الٰہی میں رہتیں اور جب خدمت ہیکل کے

لیے ان کی نوبت آتی تو اس کو بھی بخوبی انجام دیتی تھیں حتیٰ کہ ان کا زہد و تقویٰ بنی اسرائیل میں ضرب المثل بن گیا اور ان کی زہادت و عبادت کی مثالیں دی جانے لگیں۔

مقبولیت خداوندی: زکریا علیہ السلام مریم علیہا السلام کی ضروری نگہداشت کے سلسلہ میں کبھی کبھی ان کے حجرہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے لیکن ان کو یہ بات عجیب نظر آتی کہ جب وہ خلوت کدہ میں داخل ہوتے تو مریم علیہا السلام کے پاس اکثر بے موسم کے تازہ پھل موجود پاتے۔ (یہ تفصیل اگرچہ تفسیری روایات سے ماخوذ ہے اور آیت میں صرف لفظ ''رزق'' آیا ہے لیکن آیت سے بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ مریم کا یہ رزق انسانی داد و دہش کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ بطور کرامت من جانب اللہ تھا) آخر زکریا علیہ السلام سے نہ رہا گیا اور انھوں نے دریافت کیا مریم تیرے پاس یہ بے موسم پھل کہاں سے آتے ہیں۔ مریم علیہا السلام نے فرمایا: ''یہ میرے پروردگار کا فضل و کرم ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بے گمان رزق پہنچاتا ہے'' حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ سنا تو سمجھ گئے کہ خدائے برتر کے یہاں مریم کا خاص مقام اور مرتبہ ہے اور ساتھ ہی بے موسم تازہ پھلوں کے واقعہ نے دل میں یہ تمنا پیدا کر دی کہ جس خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے یہ پھل بے موسم پیدا کر دیئے کیا وہ میرے بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود مجھ کو بے موسم پھل (بیٹا) عطا نہ کرے گا؟ یہ سوچ کر انھوں نے خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہِ ربانی میں دعاء کی اور وہاں سے شرفِ قبولیت کا مژدہ عطا ہوا۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَامَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍo (آل عمران ۳۷) ''اور اس (مریم) کی کفالت زکریا نے کی، جب اس (مریم) کے پاس زکریا داخل ہوتے تو اس کے پاس کھانے کی چیزیں رکھی پاتے۔ زکریا نے کہا: ''اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آئیں'' مریم نے کہا ''یہ اللہ کے پاس سے آئی ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے گمان رزق دیتا ہے۔''

مریم علیہا السلام اسی طرح ایک عرصہ تک اپنے مقدس مشاغل کے ساتھ پاک زندگی بسر کرتی رہیں اور مقدس ہیکل کا سب سے مقدس مجاور حضرت زکریا علیہ السلام بھی ان کے زہد و تقویٰ سے بے حد متاثر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت اور جلالت قدر کو اور زیادہ بلند کیا اور فرشتوں کے ذریعہ ان کو برگزیدۂ بارگاہِ الٰہی ہونے کی یہ بشارت سنائی۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى

نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَo وَمَا کُنْتَ لَدَیْھِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ اَیُّھُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْھِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَo

"(اے پیغمبر وہ وقت یاد کیجیے) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بزرگی دی اور پاک کیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھ کو برگزیدہ کیا، اے مریم! اپنے پروردگار کے سامنے جھک جا اور سجدہ ریز ہو جا اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز ادا کر، اور تم اس وقت ان کاہنوں کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلموں (پورون) کو (قرعہ اندازی کے لیے) ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے اور تم اس وقت (بھی) موجود نہ تھے جب وہ اس کفالت کے بارہ میں آپس میں جھگڑ رہے تھے۔"

(ال عمران ۴۲۔۴۴)

حضرت مریم علیہا السلام جبکہ نہایت مرتاض، عابد و زاہد اور تقویٰ و طہارت میں ضرب المثل تھیں اور جبکہ عنقریب ان کو جلیل القدر پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہونے والا تھا تو من جانب اللہ ان کی تقدیس و تطہیر کا یہ اعلان بلاشبہ حق بحقدار رسید کا مصداق ہے، تاہم علمی اور تاریخی اعتبار سے بلکہ خود قرآن و احادیث کے مفہوم کے لحاظ سے یہ مسئلہ قابل توجہ ہے کہ آیت "**وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ**" کی مراد کیا ہے اور کیا درحقیقت حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر کسی استثناء کے کائنات کی تمام عورتوں پر برتری اور فضیلت حاصل ہے؟ اور یہی نہیں بلکہ اس آیت فضیلت نے مریم علیہا السلام کی ذات سے متعلق علماءِ سلف میں چند اہم مسائل کو زیر بحث بنا دیا ہے مثلاً (۱) کیا عورت نبی ہوسکتی ہے؟ (۲) کیا حضرت مریم نبی تھیں؟ (۳) اگر نبی نہیں تھیں تو آیت کے جملہ "**وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ**" کا مطلب کیا ہے؟

کیا عورت نبی ہوسکتی ہے؟

محمد بن اسحٰق، شیخ ابوالحسن اشعری، قرطبی، ابن حزم (نور اللہ مرقدہم) اس جانب مائل ہیں کہ عورت نبی ہوسکتی ہے بلکہ ابن حزم تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت حوا، سارہ، ہاجرہ، ام موسیٰ علیہ السلام، آسیہ اور مریم (علیہن السلام) یہ سب نبی تھیں، اور محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اکثر فقہاء اس کے قائل ہیں کہ عورت نبی ہوسکتی ہے اور قرطبی فرماتے ہیں کہ مریم علیہا السلام نبی تھیں۔

ان حضرات کے اقوال کے برعکس خواجہ حسن بصری، امام الحرمین شیخ عبدالعزیز اور قاضی عیاض (نور اللہ مرقدہم) کا رجحان اس جانب ہے کہ عورت نبی نہیں ہوسکتی اور

اس لیے مریم علیہا السلام بھی نبی نہیں تھیں، قاضی رحمتہ اللہ علیہ اور ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جمہور کا مسلک یہی ہے اور امام الحرمین تو اجماع تک کا دعویٰ کرتے ہیں۔

جو علماء یہ فرماتے ہیں کہ عورت نبی نہیں ہوسکتی وہ اپنی دلیل میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ وَمَا اَرسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلاَّ رِجَالاً نُوْحِیْ اِلَیْھِمْ. (النحل ۴۳) ''اور تم سے پہلے ہم نے نہیں بھیجے مگر مرد کہ وحی بھیجتے تھے ہم ان کی طرف۔''

اور خصوصیت کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت کے انکار پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ قرآن عزیز نے ان کو ''صدیقہ'' کہا ہے، سورۂ مائدہ میں؟

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُل وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَة.

(مائدہ ۷۵) ''مسیح بن مریم علیہ السلام صرف اللہ تعالیٰ کے رسول تھے ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے اور ان کی والدہ پاک دامن تھیں۔''

اور سورۂ نساء میں قرآن عزیز نے منعم علیہم کی جو فہرست دی ہے وہ اس کے لیے نص قطعی ہے کہ ''صدیقیت'' کا درجہ ''نبوت'' سے کم اور نازل ہے۔

اور جو حضرات عورت کے نبی ہونے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ عزیز نے حضرت سارہ، ام موسیٰ اور حضرت مریم علیہن السلام کے متعلق جن واقعات کا اظہار کیا ہے ان میں بصراحت موجود ہے کہ ان پر خدا کے فرشتے وحی لے کر نازل ہوئے اور ان کو منجانب اللہ بشارات سے سرفراز فرمایا اور ان تک اپنی معرفت، عبادت کا حکم پہنچایا، چنانچہ حضرت سارہ کے لیے سورۂ ہود اور سورۂ الذٰریت اور ام موسیٰ کے لیے سورۂ قصص میں اور مریم علیہا السلام کے لیے آلِ عمران اور سورۂ مریم میں بواسطہ ملائکہ اور بلا واسطہ خطابِ الٰہی موجود ہے اور ظاہر ہے کہ ان مقامات پر وحی کے لغوی معنی (وجدانی ہدایت یا مخفی اشارہ) کے نہیں ہیں جیسا کہ آیت "وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ" (نحل ۶۸) میں شہد کی مکھی کے لیے وحی کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اور خصوصیت کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کے نبی ہونے کی یہ واضح دلیل ہے کہ سورۂ مریم میں ان کا ذکر اسی اسلوب کے ساتھ کیا گیا ہے، جس طریقہ پر دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام کا تذکرہ کیا ہے مثلاً "وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مُوْسٰی" (مریم ۵۱) "وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْس" (مریم ۵۶) "وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ" (مریم ۵۴) "وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِبْرٰھِیْم" (مریم ۴۱) "وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَم" (مریم ۱۶) یا مثلاً "فَاَرْسَلْنَا اِلَیْھَا رُوْحَنَا" (مریم ۱۷) ہم نے مریم کی جانب اپنے فرشتہ جبرائیل کو بھیجا۔ یا

مثلاً قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ (مریم ۱۹) میں بلاشبہ تیرے پروردگار کی جانب سے پیغامبر ہوں۔'' نیز آل عمران میں مریم علیہا السلام کو ملائکۃ اللہ نے جس طرح خدا کی جانب سے پیغامبر بن کر خطاب کیا ہے وہ بھی اس دعوے کی روشن دلیل ہے۔

اور مریم علیہا السلام کے صدیقہ ہونے سے متعلق جو سوال ہے اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر قرآن نے حضرت مریم علیہا السلام کو ''صدیقہ'' کہا ہے تو یہ لقب ان کی شان نبوت کے اسی طرح منافی نہیں ہے جس طرح حضرتِ یوسف علیہ السلام کے مسلم نبی ہونے کے باوجود آیت ''یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ'' (یوسف ۴۶) میں ان کا صدیق ہونا ان کے نبی ہونے کو مانع نہیں ہے، بلکہ ذکر پاک کی مقامی خصوصیت کی بناء پر مذکور ہوا ہے کیونکہ جو ''نبی'' ہے وہ بہرحال ''صدیق'' ضرور ہے البتہ اس کا عکس ضروری نہیں ہے۔

ان علماءِ اسلام کی ترجمانی جس تفصیل کے ساتھ کتاب الفصل میں مشہور محدث ابن حزم (رحمہ اللہ) نے کی ہے اس تفصیل و قوت کے ساتھ دوسری جگہ نظر سے نہیں گزری اس لیے سطور ذیل میں اس پورے مضمون کا ترجمہ لائق مطالعہ ہے۔

نبوۃ النساء اور ابن حزم

یہ فصل ایسے مسئلہ کے متعلق ہے جس پر ہمارے زمانہ میں قرطبہ (اندلس) میں شدید اختلاف بپا ہوا، علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورت نبی نہیں ہوسکتی اور جو ایسا کہتا ہے کہ عورت نبی ہوسکتی ہے وہ ایک نئی بدعت ایجاد کرتا ہے اور دوسری جماعت قائل ہے کہ عورت نبی ہوسکتی ہے اور نبی ہوئی ہیں اور ان دونوں سے الگ تیسری جماعت کا مسلک توقف ہے اور وہ اثبات و نفی دونوں باتوں میں سکوت کو پسند کرتے ہیں، مگر جو حضرات عورت سے متعلق منصب نبوت کا انکار کرتے ہیں، ان کے پاس اس انکار کی کوئی دلیل نظر نہیں آتی البتہ بعض حضرات نے اپنے اختلاف کی بنیاد اس آیت کو بنایا ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالاً نُوْحِیْ اِلَیْهِمْ. (نحل ۴۳)

میں کہتا ہوں کہ اس بارہ میں کس کو اختلاف ہے اور کس نے یہ دعویٰ کیا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ، عورت کو ہدایت خلق کے لیے رسول بنا کر بھیجتا ہے یا اس نے کسی عورت کو ''رسول'' بنایا ہے، بحث رسالت کے مسئلہ میں نہیں ہے بلکہ نبوت میں ہے، پس طلب حق کے لیے ضروری ہے کہ اوّل یہ غور کیا جائے کہ لغت عرب میں لفظ ''نبوت'' کے کیا معنی ہیں؟ تو ہم اس لفظ کو ''انباء'' سے ماخوذ پاتے ہیں جس کے معنی ''اطلاع دینا'' ہیں، پس

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کسی معاملہ کے ہونے سے قبل بذریعہ وحی اطلاع دے یا کسی بھی بات کے لیے اس کی جانب وحی نازل فرمائے وہ شخص مذہبی اصطلاح میں بلاشبہ ''نبی'' ہے۔ آپ اس مقام پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وحی کے معنی اس الہام کے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کی سرشت میں ودیعت کر دیا ہے جیسا کہ شہد کی مکھی کے متعلق خدائے برحق کا ارشاد ہے "**واوحی ربک الی النحل**" (نحل ۶۸) اور نہ وحی کے معنی ظن اور وہم کے لے سکتے ہیں اس لیے کہ ان دونوں کو ''علم یقین'' سمجھنا (جو وحی کا قدرتی نتیجہ ہے) مجنون کے سوا اور کسی کا کام نہیں ہے اور نہ یہاں وہ معنی مراد ہو سکتے ہیں جو ''بابِ کہانتہ'' سے تعلق رکھتے ہیں (یعنی یہ کہ شیاطین، آسمانی باتوں کو سننے اور چرانے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر شہابِ ثاقب کے ذریعہ رجم کیا جاتا ہے اور جس کے متعلق قرآن یہ کہتا ہے اور "**شیاطین الجن والانس یوحی بعضھم الی بعض زُخرُفَ القول غرورا**" (انعام ۱۱۲) کیونکہ یہ ''باب کہانتہ'' رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت سے مسدود ہو گیا اور نہ اس جگہ وحی کے معنی نجوم کے تجرباتِ علمیہ سے تعلق رکھتے ہیں جو خود انسانوں کے باہم سیکھنے سکھانے سے حاصل ہو جایا کرتے ہیں اور نہ اس کے معنی اس رویا (خواب) کے ہو سکتے ہیں جن کے سچ یا جھوٹ ہونے کا کوئی علم نہیں ہے بلکہ ان تمام معانی سے جدا ''وحی بمعنی نبوۃ'' یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے قصد اور ارادہ سے ایک شخص کو ایسے امور کی اطلاع دے جن کو وہ پہلے سے نہیں جانتا اور مسطورۂ بالا ذرائع علم سے الگ یہ امور حقیقت ثابتہ بن کر اس شخص پر اس طرح منکشف ہو جائیں گویا آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس علم خاص کے ذریعہ اس شخص کو بغیر کسی محنت وکسب کے بداہتہً ایسا صحیح یقین عطا کر دے کہ وہ ان امور کو اس طرح معلوم کر لے جس طرح وہ حواس اور بداہت عقل کے ذریعہ حاصل کر لیا کرتا ہے اور اس کو کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور خدا کی یہ وحی یا تو اس طرح ہوتی ہے کہ فرشتہ آ کر اس شخص کو خدا کا پیغام سناتا ہے اور یا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست اس سے خطاب کرتا ہے۔

پس اگر ان حضرات کے نزدیک جو عورت کے نبی ہونے کا انکار کرتے ہیں..... نبوۃ کے معنی یہ نہیں ہیں تو وہ ہم کو سمجھائیں کہ آخر نبوت کے معنی ہیں کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے ماسوا اور کوئی معنی بیان ہی نہیں کر سکتے۔

اور جبکہ نبوت کے معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کیے تو اب قرآن کے ان

مقامات کو بغور مطالعہ کیجیے جہاں یہ مذکور ہے کہ اللہ عزوجل نے عورتوں کے پاس فرشتوں کو بھیجا اور فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان عورتوں کو ''وحی حق'' سے مطلع کیا چنانچہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ام اسحٰق (سارہ علیہا السلام) کو اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت سنائی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

''وَامرأته قائمة فضحكت فبشرنها باسحق ومن وراء اسحق يعقوب قالت يٰويلتا الدوانا عجوز وهٰذا بعلي شيخًا ان هٰذا لشئ عجيبo قالوا اتعجبين من امر الله رحمة الله وبركاته عليكم اهل البية.'' (ھود ۷۱ تا ۷۳) ان آیات میں فرشتوں نے ام اسحٰق کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسحٰق اور ان کے بعد یعقوب علیہا السلام کی بشارت سنائی ہے اور سارہ علیہا السلام کے تعجب پر یہ کہہ کر دوبارہ خطاب کیا ہے ''اتعجبين من امر الله'' تو یہ کیسے ممکن ہے کہ والدۂ اسحٰق (سارہ) علیہا السلام نبی تو نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ اس طرح ان سے خطاب کرے؟

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ، جبرائیل فرشتہ کو مریم (ام عیسیٰ علیہا السلام) کے پاس بھیجتا ہے اور ان کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا (مریم ۱۹) تو یہ ''وحی حقیقی'' کے ذریعہ نبوت نہیں تو اور کیا ہے اور کیا اس آیت میں صاف طور پر نہیں کہا گیا کہ مریم علیہا السلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغامبر بن کر آئے؟ نیز زکریا علیہ السلام جب مریم علیہا السلام کے حجرہ میں آتے تو ان کے پاس اللہ کا غیب سے دیا ہوا رزق پاتے تھے اور انھوں نے اسی رزق کو دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں صاحب فضیلت لڑکا پیدا ہونے کی دعا کی تھی، اسی طرح ہم موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے معاملہ میں دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی کہ تم اپنے اس بچہ کو دریا میں ڈال دو اور ساتھ ہی ان کو اطلاع دی کہ میں اس کو تمہاری جانب واپس کروں گا اور اس کو ''نبی مرسل'' بناؤں گا، پس کون شک کرسکتا ہے کہ یہ ''نبوت'' کا معاملہ نہیں ہے؟ معمولی عقل و شعور رکھنے واال آدمی ہی بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ شرف نبوت سے وابستہ نہ ہوتا اور محض خواب کی بنا پر یا دل میں پیدا شدہ وسوسہ کی وجہ سے وہ ایسا کرتیں تو ان کا یہ عمل نہایت ہی مجنونانہ اور متہورانہ ہوتا، اور اگر آج ہم میں سے کوئی ایسا کر بیٹھے تو ہمارا یہ عمل یا گناہ قرار پائے گا اور یا ہم کو مجنون اور پاگل کہا جائے گا اور علاج کے لیے پاگل خانہ بھیج دیا جائے گا۔ یہ ایک ایسی صاف اور واضح بات

ہے جس میں شک و شبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تب یہ کہنا قطعاً درست ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دینا اسی طرح وحی الٰہی کی بنا پر تھا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رؤیا (خواب) میں اپنے بیٹے (اسمٰعیل علیہ السلام) کا ذبح کرنا بذریعہ وحی معلوم کر لیا تھا۔ (نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، نبی اکرم ﷺ نے بھی ایک حدیث میں ایسا ہی فرمایا ہے) اس لیے کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی نہ ہوتے اور ان کے ساتھ وحی الٰہی کا سلسلہ وابستہ نہ ہوتا اور پھر وہ یہ عمل محض ایک خواب یا نفس میں پیدا شدہ ظن کی وجہ سے کر گزرتے تو ہر شخص ان کے اس عمل کو یا گناہ سمجھتا یا انتہائی جنون یقین کرتا۔ تو اب بغیر کسی تردد کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ام موسیٰ علیہا السلام نبی تھیں۔

علاوہ ازیں حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت پر ایک یہ دلیل بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ کھیعص میں ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے زمرہ میں کیا ہے اور اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے "**اولئک الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین من ذریۃ ادم و ممن حملنا مع نوح**" (مریم ۵۸) (یہی ہیں وہ انبیاء آدم کی نسل سے اور ان میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا جن پر اللہ کا انعام و اکرام ہوا) تو آیت کے اس عموم میں مریم علیہا السلام کی تخصیص کر کے ان کو انبیاء کی فہرست میں سے الگ کر لینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

رہی یہ بات کہ قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے مریم علیہا السلام کے لیے یہ کہا ہے "**وامہ صدیقۃ**" تو یہ لقب ان کی نبوت کے لیے اسی طرح مانع نہیں جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے نبی اور رسول ہونے کے لیے یہ آیت مانع نہیں۔ "**یوسف ایھا الصدیق**" اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ (وباللہ التوفیق)

اب حضرت سارہ، حضرت مریم، حضرت ام موسیٰ علیھن السلام کے مسئلہ نبوت کے ساتھ فرعون کی بیوی (آسیہ) کو بھی شامل کر لیجیے اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

کَمُلَ من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران و اسیۃ بنت مزاحم امراء ۃ فرعون (او کما قال علیہ السلام) (بخاری ج ۱ ص ۴۸۸ کتاب الانبیاء باب قولہ واذ قالت الملائکۃ میں الفاظ حدیث یہ ہیں۔ **قال النبی اللہ ﷺ فضل عائشہ علی النساء کفضل الثرید علیٰ سائر الطعام کمل من**

الرجال کثیر و لم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران و آسیة امراء ة فرعون
''مردوں میں سے تو بہت سے آدمی کامل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے صرف یہی دو کامل ہوئیں۔ مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون۔'' مردوں میں سے بہت ہی کامل ہوئے عورتوں میں کامل نہیں ہوئیں مگر آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران اور تحقیق عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر اس طرح ہے جس طرح ثرید باقی طعام پر)

اور واضح رہے کہ مردوں میں یہ درجۂ کمال بعض رسولوں (علیہم السلام) ہی کو حاصل ہوا ہے اور اگرچہ ان کے علاوہ انبیاء و رسل بھی درجۂ نبوت و رسالت پر مامور ہیں لیکن ان مرسلین کاملین کے درجہ سے نازل ہیں اس لیے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا ہے ان میں صرف ان دو عورتوں کو ہی درجۂ کمال تک پہنچنے کی فضیلت حاصل ہے کیونکہ حدیث میں جس درجۂ کمال کا ذکر ہو رہا ہے جو ہستی بھی اس درجہ سے نازل ہے وہ کامل نہیں ہے۔

بہرحال اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگرچہ بعض عورتیں بہ نصِ قرآن نبی ہیں لیکن ان میں سے ان دو عورتوں کو بھی درجۂ کمال ہوا، درجات کے اس فرق کو خود قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے "**تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعضٍ**"حقیقت یہ ہے کہ کامل اس کو کہا جاتا ہے جس کی نوع میں سے کوئی دوسرا اس کا ہمسر نہ ہو پس مردوں میں سے ایسے کامل خدا کے چند ہی رسول ہوئے ہیں جن کی ہمسری دوسرے انبیاء و رسل کو عطا نہیں ہوئی اور بلاشبہ ان ہی کاملین میں سے ہمارے پیغمبر محمد ﷺ اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، جن کے متعلق نصوصِ (قرآن و حدیث) نے ان فضائل کمال کا اظہار کیا ہے جو دوسرے انبیاء و رسل کو حاصل نہیں ہیں، اسی طرح عورتوں میں سے وہی درجۂ کمال کو پہنچی ہیں جن کا ذکر نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں کیا ہے۔

(کتاب الفصل فی الملل والا ہواء والنحل مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ جلد ۵ ص ۱۴۔۱۳۔۱۲)

ابنِ حزم (رحمہ اللہ) کے اس طویل مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وحی کے ان معانی کو نظر انداز کر کے ''جن کا اطلاق بلحاظ عمومِ لغت جبلت یا نفس میں ظن و وہم کے درجہ کا القاء والہام پر ہوتا ہے'' وہ اصطلاحی معنی لیے ہیں جن کو قرآن نے انبیاء و رسل کے لیے مخصوص کیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک وہ (وحی) جس کا منشاء مخلوقِ خدا کی رشد و ہدایت اور تعلیم اوامر و نواہی سے ہو، اور دوسری یہ کہ خدائے تعالیٰ کسی شخص سے براہ راست یا فرشتہ کے واسطہ سے اس قسم کا خطاب کرے کہ جس سے بشارات دنیا، یا

کسی ہونے والے واقعہ کے ہونے سے قبل اطلاع دینا، یا خاص اس کی ذات کے لیے کوئی امر د نہی فرمانا مقصود ہو۔ اب اگر پہلی صورت ہے تو یہ ''نبوۃ مع الرسالۃ'' ہے۔ (یہاں نبی اور رسول کے اس فرق کو نظرانداز کر دیا گیا ہے جو علم کلام کی خاص اصطلاح ہے کیونکہ قرآن کثرت کے ساتھ نبی اور رسول کو مرادف معنی میں استعمال کرتا ہے) اور بالاتفاق سب کے نزدیک یہ درجہ صرف مردوں کے ساتھ ہی مخصوص ہے جیسا کہ سورۂ النحل کی آیت سے واضح ہے اور اس مسئلہ میں قطعاً دورائے نہیں ہیں۔

اور اگر وحی الٰہی کی دوسری شکل ہے تو ابن حزم اور ان کے موئدین علماء کی رائے میں یہ بھی نبوت ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ قرآنِ عزیز نے سورۂ شوریٰ میں انبیاء علیہم السلام پر نزول وحی کے جو طریقے بیان کیے ہیں اور اس وحی پر بھی صادق آتے ہیں۔ سورۂ شوریٰ میں ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِل رَسُوْلاً فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْم. (شوریٰ ۵۱) ''اور کسی انسان کے لیے یہ صورت ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (بالمشافہ) گفتگو کرے مگر یا وحی کے ذریعہ یا پس پردہ کلام کے ذریعہ اور یا اس صورت سے کہ اللہ کسی فرشتہ کو پیغامبر بنا کر بھیجے اور وہ اس کی اجازت سے جس کو کہ وہ چاہے اس بشر کو وحی لا کر سنا دے بلاشبہ وہ بلند و بالا ہے حکمت والا ہے۔''

اور جبکہ قرآن نے وحی کی اس دوسری قسم کا اطلاق بہ نص صریح حضرت مریم، حضرت سارہ، حضرت ام موسیٰ اور حضرت آسیہ علیھن السلام پر کیا ہے جیسا کہ سورۂ ہود، قصص، آلِ عمران، مریم سے ظاہر ہوتا ہے تو ان مقدس عورتوں پر ''نبی کا اطلاق'' قطعاً صحیح ہے اور اس کو بدعت کہنا سرتاسر غلط ہے۔

ابن حزم (رحمہ اللہ) کے موئد علماء نے اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے اس شبہ کا جواب بھی دیا ہے ''کہ قرآن نے جس طرح صاف الفاظ میں مرد انبیاء کو نبی اور رسول کہا ہے، اس طرح ان عورتوں میں سے کسی کو نہیں کہا'' جواب کا حاصل یہ ہے کہ جبکہ ''نبوۃ مع الرسالۃ'' جو کہ مردوں کے لیے ہی مخصوص ہے کائناتِ انسانی کی رُشد و ہدایت اور تعلیم و تبلیغ نوع انسانی سے متعلق ہوتی ہے تو اس کا قدرتی تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو اس شرف سے ممتاز فرمایا ہے اس کے متعلق وہ صاف صاف اعلان کرے کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا نبی اور رسول ہے، تاکہ امت پر اس کی دعوت و تبلیغ کا قبول

کرنا لازم ہو جائے اور خدا کی حجت پوری ہو اور چونکہ نبوت کی وہ قسم جس کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے خاص اسی ہستی سے وابستہ ہوتی ہے جس کو یہ شرف ملا ہے تو اس کے متعلق صرف یہی اظہار کر دینا کافی ہے کہ جو ''وحی من اللہ'' انبیاء و رسل کے لیے ہی مخصوص ہے اس سے ان چند عورتوں کو بھی مشرف کیا گیا ہے۔

عورتوں کی نبوت کے اثبات و انکار کے علاوہ تیسری رائے ان علماء کی ہے جو اس مسئلہ میں ''سکوت اور توقف'' کو ترجیح دیتے ہیں ان میں شیخ تقی الدین سبکی (رحمہ اللہ) نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، فتح الباری میں ان کا یہ قول مذکور ہے۔

قال السبکی اختلف فی ھذہ المسئلۃ ولم یصح عندی فی ذلک شئ الخ. (فتح الباری جلد ۲ کتاب الانبیاء ص ۳۴۱) سبکی فرماتے ہیں: ''اس مسئلہ میں علماء کی آراء مختلف ہیں اور میرے نزدیک اس بارہ میں اثباتاً یا نفیاً کوئی بات ثابت نہیں ہے۔''

کیا حضرت مریم نبی ہیں

اس تفصیل سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی نبوت کے انکار پر امام الحرمین کا دعویٰ اجماع صحیح نہیں ہے نیز یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ فہرست انبیاء میں مسطورۂ بالا دوسری مقدس عورتوں کے مقابلہ میں حضرت مریم علیہ السلام کی نبوت کے متعلق قرآنی نصوص زیادہ واضح ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام اشعری ابن حزم اور قرطبی (رحمہم اللہ) کے درمیان حضرت مریم علیہ السلام کے علاوہ نبیّات کی فہرست کے بارہ میں خاصہ اختلاف نظر آتا ہے اور حضرت مریم علیہ السلام کی نبوت کے متعلق تمام مثبتین نبوت کا اتفاق ہے۔

ہم کو ابن کثیر (رحمہ اللہ) کے اس دعوے سے بھی اختلاف ہے کہ جمہور، انکار کی جانب ہیں البتہ اکثریت غالباً سکوت اور توقف کو پسند کرتی ہے۔

آیت ''وَاصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَاءِ الۡعٰلَمِیۡنَ'' کا مطلب

جو علماء عورتوں میں نبوت کے قائل ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کو نبی تسلیم کرتے ہیں ان کے مسلک کے مطابق تو آیت ''وَاصۡطَفٰکِ عَلٰی نساءِ العلمین'' کا مطلب صاف اور واضح ہے وہ یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام کو کائنات کی تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے، جو عورتیں نبی نہیں ہیں ان پر اس لیے کہ مریم علیہا السلام نبی ہیں اور جو عورتیں نبی ہیں ان پر اس لیے کہ وہ ان قرآنی نصوص کے پیش نظر جو ان کے فضائل و کمالات سے تعلق رکھتی ہیں باقی نبیّات پر برتری رکھتی ہیں۔

لیکن جو علماء عورتوں کی نبوت کا انکار فرماتے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کو "نبیہ" نہیں تسلیم کرتے وہ اس آیت کی مراد میں دو جدا جدا خیال رکھتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ آیت کا جملہ "نساء العلمین" عام ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کی تمام عورتوں کو شامل ہے، اس لیے بلاشبہ حضرتِ مریم علیہا السلام کو بغیر کسی استثناء کے کائناتِ انسانی کی تمام عورتوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے اور اکثر کا قول یہ ہے کہ آیت کے لفظ "العلمین" سے کائنات کی وہ تمام عورتیں مراد ہیں جو حضرت مریم علیہا السلام کی معاصر تھیں، یعنی قرآنِ عزیز حضرت مریم علیہا السلام کے زمانہ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بشارت دی کہ وہ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں میں برگزیدہ اور صاحب کمال ہیں اور ہم نے ان سب میں سے ان کو چن لیا ہے اور "العلمین" کا یہ اطلاق وہی حیثیت رکھتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت (بنی اسرائیل) کے لیے اس آیت میں اختیار کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ اخترنٰهُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ. (دخان ۳۲) "اور بلاشبہ ہم نے اپنے علم سے ان (بنی اسرائیل) کو جہان والوں کے مقابلہ میں پسند کرلیا ہے۔"

حالانکہ باتفاق نصوص قرآن و حدیث یہ مسلم ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کو علی الاطلاق کائنات کی تمام امتوں پر برتری اور فضیلت حاصل ہے، ارشاد باری ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ. (آل عمران ۱۱۰) "(اے امت محمدیہ) تم بہترین ہو جو کائنات انسانی (کی خدمت) کے لیے پیدا کی گئی ہے۔"

اور جبکہ باتفاق آراء بنی اسرائیل کی فضیلت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ "العلمین" سے ان کی معاصر امم و اقوام مراد ہیں کہ ان میں سے امت موسیٰ علیہ السلام کو فضیلت حاصل ہے تو حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت کے باب میں بھی یہی معنی مراد لینے چاہئیں۔

حضرت مریم کا تقدس اور تقویٰ و طہارت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر کی والدہ ہونے کا شرف، مرد کے ہاتھ لگائے بغیر معجزہ کے طور پر ان کے مشوے معلّی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت بلاشبہ ایسے امور ہیں جن کی بدولت ان کو معاصر عورتوں پر فضیلت و برتری حاصل تھی۔

پھر یہ حقیقت بھی فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ باب فضیلت ایک وسیع باب ہے اور جس طرح کسی شے کی حقیقت بیان کرنے میں بلیغ اور عمدہ طریق بیان یہ ہے کہ

وہ جامع و مانع ہو یعنی اس کی حقیقت پر اس طرح حاوی ہو کہ تمام دوسری چیزوں سے ممتاز ہو جائے نہ ایسی کمی رہ جائے کہ اصل حقیقت پوری طرح بیان نہ ہو سکے اور نہ ایسا اضافہ ہو کہ بعض دوسری حقائق بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اسی طرح اس کے برعکس بیانِ فضیلت کے لیے فصاحت و بلاغت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو بیانِ حقیقت کی طرح حدود و قیود میں نہ جکڑ دیا جائے کیونکہ اس مقام پر حقیقت شے نہیں بلکہ فضیلت شے کا اظہار ہو رہا ہے جو اگر اسی طرح کے دوسرے افراد پر بھی صادق آ جائے تو بیانِ حقیقت کی طرح اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا بلکہ اس موقع پر وسعت بیان ہی از بس ضروری ہوتا ہے تاکہ مخاطب کے دل میں اظہارِ فضیلت سے جو نفسیاتی اثر پیدا کرنا ہے وہ دل نشین اور موثر ہو سکے۔

تو ایسی صورت میں "علی نساء العلمین" کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے علاوہ دوسری کوئی مقدس عورت اس شرف کو نہیں پہنچ سکتی یا نہیں پہنچی بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مریم کو فضائل و کمالات میں بلند سے بلند مرتبہ حاصل ہے، بابِ فضائل کی یہی وہ حقیقت ہے جس کے فراموش کر دینے پر فضائل صحابہؓ وغیرہ میں اکثر ہم کو لغزش ہو جاتی اور چند مقدس اشخاص سے متعلق فضائل کے مابین تضاد اور تناقض نظر آنے لگتا ہے، البتہ ان فضائل کی حدود سے گزر کر جب ہم صاحب فضائل افراد کے انفرادی و اجتماعی اعمال کا جائزہ لے کر فرقِ مراتب بیان کرتے ہیں تو وہ ضرور ایک دوسرے کے لیے حد فاصل ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرات صحابہؓ وصحابیاتؓ کے فضائل کے پیش نظر فرقِ مراتب کا صحیح فیصلہ جب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ ان کے ان فضائل کے ساتھ ساتھ جو زبانِ وحی ترجمان سے نکلے ہیں ان سے متعلق خصوصی ارشاداتِ قرآنی و حدیثی، ان کی اسلامی خدمات، اسلام سے متعلق ان کی سرفروشیاں، جاں سپاریاں، نصرتِ حق میں مالی فداکاریاں، اسلام کے نازک ترین لمحات میں ان کے علم و تدبر کی عقدہ کشائیاں اور ان کی عملی جدوجہد کی رفیع سرگرمیاں ان سب کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بشاراتِ کتب سابقہ

ادیان وملل کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین حق اور ملت بیضاء کی تبلیغ و دعوت کا سلسلہ اگرچہ آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء محمد ﷺ تک برابر جاری رہا ہے لیکن اس سلسلہ کو مزید قوت پہنچانے اور سربلند کرنے کے

لیے سنۃ اللہ یہ رہی ہے کہ صدیوں بعد ایک ایسے اولوالعزم اور جلیل القدر پیغمبر کو بھیجے جو امتدادِ زمانہ کی وجہ سے پیدا شدہ عام روحانی اضمحلال کو دور کر کے قبولِ حق کے افسردہ رجحانات میں تازگی بخشے اور ضعیف روحانی عواطف کو قوی سے قوی تر بنا دے گویا مذہب کی خوابیدہ دنیا میں حق و صداقت کا صور پھونک کر ایک انقلابِ عظیم بپا کر دے اور مردہ دلوں میں نئی روح ڈال دے اور اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ جن اقوام و امم میں اس عظیم المرتبہ پیغمبر کی بعثت ہونے والی ہوتی ہے صدیوں پہلے ان کے ہادیانِ ملت اور داعیانِ حق (انبیاء علیہم السلام) اس مقدس رسول کی آمد کی بشارات وحی الٰہی کے ذریعہ سناتے رہتے ہیں تاکہ اس کی دعوتِ حق کے لیے زمین ہموار رہے اور جب اس نورِ حق کے روشن ہونے کا وقت آ جائے تو ان اقوام و امم کے لیے اس کی آمد غیر متوقع حادثہ نہ بن جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان چند اولوالعزم، جلیل القدر اور مقدس رسولوں میں سے ایک ہیں اور اسی بنا پر انبیاء بنی اسرائیل میں سے متعدد انبیاء علیہم السلام ان کی آمد سے قبل ان کے حق میں منادی کرتے اور آمد کی بشارت سناتے نظر آتے ہیں اور ان ہی بشارات کی وجہ سے بنی اسرائیل مدت مدید سے منتظر تھے کہ مسیح موعود کا ظہور ہو تو ایک مرتبہ وہ پھر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی طرح اقوام عالم میں معزز و ممتاز ہوں گے اور رُشد و ہدایت کی خشک کھیتی میں روحِ تازہ پیدا ہو گی اور خدا کے جاہ و جلال سے ان کے قلوب ایک مرتبہ پھر چمک اٹھیں گے۔ بائبل (توراۃ و انجیل) اپنی لفظی و معنوی تحریفات کے باوجود آج بھی ان چند بشارات کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھتی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد سے تعلق رکھتی ہیں۔ توراۃ استثناء میں ہے۔

''اور اس موسیٰ نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر (ساعیر) سے ان پر طلوع ہو، اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا۔'' (باب ۳۳ آیت ۲۰)

اس بشارت میں ''سینا سے خدا کی آمد'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی جانب اشارہ ہے اور ''ساعیر سے طلوع ہونا'' نبوتِ عیسیٰ علیہ السلام مراد ہے، کیونکہ ان کی ولادت باسعادت اسی پہاڑ کے ایک مقام ''بیت اللحم'' میں ہوئی ہے اور یہی وہ مبارک جگہ ہے جہاں سے نورِ حق طلوع ہوا اور ''فاران پر جلوہ گر ہونا'' آفتابِ رسالت کی بعثت کا اعلان ہے کیونکہ فاران، حجاز کے مشہور پہاڑی سلسلہ کا نام ہے۔

''دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیار کرے گا۔''

(متی باب ۱۱ آیت ۱۰)

''بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ طیار کرو، اس کے راستے سیدھے بناؤ۔'' (سیعیا باب ۴۰ آیت ۳۔۰)

اس بشارت میں ''پیغمبر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور بیابان میں پکارنے والے حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مناد تھے اور ان کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل میں ان کی بعثت و رسالت کا مژدۂ جانفزا سناتے تھے۔

اور متی کی انجیل میں ہے۔

''جب یسوع، ہیرودیس بادشاہ کے زمانہ میں یہودیہ کے بیت اللحم میں پیدا ہوا تو دیکھو کئی مجوس پورب سے یروشلم میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے؟......... یہ سن کر ہیرودیس بادشاہ اور اس کے ساتھ یروشلم کے سب لوگ گھبرائے اور اس نے قوم کے سب سردار کاہنوں اور فقیہوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کہ مسیح کی پیدائش کہاں ہونی چاہیے؟ انھوں نے اس سے کہا کہ یہودیہ کے بیت اللحم میں کیونکہ نبی (یسعیاہ علیہ السلام) کی معرفت یوں لکھا گیا ہے اے بیت اللحم یہوداہ کے علاقہ: تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔'' (متی باب ۲ آیت ۱، ۶)

اور دوسری جگہ ہے۔

''اور جب وہ یروشلم کے نزدیک پہنچے اور زیتون کے پہاڑ پر بیت فکے کے پاس آئے تو یسوع نے دو شاگردوں کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اپنے سامنے کے گاؤں میں جاؤ وہاں پہنچتے ہی ایک گدھی بندھی ہوئی اور اس کے ساتھ بچہ تمھیں ملے گا، انھیں کھول کر میرے پاس لے آؤ اور اگر کوئی تم سے کچھ کہے تو کہنا کہ یہ خداوند کو درکار ہیں وہ فی الفور انھیں بھیج دے گا یہ اس لیے ہوا کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ ''صیہون کی بیٹی سے کہو کہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے اور گدھے پر سوار ہے بلکہ لادو بچہ پر'' (متی باب ۲۱ آیت ۱۔۵)

اور یوحنا کی انجیل میں ہے۔

''اور یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لادی یہ پوچھنے کے لیے اس (یحییٰ علیہ السلام) کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انھوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے، اس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی

ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ پس انھوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں کہ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: "میں جیسا کہ یشعیاہ نبی نے کہا ہے۔ بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو۔"

(یوحنا باب ۱ آیت ۱۹ تا ۲۳)

اور مرقس اور لوقا کی انجیلوں میں ہے۔

"جب لوگ منتظر تھے اور سب اپنے اپنے دل میں یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کی بابت سوچتے تھے کہ آیا وہ مسیح ہے یا نہیں تو یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) نے ان سب کے جواب میں کہا: میں تو تمھیں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں مگر جو مجھ سے زور آور ہے وہ آنے والا ہے، میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں وہ تمھیں روح القدس سے بپتسمہ دے گا۔" (لوقا باب ۳ آیت ۱۵۔۱۶)

ان ہر دو بشارات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود اپنی مذہبی روایات کی بنا پر جن اولوالعزم پیغمبروں کی بعثت کے منتظر تھے ان میں مسیح علیہ السلام بھی تھے، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ وہ نہ ایلیا ہیں نہ وہ نبی اور نہ مسیح علیہم السلام بلکہ مسیح علیہ السلام کی بعثت کے مناد اور مبشر ہیں۔ (عہد نامہ جدید (انجیل) میں یوحنا دو جدا جدا شخصیتیں ہیں، ایک یحییٰ علیہ السلام اور دوسری عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور شاگرد)

قرآن عزیز نے بھی حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے واقعہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی تمہید قرار دیا ہے اور یحییٰ علیہ السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مبشر اور مناد بتایا ہے۔ آل عمران میں ہے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ. (آل عمران ۳۹) "پس فرشتوں نے اس (زکریا) کو اس وقت پکارا جبکہ وہ حجرہ میں کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا، بیشک اللہ تعالیٰ تجھ کو یحییٰ (فرزند) کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ (عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرے گا۔"

ولادتِ مبارک: عابد و زاہد اور عفت مآب مریم علیہا السلام اپنے خلوت کدہ میں مشغولِ عبادت رہتی اور ضروری حاجات کے علاوہ کبھی اس سے باہر نہیں نکلتی تھیں، ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ (ہیکل) کے مشرقی جانب لوگوں کی نگاہوں سے دور کسی ضرورت سے ایک گوشہ میں تنہا بیٹھی تھیں کہ اچانک خدا کا فرشتہ (جبرائیل) انسانی شکل میں ظاہر ہوا، حضرت مریم نے ایک اجنبی شخص کو اس طرح بے حجاب سامنے دیکھا تو گھبرا گئیں اور

فرمانے لگیں: اگر تجھ کو کچھ بھی خدا کا خوف ہے تو میں خدائے رحمان کا واسطہ دے کر تجھ سے پناہ چاہتی ہوں۔'' فرشتہ نے کہا: ''مریم! خوف نہ کھا میں انسان نہیں بلکہ خدا کا فرستادہ فرشتہ ہوں اور تجھ کو بیٹے کی بشارت دینے آیا ہوں۔'' حضرت مریم نے یہ سنا تو ازراہِ تعجب فرمانے لگیں: ''میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مجھ کو آج تک کسی بھی شخص نے ہاتھ نہیں لگایا اس لیے کہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے اور نہ میں زانیہ ہوں۔'' فرشتہ نے جواب دیا: میں تو تیرے پروردگار کا قاصد ہوں اس نے مجھ سے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ میں اس لیے کروں گا کہ تجھ کو اور تیرے لڑکے کو کائنات کے لیے اپنی قدرتِ کاملہ کے اعجاز کا ''نشان'' بنا دوں اور لڑکے میں میری جانب سے ''رحمۃ'' ثابت ہوگا اور میرا یہ فیصلہ اٹل ہے، مریم! اللہ تعالیٰ تجھ کو ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتا ہے جو اس کا کلمہ ہو گا (یعنی توالد و تناسل کے عام قانون سے جدا قانونِ اعجاز کے مطابق محض حکم الٰہی اور ارادہ باری سے ہی رحم مریم میں وجود پذیر ہو جائے گا) اس کا لقب ''مسیح'' (بمعنی مبارک یا سیاح جس کا کوئی گھر نہ ہو) اور اس کا نام عیسیٰ (یسوع) ہو گا، اور وہ دنیا اور آخرت دونوں میں باوجاہت اور صاحب عظمت رہے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے نشان کے طور پر بحالت شیرخوارگی لوگوں سے باتیں کرے گا اور سن کہولت (بڑھاپے کا ابتدائی دور) بھی پائے گا تا کہ کائنات کی رشد و ہدایت کی خدمت کی تکمیل کرے اور یہ سب کچھ اس لیے ضرور ہو کر رہے گا کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ قدرت یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو اس کا محض یہ ارادہ اور حکم کہ ''ہو جا'' اس شے کو نیست سے ہست کر دیتا ہے لہٰذا یہ یونہی ہو کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی کتاب عطا کرے گا، اس کو حکمت سکھائے گا اور اس کو بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لیے رسول اور اولوالعزم پیغمبر بنائے گا۔

قرآنِ عزیز نے ان واقعات کا معجزانہ اسلوب بیان کے ساتھ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ۝ (آل عمران ۴۵۔۴۹)

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَکَانًا شَرْقِیًّاo فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَا اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّاo قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّاo قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّاo قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّاo قَالَ کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّاo (مریم ۱۶ تا ۲۱)

(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب فرشتوں نے کہا: ''اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنے کلمہ کی بشارت دیتا ہے، اس کا نام مسیح، عیسیٰ بن مریم ہوگا، وہ دنیا و آخرت میں صاحب وجاہت اور ہمارے مقربین میں سے ہوگا اور وہ (ماں کی) گود میں اور کہولت کے زمانہ میں لوگوں سے کلام کرے گا اور وہ نیکوکاروں میں سے ہوگا۔ مریم نے کہا: میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مجھ کو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا'' فرشتہ نے کہا: ''اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اسی طرح پیدا کر دیتا ہے، وہ جب کسی شے کے لیے حکم کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے، ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے، اور اللہ اس کو کتاب، حکمت اور توراۃ و انجیل کا علم عطا کرے گا اور وہ بنی اسرائیل کی جانب اللہ کا رسول ہوگا۔''

''اور اے پیغمبر! کتاب میں مریم کا واقعہ ذکر کرو اس وقت کا ذکر جب وہ ایک جگہ کہ پورب کی طرف تھی اپنے گھر کے آدمیوں سے الگ ہوئی، پھر اس نے ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا، پس ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا اور وہ ایک بھلے چنگے آدمی کے روپ میں نمایاں ہوگیا، مریم اسے دیکھ کر (گھبرا گئی وہ) بولی: ''اگر تو نیک آدمی ہے تو میں خدائے رحمان کے نام پر تجھ سے پناہ مانگتی ہوں'' فرشتہ نے کہا ''میں تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں اور اس لیے نمودار ہوا ہوں کہ تجھے ایک پاک فرزند دے دوں'' مریم بولی: ''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں اور نہ میں بدچلن ہوں؟'' فرشتہ نے کہا: ہوگا ایسا ہی، تیرے پروردگار نے فرمایا کہ یہ میرے لیے کچھ مشکل نہیں، وہ کہتا ہے، یہ اس لیے ہوگا کہ اس (مسیح) کو لوگوں کے لیے ایک نشان بنا دوں اور میری رحمت کا اس میں ظہور ہو اور یہ ایسی بات ہے جس کا ہونا طے ہو چکا ہے۔''

جبرائیل امین نے مریم علیہا السلام کو یہ بشارات سنا کر ان کے گریبان میں پھونک دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلمہ ان تک پہنچ گیا۔ مریم علیہا السلام نے کچھ عرصہ کے بعد خود کو حاملہ محسوس کیا تو بہ تقاضائے بشری ان پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی

اور اس کیفیت نے اس وقت شدید صورت اختیار کر لی، جب انھوں نے دیکھا کہ مدتِ حمل ختم ہو کر ولادت کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے، انھوں نے سوچا کہ اگر یہ واقعہ قوم کے اندر رہ کر پیش آیا تو چونکہ وہ حقیقت حال سے واقف نہیں ہے اس لیے نہیں معلوم وہ کس کس طرح بدنام اور بہتان طرازیوں کے ذریعہ کس درجہ پریشان کرے اس لیے مناسب یہ ہے کہ لوگوں سے دور کسی جگہ چلے جانا چاہیے، یہ سوچ کر وہ یروشلم (بیت المقدس) سے تقریباً نومیل کوہِ سراۃ (ساعیر) کے ایک ٹیلہ پر چلی گئیں جو اب ''بیت اللحم'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں پہنچ کر چند روز بعد دردِ زہ شروع ہوا تو تکلیف و اضطراب کی حالت میں کھجور کے ایک درخت کے نیچے تنہ کے سہارے بیٹھ گئیں اور پیش آنے والے نازک حالات کا اندازہ کر کے انتہائی قلق اور پریشانی کی حالت میں کہنے لگیں ''کاش کہ میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور میری ہستی کو لوگ یک قلم فراموش کر چکے ہوتے'' تب نخلستان کے نشیب سے خدا کے فرشتہ نے پھر پکارا ''مریم! غمگین نہ ہو تیرے پروردگار نے تیرے تلے نہر جاری کر دی ہے اور کھجور کا تنہ پکڑ کر اپنی جانب ہلا تو پکے اور تازہ خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے پس تو کھا پی اور اپنے بچہ کے نظارہ سے آنکھیں ٹھنڈی کر اور رنج و غم کو بھول جا۔''

حضرت مریم علیہا السلام پر تنہائی، تکلیف اور نزاکت حال سے جو خوف طاری اور اضطراب پیدا ہو گیا تھا فرشتہ کی تسلی آمیز پکار اور عیسیٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ بچہ کے نظارہ سے کافور ہو گیا اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ دیکھ کر شاد کام ہونے لگیں۔ تاہم یہ خیال پہلو میں ہر وقت کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا تھا کہ اگرچہ خاندان اور قوم میری عصمت و پاکدامنی سے ناآشنا نہیں ہے پھر بھی ان کی اس حیرت کو کس طرح مٹایا جا سکے گا کہ بن باپ کے کس طرح ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو سکتا ہے؟

مگر جس خدائے برتر نے ان کو یہ بزرگی اور برتری بخشی وہ کب ان کو اس کرب و بےچینی میں مبتلا رہنے دیتا، اس لیے اس نے فرشتہ کے ذریعہ مریم علیہا السلام کے پاس پھر یہ پیغام بھیجا کہ جب تو اپنی قوم میں پہنچے اور وہ تجھ سے اس معاملہ کے متعلق سوالات کرے تو خود جواب نہ دینا بلکہ اشارہ سے ان کو بتانا کہ میں روزہ دار ہوں اور اس لیے آج کسی سے بات نہیں کر سکتی تم کو جو کچھ دریافت کرنا ہے اس بچہ سے دریافت کر لو تب تیرا پروردگار اپنی قدرتِ کاملہ کا نشان ظاہر کر کے ان کی حیرت کو دور اور ان کے قلوب کو مطمئن کر دے گا۔ مریم علیہا السلام وحی الٰہی کے ان پیغامات پر مطمئن ہو

کر بچے کو گود میں لیے بیت المقدس کو روانہ ہوئیں، جب شہر میں پہنچیں اور لوگوں نے اس حالت میں دیکھا تو چہار جانب سے ان کو گھیر لیا اور کہنے لگے: ''مریم! یہ کیا؟ تو نے تو بہت ہی عجیب بات کر دکھائی اور بھاری تہمت کا کام کر لیا، اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدچلن تھی پھر تو یہ کیا کر بیٹھی۔''

مریم علیہا السلام نے خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لڑکے کی جانب اشارہ کر دیا کہ جو کچھ دریافت کرنا ہے اس سے معلوم کر لو میں تو آج روزہ سے ہوں۔ (بنی اسرائیل کے یہاں روزہ میں خاموشی بھی داخل عبادت تھی) لوگوں نے یہ دیکھ کر انتہائی تعجب کے ساتھ کہا: ''ہم کس طرح ایسے شیر خوار بچہ سے باتیں کر سکتے ہیں جو ابھی ماں کی گود میں بیٹھنے والا بچہ ہے'' مگر بچہ فوراً بول اٹھا: ''میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے (اپنے فیصلۂ تقدیر میں) مجھ کو کتاب (انجیل) دی ہے اور نبی بنایا ہے اور اس نے مجھ کو مبارک بنایا خواہ میں کسی حال اور کسی جگہ بھی ہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں یہی میرا شعار ہو اور اس نے مجھ کو اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا اور خود سر اور نافرمان نہیں بنایا اور اس کی جانب سے مجھ کو سلامتی کا پیغام ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن کہ میں مروں گا اور جس دن کہ پھر زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان تفصیلات کو سورۂ انبیاء، تحریم اور سورۂ مریم میں ذکر فرمایا ہے۔

وَالَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ. (انبیاء ۹۱) ''اور اس عورت (مریم) کا معاملہ جس نے اپنی پاکدامنی کو قائم رکھا، پھر ہم نے اس میں اپنی ''روح'' کو پھونک دیا اور اس کو اور اس کے لڑکے کو جہان والوں کے لیے ''نشان'' ٹھہرایا ہے۔''

وَمریم ابنة عمران التی احصنت فرجها فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا. (تحریم ۱۲) ''اور عمران کی بیٹی مریم کہ جس نے اپنی عصمت کو برقرار رکھا پس ہم نے اس میں اپنی روح کو پھونک دیا۔''

فحملته فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِیًّاo فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّاo فنادٰها مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّاo وَهُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النخلة تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّاo فَكُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَیْنًا فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّاo فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ط قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ

شَيْئًا فَرِيًّاo يٰۤا اُخْتَ هٰرُوْنَ مَاكَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّاo فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ط قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّاo قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّاo وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَاكُنْتُ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّاo وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّاo وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّاo (مریم ۲۲ تا ۳۳) ''پھر اس ہونے والے فرزند کا حمل ٹھہر گیا وہ (اپنی حالت چھپانے کے لیے) لوگوں سے الگ ہو کر دور چلی گئی پھر اسے دردِ زہ (کا اضطراب) کھجور کے ایک درخت کے نیچے لے گیا (وہ اس کے تنہ کے سہارے بیٹھ گئی) اس نے کہا: کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی، میری ہستی لوگ یک قلم بھول گئے ہوتے! اس وقت (ایک پکارنے والے فرشتہ نے) اسے نیچے سے پکارا غمگین نہ ہو تیرے پروردگار نے تیرے تلے نہر جاری کر دی ہے، اور کھجور کے درخت کا تنہ پکڑ کے اپنی طرف ہلا، تازہ اور پکے ہوئے پھلوں کے خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے، کھا پی (اور اپنے بچہ کے نظارے سے) آنکھیں ٹھنڈی کر، پھر اگر کوئی آدمی نظر آئے (اور پوچھ گچھ کرنے لگے) تو (اشارہ سے) کہہ دے، میں نے خدائے رحمان کے حضور روزہ کی منت مان رکھی ہے، میں آج کسی آدمی سے بات چیت نہیں کر سکتی، پھر ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے پاس آئی، لڑکا اس کی گود میں تھا، لوگ (دیکھتے ہی) بول اٹھے ''مریم! تو نے عجیب ہی بات کر دکھائی اور بڑی تہمت کا کام کر گزری۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں بدچلن تھی (تو یہ کیا کر بیٹھی) اس پر مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ تمھیں بتلا دے گا کہ حقیقت کیا ہے) لوگوں نے کہا: بھلا اس سے ہم کیا بات کریں جو ابھی گود میں بیٹھنے والا شیر خوار بچہ ہے، مگر لڑکا بول اٹھا، میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا، اس نے مجھے بابرکت کیا خواہ میں کسی جگہ ہوں، اس نے مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا کہ جب تک زندہ رہوں یہی میرا شعار ہو، اس نے مجھے اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا، ایسا نہیں کیا کہ خود سر اور نافرمان ہوتا، مجھ پر اس کی طرف سے سلامتی کا پیغام ہے جس دن پیدا ہوا، جس دن مروں گا اور جس دن پھر زندہ اٹھایا جاؤں گا۔''

قوم نے ایک شیر خوار بچہ کی زبان سے جب یہ حکیمانہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئی اور اس کو یقین ہو گیا کہ مریم علیہا السلام کا دامن بلاشبہ ہر قسم کی برائی اور تلویث سے پاک ہے اور اس بچہ کی پیدائش کا معاملہ یقیناً منجانب اللہ ایک ''نشان'' ہے۔

یہ خبر ایسی نہیں تھی کہ پوشیدہ رہ جائے، قریب اور بعید سب جگہ اس حیرت زدہ واقعہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کے چرچے ہونے لگے اور طبائع انسانی نے اس مقدس ہستی کے متعلق شروع سے ہی مختلف کروٹیں بدلنی شروع کر دیں، اصحابِ خیر نے اس کے وجود کو اگریمن و سعادت کا ماہتاب سمجھا۔ تو اصحابِ شر نے اس کی ہستی کو اپنے لیے فالِ بد جانا اور بغض و حسد کے شعلوں نے اندر ہی اندر ان کی فطری استعداد کو کھانا شروع کر دیا۔

غرض اسی متضاد فضاء کے اندر اللہ تعالیٰ اپنی نگرانی میں اس مقدس بچہ کی تربیت اور حفاظت کرتا رہا تا کہ اس کے ہاتھوں بنی اسرائیل کے مردہ قلوب کو حیاتِ تازہ بخشے اور ان کی روحانیت کے شجر خشک کو ایک مرتبہ پھر بار آور اور مثمر بنائے۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَّ آوَيْنٰهُمَا اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ٥ (المؤمنون ۵۰) **عن ابن عباس فی قوله واوینا هما الی ربوة ذات قرار و معین قال المعین، الماء الجاری، وهوالنهر الذی قال الله تعالٰی "قد جعل ربک تحتک سریا" وکذا قال الضحاک و قتادة الی ربوة ذات قرار و معین هو بیت المقدس فهذا والله اعلم هوا لاظهر لا نه المذکور فی الایة الاخری والقران یفسر بعضه بعضا وهذا اولٰی مایفسر به ثم الاحادیث الصحیحة ثم الاثار** (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۴۶) اور ہم نے عیسیٰ بن مریم اور اس کی ماں (مریم) کو (اپنی قدرت کا) نشان بنا دیا اور ان دونوں کا ایک بلند مقام (بیت اللحم) پر ٹھکانہ بنایا جو سکونت کے قابل اور چشمہ والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت "**واوینا هما الی ربوة ذات قرار و معین**" کی تفسیر میں منقول ہے کہ "معین" سے نہر جاری مراد ہے اور یہ اسی نہر کا ذکر ہے جس کو آیت "**وقد جعل ربک تحتک سریا**" میں بیان کیا گیا ہے اور ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ "**الی ربوه ذات قرار و معین**" سے بیت المقدس کی سرزمین مراد ہے، اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ دوسری آیت میں بیت المقدس (کی نہر) کا ہی ذکر ہے اور قرآن کا بعض حصہ خود ہی دوسرے حصہ کی تفسیر کر دیا کرتا ہے اور تفسیر آیات میں پہلی جگہ اسی طریق تفسیر کو حاصل ہے اس کے بعد صحیح احادیث کے ذریعہ تفسیر کا اور اس کے بعد آثار کے ذریعہ تفسیر کا درجہ ہے۔
(تفسیر ابن کثیر)

بشاراتِ ولادت: قرآن عزیز نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے حالات میں

سے صرف اسی اہم واقعہ کا ذکر کیا ہے باقی بچپن کے دوسرے حالات کو جن کا ذکر قرآن کے مقصد تذکیر و موعظت سے خاص تعلق نہیں رکھتا تھا نظر انداز کر دیا ہے۔ لیکن اسرائیلیات کے مشہور ناقل حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے جو واقعات منقول ہیں اور متی کی انجیل میں بھی جن کا ذکر موجود ہے ان میں سے یہ واقعہ بھی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اسی شب میں فارس کے بادشاہ نے آسمان پر ایک نیا ستارہ روشن دیکھا، بادشاہ نے درباری نجومیوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ اس ستارہ کا طلوع کسی عظیم الشان ہستی کی پیدائش کی خبر دیتا ہے جو ملک شام میں پیدا ہوئی ہے، تب بادشاہ نے خوشبوؤں کے عمدہ تحفے دے کر ایک وفد کو ملک شام روانہ کیا کہ وہ اس بچہ کی ولادت سے متعلق حالات و واقعات معلوم کریں، وفد جب شام پہنچا تو اس نے تفتیش حال شروع کی اور یہودیوں سے کہا کہ ہم کو اس بچہ کی ولادت کا حال سناؤ جو مستقبل قریب میں روحانیت کا بادشاہ ثابت ہوگا، یہود نے اہل فارس کی زبان سے یہ کلمات سنے تو اپنے بادشاہ ہیرودیس کو خبر کی، بادشاہ نے وفد کو دربار میں بلا کر استصوابِ حال کیا اور ان کی زبانی واقعہ کو سن کر بہت گھبرایا اور پھر وفد کو اجازت دی کہ وہ اس بچہ کے متعلق مزید معلومات حاصل کریں، پارسیوں کا یہ وفد بیت المقدس پہنچا اور جب حضرت یسوع علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے رسم و رواج کے مطابق اوّل ان کو سجدہ، تعظیم کیا اور پھر مختلف قسم کی خوشبوئیں ان پر نثار کیں اور چند روز وہیں قیام کیا، دورانِ قیام میں وفد کے بعض آدمیوں نے خواب میں دیکھا کہ ہیرودیس اس بچہ کا دشمن ثابت ہوگا اس لیے تم اب اس کے پاس نہ جاؤ اور بیت اللحم سے سیدھے فارس کو چلے جاؤ صبح کو وفد نے فارس کا ارادہ کرتے وقت حضرت مریم علیہا السلام کو اپنا خواب سناتے ہوئے کہا کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کی نیت خراب ہے اور وہ اس مقدس بچہ کا دشمن ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم اس کو ایسی جگہ لے جا کر رکھو جو اس کی دسترس سے باہر ہو، اس مشورہ کے بعد حضرت مریم علیہا السلام یسوع مسیح علیہ السلام کو اپنے بعض عزیزوں کے پاس مصر لے گئیں اور وہاں سے ناصرہ چلی گئیں اور جب عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک تیرہ سال کی ہوئی تو ان کو ساتھ لے کر دوبارہ بیت المقدس واپس آئیں۔ یہی روایات یہ بھی ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے حالات زندگی بھی غیر معمولی تھے اور ان سے طرح طرح کے کرامات کا صدور ہوتا رہتا تھا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال) (تاریخ ابن کثیر جلد ۲ ص ۷۷، وانجیل متی باب ۲)

حلیہ مبارک: بخاری کی حدیث معراج میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری ملاقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تو میں نے ان کو میانہ قد، سرخ سپید پایا، بدن ایسا صاف شفاف تھا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نہا کر آئے ہیں، اور بعض روایات میں ہے کہ آپ کے کاکل کاندھوں تک لٹکے ہوئے تھے، اور بعض احادیث میں ہے کہ رنگ کھلتا ہوا گندم گوں تھا بخاری کی روایت اور اس روایت میں اداء وتعبیر کا فرق ہے، حسن میں اگر صباحت کے ساتھ ملاحت کی آمیزش بھی ہوتی ہے تو اس رنگ میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، کسی وقت اگر سرخی جھلک آئی تو صباحت نمایاں ہو جاتی ہے اور اگر کسی وقت ملاحت غالب آ گئی تو چہرہ پر حسن و لطافت کے ساتھ کھلتا ہوا گندم گوں رنگ چمکنے لگتا ہے۔

بعثت و رسالت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل بنی اسرائیل ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے اور انفرادی و اجتماعی عیوب و نقائص کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جو ان سے بچ رہا ہو، وہ اعتقاد اور اعمال دونوں ہی قسم کی گمراہیوں کا مرکز ومحور بن گئے تھے حتیٰ کہ اپنی ہی قوم کے ہادیوں اور پیغمبروں کے قتل تک پر جری اور دلیر ہو گئے تھے، یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اپنی محبوبہ کے اشارہ پر کیسے عبرتناک طریقہ پر قتل کرا دیا تھا اور اس نے یہ سفاکانہ اقدام صرف اس لیے کیا کہ وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بڑھتی ہوئی روحانی مقبولیت کو برداشت نہ کر سکا اور اپنی محبوبہ سے ناجائز رشتہ پر ان کے نہی عن المنکر (برائی سے بچانے کی ترغیب) کی تاب نہ لا سکا اور یہ عبرتناک سانحہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی مبارک ہی میں ان کی بعثت سے قبل پیش آ چکا تھا۔

دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا للبستانی) میں یہود سے متعلق جو مقالہ ہے اس کے تاریخی مواد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے یہود کے عقائد و اعمال کا یہ حال تھا کہ وہ مشرکانہ رسوم وعقائد کو جزء مذہب بنا چکے تھے اور جھوٹ، فریب، بغض و حسد جیسی بداخلاقیوں کو تو عملاً اخلاقِ کریمانہ کی حیثیت دے رکھی تھی اور اسی بناء پر بجائے شرمسار ہونے کے وہ ان پر فخر کا اظہار کرتے تھے اور ان کے علماء و احبار نے تو دنیا کے لالچ وحرص میں کتاب اللہ (توراۃ) تک کو تحریف کیے بغیر نہ چھوڑا اور درہم و دینار پر خدا کی آیات کو فروخت کر ڈالا یعنی عوام سے نذر اور بھینٹ حاصل کرنے کی خاطر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے سے بھی دریغ نہیں کیا اور اس طرح قانونِ الٰہی کو مسخ کر ڈالا۔

یہود کی اعتقادی اور عملی زندگی کا مختصر اور مکمل نقشہ ہم کو شعیا علیہ السلام کی زبانی خود توراۃ نے اس طرح دکھایا ہے۔

''خداوند فرماتا ہے: یہ امت (بنی اسرائیل) زباں سے تو میری عزت کرتی ہے مگر ان کا دل مجھ سے دور ہے اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں کیونکہ یہ میرے حکموں کو پیچھے ڈال کر آدمیوں کے حکموں کی تعلیم دیتے ہیں۔''

بہرحال ان ہی تاریک حالات میں جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا واقعہ بھی ہو گزرا اور بنی اسرائیل نے خدا کے حکموں کے خلاف بغاوت و سرکشی کی حد کر دی تب وہ وقت سعید آ پہنچا کہ جس مبارک بچہ نے حضرت مریم کی آغوش میں پیغام حق سنا کر بنی اسرائیل کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ سن رشد کو پہنچ کر اس نے یہ اعلان کر کے ''کہ وہ خدا کا رسول اور پیغمبر ہے اور رشد و ہدایت خلق اس کا فرض منصبی'' قوم میں ہلچل پیدا کر دی، وہ شرف رسالت سے مشرف ہو کر اور حق کی آواز بن کر آیا اور اپنی صداقت وحقانیت کے نور سے تمام اسرائیلی دنیا پر چھا گیا اس مقدس ہستی نے قوم کو للکارا اور احبار کی علمی مجلسوں، راہبوں کے خلوتکدوں، بادشاہ اور امراء کے درباروں اور عوام و خواص کی محفلوں میں حتیٰ کہ کوچہ و برزن اور بازاروں میں شب و روز یہ پیغام حق سنایا۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنا رسول اور پیغمبر بنا کر تمھارے پاس بھیجا ہے اور تمہاری اصلاح کی خدمت میرے سپرد فرمائی ہے میں اس کی جانب سے پیغام ہدایت لے کر آیا ہوں اور تمھارے ہاتھ میں خدا کا جو قانون (توراۃ) ہے اور جس کو تم نے اپنی جہالت اور کجروی سے پس پشت ڈال دیا ہے میں اس کی تصدیق کرتا اور اس کی مزید تکمیل کے لیے خدا کی کتاب (انجیل) لے کر آیا ہوں، یہ کتاب حق و باطل کا فیصلہ کرے گی اور آج جھوٹ و سچ کے درمیان فیصلہ ہو کر رہے گا۔ سنو اور سمجھو اور اطاعت کے لیے خدا کے حضور جھک جاؤ کہ یہی دین و دنیا کی فلاح کی راہ ہے۔

اب ان حقائق اور ان کے عواقب و نتائج کو قرآن کی زبانی سنیے اور ''احقاقِ حق و ابطالِ باطل'' کے لطف سے بہرہ مند ہو کر عبرت و موعظت حاصل کیجیے، کیونکہ ''تذکیر بایام اللہ'' سے قرآن کا مقصد عظیم یہی بصیرت و عبرت ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ٥ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلاً مَّا يُؤْمِنُوْنَo (البقرہ ۸۷، ۸۸)

وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْ اِسْرَآئِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ. (المائدہ ۱۱۰) ''اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ) عطا کی اور اس کے بعد ہم (تم میں) پیغمبر بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح معجزے دے کر بھیجا اور ہم نے اس کو روحِ پاک (جبرائیل) کے ذریعہ قوت و تائید عطا کی، کیا جب تمھارے پاس (خدا کا) پیغمبر ایسے احکام لے کر آیا جن پر عمل کرنے کو تمہارا دل نہیں چاہتا تو تم نے غرور کو شیوہ (نہیں) بنا لیا؟ پس (پیغمبروں کی) ایک جماعت کو جھٹلاتے ہو تو ایک جماعت کو قتل کر دیتے ہو، اور کہتے ہو کہ ہمارے دل (قبولِ حق کے لیے) غلاف میں ہیں (یہ نہیں) بلکہ ان کے کفر کرنے پر خدا نے ان کو ملعون کر دیا ہے پس بہت تھوڑے سے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں۔''

''اور (اے عیسیٰ!) جب ہم نے بنی اسرائیل (کی گرفت و ارادۂ قتل) کو تجھ سے باز رکھا اس وقت جبکہ تو ان کے پاس کھلے معجزات لے کر آیا تو کہا بنی اسرائیل میں سے منکروں نے، یہ کچھ نہیں ہے مگر کھلا جادو ہے۔''

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِo اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌo فَلَمَّا اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِo (آل عمران ۵۰، ۵۲)

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَo (حدید ۲۷)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلاً وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَo (مائدہ ۱۱۰)

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِیْ اِسْرَائِيْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُo (الصف ۶)

''اور میں تصدیق کرنے والا ہوں توراۃ کی جو میرے سامنے ہے اور (اس لیے آیا ہوں) تاکہ تمھارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو (تمہاری کجروی کی وجہ سے) تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی نشانی لے کر آیا

ہوں پس اللہ کا خوف کرو اور میری پیروی کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے۔ پس جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کفر محسوس کیا تو فرمایا اللہ کے لیے کون میرا مددگار ہے تو شاگردوں نے جواب دیا ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار۔"

"پھر ان کے بعد (نوح و ابراہیم علیہم السلام کے بعد) ہم نے اپنے رسول بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو رسول بنا کر بھیجا اور اس کو کتاب (انجیل) عطا کی۔"

"(وہ وقت یاد کے لائق ہے) جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا: اے عیسیٰ بن مریم! میری اس نعمت کو یاد کر جو میری جانب سے تجھ پر اور تیری والدہ پر نازل ہوئی جبکہ میں نے روح القدس (جبرائیل) کے ذریعہ تیری تائید کی کہ تو کلام کرتا تھا آغوشِ مادر میں اور بڑھاپے میں اور جبکہ میں نے تجھ کو سکھائی کتاب، حکمت، توراۃ اور انجیل۔"

"اور (وہ وقت یاد کرو) جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: "اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر ہوں) تصدیق کرنے والا ہوں توراۃ کی جو میرے سامنے ہے اور بشارت سنانے والا ہوں ایک پیغمبر کی جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے۔"

آیاتِ بیّنات: حق و صداقت کے تسلیم و انقیاد میں انسانی فطرت ہمیشہ سے دو طریقوں سے مانوس رہی ہے ایک یہ کہ "مدعی حق" کی حقانیت و صداقت، دلائل کی قوت اور براہین کی روشنی کے ذریعہ ثابت اور واضح ہو جائے اور دوسرا طریقہ یہ کہ دلائل و براہین کے ساتھ ساتھ منجانب اللہ اس کی صداقت کی تائید میں عام قانونِ قدرت سے جدا بغیر اسباب و وسائل اور تحصیل علم و فن کے اس کے ہاتھ پر امورِ عجیبہ کا مظاہرہ اس طرح ہو کہ عوام و خواص اس کے مقابلہ سے عاجز و درماندہ ہو جائیں اور ان کے لیے اسباب و وسائل کے بغیر ان امور کی ایجاد ناممکن ہو، پہلے طریق کے ساتھ یہ دوسرا طریق انسان کے عقل و فکر اور اس کی نفسیاتی کیفیات میں ایسا انقلاب پیدا کر دیتا ہے کہ ان کا وجدان یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ داعی حق (نبی و پیغمبر) کا یہ عمل در اصل خود اس کا اپنا فعل نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ خدا کی قوت کام کر رہی ہے اور بلاشبہ یہ اس کے صادق ہونے کی مزید دلیل ہے۔ چنانچہ قرآن عزیز میں آیت "**وما رميتَ اذ رميت ولكن الله رمى**" (انفال ۱۷) (اور اے پیغمبر (بدر کے غزوہ میں) جب تو نے (دشمنوں پر) مٹھی بھر خاک پھینکی تھی تو تو نے وہ مشت خاک نہیں پھینکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ

نے چھینکی تھی) میں اسی حقیقت کا اظہار مقصود ہے مگر ان ہر دو طریقوں میں سے ان اصحابِ علم و دانش پر جو قوتِ فہم و ادراک میں بلند مقام رکھتے ہیں پہلا طریقہ زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے اور وہ دوسرے طریقہ کو پہلے طریقہ کی تائید و تقویت کی حیثیت سے قبول کرتے اور داعی حق (نبی و پیغمبر) کے دعویٰ نبوت و رسالت کی صداقت کا مزید عملی ثبوت یقین کر کے اس پر ایمان لے آتے ہیں اور ان حضرات اربابِ عقل و فکر کے برعکس اربابِ قوت و اقتدار اور ان کی ذہنیت سے متاثر عام انسانی قلوب دوسرے طریقہ تصدیق سے زیادہ متاثر ہوتے اور نبی و پیغمبر کے معجزانہ افعال کو کائنات کی طاقت و قوت کے دائرہ سے بالاتر ہستی کا ارادہ و قوتِ فعل یقین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ان امور کو ''خدائی نشان'' باور کر کے دعوتِ حق و صداقت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

قرآن عزیز نے اکثر و بیشتر مقامات پر پہلے طریق دلیل کو ''حجۃ اللہ'' ''برہان'' اور ''حکمۃ'' سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ انعام میں خدا کی ہستی اس کی وحدانیت، معاد و آخرت اور دین کے بنیادی عقائد کو دلائل، نظائر اور شواہد کے ذریعہ سمجھانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحجَّةُ الْبَالِغَةُ (انعام ۱۵۰) (اے محمد! ﷺ) کہہ دیجیے، اللہ کے لیے ہی ہے حجت کامل (یعنی مکمل اور روشن دلیل)

اور اس سورۃ میں دوسری جگہ حضرت ابراہیم کے تذکرہ میں ہے۔

تِلْکَ حُجَّتُنَا اٰتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ. (انعام ۸۳) ''اور یہ ہماری ''دلیل'' ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی۔''

اور سورۂ نساء میں ہے۔

رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُوْنُ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُل.
(نساء ۱۶۵)

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَائَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّكُمْ. (نساء ۱۷۴) ''(ہم نے بھیجے) پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ لوگوں کی جانب سے خدا پر پیغمبر بھیجنے کے بعد کوئی حجت (دلیل) باقی نہ رہے (کہ ہمارے پاس دلائل کے ذریعہ راہِ مستقیم بتانے کوئی نہ آیا تھا اس لیے ہم دینِ حق کی معرفت سے محروم رہے۔)

''اے لوگو! بیشک تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی جانب سے برہان (قرآن) آ گیا۔''

اور سورۂ یوسف میں ہے۔

لَوْلَا اَنْ رَّاٰبُرْھَانَ رَبِّہٖ. (یوسف ۲۴) ''اگر نہ ہوتی یہ بات کہ دیکھ لی تھی اس (یوسف) نے اپنے پروردگار کی دلیل۔''

اور سورۂ نحل میں ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنَ. (نحل ۱۲۵) ''اپنے پروردگار کے راستہ کی جانب دعوت و حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور تبادلہ خیالات کرو ان (مخالفین) کے ساتھ اچھے طریق گفتگو سے۔''

اور سورۂ نساء میں ہے۔

وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ. (نساء ۱۱۳) ''اور اللہ تعالیٰ نے اتارا تجھ پر کتاب کو اور حکمت کو۔''

اسی طرح ''حکمت'' کا یہ ذکر سورۂ بقرہ، آل عمران، مائدہ، لقمان، ص، زخرف، احزاب اور قمر میں بہ کثرت موجود ہے اور دوسرے طریق دلیل کو اکثر ''آیۃ اللہ'' اور ''آیات اللہ'' اور بعض مقامات پر ''آیات بیّنات'' اور ''بیّنات'' کہا ہے۔

ناقہ صالح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے۔

ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمْ اٰیَۃً (اعراف ۷۳) ''یہ اونٹنی تمھارے لیے (خدا کی جانب سے) ایک نشان ہے۔''

اور حضرت مسیح اور ان کی والدہ مریم علیہما السلام کے متعلق ارشاد ہے۔

وَجَعَلْنٰھَا وَابْنَھَا اٰیَۃً. (انبیاء ۹۱) ''اور ہم نے کر دیا مریم اور اس کے لڑکے عیسیٰ علیہما السلام کو جہاں والوں کے لیے ''نشان'' (معجزہ)''

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ارشادِ باری ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیَات (بنی اسرائیل ۱۰۱) ''اور ہم نے موسیٰ کو نو نشان (معجزات) عطا کیے۔''

اور حضرت مسیح علیہ السلام کو جو معجزات دیے گئے تھے ان کے متعلق ارشاد ہے۔

وَاٰتَیْنَا عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ. (بقرہ ۸۷) اِذْ جِئْتَھُم بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ اِنْ ھٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ. (مائدہ ۱۱۰) ''اور دیے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات۔ اس وقت جبکہ تو ان کے پاس کھلے معجزات لے کر آیا تو کہا بنی اسرائیل میں سے منکروں نے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔''

ہم نے اس مقام پر اکثر و بیشتر کا لفظ قصداً اختیار کیا ہے کیونکہ قرآنِ عزیز کے اسلوبِ بیان سے واقف و دانا اس سے بے خبر نہیں ہے کہ اس نے ان الفاظ کے استعمال میں وسعت تعبیر سے کام لیا ہے یعنی جبکہ ''معجزہ'' بھی ایک خاص قسم کا ''برہان'' ہے اور قرآن اور آیات قرآن جس طرح سرتاسر ''علم و برہان'' ہیں اسی طرح ''معجزہ'' بھی ہے اس لیے معجزہ پر برہان کا اطلاق اور کتاب اللہ کے جملوں پر آیت اور آیات اللہ کا اطلاق مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزوں عصاء اور ید بیضاء کے متعلق سورۂ قصص میں ہے۔

فَذَانِکَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَّبِکَ. (قصص ۳۲) ''پس تیرے رب کی جانب سے یہ دو دلیلیں ہیں۔''

اور کتاب اللہ اور اس کے جملوں پر آیت اور آیات کے اطلاقات سے تو قرآن کی کوئی طویل سورۃ ہی خالی ہو گی، تمام قرآن میں جگہ جگہ اس کثرت سے اس کا استعمال ہوا ہے کہ اس کی فہرست مستقل موضوع بن سکتا ہے۔

اسی طرح ''آیات بینات'' کا اگرچہ بکثرت اطلاق کتاب اللہ (قرآن، توراۃ، زبور، انجیل) اور ان کی آیات پر ہوا ہے مگر مسطورۂ بالا مقامات کی طرح بعض بعض جگہ اس کو ''معجزات'' کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔

لائق توجہ بات اور حقیقت معجزات

نبی اور رسول کی بعثت کا مقصد کائنات کی رشد و ہدایت اور دین و دنیا کی فلاح و خیر کی رہنمائی ہے اور وہ منجانب اللہ وحی کی روشنی میں اس فرضِ منصبی کو انجام دیتا اور علم و برہان اور حجتہ حق کے ذریعہ راہِ صداقت دکھلاتا ہے، وہ یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ فطرت اور ماوراء فطرت امور میں تصرف و تغیر بھی اس کا کارِ منصبی ہے۔ بلکہ وہ بار بار یہ اعلان کرتا ہے کہ میں خدا کی جانب سے بشیر و نذیر اور داعی الی اللہ بن کر آیا ہوں، میں انسان ہوں اور خدا کا ایلچی، اس سے زائد اور کچھ نہیں ہوں تو پھر اس کے دعویٰ صداقت کے امتحان اور پرکھ کے لیے اس کی تعلیم، اس کی تربیت اور اس کی شخصیت کا زیر بحث آنا یقیناً معقول لیکن اس سے ماوراءِ فطرت اور خارقِ عادات عجائبات و غرائب کا مطالبہ خلاف عقل اور بے جوڑ بات معلوم ہوتی ہے اور یوں نظر آتا ہے جیسا کہ کسی طبیب حاذق کے دعویٰ حذاقت طب پر اس سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ طلسمی کھٹکے کی ایک عمدہ الماری یا لکڑی کا ایک عجیب قسم کا کھلونا بنا کر دکھائے، طبیب نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ

وہ ماہر لوہار یا بڑھئی ہے بلکہ اس کا دعویٰ تو امراض جسمانی کے علاج کا ہے، اسی طرح پیغمبر خدا کا یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ وہ خدا کی طرح کائنات پر ہمہ قسم کے تصرف و تغیر کا مالک و قادر ہے بلکہ اس کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ تمام امراض روحانی کے لیے طبیب کامل اور حاذق و ماہر ہے۔

پس دعویٰ نبوت اور معجزات (خارق عادات امور) کے درمیان کیا تعلق ہے؟ اور کیا اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ''معجزہ'' لوازم نبوت میں سے نہیں ہے؟

بلاشبہ یہ سوال بہت زیادہ قابل توجہ ہے اور اس لیے علم کلام میں اس مسئلہ کو کافی اہمیت دی گئی ہے لیکن ہم نے ''آیات بینات'' عنوان کے ماتحت ابتداءِ کلام میں دعویٰ نبوت کی صداقت سے متعلق دلائل کی جو تقسیم انسانی طبائع اور ان کے فطری رجحانات کے پیش نظر کی ہے وہ بھی ایک ناقابل انکارِ حقیقت ہے اور جوہر عقل کے تفاوتِ درجات نے بلاشبہ انسانوں کی قوتِ فکریہ کو جدا جدا دو طریقوں کی جانب مائل کر دیا ہے، ان حالات میں جب ایک نبی اور رسول یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خدا کی جانب سے ایک ایسے منصب پر مامور ہے جو ریاضات و مجاہدات اور نیک عملی کی قوت سے نہیں بلکہ محض خدا کی موہبت اور عطا سے حاصل ہوتا ہے اور یہ ''منصب نبوت و رسالت'' ہے اور اس کا مقصد کائنات کی رشد و ہدایت اور تعلیم حق و صداقت ہے تو بعض انسانی دماغ اور ان کا جوہر عقل اس جانب متوجہ ہو جاتا ہے کہ اگر اس ہستی کا یہ دعویٰ صحت پر مبنی ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کو خدائے برتر کے ساتھ اس درجہ قربت حاصل ہے جو دوسرے انسانوں کے لیے ناممکن ہے۔ پس جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی صدائے اصلاح اور اس کی تعلیم ہمارے قدیم رسم و رواج یا مذہب و دھرم کے ان عقائد و اعمال کے خلاف ہے جس کو ہم حق سمجھتے آئے ہیں تو ان متضاد اور متخالف تعلیمات کی صداقت و بطالت کے امتحان کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ یہ ہستی کوئی اور ماوراء فطرت یا خارق امر کر دکھائے تو ہمارے لیے یہ سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا کہ بغیر اسباب و وسائل کے اس ہستی کے ہاتھ ایسے امر کا صدور یقیناً اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس کو خدائے برتر کے ساتھ خاص قرب حاصل ہے، تب ہی تو خدائے برحق نے یہ ''نشان'' دکھا کر اس کی صداقت پر مہر لگا دی، نیز وہ صاحب قوت و اقتدار انسان جن کے غور و فکر کی قوت ایسے سانچہ میں ڈھلی گئی ہے کہ ان پر کوئی امر حق اس وقت تک مؤثر ہی نہیں ہوتا جب تک کہ ان کی متکبرانہ طاقت کو غیبی ٹھوکر سے بیدار نہ کیا جائے وہ بھی اس کے منتظر رہتے

ہیں کہ مدعی نبوت و رسالت اپنی صداقت کو دلیل و برہان کے ساتھ ساتھ ایک ایسے "کرشمہ" کے ذریعہ ناقابل انکار بنا دے کہ جس کا صدور دوسرے انسانوں سے یا تو ممکن ہی نہ ہو اور یا بغیر اسباب و وسائل کے استعمال کیے وجود پذیر نہ ہو سکتا ہو۔ تاکہ یہ باور کیا جا سکے کہ بلاشبہ اس ہستی کی تعلیم و تبلیغ کو خدائے برتر کی تائید حاصل ہے۔ اسی لیے علماءِ کلام نے دعویٰ نبوت اور معجزہ کے درمیان تعلق پر بحث کرتے ہوئے یہ مثال بیان کی ہے کہ ایک شخص جب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کو بادشاہِ وقت نے اپنا نائب مقرر کر کے بھیجا ہے تو اس ملک یا صوبہ کے باشندے خواستگار ہوتے ہیں کہ مدعی نیابت اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے کوئی سند اور علامت پیش کرے چنانچہ مدعی نیابت ایک جانب اگر سند دکھاتا ہے تو دوسری جانب ایسی "نشانی" بھی پیش کرتا ہے جس کے متعلق یہ یقین کیا جا سکے کہ بادشاہ کی عطا کردہ یہ نشانی اس کے عطیہ اور اس منصب کی تصدیق کے علاوہ اور کسی طرح بھی حاصل نہیں کی جا سکتی مثلاً بادشاہ کی انگشتری (مہر حکومت) یا ایسا خاص عطیہ جو صرف اس منصب پر فائز ہستی کو عطا کیا جاتا ہو۔

تو اگرچہ بظاہر دعویٰ نیابت اور انگشتری یا عطیہ خاص کے درمیان کوئی مطابقت نہیں ہے تاہم اس تعلق خاص نے جو شاہی تصدیق سے وابستہ ہے ان دونوں کے درمیان اہم ربط پیدا کر دیا ہے۔

لیکن جبکہ یہ طریق تصدیق، معیارِ صداقت و حقانیت میں دوسرے درجہ کی حیثیت رکھتا ہے اور حقیقۃً معیاری حیثیت صرف طریق اوّل "حجۃ و برہانِ حق" کو ہی حاصل ہے اس لیے معجزہ کے وقوع و صدور کا معاملہ پہلے طریق کے وجود و صدور سے قطعاً جدا ہے اور وہ یہ کہ ہر ایک مدعی نبوت و رسالت کے لیے ازبس ضروری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ حق و صداقت کو حجۃ و برہان کی روشنی اور علم یقین کی قوت کے ذریعہ ثابت کرے اور اپنی تعلیم، تربیت اور شخصی حیات کے ہر پہلو میں دعویٰ اور دلیل و برہان کی مطابقت کو واضح کرے اور انسانی جوہرِ عقل کے فکر و تدبر کی رہنمائی کا فرض اس طرح انجام دے کہ ہر قسم کے ظن و وہم اور فاسد و کاسد خیالات کے مقابلہ میں "یقین محکم" روزِ روشن کی طرح نمودار ہو جائے اور اس ادائے فرض کے لیے کسی کی جانب سے نہ مطالبہ شرط ہے اور نہ جستجو لازم بلکہ یہ نبی اور رسول کا براہِ راست وہ فرض ہے جس کے لیے خدائے تعالیٰ نے اس کو منتخب اور مامور کیا ہے، اور اگر ایک لمحہ کے لیے بھی وہ اس میں کوتاہی کرتا ہے تو گویا اپنے فرض کی پوری عمارت کو اپنے ہاتھ سے برباد کر دیتا ہے۔

يَاۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَه. (مائدہ ۶۷)

''اے پیغمبر! جو تم پر نازل کیا گیا ہے تم اس کو پورا پورا پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو منصب رسالت کو ادا نہ کیا۔''

اس کے برعکس معجزہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ نبی اور رسول اس کو ضرور ہی دکھائے یا مخالفین کے ہر مطالبہ پر اس کی تعمیل کرے بلکہ ''معجزہ'' حجت و برہان کی وہ قسم ہے جو اکثر معاندین کے مطالبہ پر وقوع پذیر ہوتا ہے اور اس لیے اس کا صدور صرف عالم الغیب کی اپنی ''حکمت و مصلحت'' پر ہی موقوف رہتا ہے اور وہی خوب جانتا ہے کہ معجزہ کے بارہ میں کس کا سوال جو یائے حق کی حیثیت میں ہے اور کس کا تعنت اور انکار مزید کے لیے، کن سعید روحوں پر اس کا یہ اثر پڑے گا کہ وہ کہہ اٹھیں گے ''اٰمَنَّا بِرَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ'' (الشعراء ۴۸) اور کن بدبختوں پر اس طرح اثر انداز ہو گا کہ یوں گویا ہوں گے۔ ''اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ.'' (مائدہ ۱۱۰)

پس قرآن عزیز نے اگر ایک جانب بہ نصوص قطعیہ یہ ظاہر کیا ہے کہ اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو حجتہ و برہان کے ساتھ مزید تائید و تقویت کے لیے معجزات عطا کیے ہیں تو دوسری جانب یہ بھی صاف صاف نبی کی زبانی کہلا دیا ہے کہ میں خدا کی جانب سے فقط ''نذیر مبین'' ''بشیر و نذیر'' اور ''رسول و نبی'' ہوں میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں کائناتِ خداوندی کے تصرفات و تغیرات اور ماوراءِ فطرت امور پر قادر ہوں۔ ہاں خدائے برتر اگر چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور اس نے ایسا کیا بھی ہے، مگر وہ جب ہی کرتا ہے کہ اس کی حکمت و مصلحت اس کی متقاضی ہو۔

چنانچہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو منطق الطیر اور تسخیر ہوا، طیور و جن، کے نشان دیئے گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''تسع آیات بیّنات۔ نو کھلے نشان'' عطا کیے گئے جن میں سے دو نشان عصا اور ید بیضاء کو قرآن نے ''بڑے نشان'' کہا ہے اور بحر قلزم میں غرقِ فرعون اور نجاتِ قوم موسیٰ کا عجیب و غریب واقعہ مستقل ایک ''نشانِ عظیم'' ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دہکتی آگ کے شعلوں کو ''برد و سلام'' بنا دیا، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے لیے ''ناقہ صالح'' کو نشان بنایا کہ جونہی اس کو کسی نے ستایا اسی وقت خدا کا عذاب قوم کو تباہ و برباد کر جائے گا چنانچہ ٹھیک اسی طرح پیش آیا، حضرت ہود اور حضرت نوح علیہما السلام سے ان کی قوموں نے عذاب طلب کیا اور کافی سمجھانے کے بعد بھی جب ان کا اصرار قائم رہا تو ان پیغمبروں نے عذاب الٰہی کی جو وعیدیں سنائی

تھیں وہ ٹھیک اپنے اپنے وقت پر پوری ہوئیں حالانکہ ان سب مواقع میں بہ ظاہر اسباب نزولِ عذاب اور وقوعِ حوادث و ہلاکت کے کوئی سامان نہیں تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو مختلف نشان (معجزات) دیئے گئے ان کو بھی قرآن نے صاف صاف بیان کر دیا ہے جو ابھی زیرِ بحث آئیں گے اور آخر میں خاتم الانبیاء محمد ﷺ کو علمی معجزہ قرآن عطا کیا جس کی تحدی (مقابلہ کے چیلنج) کا کوئی جواب نہ دے سکا، نیز بدر کے معرکہ میں فرشتوں کا نزول اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کی نصرت و یاوری اور "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمی" کے اعلان سے اس مشہور معجزہ کا اظہار فرمایا جس نے بدر کے میدان میں مٹھی بھر خاک کو ایک ہزار دشمنوں کی آنکھوں کا آزار بنا دیا اور ''شق القمر'' کا معجزہ عطا فرمایا۔

معاملہ زیرِ بحث کا یہ ایک پہلو یا ایک رخ ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی دعوتِ ارشاد و تبلیغ حق کے روشن دلائل و براہین کا کوئی جواب مخالفین سے نہ بن پڑا تو از رہِ تعنت و سرکشی عجائبات اور خارقِ عادات امور کا مطالبہ کرنے لگے۔ تب اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی پیغمبر ﷺ کو اطلاع دی کہ ان کا مقصد طلب حق اور جستجوئے صداقت نہیں ہے بلکہ یہ جو کہہ رہے ہیں سرکشی، ضد اور تعصب کی راہ سے کہتے ہیں اس لیے ان کا جواب یہ نہیں ہے کہ خدا کے نشانات کو بھان متی کا تماشہ یا مداری کا کھیل بنا دیا جائے بلکہ اصل جواب یہ ہے کہ ان سے کہہ دو، میں ان تصرفات کا مدعی نہیں ہوں میں تو نیک و بد، امور میں تمیز پیدا کرنے، خدا کے بندوں کا خدا کے ساتھ رشتہ ملانے اور نیک و بدکاروں کے انجام کو واضح کرنے کے لیے ''نذیر مبین'' اور ''نبی رسول'' ہوں۔

وَقَالُوْ لَنْ نُؤمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوعًا اَوْ تَکُوْنُ لَکَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْھٰرَ خِلٰلَھَا تَفْجِیْرًاo اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًاo اَوْتَاْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلٰئِکَةِ قَبِیْلًاo اَوْیَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًاo (بنی اسرائیل ۹۰، ۹۳)

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِیْہِ یَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْا اِنَّمَا سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَo (الحجر ۱۴، ۱۵)

وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِھَا. (الانعام ۲۵)

'' اور انھوں نے (مشرکوں نے) کہا ہم اس وقت تک ہرگز تیری بات نہیں

مانیں گے کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ ابال دے یا تیرے واسطے کھجوروں کا اور انگوروں کا باغ ہو اور تو اس کے درمیان زمین پھاڑ کر نہریں بہا دے یا تو جیسا گمان کرتا ہے ہمارے اوپر آسمان گرا دے یا تو اللہ اور اس کے فرشتوں کو (ہمارے) مقابل لائے یا تیرے واسطے ایک سونے کا (طلائی) مکان ہو اور یا تو چڑھ جائے آسمان پر اور ہم تیرے چڑھ جانے کو بھی ہرگز اس وقت تک نہیں تسلیم کریں گے تاوقتیکہ تو ہمارے پاس (آسمان سے) کتاب لے کر آئے کہ اس کو ہم پڑھیں (اے محمد ﷺ!) کہہ دیجیے پاک ہے میرے پروردگار کے لیے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان ہوں، خدا کا پیغامبر ہوں۔''

''اور اگر کھول دیں ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ اور یہ اس پر چڑھنے لگیں تب بھی ضرور یہی کہیں گے کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مست کر دی گئی ہیں ہماری آنکھیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔''

''اور اگر یہ ہر قسم کے نشان بھی دیکھ لیں تب بھی (ضد اور تعصب کی بنا پر) ایمان لانے والے نہیں ہیں۔''

اب ان تفصیلات سے یہ بھی بخوبی روشن ہو گیا کہ علم کلام میں جن علماء کی رائے یہ ظاہر کی گئی ہے کہ ''معجزہ دلیل نبوت نہیں ہے'' ان کی مراد کیا ہے؟ وہ دراصل دعویٰ نبوت کی صداقت سے متعلق مسطورہ بالا ہر دو دلائل کے فرق کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو ہستی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتی ہے اس پر لازم اور ضروری ہے کہ اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لیے ''حجتہ و برہان'' پیش کرے اور دلائل کی روشنی میں اپنی حقانیت کو ثابت کرے اور وحی الٰہی کی جو تعلیم وہ کائنات کی ہدایت کے لیے پیش کرتی ہے۔ برہان و حجت کے ذریعہ اس کی حقیقت کو واضح کرے، تو گویا اس طرح نبوت ورسالت اور حجتہ و برہانِ صداقت میں لازم وملزوم کا رشتہ ہے اس کے برعکس نبوت کے ساتھ معجزات اور آیات اللہ (نشانات خداوندی) کا تعلق اس طرح کا نہیں ہے بلکہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مخالفین کے مطالبہ پر یا بہ تقاضائے حکمت الٰہی نبی اور رسول از خود اپنی صداقت کی تائید میں کوئی نشان (معجزہ) دکھائے تو بلا شبہ وہ اس ہستی کے نبی و رسول ہونے کی ناقابل انکار ''دلیل'' ہے اور اس کا انکار درحقیقت اس رسول کی صداقت کا انکار ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ انکار، حقیقت اور واقعہ کا انکار ہے اور حقیقت کا انکار ''حق'' نہیں بلکہ ''باطل'' ہوتا ہے جو نبوت و رسالت کے مقصد کے ساتھ کسی طرح بھی جمع نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہو کہ تعلیم حق کی روشنی، وحی الٰہی پر دلائل

و براہین کا یقین اور اصولِ دین پر حجت و برہان کا قیام، ہوتے ہوئے اب مخالفین کے بار بار طلب معجزات و عجائبات کی پرواہ نہ کی جائے اور نبی و رسول، وحی الٰہی کی روشنی میں حجت و برہان کے ذریعہ تعلیم حق کو جاری رکھے اور مخالفین کے جواب میں صاف صاف کہہ دے کہ میں نے ماورا، فطرت پر قدرت کا کبھی دعویٰ نہیں کیا تو اس صورت میں بندوں پر خدا کی حجت تمام ہو جاتی ہے اور کسی امت اور قوم کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ تعلیم حق کے دلائل و براہین اور روشن حجت و بیّنہ سے اس لیے منہ پھیرے اور اس لیے اس کا انکار کر دے کہ اس کی طلب پر اچنبھوں اور عجائبات کا مظاہرہ کیوں نہیں کیا گیا۔

پس قرآنِ عزیز نے جن انبیاء و رسل کے واقعات و حالات ''تذکیر بایام اللّٰہ'' کے سلسلہ میں بیان کرتے ہوئے نصوصِ قطعیہ کے ذریعہ صراحت و وضاحت سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہم نے ان کی صداقت کے نشان کے طور پر نشانات (معجزات) کو عطا اور مخالفین کے سامنے ان کا مظاہرہ کیا تو ہمارا فرض ہے کہ ہم بے چون و چرا ان کو قبول اور ان کی تصدیق کریں اور عجائب پرستی کے الزام سے خائف ہو کر عالم غیب کی اس تصدیق سے گریز نہ کریں اور نہ رکیک و باطل تاویلات کے پردہ میں ان کے انکار پر آمادہ ہو جائیں کیونکہ ایسا کرنا اس آیت کا مصداق بن جانا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً. (النساء ۱۵۰) ''اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کتاب الٰہی کے بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے درمیان میں ایک راہ بنا لیں۔''

اور ظاہر ہے کہ یہ مومن و مسلم کی نہیں بلکہ کافر و منکر کی راہ ہے، مومن و مسلم کی راہ تو سیدھی راہ یہ ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌo (البقرہ ۲۰۸) ''اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ (اور اعتقاد و عمل کی ساری باتوں میں مسلم بن جاؤ، مسلم ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ زبان سے اسلام کا اقرار کر لو) اور دیکھو شیطانی وسوسوں کی پیروی نہ کرو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

بہرحال ''سنتہ اللّٰہ'' یہ جاری رہی ہے کہ جب کسی قوم کی ہدایت یا تمام کائناتِ انسانی کی فوز و فلاح کے لیے نبی اور پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو اس کو من جانب اللّٰہ محکم دلائل و براہین اور آیات اللّٰہ (معجزات) دونوں سے نوازا جاتا ہے، وہ ایک جانب وحی

الٰہی کے ذریعہ کائنات کے معاش و معاد سے متعلق اوامر و نواہی اور بہترین دستور و نظام پیش کرتا ہے تو دوسری جانب حسب مصلحت خداوندی ''خدائی نشانات'' کا مظاہرہ کر کے اپنی صداقت اور منجانب اللہ ہونے کا ثبوت دیتا ہے، نیز ہر ایک پیغمبر کو اسی قسم کے معجزات و نشانات عطا کیے جاتے ہیں جو اس زمانہ کی علمی ترقیوں یا قومی و ملکی خصوصیتوں کے مناسب حال ہونے کے باوجود معارضہ کرنے والوں کو عاجز و درماندہ کر دیں اور کوئی ان کے مقابلہ میں تابِ مقاومت نہ لا سکے اور اگر تعصب وضد درمیان میں حائل نہ ہوں تو اپنی اکتسابی ترقیوں اور خصوصیتوں کے حقائق سے آگاہ ہونے کی وجہ سے اس اعتراف پر مجبور ہو جائیں کہ یہ جو کچھ سامنے ہے انسانوں کی قدرت سے بالاتر، اس کی دسترس سے باہر، اور صرف خدائے واحد ہی کی جانب سے ہے۔

مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں علم نجوم (Astronomy) اور علم کیمیا (Chemistry) کا بہت زور تھا اور ساتھ ہی ان کی قوم کواکب و نجوم کے اثرات کو ان کے ذاتی اثرات سمجھتی اور ان کو مؤثر حقیقی یقین کر کے خدائے واحد کی جگہ ان کی پرستش کرتی تھی اور ان کا سب سے بڑا دیوتا شمس (سورج) تھا کیونکہ وہ روشنی اور حرارت دونوں کا حامل تھا اور یہی دونوں چیزیں ان کی نگاہ میں کائنات کی بقاء و فلاح کے لیے اصل الاصول تھیں اور اسی بنا پر کرۂ ارضی میں ''آگ'' کو اس کا مظہر مان کر اس کی بھی پرستش کی جاتی تھی، علاوہ ازیں ان کو اشیاء کے خواص و اثرات اور ان کے ردعمل پر بھی کافی عبور تھا گویا آج کی علمی تحقیقات کے لحاظ سے وہ کیمیاوی طریقہائے عمل سے بھی بڑی حد تک واقف تھے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کی ہدایت اور خدا پرستی کی تعلیم و تلقین کے لیے ایک جانب ایسے روشن حجۃ و برہان عطا فرمائے جن کے ذریعہ وہ قوم کے غلط عقائد کے ابطال اور احقاق حق کی خدمت انجام دیں اور مظاہر پرستی کی وجہ سے حقیقت کے چہرہ پر تاریکی کا جو پردہ پڑ گیا تھا اس کو چاک کر کے حقیقت کے رخ روشن کو نمایاں کر سکیں۔ ''**وَتِلْکَ حُجَّتُنَا اٰتَیْنٰھَا اِبْرَاھِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ نَرْفَعُ دَرجٰتٍ مَنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌo**'' (انعام ۸۴) اور دوسری جانب جب کواکب پرست اور بت پرست بادشاہ سے لے کر عام افراد قوم نے ان کے دلائل و برہان سے لاجواب ہو کر اپنی مادی طاقت کے گھمنڈ پر دہکتی آگ میں جھونک دیا تو اسی خالق اکبر نے جس کی دعوت و ارشاد کی خدمت حضرت ابراہیم علیہ السلام انجام دے رہے تھے ''**کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ**

سَلٰمًا" کہہ کر اپنی قدرت کا وہ عظیم الشان نشان (معجزہ) عطا کیا جس نے باطل کے پرہیبت ایوان میں زلزلہ پیدا کر دیا اور تمام قوم اس خدائی مظاہرہ سے عاجز، حیران و پریشان اور ذلیل و خاسر ہو کر رہ گئی "وَاَرَادُوْ بِہٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰھُمُ الْاَخْسَرِیْنَ" (الانبیاء ۷۰)
اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر (Magic) مصری علوم و فنون میں بہت زیادہ نمایاں اور امتیازی شان رکھتا تھا اور مصریوں کو فن سحر میں کمال حاصل تھا، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قانونِ ہدایت (توراۃ) کے ساتھ ساتھ ''ید بیضاء'' اور ''عصاء'' جیسے معجزات دیے گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساحرین مصر کے مقابلہ میں جب ان کا مظاہرہ کیا تو سحر کے تمام اربابِ کمال اس کو دیکھ کر یک زبان ہو کر پکار اٹھے کہ بلاشبہ یہ سحر نہیں یہ تو اس سے جدا اور انسانی طاقت سے بالاتر مظاہرہ ہے جو خدائے برحق نے اپنے سچے پیغمبروں کی تائید کے لیے ان کے ہاتھ پر کرایا ہے کیونکہ ہم سحر کی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں اور یہ کہہ کر انھوں نے فرعون اور قوم فرعون کے سامنے بے خوفی کے ساتھ اعلان کر دیا کہ وہ آج سے موسیٰ اور ہارون کے خدائے واحد ہی کے پرستار ہیں۔ "فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ۔" (الشعراء ۴۶۔۴۸) مگر فرعون اور امراءِ دربار اپنی بدبختی سے یہی کہتے رہے "قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَه ان هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ" (الشعراء ۳۴) "فَلَمَّا جَآءَ ھُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَاھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّمَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ" (قصص ۳۶)

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں علم طب (Medical Science) اور علم الطبیعات (Physics) کا بہت چرچا تھا اور یونان کے اطباء و حکماء (فلاسفر) کی طب و حکمت گرد و پیش کے ممالک و امصار کے ارباب کمال پر بہت زیادہ اثر انداز تھی اور ملکوں میں صدیوں سے بڑے طبیب اور فلسفی اپنی حکمت و دانش اور کمالاتِ طب کا مظاہرہ کر رہے تھے مگر خدائے واحد کی توحید اور دین حق کی تعلیم سے خواص و عوام یکسر محروم تھے اور خود بنی اسرائیل بھی جو کہ نبیوں کی نسل میں ہونے پر ہمیشہ فخر کرتے رہتے تھے جن گمراہیوں میں مبتلا تھے سطور گزشتہ میں ان پر روشنی پڑ چکی ہے۔

پس ان حالات میں ''سنتہ اللہ'' نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رشد و ہدایت کے لیے منتخب کیا تو ایک جانب ان کو حجتہ و برہان (انجیل) اور حکمت سے نوازا تو دوسری جانب زمانہ کے مخصوص حالات کے مناسب چند ایسے نشان (معجزات) بھی عطا فرمائے جو اس زمانہ کے اربابِ کمال اور ان کے پیروؤں پر اس طرح اثر انداز ہوں کہ

جو یائے حق کو اس اعتراف میں کوئی جھجک باقی نہ رہے کہ بلاشبہ یہ اعمال اکتسابی علوم سے جدا محض خدائے تعالیٰ کی جانب سے رسولِ برحق کی تائید میں رونما ہوئے ہیں اور متعصب و متمرد کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ رہے کہ ان کو ''صریح جادو'' کہہ کر اپنے بغض و حسد کی آگ کو اور مشتعل کرے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات میں سے جن کا مظاہرہ انھوں نے قوم کے سامنے کیا قرآن عزیز نے ''چار معجزات'' کا بصراحت ذکر کیا ہے۔ (۱) وہ خدا کے حکم سے مردہ کو زندہ (۲) اور پیدائشی نابینا کو بینا اور جذامی کو چنگا کر دیا کرتے تھے۔ (۳) وہ مٹی سے پرند بنا کر اس میں پھونک دیتے تھے اور خدا کے حکم سے اس میں روح پڑ جاتی تھی۔ (۴) وہ یہ بھی بتا دیا کرتے تھے کہ کس نے کیا کھایا اور خرچ کیا اور کیا گھر میں ذخیرہ محفوظ رکھا ہے؟

قوموں میں ایسے مسیحا موجود تھے جن کے علاج و معالجے اور اکتسابی تدابیر سے مایوس مریض شفا پاتے تھے، ان میں ماہر طبعیات ایسے فلسفی بھی کم نہ تھے جو روح و مادہ کے حقائق اور ارضی و سماوی اشیاء کی ماہیات پر بے نظیر نظریات و تجربیات کے مالک سمجھے جاتے تھے اور حقائق اشیاء ان کی باریک بینی اور مہارت اربابِ کمال کے لیے باعث صد نازش تھی لیکن جب ان کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام نے اسبابِ و وسائل اختیار کیے بغیر ان امور کا مظاہرہ کیا تو ان پر بھی ہدایت و ضلالت کی قدرتی تقسیم کے مطابق یہی اثر پڑا کہ جس شخص کے قلب میں حق کی طلب موجزن تھی اس نے اقرار کیا کہ بلاشبہ اس قسم کا مظاہرہ انسانی دسترس سے باہر اور نبی برحق کی تائید و تصدیق کے لیے منجانب اللہ ہے اور جن دلوں میں رعونت، حسد اور بغض و عناد تھا ان کے تعصب نے وہی کہنے پر مجبور کیا جو ان کے پیشتر و انبیاء و رسل سے کہتے آئے تھے۔ **''ان هذا الا سحر مبين''**

چوتھے معجزے کے بارہ میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے مظاہرہ کی وجہ یہ پیش آئی کہ مخالفین جب ان کی دعوتِ رشد و ہدایت سے نفور ہو کر ان کو جھٹلاتے اور ان کے پیش کردہ آیات بینات (معجزات) کو سحر اور جادو کہتے تو ساتھ ہی از راہِ تمسخر یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ کے ایسے مقبول بندے ہو تو بتاؤ آج ہم نے کیا کھایا ہے اور کیا بچا رکھا ہے؟ تب عیسیٰ علیہ السلام ان کے تمسخر کو سنجیدگی سے بدل دیتے اور وحی الٰہی کی نصرت سے ان کے سوال کا جواب دے دیا کرتے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۲ ص ۸۲)

مگر قرآن حکیم نے اس معجزہ کو جس انداز میں بیان کیا ہے اس کو غور کے ساتھ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ''نشان'' کے مظاہرہ کی وجہ مفسرین کے بیان کردہ توجیہ سے زیادہ دقیق اور وسیع معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام پیغام ہدایت و تبلیغ حق کی خدمت انجام دیتے ہوئے اکثر و بیشتر لوگوں کو دنیا میں انہماک، دولت و ثروت کے لالچ اور عیش پسند زندگی کی رغبت، سے باز رکھنے پر مختلف اسالیب بیان کے ذریعہ توجہ دلایا کرتے تھے تو جس طرح بعض سعید روحیں اس کلمہ حق کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیتی تھیں اس کے برعکس شریر النفس انسان ان کے مواعظِ حسنہ سے قلبی نفرت و اعراض کے باوجود امتثال امر کرنے والی ہستیوں سے زیادہ ان کو یہ باور کراتیں کہ ہم تو ہمہ وقت آپ کے اس ارشاد کی تعمیل میں سرگرم عمل رہتے ہیں لہٰذا قدرتِ حق نے یہ فیصلہ کیا کہ ان منافقین کی منافقت کی مضرت کو زائل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا ''نشان'' عطا کیا جائے کہ اس ذریعہ سے حق و باطل منکشف ہو جائے اور حقوق اللہ اور حقوقِ انسانی کے اتلاف پر جو ذخیرہ اندوزی کا سامان کیا جا رہا ہے اس کا پردہ چاک کر دیا جائے۔

ان چہارگانہ خدائی نشان (معجزات) کے علاوہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش بھی ایک عظیم الشان ''خدائی نشان'' تھا، جس کے متعلق ابھی تفصیلات سن چکے ہو۔

معجزات مسیح علیہ السلام اور قادیانی

حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پر جن معجزات کا ظہور ہوا یا ان کی ولادت جس معجزانہ طریق پر ہوئی، یہود نے از رہِ حسد ان کا انکار کیا تو کیا لیکن بعض فطرت پرست مدعی اسلام حضرات نے بھی ان کے انکار کے لیے راہ پیدا کرنیکی ناکام سعی فرمائی ہے ان میں سے بعض حضرات وہ ہیں جنھوں نے اس انکار کو ذاتی مفاد کے لیے نہیں بلکہ فطرت پرست اور منکرین خدا یورپین علماءِ جدید سے مرعوبیت کی بنا پر یہ روش اختیار کی ہے، تاکہ ان کی مذہبیت پر عجائب پرستی کا الزام عائد نہ ہو سکے، ان میں سرسید اور مولوی چراغ علی صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور بعض وہ یہودصفت اشخاص ہیں جو اپنی ذاتی غرض اور ناپاک مقصد کی خاطر از رہِ حسد و بغض حضرت مسیح کے ان معجزات کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ تاویلاتِ باطل کے پردہ میں ان کا مضحکہ اڑاتے ہیں، ان میں سے متنبّی کاذب مرزا قادیانی اور مسٹر محمد علی مرزائی لاہوری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

قادیانی اور لاہوری نے تو یہ ظلم کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزہ "اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ" (ال عمران ۴۹) کے متعلق یہ کہہ دیا کہ مسیح کا یہ عمل ایک تالاب کی مٹی کا رہین منت تھا۔ معجزہ کچھ نہیں تھا، اس تالاب کی مٹی کی یہ خاصیت تھی کہ جس کسی پرند کی شکل بنائی جاتی اور منہ سے دم تک سوراخ رکھ دیا جاتا تو ہوا بھر جانے سے اس میں آواز بھی پیدا ہو جاتی تھی اور حرکت بھی گویا العیاذ باللہ ان بدبختوں کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کی جانب سے منکروں کے مقابلہ میں یہ معجزانہ صداقت نہیں تھی بلکہ مداری یا شعبدہ باز کا تماشہ تھا۔

اسی طرح احیاء موتی (مردہ کو زندہ کر دینا) کے معجزہ کا بھی انکار کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآنِ عزیز نے یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد کسی کو اس دنیا میں قبل از قیامت زندگی نہیں بخشے گا، لیکن لطف یہ ہے کہ اگر پورے قرآن کو از اوّل تا آخر پڑھ جایئے تو کسی ایک آیت میں بھی آپ کو یہ فیصلہ نہیں ملے گا بلکہ اس دعویٰ کے خلاف متعدد مقامات پر اس کا اثبات پائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں موت دینے کے بعد حیاتِ تازہ بخشی ہے، مثلاً سورۂ بقرہ کی آیات ذبح بقرہ کے واقعہ میں ارشاد ہے۔ "فَقُلْنَا اضْرِبُوْہُ بِبَعْضِھَا کَذٰلِکَ یُحْیِی اللّٰہُ الْمَوْتٰی" (بقرہ ۷۳) یا سورۂ بقرہ ہی کی اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے "فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ قَالَ کَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ط قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَۃَ عَامٍ" (بقرہ ۲۵۹) یا اسی سورہ میں تیسری جگہ مذکور ہے "وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ط قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءً ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا۔" (بقرہ ۲۶۰) چنانچہ ان تمام واقعات میں "احیاء موتی کے صاف صریح معانی ثابت ہیں اور جن حضرات نے ان مقامات میں احیاء موتی سے مجازی یا کنائی معنی لیے ہیں ان کو طرح طرح کی تاویلات کی پناہ لینی پڑی ہے مگر ان کی تاویلات سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احیاءِ موتی کی یہ تاویل اس وجہ سے نہیں کر رہے ہیں کہ قرآن کے نزدیک اس کا دنیا میں وقوع ممنوع ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ آیات مسطورۂ بالا کے سیاق وسباق کے پیش نظر یہی معنی مناسب حال ہیں۔

غرض یہ دعویٰ کہ قرآن ممنوع قرار دیتا ہے کہ دار دنیا میں "احیاء موتی" وقوع پذیر ہو صرف مرزا قادیانی اور مسٹر لاہوری کے دماغ کی اُپج ہے جو قطعاً باطل اور غیر ثابت ہے اور اس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں ہے، رہا یہ امر کہ خدا کے عام قانونِ فطرت

کے ماتحت ایسا نہیں پیش آتا رہتا سو اگر ایسا ہوتا رہتا تو پھر ''یہ معجزہ'' ہرگز نہ کہلاتا اور خدائے برتر کا قانونِ خاص جو تصدیق انبیاء علیہم السلام کے مقصد سے کبھی کبھی مخالفین کے مقابلہ میں بہ طور تحدی (چیلنج) کے پیش آتا رہا ہے کوئی خصوصیت نہ رکھتا۔

اسی طرح حضرت مسیح کی بن باپ پیدائش کے مسئلہ کا بھی انکار کیا گیا ہے اور قادیانی اور لاہوری نے بھی اس کے خلاف بے دلیل ہرزہ سرائی کی ہے لیکن اس مسئلہ کی موافق و مخالف آراء سے قطع نظر ایک غیر جانبدار منصف جب حضرت مسیح کی پیدائش سے متعلق تمام آیاتِ قرآنی کا مطالعہ کرے تو اس پر یہ حقیقت بخوبی آشکارا ہو جائے گی کہ قرآن حضرت مسیح سے متعلق یہود کی تفریط اور نصاریٰ کی افراط دونوں کے خلاف اپنا وہ فرض منصبی ادا کرنا چاہتا ہے جس کے لیے قرآن کی دعوتِ حق کا ظہور ہوا ہے، یہود اور نصاریٰ اس بارہ میں دو قطعاً مخالف اور متضاد سمتوں میں چلے گئے ہیں، یہود کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام مفتری اور کاذب اور شعبدہ باز تھے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ خدا، خدا کے بیٹے، یا ثالث ثلثہ تھے، ان حالات میں قرآن نے ان اوہام و ظنون کے خلاف علم و یقین کی راہ دکھاتے ہوئے دونوں کے خلاف یہ فیصلہ دیا کہ راہِ حق افراط اور تفریط کے درمیان ہے اور صراطِ مستقیم کی یہی سب سے بڑی شناخت ہے۔

وہ کہتا ہے واضح رہے کہ حضرت مسیح مفتری اور کاذب نہیں تھے بلکہ خدا کے سچے پیغمبر اور راہِ حق کے داعی صادق تھے، انھوں نے دعوتِ حق کی تصدیق کے لیے جو بعض عجیب باتیں کر دکھائیں وہ معجزات انبیاء کی فہرست میں شامل ہیں نہ کہ ساحروں اور شعبدہ بازوں کی، اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی مگر اس سے یہ کیسے لازم آ سکتا ہے کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہو گئے، کیا جو شخص پیدائش کا محتاج ہو اور پیدائش میں بھی ماں کے پیٹ کا محتاج اور جو شخص بشری لوازم کھانے پینے کا محتاج ہو وہ عبد اور بشر کے ماسوا خدا یا معبود ہو سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

یہاں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق الوہیت کا جو عقیدہ قائم کیا تھا اس کا بہت بڑا سہارا یہی واقعہ تھا جیسا کہ وفد نجران اور نبی اکرم ﷺ کی باہمی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے۔

تو جبکہ قرآن نے یہود و نصاریٰ کے ان تمام باطل عقائد کی واضح الفاظ میں تردید کر کے جو انھوں نے حضرت مسیح کے متعلق قائم کر لیے تھے اپنا فریضہ اصلاح انجام دیا، یہ کیسے ممکن تھا کہ اگر بن باپ کی پیدائش کا واقعہ باطل اور غیر واقعی تھا اور جو سہارا

بن رہا تھا الوہیت مسیح کا، اس کے متعلق واضح طور سے قرآن تردید نہ کرتا؟ بلکہ اس کے برعکس وہ جگہ جگہ اس واقعہ کو ٹھیک اس طرح بیان کرتا جاتا جیسا کہ متی کی انجیل میں بیان کیا گیا ہے، اس کا فرض تھا کہ سب سے پہلے اسی پر ضرب کاری لگاتا اور صرف اس قدر کہہ کر کہ حضرت مسیح کا باپ فلاح شخص تھا اس ہساری عمارت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتا جس پر الوہیت مسیح کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ مگر اس نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ یہ بات کسی طرح بھی مسیح کی الوہیت کی دلیل نہیں بن سکتی، کیوں؟ اس لیے کہ "ان مثل **عیسی عنداللّٰہ کمثل ادم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون**" (ال عمران ٦٠) پس اگر "بن باپ کی پیدائش مسیح کو درجہ الوہیت دے سکتی ہے تو آدم کو اس سے زیادہ الوہیت کا حق حاصل ہے کہ وہ بن ماں باپ کے پیدا ہوا ہے۔

بہرحال جن تاویل پرستوں نے حضرت مسیح کی بن باپ پیدائش سے متعلق آیات کے جملوں کو جدا جدا کر کے غلط احتمالات پیدا کیے ہیں وہ اس لیے باطل ہیں کہ جب اس واقعہ سے متعلق آیات کو یکجا کر کے مطالبہ کیا جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی آیات کے معانی میں بن باپ پیدائش کے معنی کے ماسوا دوسرے کسی بھی احتمال کی گنجائش باقی نہیں رہتی مگر یہ کہ عربی زبان کے الفاظ کے معین مدلولات و اطلاقات میں تحریف معنوی پر بے جسارت کی جائے۔

نیز بقول مولانا ابوالکلام جن اصحاب نے بغیر باپ کے پیدائش سے متعلق آیات میں تاویل باطل کی ہے ان کی دلیل کا مدار صرف اس بات پر ہے کہ حضرت مریم کا نکاح اگرچہ یوسف سے ہو چکا تھا مگر رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی، ایسی صورت میں میاں بیوی کے درمیان مقاربت گو شریعت موسوی کے خلاف نہیں تھی تاہم وقت کے رسم و رواج کے قطعاً خلاف تھی اس لیے حضرت مسیح کی پیدائش لوگوں پر گراں گزری" لیکن اوّل تو اس واقعہ کا ثبوت ہی موجود نہیں سب بے سند بات ہے دوسرے یہودیوں نے حضرت مریم پر جو بہتان لگایا تھا 'ہانسائیکلوپیڈیا آف بائبل' میں تصریح ہے کہ اس بہتان کی نسبت ایک شخص پینتھر اٹالی کی جانب کی تھی نہ کہ یوسف نجار کی جانب، اس لیے تاویل باطل کی یہ بنیاد ہی ازسرتاپا غلط اور بے اصل ہے۔ (ترجمان القرآن جلد ۲)

علاوہ ازیں جہاں تک اس مسئلہ کا عقلی پہلو ہے سو عقل بھی اس کے امکان کو ممنوع اور محال قرار نہیں دیتی بلکہ اس کو ممکن الوقوع تسلیم کرتی ہے۔ کیا سائنس کی موجودہ دنیا سے آشنا حضرات اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ آج جبکہ سائنس کی جدید تحقیق نے

نظریوں سے آگے قدم بڑھا کر مشاہدہ اور تجربہ سے یہ ثابت کر دیا کہ دوسرے حیوانات کی طرح انسان کی خلقت و پیدائش بھی بیضہ سے ہوتی ہے اور اس کو اصطلاح میں خلیہ تخم۔ (خلیہ کو انگریزی میں (Call) کہتے ہیں) کہتے ہیں، یہ خلیہ مرد اور عورت دونوں میں ہوتا ہے اور حمل قرار پا جانے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ مرد کے خلیاتِ تخم عورت کے بیضہ میں داخل ہو جاتے ہیں، یہی خلیہ زندگی اور حیات کا تخم ہے اور قدرتِ حق نے اس کو بہت باریک جثہ عطا فرمایا ہے۔ (اس کا قطر انچ کا ۵۰۰/۱ ہوتا ہے) تو اس تحقیق نے امریکہ اور انگلینڈ کے سائنسدانوں کو اس جانب متوجہ کر دیا ہے کہ کیوں وہ ایک ایسی کوشش نہ کریں کہ بغیر مرد کی مقاربت کے جنس رجال کے خلیاتِ تخم کو آلات کے ذریعہ جنس اناث کے بیض میں داخل کر کے ''وجود انسانی'' حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ سائنس والوں کا یہ تخیل ابھی عملی حیثیت سے کتنا ہی دور ہو لیکن اس سے یہ نتیجہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ عقل یہ ممکن سمجھتی ہے کہ انسانی پیدائش، آنکھوں دیکھے عام طریق ولادت کے علاوہ بعض دوسرے طریقوں سے بھی ہو سکتی ہے اور ان کو قانونِ قدرت کے خلاف اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ ہم نے قدرت کے تمام قوانین کا احاطہ نہیں کر لیا ہے بلکہ انسان جس قدر علم و دانش کی جانب بڑھتا جاتا ہے اس کے سامنے قدرتِ حق کے قانون کے نئے نئے گوشے کھلتے جاتے ہیں۔

پس اگر یہ صحیح ہے کہ جو بات کل ناممکن نظر آتی تھی آج وہ ممکن کہی جا رہی ہے اور جلد یا بہ دیر اس کے وقوع پر یقین کیا جا رہا ہے تو نہیں معلوم پھر اس قانونِ قدرت سے انکار کر دینے کے کیا معنی ہیں کہ جس کا علم اگرچہ ابھی تک ہم کو حاصل نہیں ہے مگر انبیاء و رسل جیسے قدسی صفات ہستیوں پر اس علم کی حقیقت آشکارا ہے تو کیا علمی دلیل کا یہ بھی کوئی پہلو ہے کہ جس بات کا ہم کو علم نہ ہو اور عقل اس کو ناممکن اور محال نہ ثابت کرتی ہو اس کا انکار صرف ''عدم علم'' کی وجہ سے کر دیا جائے۔ خصوصاً جب یہ انکار ایک مدعی مسیحت و نبوت کی جانب سے ہو تو اس کے لیے تو یہی کہا جا سکتا ہے۔

اب ان ''آیات بینات'' کو قرآن حکیم سے سنیے اور موعظت و عبرت کے حصول کا سر و سامان کیجیے کہ ماضی کے ان واقعات کی تذکیر سے قرآن کا یہی عظیم مقصد ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰاةَ وَالْاِنْجِيْلَ o وَرَسُوْلاً اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ

اللّٰہِ وَاُنَبِّئُکُم بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَاتَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُم اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُم اِنْ کُنْتُم مُؤْمِنِیْنَo وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَلِاُحِلَّ لَکُم بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُم وَجِئْتُکُم بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُم فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِo اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُم فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌo (آل عمران ۴۸ تا ۵۱)

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِیُٔ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ. (مائدہ ۱۰)

فَلَمَّا جَآءَ ھُمْ الْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ. (الصف)

اور خدا سکھاتا ہے اس (عیسٰی) کو کتاب، حکمت، توراۃ اور انجیل اور وہ رسول ہے بنی اسرائیل کی جانب (وہ کہتا ہے) کہ بیشک میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی جانب سے ''نشان'' لے کر آیا ہوں، وہ یہ کہ میں تمھارے لیے مٹی سے پرند کی شکل بناتا پھر اس میں پھونک دیتا ہوں اور وہ خدا کے حکم سے زندہ پرند بن جاتا ہے اور پیدائشی اندھے کو سوآنکھا کر دیتا اور سپید داغ کے جذام کو اچھا کر دیتا ہوں اور خدا کے حکم سے مردہ کو زندہ کر دیتا ہوں اور تم کو بتا دیتا ہوں جو تم کھا کر آتے ہو اور جو تم گھر میں ذخیرہ رکھ آتے ہو، سو اگر تم حقیقی ایمان رکھتے ہو تو بلاشبہ ان امور میں (میری صداقت اور منجانب اللہ ہونے کے لیے) ''نشان'' ہے، اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور (اس لیے بھیجا گیا ہوں) تاکہ بعض ان چیزوں کو جو تم پر حرام ہو گئی ہیں تمھارے لیے حلال کر دوں تمھارے لیے پروردگار ہی کے پاس سے ''نشان'' لایا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور (اس کے دیے ہوئے احکام میں) میری اطاعت کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے سو اس کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

اور (اے عیسٰی بن مریم! تو میری اس نعمت کو یاد کر) جبکہ تو میرے حکم سے گارے سے پرند کی شکل بنا دیتا اور پھر اس میں پھونک دیتا تھا اور وہ میرے حکم سے زندہ پرند بن جاتا تھا اور جبکہ تو میرے حکم سے پیدائشی اندھے کو سوآنکھا اور سپید داغ کے کوڑھ کو اچھا کر دیتا تھا اور جبکہ تو میرے حکم سے مردہ کو زندہ کر کے قبر سے نکالتا تھا۔

پھر جب وہ (عیسٰی علیہ السلام) ان کے پاس کھلے نشان لے کر آیا تو انھوں نے (بنی اسرائیل نے) کہا: ''یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔''

انبیاء علیہ السلام نے جب کبھی بھی قوموں کے سامنے آیات اللہ کا مظاہرہ کیا ہے۔ تو منکروں نے ہمیشہ ان کے متعلق ایک بات ضرور کہی ہے۔ ''یہ تو کھلا ہوا جادو

ہے'' پس کیا ایک جو یائے حق اور غیر متعصب انسان کے لیے یہ جواب اس جانب رہنمائی نہیں کرتا کہ انبیاء علیہم السلام کے اس قسم کے مظاہرے ضرور عام قوانین قدرت سے جدا ایسے علم کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتے تھے جو صرف ان قدسی صفات ہستیوں کے لیے ہی مخصوص رہا ہے اور ان کے علاوہ انسانی دنیا اس کے فہم حقیقت سے بہرہ مند نہیں ہوئی تب ہی ان لوگوں کے پاس ''جواز رہ عناد و ضد انکار پر تلے ہوئے تھے'' اس کے انکار کے لیے اس سے بہتر دوسری تعبیر نہیں تھی کہ وہ ان امور کو ''سحر و جادو'' کہہ دیں۔ لہٰذا ان امور کو سحر و جادو کہنا بھی ان کے ''معجزہ'' اور ''نشان خداوندی'' ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی تعلیمات کا خلاصہ

بہرحال حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو حجتہ و برہان اور آیات اللہ کے ذریعہ دین حق کی تعلیم دیتے رہتے اور ان کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلا کر مردہ قلوب میں حیاتِ تازہ بخشتے رہتے تھے۔

خدا اور خدا کی توحید پر ایمان، انبیاء و رسل علیہم السلام کی تصدیق، آخرت (معاد پر ایمان، ملائکتہ اللہ پر ایمان، قضاء و قدر پر ایمان، خدا کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان، اخلاق حسنہ کے اختیار، اعمال سیئہ سے پرہیز و اجتناب، عبادت الٰہی سے رغبت، دنیا میں انہماک سے نفرت اور خدا کے کنبہ (مخلوق خدا) سے محبت و مودت یہی وہ تعلیم و تلقین تھی جو ان کی زندگی کا مشغلہ اور فرض منصبی بنا ہوا تھا، وہ بنی اسرائیل کو توراۃ، انجیل اور حکیمانہ پند و نصائح کے ذریعہ ان امور کی جانب دعوت دیتے مگر بدبخت یہود اپنی فطرت کج، صدیوں کی مسلسل سرکشی اور تعلیم الٰہی سے بغاوت کی بدولت اس درجہ متشدد ہو گئے تھے اور انبیاء و رسل کے قتل نے ان کے قلوب کو حق و صداقت کے قبول میں اس درجہ سخت بنا دیا تھا کہ ایک مختصر سی جماعت کے علاوہ ان کی جماعت کی بڑی اکثریت نے ان کی مخالفت اور ان کے ساتھ حسد و بغض کو اپنا شعار اور اپنی جماعتی زندگی کا معیار بنا لیا اور اس لیے انبیاء کی سنت راشدہ کے مطابق رشد و ہدایت کے حلقہ بگوشوں میں دنیوی جاہ و جلال کے لحاظ سے کمزور و ناتواں اور زیردست پیشہ ور طبقہ کی اکثریت نظر آتی تھی ضعفاء کا یہ طبقہ اگر اخلاص و دیانت کے ساتھ حق کی آواز پر لبیک کہتا تو بنی اسرائیل کا وہ سرکش و مغرور حلقہ ان پر اور خدا کے پیغمبر پر پھبتیاں کستا، توہین و تذلیل کا مظاہرہ کرتا اور اپنی عملی جدوجہد کا بڑا حصہ معاندت و مخالفت میں صرف کرتا رہتا تھا۔

وَلَمَّا جَآءَ عِیْسٰی بِالْبَیِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُکُمْ بِالْحِکْمَۃِ وَلِاُبَیِّنَ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ فَاتَّقُوْا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنِ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌo فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِھِمْ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ۔

(زخرف ۶۳ ـ ۶۵)

وَاِذْ قَالَ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَ ھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔ (القف ۶)

فَلَمَّا اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْھُمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَاشْھَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَo رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَo (آل عمران ۵۲،۵۳)

اور جب عیسیٰ ظاہر دلائل لے کر آئے تو کہا: بلاشبہ میں تمھارے پاس ''حکمت'' لے کر آیا ہوں اور اس لیے آیا ہوں تا کہ ان بعض باتوں کو واضح کر دوں جن کے متعلق تم آپس میں جھگڑ رہے ہو، پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو بیشک اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا پروردہ ہے، سو اس کی پرستش کرو یہی سیدھی راہ ہے'' پھر وہ آپس میں گروہ بندی کرنے لگے سو ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب کے ذریعہ ہلاکت اور خرابی ہے۔

اور (وقت یاد کرو) جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: ''اے بنی اسرائیل: بلاشبہ میں تمہاری جانب اللہ کا پیغمبر ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں توراۃ کی جو میرے سامنے ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا نام اس کا احمد ہے'' پس جب (عیسیٰ علیہ السلام) آیا ان کے پاس معجزات لے کر تو وہ (بنی اسرائیل) کہنے لگے، یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

پھر جب عیسیٰ نے ان (بنی اسرائیل) سے کفر محسوس کیا تو کہا: ''اللہ کی جانب میرا کون مددگار ہے؟'' حواریوں نے جواب دیا ''ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں، اے ہمارے پروردگار جو تو نے اتارا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم نے رسول کی پیروی اختیار کر لی پس تو ہم کو (دین حق کی) گواہی دینے والوں میں سے لکھ لے۔

حواری عیسیٰ علیہ السلام

مگر عیسیٰ علیہ السلام معاندین و مخالفین کی در اندازیوں اور ہرزہ سرائیوں کے

باوجود اپنے فرض منصبی ''دعوۃ الی الحق'' میں سرگرم عمل رہتے اور روز و شب بنی اسرائیل کی آبادیوں اور بستیوں میں پیغام حق سناتے اور روشن دلائل اور واضح آیات اللہ کے ذریعہ لوگوں کو قبولِ حق و صداقت پر آمادہ کرتے رہتے تھے اور خدا اور حکم خدا سے سرکش اور باغی انسانوں کی اس بھیڑ میں ایسی سعید روحیں بھی نکل آتی تھیں جو عیسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ حق پر لبیک کہتی اور سچائی کے ساتھ دین حق کو قبول کر لیتی تھیں، ان ہی پاک بندوں میں وہ مقدس ہستیاں بھی تھیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شرفِ صحبت سے فیضیاب ہو کر نہ صرف ایمان ہی لے آئی تھیں بلکہ دین حق کی سربلندی اور کامیابی کے لیے انھوں نے جان و مال کی بازی لگا کر خدمت دین کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا اور اکثر و بیشتر حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہ کر تبلیغ و دعوت کو سرانجام دیتی تھیں اسی خصوصیت کی وجہ سے وہ ''حواری'' (رفیق) اور ''انصار اللہ'' (اللہ کے دین کے مددگار) کے مقدس القاب سے معزز و ممتاز کی گئیں۔ چنانچہ ان بزرگ ہستیوں نے پیغمبر خدا کی حیاتِ پاک کو اپنا اسوہ بنایا اور سخت سے سخت اور نازک سے نازک حالات میں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ہر طرح معاون و مددگار ثابت ہوئیں۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ. (مائدہ ۱۱۱)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ.

(الصف ۱۴)

اور (اے عیسیٰ وہ وقت یاد کرو) جبکہ میں نے حواریوں کی جانب (تیری معرفت) یہ وحی کی کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ تو انھوں نے جواب دیا ''ہم ایمان لائے اور اے خدا! تو گواہ رہنا کہ ہم بلاشبہ مسلمان ہیں'' اے ایمان والو! تم اللہ کے (دین کے) مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے جب حواریوں سے کہا: ''اللہ کے راستہ میں کون میرا مددگار ہے'' تو حواریوں نے جواب دیا: ''ہم ہیں اللہ (کی راہ) کے مددگار۔ پس بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لائی اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا سو ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی پس وہ (مومن) غالب رہے۔

(حواری، ناصح، رفیق، مددگار کو کہتے ہیں اور دھوبی کو بھی، آخری معنی میں یہ

مناسبت ہے کہ جس طرح دھوبی کپڑے کو سپید کر دیتا ہے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے حواری دل کے میل صاف کر دیا کرتے تھے)

گذشتہ سطور میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ حواری بیشتر غریب اور مزدور طبقہ میں سے تھے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کے ساتھ ''سنۃ اللہ'' یہی جاری رہی ہے کہ ان کی صدائے حق پر لبیک کہنے اور دین حق پر جان سپاری کا مظاہرہ کرنے کے لیے اوّل غریب اور کمزور طبقہ ہی آگے بڑھتا ہے اور زیردست ہی فدا کاری کا ثبوت دیتے ہیں اور وقت کی صاحب اقتدار اور زبردست ہستیاں اپنے غرور اور گھمنڈ کے ساتھ مقابلہ اور معارضہ کے لیے سامنے آتی اور معاندانہ سرگرمیوں کے ساتھ اعلاءِ کلمتہ اللہ کی راہ میں سنگ گراں بن جاتی ہیں لیکن جب خدائے تعالیٰ کا قانون پاداشِ عمل اپنا کام کرتا ہے تو نتیجہ میں فلاح و کامرانی ان کمزور فدایانِ حق ہی کا حصہ ہو جاتا ہے اور متکبر و مغرور ہستیاں یا ہلاکت کے قعر مذلت میں جا گرتی ہیں اور یا مقہور و مغلوب ہو کر سرنگوں ہو جانے کے ماسوا کوئی چارۂ کار نہیں دیکھتیں۔

حواری عیسیٰ علیہ السلام اور قرآن و انجیل کا موازنہ

قرآن عزیز نے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی منقبت بیان کی ہے، سورہ آل عمران کی آیات تمھارے سامنے ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام جب دین حق کی نصرت و یاری کے لیے پکارتے ہیں تو سب سے پہلے جنھوں نے ''نحن انصار اللہ'' کا نعرہ بلند کیا وہ یہی پاک ہستیاں تھیں، سورۂ صف میں اللہ رب العلمین نے جب مسلمانوں کو مخاطب کر کے ''**کونوا انصار اللّٰہ**'' کی ترغیب دی تو ''تذکیر بایام اللہ'' کے پیش نظر ان ہی مقدس ہستیوں کا ذکر کیا اور ان ہی کی مثال اور نظیر دے کر نصرتِ حق کے لیے برانگیختہ کیا اور سورۂ مائدہ میں ان کے قبولِ ایمان اور دعوتِ حق کے سامنے انقیاد و تسلیم کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بھی ان کے خلوص، حق طلبی اور حق کوشی کی زندہ جاوید تصویر ہے۔ یہ سب کچھ تو اس وقت کا حال ہے جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان موجود ہیں لیکن آپ کے ''رفع الی السماء'' کے بعد بھی ان کی پر استقامت اور دین قویم کی فدا کارانہ خدمت کے متعلق سورۂ صف کی آیت ''**فایدنا الَّذِیْنَ امنوا علی عدوھم فاصبحوا ظاھرین**'' (الصف ۱۴) میں کافی اشارہ موجود ہے اور شاہ عبدالقادر (نور اللہ مرقدہ) نے اسی بنا پر آیت زیر بحث کی تفسیر کرتے ہوئے تاریخی شہادت کا اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے یاروں (حواریوں) نے بڑی محنتیں کی

ہیں تب ان کا دین نشر ہوا، ہمارے حضرت کے پیچھے بھی حنیفوں نے اس سے زیادہ کیا۔

مگر اس کے برعکس بائبل (انجیل) بعض مقامات میں اگر ان کی منقبت اور مدح سرائی میں رطب اللسان ہے تو دوسری جانب ان کو بزدل اور منافق ثابت کرتی ہے۔ انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشہور و معتمد علیہ حواری یہودا کے متعلق اس وقت کا حال جب حضرت یسوع علیہ السلام کو یہودی گرفتار کرنا چاہتے ہیں'' اس طرح مذکور ہے۔

''یہ باتیں کہہ کر یسوع اپنے دل میں گھبرایا اور یہ گواہی دی کہ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائے گا، شاگرد شبہ کر کے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے......... ایک شخص جس سے یسوع محبت کرتا تھا...... اس نے یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا اے خداوند وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دے دونگا وہی ہے۔ پھر اس نے نوالہ ڈبو دیا اور لے کر شمعون اسکریوتی کے بیٹے یہوداہ کو دے دیا اور اس نوالہ کے بعد شیطان اس میں سما گیا۔''

(یوحنا باب ۱۳ آیت ۲۱ تا ۲۷)

اور انجیل متی میں اس شمعون پطرس حواری کے متعلق ''جو بقول اناجیل ساری عمر حضرت یسوع کا پیارا اور معتمد علیہ رہا'' یہ مسطور ہے۔

''شمعون پطرس نے اس سے کہا، اے خداوند تو کہاں جاتا ہے، یسوع نے جواب دیا کہ جہاں میں جاتا ہوں اب تو میرے پیچھے نہیں آ سکتا گر بعد میں میرے پیچھے آئے گا۔ پطرس نے اس سے کہا، اے خداوند میں اب تیرے پیچھے کیوں نہیں آ سکتا میں تو تیرے لیے اپنی جان دوں گا۔ یسوع نے جواب دیا، کیا تو میرے لیے اپنی جان دے گا؟ میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مرغ بانگ نہ دے گا جب تک کہ تو تین بار میرا انکار نہ کرے گا۔'' (متی باب ۲۶ آیت ۳۴، ۳۵)

اور اسی متی باب ۲۶ آیت ۵۶ کی انجیل میں تمام شاگردوں (حواریوں) کی بزدلی اور حضرت یسوع کو بے یار و مددگار چھوڑ کر فرار ہو جانے کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

''اس پر سارے شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔'' (متی باب ۲۶ آیت ۵۶)

ان حوالہ جات سے تین ایسی باتیں ثابت ہوتی ہیں جن کو کسی طرح بھی عقل و نقل تسلیم کرنے کو تیار نہیں اوّل یہ کہ جو شاگرد اور حواری حضرت یسوع کے زیادہ قریب، ان کے معتمد علیہ اور ان کی نگاہوں میں محبوب تھے وہ نتیجہ میں نہ صرف بزدل بلکہ

''منافق'' نکلے مگر عقل و نقل کا فیصلہ یہ ہے کہ اگرچہ ہر ایک پیغمبر اور مصلح کی جماعت میں ایک چھوٹا سا گروہ منافقین کا عموماً ہوتا ہے جو اپنی دنیوی اغراض کی خاطر بہ کراہت قلب ظاہر داری کے طور پر شریک جماعت ہونا مفید سمجھتا ہے، مگر ایک مصلح اور پیغمبر کے درمیان ہمیشہ سے یہ فرق رہا ہے کہ مصلح خواہ اپنی جماعت کے منافقین سے پوری طرح آگاہ نہ ہو سکے لیکن نبی اور پیغمبر کو ''وحی الٰہی'' کے ذریعہ شروع سے ہی مخلص اور منافق کی اطلاع دے دی جاتی ہے تاکہ ایک منکر و کافر سے زیادہ جس گروہ سے جماعت حق اور اس کی دعوت و اصلاح کو ضرر پہنچ سکتا ہے نبی اس کے حالات سے غافل نہ رہے۔ پس اسی پر کوئی منافق کسی وقت اور کسی حالت میں بھی نبی اور پیغمبر کا محبوب، معتمد علیہ اور مقرب نہیں ہو سکتا، البتہ یہ ایک جدا امر ہے کہ نبی، دین حق کی مصالح کی وجہ سے اس کے ساتھ اعراض اور درگذر کا طریق عمل مناسب سمجھے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابیؓ کے اس سوال پر کہ ''جب آپ ﷺ منافقین کے حالاتِ منافقت سے آگاہ ہیں تو ان کا مقابلہ کر کے کیوں ان کو کیفر کردار تک نہیں پہنچا دیتے تاکہ جماعت مسلمین کو ان کی منافقت سے نجات ملے۔'' یہ جواب دیا ''اس لیے کہ ان کے قبول ایمان کی ظاہر داری کے بعد ہمارے سخت گیر طریقہ کے متعلق غیر مسلموں کو یہ دھوکا نہ ہو کہ وہ کہہ اٹھیں ''محمد ﷺ، اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرنے سے نہیں چوکتے۔''

دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ یہوداہ کے اندر شیطان نے اس وقت حلول کیا جب حضرت یسوع نے اپنے ہاتھ سے اس کو نوالہ ڈبو کر دیا، مگر یہ بات بھی اس لیے عقل و نقل کے خلاف ہے کہ بزرگوں اور مقدس انسانوں کے ہاتھوں سے جو کچھ ہوتا ہے اس کا اثر برکت، طہارت اور تقدیس تو ہوا کرتا ہے لیکن شیطان کا حلول اور بدی کا نفوذ نہیں ہوا کرتا، بیشک یہ درست ہے کہ جب حق کا ترازو قائم ہوتا ہے تو اس سے کھرا اور کھوٹا دونوں کی حقیقت کا انکشاف ہو جایا کرتا ہے لیکن یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اس پیمانہ کے مس کرنے سے کسی کھرے میں کھوٹ پیدا ہو جائے اور انجیل کے اس بیان میں صورت حال پہلی نہیں بلکہ دوسری ہے۔

تیسری بات یہ کہ حضرت یسوع کے تمام ان حواریوں میں سے ''جن کی مدح و ستائش میں جگہ جگہ بائبل رطب اللسان ہے'' ایک، دو یا دس، پانچ نہیں سب کے سب نہایت بزدلی اور غداری کے ساتھ اس وقت حضرت مسیح سے کنارہ کش ہو گئے جب دین حق کی حمایت و نصرت کے لیے سب سے زیادہ ان کی ضرورت تھی اور جبکہ پیغمبر خدا

(علیہ الصلوٰۃ والسلام) دشمنوں کے نرغہ میں پھنسے ہوئے تھے۔

مگر انجیل کی اس شہادت کے خلاف، سورۂ آلِ عمران میں قرآن عزیز نے یہ شہادت دی ہے کہ اس نازک وقت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو دین حق کی نصرت دیاری کے لیے پکارا تو سب نے اولوالعزمی اور فدا کارانہ جذبہ کے ساتھ یہ جواب دیا ''**نحن انصار اللّٰہ**'' اور پھر حضرت مسیح کے سامنے اپنی استقامت دین اور اپنے مخلصانہ ایمان کے متعلق شہادت دے کر نصرت کا پورا پورا یقین دلایا اور پھر سورۂ صف میں قرآن عزیز نے یہ بھی ظاہر کیا کہ ان حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو کچھ کہا تھا ان کی موجودگی میں اور ان کے بعد سچی وفاداری کے ساتھ نبھایا اور بلاشبہ مومنین صادقین ثابت ہوئے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی مدد فرمائی اور ان کو دشمنانِ حق کے مقابلہ میں کامیاب لیا۔

انجیل اور قرآن کے اس موازنہ کو دیکھ کر ایک انصاف پسند یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس معاملہ میں ''حق'' قرآن کے ساتھ ہے اور علماء نصاریٰ نے انجیل میں تحریف کر کے اس قسم کے گھڑے ہوئے واقعات کا اضافہ اس لیے کیا ہے تاکہ صدیوں بعد کے خود ساختہ عقیدہ عقیدہ ''صلیب مسیح'' سے متعلق یہ داستان صحیح ترتیب پر قائم ہو سکے کہ جب مسیح علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا گیا تو انھوں نے یہ کہتے کہتے جان دے دی ''**ایلی ایلی لما سبقتنی** اے خدا! اے خدا! تو نے مجھے کیوں یکہ وتنہا چھوڑ دیا'' اور کسی ایک شخص نے بھی مسیح کا ساتھ نہ دیا۔ بہرحال حواریوں سے متعلق بائبل کی یہ تصریحات محرف اور خود ساختہ داستان سرائی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

نزول مائدہ: مخلص اور فداکار حواریوں کی جماعت اگرچہ صادق الایمان اور راسخ الاعتقاد تھی مگر علمی دمجلسی تکلفاتِ گفت وشنید کے لحاظ سے سادہ لوح اور ضروریات زندگی کے سر وسامان کے اعتبار سے غرباء اور ضعفاء کی جماعت تھی اس لیے انھوں نے از راہ سادگی وسادہ دلی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ درخواست کی کہ جس خدائے برتر میں یہ لامحدود طاقت ہے کہ اس کا ایک نمونہ آپ کی ذاتِ اقدس اور وہ نشان (معجزات) ہیں خدائے تعالیٰ نے جن کو آپ کی تصدیق نبوت ورسالت کے لیے آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا اس خدا میں یہ طاقت بھی ضرور ہوگی کہ وہ ہمارے لیے غیب سے ایک دسترخوان نازل کر دیا کرے تاکہ ہم روزی کمانے کی فکر سے آزاد ہوکر باطمینانِ قلب یادِ خدا اور دین حق کی دعوت وتبلیغ میں مصروف رہا کریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر ان

کو نصیحت فرمائی کہ اگرچہ خدا کی طاقت بے غایت اور بے نہایت ہے لیکن کسی سچے بندہ کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اس طرح خدا کو آزمائے، پس خدا سے ڈرو اور ایسے خیالات سے بچو، یہ سن کر حواریوں نے جواب دیا ''ہم اور خدا کو آزمائیں، حاشا ہمارا یہ مقصد نہیں ہمارا تو یہ مطلب ہے کہ رزق کی جدوجہد سے دل کو مطمئن کر کے خدا کے اس عطیہ کو زندگی کا سہارا بنالیں اور آپ کی تصدیق میں ہم کو حق الیقین کا اعتقاد راسخ حاصل ہو جائے اور ہم اس خدائی پر کائناتِ انسانی کے لیے شاہد عدل بن جائیں۔''

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے جب ان کا بڑھتا ہوا اصرار دیکھا تو بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ اے خدا! تو ان کے سوال کو پورا کر اور آسمان سے ایسا مائدہ (دسترخوان نعمت) نازل فرما کہ وہ ہمارے لیے تیرے غضب کا مظہر ثابت نہ ہو بلکہ ہمارے اوّل و آخر سب کے لیے خوشی کی یادگار (عید) بن جائے اور تیرا ''نشان'' کہلائے اور اس ذریعہ سے ہم کو اپنے غیبی رزق سے شاد کام کرے کیونکہ تو ہی بہتر رزق رساں ہے'' اس دعاء کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی: عیسٰی! تمہاری دعاء قبول ہے، میں اس کو ضرور نازل کروں گا، لیکن یہ واضح رہے کہ اس کھلی نشانی نازل ہونے کے بعد اگر ان میں سے کسی نے بھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی تو پھر ان کو عذاب بھی ایسا ہولناک دوں گا جو کائنات کے کسی انسان کو نہیں دیا جائے گا۔

قرآن عزیز نے نزول مائدہ کے واقعہ کا اس معجزانہ اسلوبِ بیان کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَo قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَo قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَo قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّا اُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَo (مائدہ ۱۱۲، ۱۱۵)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ حواریوں نے کہا تھا اے عیسٰی بن مریم! کیا تمہارا پروردگار ایسا کرسکتا ہے کہ آسمان سے ہم پر ایک خوان اتار دے؟ (یعنی ہماری غذا کے لیے آسمان سے غیبی سامان کر دے) عیسٰی نے کہا خدا سے ڈر (اور ایسی فرمائشیں نہ کرو) اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ انھوں نے کہا (مقصود اس سے قدرت الٰہی کا امتحان نہیں

ہے بلکہ) ہم چاہتے ہیں (ہمیں غذا میسر آئے، تو) اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل آرام پائیں اور ہم جان لیں کہ تو نے ہمیں سچ بتلایا تھا، اور اس پر ہم گواہ ہو جائیں۔ اس پر عیسیٰ بن مریم نے دعا کی ''اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک خوان بھیج دے کہ اس کا آنا ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں سب کے لیے عید قرار پائے اور تیری طرف سے (فضل وکرم کی) ایک نشانی ہو، ہمیں روزی دے تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔'' اللہ نے فرمایا ''میں تمھارے لیے خوان بھیجوں گا، لیکن جو شخص اس کے بعد بھی (راہِ حق سے) انکار کرے گا تو میں اسے (پاداش عمل میں) عذاب دوں گا۔ ایسا عذاب کہ تمام دنیا میں کسی آدمی کو بھی ویسا عذاب نہیں دیا جائے گا۔

یہ مائدہ نازل ہوا یا نہیں؟ قرآن عزیز نے اس کے متعلق کوئی تفصیل نہیں بیان کی اور نہ کسی مرفوع حدیث میں اس کا کوئی تذکرہ پایا جاتا ہے البتہ آثارِ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم میں ضرور تفصیلات مذکور ہیں۔

مجاہد اور حسن بصری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مائدہ کا نزول نہیں ہوا اس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے اس کے نزول کو جس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا طلب کرنے والوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ انسان ضعیف البنیان اور کمزوریوں کا مجسمہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی لغزش یا معمولی خلاف ورزی کی بدولت اس دردناک عذاب کے سزاوار ٹھہریں اپنے سوال کو واپس لے لیا، علاوہ ازیں اگر مائدہ کا نزول ہوا ہوتا تو ایسا نشان الٰہی (معجزہ) تھا کہ نصاریٰ اس پر جس قدر بھی فخر کرتے وہ کم تھا اور ان کے یہاں اس کی جس قدر بھی شہرت ہوتی وہ بے جا نہیں ہوتی تاہم ان کے یہاں اس نزول مائدہ کا اس طرح کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۱۱۶ مگر یوحنا کی انجیل باب ۶ میں تو یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ ''عید فصح'' کے موقعہ پر پیش آیا)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ واقعہ پیش آیا اور مائدہ کا نزول ہوا، جمہور کا رجحان اسی جانب ہے البتہ اس کے نزول کی تفصیلات میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ مثلاً صرف ایک دن نازل ہوا، یا چالیس روز تک نازل ہوتا رہا؟ اور پھر اترنا بند ہو گیا تو کیوں؟ اور صرف یہی ہوا کہ نازل نہ ہوا یا جن لوگوں کی خلاف ورزی کی وجہ سے بند ہوا ان پر سخت قسم کا عذاب بھی آ پہنچا؟ جو نقول یہ کہتی ہیں کہ مائدہ کا نزول صرف ایک دن نہیں بلکہ چالیس دن تک برابر جاری رہا وہ بند ہو جانے کا سبب یہ بیان کرتی ہیں کہ نزولِ مائدہ پر حکم یہ

ہوا کہ اس کو فقیر، مسکین اور مریض ہی کھائیں تو نگر اور بھلے چنگے نہ کھائیں مگر چند روز تعمیل کے بعد لوگوں نے آہستہ آہستہ اس کی خلاف ورزی شروع کر دی یا یہ حکم ملا تھا کہ اس کو کھائیں سب مگر اگلے روز کے لیے ذخیرہ نہ کریں مگر کچھ عرصہ کے بعد اس کی خلاف ورزی ہونے لگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف مائدہ کا نزول ہی بند ہو گیا بلکہ خلاف ورزی کرنے والے خنزیر اور بندر کی شکل میں مسخ کر دیے گئے۔ (نزول مائدہ کا سوال اگرچہ کیا تھا حواریوں نے مگر کیا تھا سب کی جانب سے اس لیے یہ واضح رہے کہ جن نقول میں خلاف ورزی اور اس سے متعلق عذاب کا ذکر ہے ان کا اشارہ حواریوں میں سے کسی کی جانب مطلق نہیں ہے کیونکہ یہ بات نصوص قرآنی کے خلاف ہے)

بہرحال ان آثار میں جو قدر مشترک ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب عیسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمالی تو مشیت باری کا یہ حکم ہوا کہ مائدہ تیار ہو چنانچہ لوگوں کی آنکھوں دیکھتے خدا کے فرشتے فضاء آسمانی سے اس کو لے کر اترے اِدھر فرشتے آہستہ آہستہ اس کو لیے ہوئے اتر رہے تھے اور ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ درگاہ الٰہی میں دست بدعا تھے کہ مائدہ آ پہنچا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اوّل دو رکعت نماز شکر ادا کی اور پھر مائدہ (خوان) کو کھولا تو اس میں تلی ہوئی مچھلیاں اور تر و تازہ پھل اور روٹیاں موجود پائیں اور خوان کھولتے ہی ایسی نفیس خوشبو نکلی کہ اس کی مہک نے سب کو مست کر دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ کھائیں مگر لوگوں نے اصرار کیا کہ ابتداء آپ کریں، آپ نے ارشاد فرمایا، یہ میرے لیے نہیں ہے تمہاری طلب پر نازل ہوا ہے، یہ سن کر سب گھبرائے کہ نہ معلوم اس کا نتیجہ کیا ہو کہ خدا کا رسول تو نہ کھائے اور ہم کھائیں آپ نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا ''اچھا فقراء، مساکین، معذورین اور مریضوں کو بلاؤ یہ ان کا حق ہے۔'' تب ہزارہا بندگانِ خدا نے شکم سیر ہو کر کھایا مگر مائدہ کی مقدار میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اس مسئلہ میں حضرت شاہ عبدالقادر (نور اللہ مرقدہٗ) مجاہد اور حسن بصری رحمہم اللہ کے ہم نوا معلوم ہوتے ہیں اور نزول مائدہ سے متعلق ان دونوں جماعتوں سے الگ ایک اور لطیف بات ارشاد فرماتے ہیں۔ موضح القرآن میں ہے۔

(**هل يستطيع**) ''ہو سکے'' یہ معنی کہ ہمارے واسطے تمہاری دعا سے اس قدر خرق عادت کرے یا نہ کرے۔ فرمایا (**اتقوا اللّٰه**) ''ڈرو اللہ سے'' یعنی بندہ کو چاہیے کہ اللہ کو نہ آزمائے کہ میرا کہا مانتا ہے یا نہیں اگرچہ خاوند (آقا و مالک) بہتیری مہربانی

کرے۔ ”ونکون علیھا من الشّٰھدین“ یعنی برکت کی امید پر مانگتے ہیں اور (تاکہ) معجزہ ہمیشہ مشہور ہے، آزمانے کو نہیں۔ کہتے ہیں وہ خوان اترا یکشنبہ کو وہ نصاریٰ کی عید ہے جیسے ہم کو روزِ جمعہ۔

بعضے کہتے ہیں وہ خوان اترا چالیس روز تک اور پھر بعضوں نے ناشکری کی یعنی حکم ہوا تھا کہ فقراء اور مریض کھائیں نہ محظوظ (تونگر) اور چنگے پھر قریب اسی آدمی سور اور بندر ہو گئے (مگر) یہ عذاب پہلے یہود میں ہوا تھا پیچھے کسی کو نہیں ہوا۔

اور بعضے کہتے ہیں (مائدہ) نہ اترا، تہدید سن کر مانگنے والے ڈر گئے نہ مانگا، لیکن پیغمبر کی دعا عبث نہیں اور اس کلام (قرآن) میں نقل کرنا بے حکمت نہیں، شاید اس دعا کا اثر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت (نصاریٰ) میں آسودگی مال سے ہمیشہ رہی اور جو کوئی ان میں ناشکری کرے تو شاید آخرت میں سب سے زیادہ عذاب پائے۔ اس میں مسلمان کو عبرت ہے کہ اپنا مدعا خرق عادت کی راہ سے نہ چاہے پھر اس کی شکر گزاری بہت مشکل ہے، اسباب ظاہری پر قناعت کرے تو بہتر ہے۔ اس قصہ میں بھی ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کے آگے حمایت پیش نہیں کی جاتی۔ (موضح القرآن سورہ مائدہ)

اس سلسلہ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے موعظت و بصیرت سے متعلق بہت خوب بات ارشاد فرمائی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے نزول مائدہ کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب ملا ”تمہاری درخواست اس شرط کے ساتھ منظور کی جاتی ہے کہ نہ اس میں خیانت کرنا، نہ اس کو چھپائے رکھنا اور نہ اس کو ذخیرہ کرنا ورنہ یہ بند کر دیا جائے گا اور تم کو ایسا عبرتناک عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا جائے گا۔“

اے معشر عرب! تم اپنی حالت پر غور کرو کہ اونٹوں اور بکریوں کی دم پکڑ کر جنگلوں میں چراتے پھرتے تھے، پھر خدائے تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمھارے درمیان ہی سے ایک برگزیدہ رسول مبعوث فرمایا جس کے حسب و نسب سے تم اچھی طرح واقف ہو، اس نے تم کو یہ خبر دی کہ عنقریب تم عجم پر غالب آ جاؤ گے اور اس پر چھا جاؤ گے اور اس نے تم کو سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ مال و دولت کی فراوانی دیکھ کر ہرگز تم چاندی اور سونے کے خزانے جمع نہ کرنا مگر قسم بخدا کہ زیادہ لیل و نہار نہ گزریں گے کہ تم ضرور سونے چاندی کے خزانے جمع کرو گے اور اس طرح خدائے برتر کے دردناک عذاب کے مستحق بنو گے۔ (ابن کثیر ج ۲ سورہ مائدہ)

''رفع الی السماء'' یعنی زندہ آسمان پر اٹھا لیا جانا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہ شادی کی اور نہ بود و ماند کے لیے گھر بنایا، وہ شہر شہر اور گاؤں، گاؤں خدا کا پیغام سناتے اور دین حق کی دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیتے اور جہاں بھی رات آ پہنچتی وہیں کسی سر و سامانِ راحت کے بغیر شب بسر کر دیتے تھے اور چونکہ ان کی ذاتِ اقدس سے مخلوقِ خدا جسمانی و روحانی دونوں طرح کی شفاء اور تسکین پاتی تھی اس لیے جس جانب بھی ان کا گزر ہو جاتا خلقت کا انبوہ حسن عقیدت کے ساتھ جمع ہو جاتا اور والہانہ محبت کے ساتھ ان پر نثار ہو جانے کو تیار رہتا تھا۔

یہود کو اس دعوتِ حق کے ساتھ جو بغض و عناد تھا اس نے اس بڑھتی ہوئی مقبولیت کو انتہائی حسد اور سخت خطرہ کی نگاہ سے دیکھا اور جب ان کے مسخ شدہ قلوب کسی طرح اس کو برداشت نہ کر سکے تو ان کے سرداروں، فقیہوں، فریسیوں اور صدوقیوں نے ذاتِ اقدس کے خلاف سازش شروع کی اور طے یہ پایا کہ اس ہستی کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کی بجز اس کے کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ بادشاہِ وقت کو مشتعل کر کے اس کو دار پر چڑھا دیا جائے۔

گذشتہ چند صدیوں سے یہود کے ناگفتہ بہ حالات کی بدولت اس زمانہ میں یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کی حکومت اپنے باپ دادا کے علاقہ میں سے بمشکل ایک چوتھائی پر قائم تھی اور وہ بھی برائے نام اور اصل حکومت و اقتدار، وقت کے بت پرست شہنشاہ قیصر روم کو حاصل تھا اور اس کی نیابت میں پلاطیس یہودیہ کے اکثر علاقہ کا گورنر یا بادشاہ تھا۔

یہود اگرچہ اس بت پرست بادشاہ کے اقتدار کو اپنی بدبختی سمجھ کر اس سے متنفر تھے مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف قلوب میں مشتعل حسد کی آگ نے اور صدیوں کی غلامی سے پیدا شدہ پست ذہنیت نے ایسا اندھا کر دیا کہ انجام اور نتیجہ کی فکر سے بے پرواہ ہو کر پلاطیس کے دربار میں جا پہنچے اور عرض کیا: ''عالی جاہ! یہ شخص نہ صرف ہمارے لیے بلکہ حکومت کے لیے بھی خطرہ بنتا جا رہا ہے اگر فوراً ہی اس کا استیصال نہ کر دیا گیا تو نہ ہمارا دین ہی صحیح حالت میں باقی رہ سکے گا اور اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کے ہاتھ سے حکومت کا اقتدار بھی نہ چلا جائے اس لیے کہ اس شخص نے عجیب و غریب شعبدے دکھا کر خلقت کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور ہر وقت اس گھات میں لگا ہے کہ عوام کی اس طاقت کے بل پر قیصر اور آپ کو شکست دے کر خود بنی اسرائیل کا بادشاہ بن جائے۔ اس

شخص نے لوگوں کو صرف دنیاوی راہ سے ہی گمراہ نہیں کیا بلکہ اس نے ہمارے دین تک کو بھی بدل ڈالا اور لوگوں کو بددین بنانے میں منہمک ہے پس اس فتنہ کا انسداد از بس ضروری ہے تاکہ بڑھتا ہوا یہ فتنہ ابتدائی منزل ہی میں کچل ڈالا جائے۔"

غرض کافی گفت و شنید کے بعد پلاطیس نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر لیں اور شاہی دربار میں مجرم کی حیثیت سے پیش کریں، بنی اسرائیل کے سردار، فقیہ اور کاہن یہ فرمان حاصل کر کے بیحد مسرور ہوئے اور فخر و مباہات کے ساتھ ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے کہ آخر ہماری سازش کارگر ہوئی اور ہماری تدبیر کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگے کہ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ خاص موقعہ کا منتظر رہا جائے اور کسی خلوت اور تنہائی کے موقعہ پر اس طرح اس کو گرفتار کیا جائے کہ عوام میں ہیجان نہ ہونے پائے۔ انجیل یوحنا میں اس واقعہ سے متعلق یہ کہا گیا ہے۔

"پس سردار کاہنوں اور فریسیوں نے صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کر کے کہا ہم کرتے کیا ہیں؟ یہ آدمی تو بہت معجزے دکھاتا ہے، اگر ہم اسے یونہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے اور روی آ کر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کر لیں گے اور ان میں سے کائفا نام ایک شخص نے جو اس سال سردار کاہن تھا ان سے کہا تم کچھ نہیں جانتے اور نہ سوچتے ہو کہ تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو۔ (یوحنا باب ۱۱ آیت ۴۷ تا ۵۰)

یہ اس مشورہ کا تذکرہ ہے جو بادشاہ کے پاس جانے سے قبل آپس میں ہوا اور یہ خطرہ ظاہر کیا گیا کہ اگر اس ہستی کو یونہی چھوڑ دیا گیا تو بادشاہِ وقت (قیصر) کہیں سلطنت کے لیے خطرہ سمجھ کر رہی سہی برائے نام حکومت یہود کا بھی خاتمہ نہ کر دے۔

اور مرقس کی انجیل میں ہے۔

دو دن کے بعد فصح اور عید فطر ہونے والی تھی اور سردار کاہن اور فقیہ موقعہ ڈھونڈ رہے تھے کہ اسے کیونکر فریب سے پکڑ کر قتل کریں کیونکہ کہتے تھے کہ عید کو نہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں کا بلوہ ہو جائے۔ (مرقس ۱۴، آیت ۲،۱)

دوسری جانب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے مکالمہ کو سورۂ آل عمران اور سورۂ صف کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہود کے کفر و انکار اور معاندانہ ریشہ دوانیوں کو محسوس کیا تو ایک جگہ اپنے حواریوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے سرداروں اور کاہنوں کی معاندانہ سرگرمیاں تم

سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اب وقت کی نزاکت اور کڑی آزمائش و امتحان کی گھڑی کی قربت تقاضا کرتی ہے کہ میں تم سے سوال کروں کہ تم میں کون وہ افراد ہیں جو اس کفر و انکار کے سیلاب کے سامنے سینہ سپر ہو کر خدا کے دین کے ناصر و مددگار بنیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشادِ مبارک سن کر سب نے بڑے جوش و خروش اور صداقت ایمانی کے ساتھ جواب دیا ''ہم ہیں اللہ کے مددگار، خدائے واحد کے پرستار، آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم وفا شعار ہیں اور درگاہ باری میں اپنی اس اطاعت کوشی پر استقامت کے لیے یوں دست بدعا ہیں، اے پروردگار! ہم تیری اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لے آئے اور صدق دل کے ساتھ تیرے پیغمبر کے پیرو ہیں، خدایا! تو ہم کو صداقت و حقانیت کے فداکاروں کی فہرست میں لکھ لے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے فریضہ دعوت و تبلیغ کے خلاف یہود بنی اسرائیل کی مخالفانہ سرگرمیوں سے متعلق حالات کا یہ حصہ تو اکثر و بیشتر ایسا ہے کہ قرآن اور انجیل کے درمیان اصولاً اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اس کے مابعد کے پورے حصہ بیان میں دونوں ہی قطعاً جدا جدا راہیں ہیں اور ان کے درمیان اس درجہ تضاد ہے کہ کسی طرح بھی ایک کو دوسری راہ کے قریب نہیں لایا جا سکتا۔ البتہ اس جگہ پہنچ کر یہود اور نصاریٰ دونوں کا باہمی اتحاد ہو جاتا ہے اور دونوں کے بیانات واقعہ سے متعلق ایک ہی عقیدہ پیش کرتے ہیں، فرق ہے تو یہ کہ یہود اس واقعہ کو اپنا کارنامہ اور اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں اور نصاریٰ اس کو یہود بنی اسرائیل کی ایک قابل لعنت جدوجہد یقین کرتے ہیں۔

یہود اور نصاریٰ دونوں کا مشترک بیان یہ ہے کہ یہود کے سرداروں اور کاہنوں کو یہ اطلاع ملی کہ اس وقت یسوع علیہ السلام لوگوں کی بھیڑ سے الگ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک بند مکان میں موجود ہیں، یہ موقع بہترین ہے، اس کو ہاتھ سے نہ دیجیے، فوراً ہی یہ لوگ موقع پر پہنچ گئے اور چاروں طرف سے مکان کا محاصرہ کر کے یسوع علیہ السلام کو گرفتار کر لیا اور توہین و تذلیل کرتے ہوئے پلاطیس کے دربار میں لے گئے تاکہ وہ ان کو سولی پر لٹکائے اور اگرچہ پلاطیس نے عیسیٰ علیہ السلام کو بے قصور سمجھ کر چھوڑ دینا چاہا مگر بنی اسرائیل کے اشتعال پر مجبوراً سپاہیوں کے حوالہ کر دیا، سپاہیوں نے ان کو کانٹوں کا تاج پہنایا، منہ پر تھوکا، کوڑے لگائے اور ہر طرح کی توہین و تذلیل کرنے کے بعد مجرموں کی طرح سولی پر لٹکا دیا اور دونوں ہاتھوں میں میخیں ٹھونک دیں، سینہ کو برچھی کی انی سے چھید دیا اور اس کسمپرسی کی حالت میں انھوں نے یہ کہتے ہوئے جان دے

دی ''ایلی ایلی لما سبقتنی'' انجیل متی میں اس واقعہ کی تفصیلات کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

سردار کاہن نے اس سے کہا: میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے۔ یسوع نے اس سے کہا: تو نے خود کہہ دیا بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتا دیکھو گے، اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے، اب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہی، دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے تمہاری کیا رائے ہے، انھوں نے جواب میں کہا: وہ قتل کے لائق ہے، اس پر انھوں نے اس کے منہ پر تھوکا اور اس کے مکے مارے اور بعض نے طمانچے مار کر کہا ''اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا (متی باب ۲۶ ۶۳ تا ۶۸) جب صبح ہوئی تو سب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اسے مار ڈالیں اور اسے باندھ کر لے گئے اور پلاطیس حاکم کے حوالہ کیا (متی باب ۲۷ آیت ۱۔۲) اور حاکم کا دستور تھا کہ عید پر لوگوں (بنی اسرائیل) کی خاطر ایک قیدی جسے وہ چاہتے تھے چھوڑ دیتا تھا، اس وقت برابا نام ان کا ایک مشہور قیدی تھا پس جب وہ اکٹھے ہوئے تو پیلاطیس نے ان سے کہا تم کسے چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر چھوڑ دوں؟ برابا کو یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے؟ (متی باب ۲۷ آیت ۱۵ تا ۱۷) وہ بولے برابا کو پیلاطیس نے ان سے کہا پھر یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیا کروں؟ سب نے کہا اس کو صلیب دی جائے اس نے کہا کہ کیوں؟ اس نے کیا برائی کی ہے؟ مگر وہ اور بھی چلا چلا کر بولے کہ اس کو صلیب دی جائے، جب پلاطیس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا الٹا بلوہ ہوتا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے رو برو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا: ''میں اس راست باز کے خون سے بری ہوں تم جانو'' سب لوگوں نے جواب دے کر کہا: ''کہ اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر'' اس پر اس نے برابا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالے کیا تا کہ صلیب دی جائے۔ اس پر حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن اس کے گرد جمع کی اور اس کے کپڑے اتار کر اسے قرمزی چوغہ پہنایا اور کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا)اور ایک سرکنڈا اس کے دہنے ہاتھ میں دیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اسے ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ۔ آداب۔ اور اس پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر اس کے سر پر مارنے لگے اور جب اس کا ٹھٹھا کر چکے تو چوغے کو

اس پر سے اتار کر پھر اس کے کپڑے اسے پہنائے اور صلیب دینے کو لے گئے۔ (متی باب ۲۷ آیت ۱۲ تا ۳۱) اس وقت اس کے ساتھ دو ڈاکو صلیب پر چڑھائے گئے۔ ایک دائیں اور ایک بائیں اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے۔ اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا، اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کے ٹھٹھے کے ساتھ کہتے تھے اس نے اوروں کو بچایا اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔

(متی باب ۲۷ آیت ۳۸ تا ۴۲)

اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا: ''ایلی، ایلی لما سبقتنی'' (اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا) جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سن کر کہا، یہ ایلیا کو پکارتا ہے...... یسوع پھر بڑی آواز سے چلایا کہ جان دے دی۔ (متی باب ۲۷ آیت ۴۵ تا ۵۰)

تفصیلات میں کم و بیش فرق کے ساتھ یہی مفروضہ داستان باقی تینوں انجیلوں میں بھی مذکور ہے، چاروں انجیلوں کی یہ متفقہ مگر مفروضہ داستان کے مطالعہ کرنے کے بعد طبیعت پر قدرتی اثر یہ پڑتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی موت انتہائی بیکسی اور بے بسی کی حالت میں دردناک طریقہ سے ہوئی اور اگرچہ خدا کے پاک اور مقدس بندوں کے لیے یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی بلکہ مقربین بارگاہِ صمدی کے لیے اس قسم کی کڑی آزمائشوں کا مظاہرہ اکثر ہوتا رہا ہے لیکن اس واقعہ کا یہ پہلو اس کے مفروضہ اور گھڑے ہوئے ہونے پر روزِ روشن کی طرح شاہد ہے کہ حضرت یسوع نے ایک اولوالعزم پیغمبر بلکہ مرد صالح کی طرح اس واقعہ کو صبر و رضاءِ الٰہی کے ساتھ انگیز نہیں کیا بلکہ ایک انتہائی مایوس انسان کی طرح خدا سے شکوہ کرتے کرتے جان دے دی ''ایلی، ایلی لما سبقتنی'' کہتے ہوئے جان دے دینا مایوسی اور شکوہ کی وہ صورت حال ہے جو کسی طرح بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے شایانِ شان نہیں کہی جا سکتی، پھر اس واقعہ کا یہ پہلو بھی کم حیرت زدہ نہیں ہے کہ بقول انجیل کے یسوع مسیح نے اس حادثہ سے قبل تین مرتبہ خدائے تعالیٰ سے یہ درخواست کی ''اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ (موت کا) پیالہ مجھ سے ٹل جائے'' اور جب یہ درخواست کسی طرح قبول نہ ہوئی تو مایوس ہو کر یہ کہنا پڑا ''اگر یہ میرے پیے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو'' باعث حیرت یہ بات ہے کہ جبکہ

عقیدۂ ''کفارہ'' کے مطابق حضرت مسیح کا یہ معاملہ خدا اور اس کے بیٹے (العیاذ باللہ) کے درمیان طے شدہ تھا تو پھر اس درخواست کے کیا معنی اور اگر لوازم بشریت کی بنا پر تھا تو خدا کی مرضی معلوم ہو جانے اور اس پر قناعت کر لینے کے بعد پھر یہ بے صبر اور مایوس انسانوں کی طرح جان دینے کا کیا سبب؟

یہود کی گھڑی ہوئی اس داستان کو چونکہ نصاریٰ نے قبول کر لیا تو یہود ازرہِ فخر وغرور اس پر بیحد مسرور ہیں اور کہتے ہیں کہ مسیح ناصری اگر ''مسیح موعود'' ہوتا تو خدائے تعالیٰ اس بے بسی اور بے کسی کے ساتھ اس کو ہمارے ہاتھ میں نہ دے دیتا کہ وہ مرتے وقت تک خدا سے شکوہ کرتا رہا کہ اس کو بچائے مگر خدا نے اس کی کوئی مدد نہ کی حالانکہ ہمارے باپ دادا اس وقت بھی کافی اشتعال دیتے رہے کہ اگر تو حقیقۃً خدا کا بیٹا اور ''مسیح موعود'' ہے تو کیوں تجھ کو خدا نے ہمارے ہاتھوں اس ذلت سے نہ بچا لیا۔

واقعہ یہ ہے کہ نصاریٰ کے پاس جبکہ اس چبھتے ہوئے الزام کا کوئی جواب نہیں تھا اور واقعہ کی ان تفصیلات کو مان لینے کے بعد ''عقیدۂ کفارہ'' کی کوئی قیمت باقی نہیں رہ جاتی تھی تب انھوں نے واقعہ کی ان تفصیلات کے بعد ایک پارۂ بیان کا اور اضافہ کیا۔

یوحنا کی انجیل میں ہے۔

''لیکن جب انھوں نے یسوع کے پاس آ کر دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں مگر ان میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی بہہ نکلا۔ (یوحنا باب ۱۹، آیت ۳۳۔۳۴) ان باتوں کے بعد ارمیلتہ کے رہنے والے یوسف نے جو یسوع کا شاگرد تھا۔ یہودیوں کے خوف سے خفیہ طور پر پیلاطیس سے اجازت چاہی کہ یسوع کی لاش لے جائے، پیلاطیس نے اجازت دے دی پس وہ آ کر اس کی لاش لے گیا اور نیکدیمس بھی آیا جو پہلے یسوع کے پاس رات کو گیا تھا اور پچاس سیر کے قریب مراد رعود ملا ہوا لایا، پس انھوں نے یسوع کی لاش لے کر اسے سوتی کپڑے میں خوشبودار چیزوں کے ساتھ کفنایا جس طرح کہ یہودیوں میں دفن کرنے کا دستور ہے اور جس جگہ اسے صلیب دی گئی وہاں ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی جس میں کبھی کوئی نہ رکھا گیا تھا۔ پس انھوں نے یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث یسوع کو وہیں رکھ دیا۔ (یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۸ تا ۴۲)

ہفتہ کے پہلے دن مریم ملد یعنی ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا قبر پر آئی اور پتھر کو قبر سے ہٹا ہوا دیکھا پس وہ شمعون پطرس اور اس کے دوسرے شاگرد کے پاس جیسے

یسوع عزیز رکھتا تھا دوڑی ہوئی گئی اور ان سے کہا کہ خداوند کو قبر سے نکال لے گئے اور ہمیں معلوم نہیں کہ اسے کہاں رکھ دیا۔ (یوحنا باب ۲۰ آیت ۱،۲) لیکن مریم باہر قبر کے پاس کھڑی روتی رہی اور جب روتے روتے قبر کی طرف جھک کے اندر نظر کی تو دو فرشتوں کو سپید پوشاک پہنے ہوئے ایک کو سرہانے اور دوسرے کو پائنتی بیٹھے دیکھا جہاں یسوع کی لاش پڑی تھی انھوں نے اس سے کہا۔ اے عورت، تو کیوں روتی ہے اس نے ان سے کہا اس لیے کہ میرے خداوند کو اٹھا لے گئے اور معلوم نہیں کہ اسے کہاں رکھا یہ کہہ کر وہ پیچھے پھری اور یسوع کو کھڑے دیکھا اور نہ پہچانا کہ یہ یسوع ہے۔ (یوحنا باب ۲۰ آیت ۱۱ تا ۱۴)

یسوع نے اس سے کہا مریم! وہ پھر کر اس سے عبرانی زبان میں بولی ''ربونی'' یعنی اے استاذ! یسوع نے اس سے کہا مجھے نہ چھو کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہو کہ میں اپنے باپ اور تمھارے باپ کے اور اپنے خدا اور تمھارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں، مریم مگدلینی نے آ کر شاگردوں کو خبر دی کہ میں نے خداوند کو دیکھا اور اس نے مجھ سے یہ باتیں کہیں۔ پھر اسی دن جو ہفتہ کا پہلا دن تھا شام کے وقت جب وہاں کے دروازے جہاں شاگرد تھے یہودیوں کے ڈر سے بند تھے۔ یسوع آ کر بیچ میں کھڑا ہوا اور ان سے کہا کہ تمہاری سلامتی ہو اور یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ اور پسلی انھیں دکھائی پس شاگرد و خداوند کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ یسوع نے پھر ان سے کہا کہ تمہاری سلامتی ہو جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے اسی طرح میں بھی تمھیں بھیجتا ہوں اور یہ کہہ کر ان کو پھونکا اور ان سے کہا ''روح القدس'' لو۔'' (یوحنا باب ۲ آیت ۱۹ تا ۲۲)

ہر ایک شخص معمولی غور وفکر کے بعد بہ سہولت سمجھ سکتا ہے کہ یہ پارۂ بیان، پہلے حصہ بیان کے ساتھ غیر مربوط اور قطعاً بے جوڑ ہے بلکہ یہ اندازہ لگانا ہی مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں تفصیلات ایک ہی شخصیت سے وابستہ ہیں، کیونکہ پہلا پارۂ بیان ایک ایسی شخصیت کا مرقع ہے جو بے بس بیکس مایوس اور خدا سے شاکی نظر آتی ہے اور دوسرا حصہ بیان ایسی ہستی کا رخ روشن پیش کرتی ہے جو خدائی صفات سے متصف، ذاتِ باری کی مقرب اور پیش آمدہ واقعات سے مطمئن و مسرور ہے بلکہ ان کے وقوع کی متمنی اور ان کو اپنے اداء فرض کا اہم جزء سمجھتی ہے۔

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا!

بہرحال حقیقت چونکہ دوسری تھی اور ایک عرصہ دراز کے بعد ''عقیدۂ کفارہ'' کی

بدعت نے نصاریٰ کو اس کے خلاف اس گھڑے ہوئے افسانہ کی تصنیف پر مجبور کر دیا اس لیے قرآن عزیز نے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق دوسرے گوشوں کی طرح اس گوشہ سے بھی جہالت و تاریکی کا پردہ ہٹا کر حقیقت حال کے رُخ روشن کو جلوہ آراء کرنا ضروری سمجھا اور اس نے اپنا وہ فرض انجام دیا جس کو مذاہب عالم کی تاریخ میں ''قرآن کی دعوت تجدید و اصلاح'' کہا جاتا ہے۔

مکر یہود سے عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت

اس نے بتایا کہ جس زمانہ میں بنی اسرائیل، پیغمبر حق اور رسولِ خدا (عیسیٰ بن مریم) کے خلاف خفیہ تدبیروں اور سازشوں میں مصروف اور ان پر نازاں تھے اسی زمانہ میں خدائے برتر کے قانون قضاء و قدر نے یہ فیصلہ نافذ کر دیا کہ کوئی طاقت اور مخالف قوت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر قابو نہیں پا سکتی اور ہماری محکم تدبیر اس کو دشمنوں کے ہر ''مکر'' سے محفوظ رکھے گی اور نتیجہ یہ نکلا کہ جب بنی اسرائیل نے ان پر نرغہ کیا تو ان کو پیغمبر خدا پر کسی طرح دسترس حاصل نہ ہو سکی اور ان کو بحفاظت تمام اُٹھا لیا گیا اور جب بنی اسرائیل مکان میں گھسے تو صورتِ حال ان پر مشتبہ ہو گئی اور وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ اپنے مقصد میں ناکام رہے اور اس طرح خدا نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا جو عیسیٰ بن مریم کی حفاظت کے لیے کیا گیا تھا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس فرمایا کہ اب بنی اسرائیل کے کفرو انکار کی سرگرمیاں اس درجہ بڑھ گئی ہیں کہ وہ میری توہین و تذلیل بلکہ قتل کے لیے سرگرم سازش ہیں تو انہوں نے خاص طور سے ایک مکان میں اپنے حواریوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے صورت حال کا نقشہ پیش فرما کر ارشاد فرمایا: امتحان کی گھڑی سر پر ہی کڑی آزمائش کا وقت ہے، حق کو مٹانے کی سازشیں پورے شباب پر ہیں، اب میں تمھارے درمیان زیادہ نہیں رہوں گا اس لیے میرے بعد دین حق پر استقامت، اس کی نشرو اشاعت اوریاری و نصرت، کا معاملہ صرف تمھارے ساتھ وابستہ ہو جانے والا ہے اس لیے مجھے بتلاؤ کہ خدا کی راہ میں سچا مددگار کون کون ہی ہے حواریوں نے یہ کلام حق سن کر کہا ''ہم سب ہی خدا کے دین کے مددگار ہیں، ہم سچے دل سے خدا پر ایمان لائے ہیں اور اپنی صداقت ایمانی کا آپ ہی کو گواہ بناتے ہیں۔ اور یہ کہنے کے بعد انسانی کمزوریوں کے پیش نظر اپنے دعویٰ پر ہی بات ختم نہیں کر دی بلکہ درگاہ الٰہی میں دست بدعا ہو گئے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں تو اس پر ہم کو استقامت عطا

فرما اور ہم کو اپنے دین کے مددگاروں کی فہرست میں لکھ لے اس جانب سے مطمئن ہو کراب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے فریضہ دعوت وارشاد کے ساتھ ساتھ منتظر رہے کہ دیکھیے معاندین کی سرگرمیاں کیا رخ اختیار کرتی ہیں اور خدائے برحق کا فیصلہ کیا صادر ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں قرآن عزیز کے ذریعہ یہود ونصاریٰ کے ظنون واوہام فاسدہ کے خلاف علم و یقین کی روشنی' بخشتے ہوئے یہ بھی بتلایا کہ جس وقت معاندین اپنی خفیہ تدبیروں میں سرگرم عمل تھے اسی وقت ہم نے بھی اپنی قدرت کاملہ کی مخفی تدبیر کے ذریعہ یہ فیصلہ کر لیا کہ عیسیٰ بن مریم کے متعلق معاندین حق کی تدبیر کا کوئی گوشہ بھی کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی پوشیدہ تدابیر کے مقابلہ میں کسی کی پیش نہیں جا سکے گی اس لیے کہ اس کی تدبیر سے بہتر کوئی تدبیر ہو ہی نہیں سکتی۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ. (آل عمران) اور انھوں نے (یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے (یہود کے مکر کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کا مالک ہے۔

لغت عرب میں ''مکر'' کے معنی ''خفیہ تدبیر اور دھوکا کرنے کے'' ہیں اور علم معانی کے قاعدہ ''مشاکلہ'' کے مطابق جب کوئی شخص کسی کے جواب یا دفاع (Defence) میں خفیہ تدبیر کرتا ہے۔ تو خواہ وہ اخلاق اور مذہب کی نگاہ میں کتنی ہی عمدہ تدبیر کیوں نہ ہو اس کو بھی ''مکر'' ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہر ایک زبان کے محاورہ میں بولا جاتا ہے ''برائی کا بدلہ برائی ہے'' حالانکہ ہر شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ برائی کرنے والے کے جواب میں اسی قدر مقابلہ کا جواب دینا اخلاق اور مذہب دونوں کی نگاہ میں ''برائی'' نہیں ہے، تاہم تعبیر میں دونوں کو ہم شکل ظاہر کر دیا جاتا ہے اور اسی کو ''مشاکلہ'' کہتے ہیں اور یہ فصاحت و بلاغت کا اہم جزء سمجھا جاتا ہے۔

غرض خفیہ تدبیر دونوں جانب سے تھی ایک جانب برے بندوں کی بری تدبیر اور دوسری جانب خدائے برتر کی بہترین تدبیر، نیز ایک جانب قادر مطلق کی تدبیر کامل تھی جس میں نقص و خامی کا امکان نہیں، اور دوسری جانب دھوکے اور فریب کی خام کاریاں تھیں جو تارِ عنکبوت ہو کر رہ گئیں۔

آخر وہ وقت آ پہنچا کہ بنی اسرائیل کے سرداروں، کاہنوں اور فقیہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک بند مکان میں محاصرہ کر لیا، ذاتِ اقدس اور حواری مکان

کے اندر بند ہیں اور دشمن چاروں طرف سے محاصرہ کیے ہوئے ہیں لہٰذا اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ کیا صورت ہوئی کہ جس سے دشمن ناکام رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کسی طرح کا بھی گزند نہ پہنچا سکے تاکہ خدائے قادر کا وعدۂ حفاظت اور دعویٰ تدبیر خیر پورا ہو تو اس کے متعلق قرآن نے بتلایا کہ بیشک خدا کا وعدہ پورا ہوا اور اس کی تدبیر محکم نے عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں کے ہاتھوں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور صورت یہ پیش آئی کہ اس نازک گھڑی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی الٰہی نے یہ بشارت سنائی ''عیسیٰ! خوف نہ کر تیری مدت پوری کی جائے گی (یعنی تم کو دشمن قتل نہیں کر سکیں گے اور نہ تم اس وقت موت سے دوچار ہو گے) اور ہوگا یہ کہ میں تجھ کو اپنی جانب (ملاءِ اعلیٰ کی جانب) اٹھا لوں گا اور ان کافروں سے ہر طرح تجھ کو پاک رکھوں گا (یعنی یہ تجھ پر کسی قسم کا قابو نہ پا سکیں گے) اور تیرے پیروؤں کو ان کافروں پر ہمیشہ غالب رکھوں گا (یعنی بنی اسرائیل کے مقابلہ میں قیامت تک عیسائی اور مسلمان غالب رہیں گے، اور ان کو کبھی ان دونوں پر حاکمانہ اقتدار نصیب نہیں ہوگا) پھر انجام کار میری جانب (موت کے بعد) لوٹ آنا ہے پس میں ان باتوں پر فیصلہ حق دوں گا جن کے متعلق تم سب آپس میں اختلاف کر رہے ہو۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۝ (آل عمران ۵۵)

وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ (مائدہ ۱۱۰)

(وہ وقت ذکر کے لائق ہے) جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ سے کہا ''اے عیسیٰ! بے شبہ میں تیری مدت کو پوری کروں گا اور تجھ کو اپنی جانب اٹھا لینے والا ہوں اور تجھ کو کافروں (بنی اسرائیل) سے پاک رکھنے والا ہوں اور جو تیری پیروی کریں گے ان کو تیرے منکروں پر قیامت تک کے لیے غالب رکھنے والا ہوں، پھر میری جانب ہی لوٹنا ہے، پھر میں ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن کے بارہ میں (آج) تم جھگڑ رہے ہو۔

(قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو اپنے احسانات شمار کراتے ہوئے فرمائے گا) اور وہ وقت یاد کرو جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک دیا (یعنی وہ کسی طرح تجھ پر قابو نہ پا سکے) جبکہ تو ان کے پاس معجزات لے کر آیا اور ان میں سے

کافروں نے کہہ دیا: یہ تو جادو کے ماسوا اور کچھ نہیں ہے۔

تو اب جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ اطمینان دِلا دیا گیا کہ اس سخت محاصرہ کے باوجود دشمن نہ تم کو قتل کر سکیں گے اور تم کو غیبی ہاتھ ملاءِ اعلیٰ کی جانب اٹھا لے گا، اور اس طرح دشمنانِ دین کے ناپاک ہاتھوں سے آپ ہر طرح محفوظ کر دیئے جائیں گے تو اس جگہ پہنچ کر ایک دوسرا سوال پیدا ہوا کہ یہ کس طرح ہوا اور واقعہ نے کیا صورت اختیار کر لی؟ کیونکہ یہود و نصاریٰ تو کہتے ہیں کہ مسیح کو سولی پر بھی لٹکایا اور مار بھی ڈالا تب قرآن نے بتلایا کہ مسیح بن مریم علیہما السلام کے قتل و صلیب کی پوری داستان سرتاسر غلط اور جھوٹ ہے بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ جب مسیح علیہ السلام کو بقید حیات ملاءِ اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا گیا اور اس کے بعد دشمن مکان کے اندر گھس پڑے تو ان پر صورتِ حال مشتبہ کر دی گئی اور وہ کسی طرح نہ جان سکے کہ آخر اس بند مکان میں سے مسیح علیہ السلام کہاں چلا گیا۔

رفع عیسیٰ علیہ السلام

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاo بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاo

(نساء ۱۵۷، ۱۵۸)

اور (یہود ملعون قرار دیئے گئے) اپنے اس قول پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم پیغمبر خدا کو قتل کر دیا حالانکہ انھوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ (خدا کی خفیہ تدبیر کی بدولت) اصل معاملہ ان پر مشتبہ ہو کر رہ گیا اور جو لوگ اس کے قتل کے بارہ میں جھگڑ رہے ہیں بلاشبہ وہ اس (عیسیٰ کی جانب سے شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے پاس حقیقت حال کے بارہ میں ظن (اٹکل) کی پیروی کے سوا علم کی روشنی نہیں ہے اور انھوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی جانب (ملاءِ اعلیٰ کی جانب) اٹھا لیا، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

قرآن عزیز کا یہ وہ بیان ہے جو یہود و نصاریٰ کے اختراعی فسانہ کے خلاف اس نے حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کے متعلق دیا ہے اب دونوں بیانات آپ کے سامنے ہیں اور عدل و انصاف کا ترازو آپ کے ہاتھ میں، پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت اور ان کے دعوت و ارشاد کے مشن کو تاریخی حقائق کی روشنی میں معلوم کیجیے اور

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر ان تفصیلی واقعات پر نظر ڈالیے جو ایک اولوالعزم پیغمبر، مقرب بارگاہ الٰہی اور نصاریٰ کے عقیدۂ باطل کے مطابق خدا کے بیٹے کو خدا کے فیصلہ کے سامنے مایوس، مضطرب، بے یار و مددگار اور خدا سے شاکی ظاہر کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس تضادِ بیان پر بھی غور فرمائیے کہ ایک جانب عقیدۂ کفارہ کی بنیاد صرف اس پر قائم ہے کہ حضرت مسیح خدا کا بیٹا بن کر آیا ہی اس غرض سے تھا کہ مصلوب ہو کر دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور دوسری جانب صلیب اور قتل مسیح کی داستان اس اساس پر کھڑی کی گئی ہے کہ جب وہ وقت موعود آ پہنچتا ہے تو خدا کا یہ فرضی بیٹا اپنی حقیقت اور دنیا میں وجود پذیری کو یکسر فراموش کر کے "ایلی. ایلی لما سبقتنی" کا حسرت ناک جملہ زبان سے کہتا اور مرضی الٰہی پر اپنی ناخوشی کا اظہار کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیا کسی شخص کو یہ سوال کرنے کا حق نہیں ہے کہ اگر نصاریٰ کے بیان کردہ واقعات کے دونوں حصے صحیح اور درست ہیں تو ان دونوں کے باہم یہ تضاد کیسا اور اس عدم مطابقت کے کیا معنی؟

پس اگر ایک حقیقت ہیں اور دور رس نگاہ ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اور واقعات و حالات کی ان تمام کڑیوں کو باہم جوڑ کر اس مسئلہ کا مطالعہ کرے تو وہ تصدیق حق کے پیش نظر بلاتامل یہ فیصلہ کرے گی کہ بائبل کی یہ داستان تضاد کی حامل اور گھڑی ہوئی داستان ہے اور قرآن نے اس سلسلہ میں جو فیصلہ دیا ہے وہی حق اور مبنی بر صداقت ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد سے سینٹ پال سے قبل تک نصاریٰ "یہود" کی اس خرافی داستان سے قطعاً بے تعلق تھے لیکن جب سینٹ پال (پولوس رسول) نے تثلیث اور کفارہ پر جدید عیسائیت کی بنیاد رکھی تو کفارہ کے عقیدہ کی استواری کے لیے یہود کی اس خرافی داستان کو بھی مذہب کا جزء بنا لیا گیا۔

لیکن واقعہ سے متعلق حد درجہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جبکہ چودہ صدیوں سے قرآن حکیم نے عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و جلالت قدر کا اعلان کرتے ہوئے ان کے "رفع الی السماء" کی حقیقت کو یہود و نصاریٰ کی خرافی داستان کے خلاف علم و یقین کی روشنی میں نمایاں اور یہود و نصاریٰ کو دلائل و براہین کے ذریعہ لاجواب اور سرنگوں کر دیا تھا تو اس کے مقابلہ میں آج ایک مدعی اسلام، دعویٰ نبوت و مسیحیت کے شوق یا ہندوستان پر مسلط عیسائی حکومت کی خود غرضانہ خوشامد میں یہود و نصاریٰ کے اسی عقیدہ کو دوبارہ زندہ کرنا اور اس پر اپنے "باطل عقیدۂ نبوت" کی بنیاد رکھنا چاہتا ہے اور پنجاب (قادیان) کا یہ متنبی قرآنِ عزیز کی تصریحات سے بے نیاز ہو کر نہایت جسارت کے

ساتھ ان تمام واقعات کی تصدیق کرتا ہے جو اس سلسلہ میں یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے باطل مزعومہ عقائد کی تکمیل کے لیے اختراع کیے ہیں، وہ کہتا ہے کہ بلاشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے اسیر کیا، ان کا ٹھٹھا اڑایا، ان کے منہ پر تھوکا ان کے طمانچے بھی لگائے، ان کو کانٹوں کا تاج بھی پہنایا، اور ان کے علاوہ ہر قسم کی توہین و تذلیل کا سلوک کرنے کے بعد ان کو صلیب پر بھی چڑھایا اور اپنے زعم میں ان کو قتل بھی کر ڈالا البتہ یہود و نصاریٰ کی حرف بحرف تصدیق کے بعد بغیر کسی قرآنی نص، حدیثی روایت اور تاریخی شہادت کے اپنی جانب سے یہ اضافہ کرتا ہے کہ جب شاگردوں کے مطالبہ پر نعش ان کے حوالہ کر دی گئی اور وہ تجہیز و تکفین کے لیے آمادہ ہوئے تو دیکھا کہ جسم میں جان باقی ہے تب انھوں نے خفیہ طور پر ایک خاص مرہم کے ذریعہ ان کے زخموں کا علاج کیا اور جب وہ چنگے ہو گئے تو پوشیدہ رہ کر کشمیر کو چلے گئے اور وہاں بھی حیات کے آخری لمحوں تک خود کو چھپائے رکھا اور گمنامی میں وہیں انتقال پا گئے گویا یوں کہیے کہ یہود و نصاریٰ کی مفروضہ داستان میں حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق توہین و تذلیل کے جس قدر بھی پہلو تھے وہ سب تو متنبّی کاذب نے قبول کر لیے باقی ان کی عظمت شان اور جلالت مرتبہ سے متعلق پہلو کو داستان سے خارج کر کے اس کے ساتھ ایک ایسا فرضی حصہ جوڑ دیا جس سے ایک جانب نیچر پرستوں کو اپنی جانب مائل کرنے کا سامان مہیا ہو سکے اور دوسری جانب عیسیٰ علیہ السلام کی باقی زندگی مبارک کو گمنامی کے ساتھ وابستہ کر کے توہین و تذلیل کا ایک گوشہ جو تشنہ سامان رہ گیا تھا اس کی تکمیل ہو جائے۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

متنبّی پنجاب کو یہ سب کچھ کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ اس کی جانب ابھی اشارہ کیا جا چکا ہے اور اس کی تفصیل کے لیے پروفیسر، برنی کی کتاب ''قادیانی مذہب'' (اس کا محقق نسخہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ملتان نے شائع کیا اور دارالعلوم دیوبند مجلس تحفظ ختم نبوت کل ہند نے اس کا عکس شائع کیا ہے) لائق مطالعہ ہے یا خود متنبّی کاذب کی تصنیفی ہفوات اس حقیقت کو عریاں کرنے میں مدد دیتی ہیں۔

ہمارے پیش نظر تو یہ مسئلہ ہے کہ متنبّی پنجاب نے کس طرح قرآنِ حکیم کی نصوصِ قطعیہ کے خلاف یہود و نصاریٰ کے عقیدۂ ''توہین، تصلیب اور قتل عیسیٰ علیہ السلام'' کی تائید پر بے جا جسارت کا اقدام کیا اور جس حد تک اختلاف کیا اس میں بھی دعویٰ قرآنی کے خلاف ان کی حیاتِ طیبہ کو نامراد و ناکام اور گمنام ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی۔

آپ ابھی سن چکے ہیں کہ قرآنِ عزیز نے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں خدائے

تعالیٰ کی نجات سے دعویٰ حفاظت و برتری کو کس قوتِ بیان کے ساتھ نمایاں کیا ہے "ومکروا ومکر اللّٰہ واللّٰہ خیرالماکرین" "انی متوفیک و رافعک الی و مطھرک من الذین کفروا" اور پھر کس زور کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دعویٰ حفاظت کو اس شان کے ساتھ پورا کیا کہ دشمن کسی حیثیت سے بھی مسیح بن مریم علیہا السلام پر قابو نہ پا سکے اور ہاتھ تک نہ لگا سکے "واذ کففت بنی اسرائیل عنک" "وما قتلوہ وما صلبوہ و لکن شبہ لھم، ما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللّٰہ الیہ" (نساء ۱۵۷)

وعدہ خداوندی: تو اب قابل غور ہے یہ بات کہ ہم دنیا میں روز و شب یہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ اگر کسی صاحب قوت و اقتدار ہستی کے عزیز، دوست، یا مصاحب کے خلاف ان کا دشمن درپے آزار یا قتل کے درپے ہوتا ہے اور یہ سمجھ کر کہ ہم صاحب اقتدار ہستی کی اعانت کے بغیر دشمن کے مقابلہ میں عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ وہ صاحب اقتدار کی جانب رجوع کرتے ہیں اور یہ ہستی ان کو پوری طرح اطمینان دلاتی ہے کہ دشمن ان کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ ان تک اس کی دسترس ہی نہیں ہونے دی جائے گی تو ہر ایک اہل عقل اس کا یہی مطلب لیتا ہے کہ اب کسی بھی حالت میں ان کو دشمن کا خطرہ باقی نہیں رہا مگر یہ کہ صاحب اقتدار ہستی یا اپنے وعدہ کا ایفاء نہ کرے اور جھوٹا ثابت ہو اور یا دشمن کی طاقت اتنی زیادہ ہو کہ وہ خود بھی اس حمایت نصرت میں مغلوب و مقہور ہو کر رہ جائے۔

پس جب انسانی دنیا میں یہ اطلاع موصول ہو کہ صاحب اقتدار ہستی کے عزیز، دوست یا مصاحب کو اس کے دشمن نے گرفتار کر لیا، مارا پیٹا، منہ پر تھوکا اور ہر طرح ذلیل و رسوا کر کے اپنے گمان میں مار بھی ڈالا اور مردہ سمجھ کر نعش اس کے عزیزوں کے سپرد کر دی مگر حسب اتفاق نبض دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کہیں جان اٹکی رہ گئی ہے لہٰذا علاج معالجہ کیا گیا اور وہ روبصحت ہو گیا تو دنیا انسانی اس صاحب اقتدار ہستی کے متعلق کیا رائے قائم کرے گی جس نے اس مظلوم کی حمایت و نصرت کا وعدہ کیا تھا؟ یہ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا یا نہیں کیا؟ ظاہر ہے کہ نہیں کیا خواہ قصداً نہیں کیا یا اس لیے کہ وہ مجبور رہا۔

پس اگر دنیا انسانی کے معاملات میں صورت حال یہ ہے تو معلوم نہیں کہ متنبی پنجاب کے عقل و دماغ نے قادر مطلق خدا کے متعلق کس ذہنیت کے ماتحت یہ فیصلہ کیا کہ خدا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو ہر قسم کی حفاظت و صیانت کے وعدہ کے باوجود دشمن کے ہاتھوں وہ سب کچھ ہونے دیا جس کو یہود و نصاریٰ کی اندھی تقلید میں متنبی پنجاب نے

تسلیم کرلیا اور اشک شوی کے لیے صرف اس قدر اضافہ کردیا کہ اگرچہ یہود نے صلیب و قتل کے بعد سمجھ لیا تھا کہ روح قفس عنصری سے نکل چکی ہے مگر حقیقۃً ایسا نہیں ہوا تھا بلکہ رمق جان ابھی غیر محسوس طور پر باقی تھی اس لیے اسی طرح ان کی جان بچ گئی جس طرح موجودہ زمانہ میں اب سے چند سال قبل جیلوں میں پھانسی دینے کا جو طریقہ رائج تھا اس کی وجہ کبھی پھانسی پانے کے بعد رمق جان باقی رہجاتی تھی اور نعش کی سپردگی کے بعد علاج معالجہ سے وہ اچھا ہوجاتا تھا۔

بہر حال ہم تو اس ذات واحد قادر مطلق خدا پر ایمان رکھتے ہیں جس نے جب کبھی بھی اپنے خاص بندوں (نبیوں اور رسولوں) سے اس قسم کا وعدہ حفاظت وصیانت کیا ہے تو پھر اس کو پورا بھی ایسی شان سے کیا ہے قادر مطلق ہستی کے لیے شایاں اور لائق ہی حضرت صالح علیہ السلام اوران کی قوم کے منکرین حق کا معاملہ سورہ نمل میں جس معجزانہ شان کے ساتھ بیان ہوا ہے اس پر غور فرمایئے ارشاد باری ہے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَاشَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَo وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَo فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَo فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَo وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَo (نمل ۴۸ تا ۵۳)

اور شہر میں نو شخص تھے جو (بہت) مفسد تھے اور کوئی کام صلاح کاری کا نہیں کرتے تھے، انھوں نے آپس میں کہا: ''باہم قسمیں کھاؤ کہ ہم ضرور صالح اور اس کے گھر والوں پر شبخوں ماریں گے اور پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے وقت موقعہ پر موجود ہی نہیں تھے اور قسم بخدا ہم ضرور سچے ہیں'' اور انھوں نے (صالح کے خلاف) خفیہ سازش کی اور ہم نے (بھی ان کی سازش کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور وہ ہماری مخفی تدبیر کو نہیں سمجھتے تھے پس (اے محمد ﷺ) دیکھو! کہ ان کی خفیہ سازشی تدبیر کا کیا حشر ہوا؟ یہ کہ ہم نے ان کو (مفسدوں کو) اور ان کی سرکش قوم کو سب کو ہلاک کر دیا (نگاہ اٹھا کر) دیکھو یہ (قریب ہی) ہیں ان کے گھروں کے کھنڈر ویران ہیں ان کے ظلم کی وجہ سے، بیشک اس واقعہ میں نشانی ہے سمجھ والوں کے لیے اور ہم نے نجات دی ایمان والوں کو جو کہ پرہیزگار تھے۔

اور پھر مطالعہ کیجیے اس عظیم الشان واقعہ کا جو ہجرت خاتم الانبیا ﷺ سے تعلق رکھتا ہے اور سورۂ انفال میں دشمنانِ حق کی ذلت و رسوائی کا ابدی اعلان ہے۔

ان دونوں واقعات میں حق و باطل کے معرکوں، دشمنوں کی خفیہ سازشوں اور انبیاء علیہم السلام کی حفاظت کے لیے وعدۂ الٰہی اور اس کے بے غل وغش پورا ہونے کا جو نقشہ قرآن عزیز نے پیش کیا ہے، تاریخی نگاہ سے ان پر غور فرمایئے اور فیصلہ کیجئے کہ جس خدا نے صالح علیہ السلام اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے ساتھ اپنے وعدۂ حفاظت کو اس شانِ رفیع کے ساتھ پورا کیا ہو کیا متنبی پنجاب کے عقیدۂ کے مطابق اسی شانِ معجزانہ کے ساتھ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں پورا ہوا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ حالانکہ آیاتِ قرآنی شاہد ہیں کہ ان دونوں واقعات کے مقابلہ میں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے کیے گئے وعدے زیادہ واضح تفصیلات رکھتے ہیں اور ان میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ خدا کے بہترین مخفی فیصلہ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن ان کو ہاتھ تک نہ لگا سکیں گے تب ہی تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے جن احسانات و انعامات کو شمار کرائے گا ان میں سے ایک بڑا انعام و احسان یہ بھی ہوگا ''واذ کففت بنی اسرائیل عنک'' اور جبکہ ہم نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک دیا تھا۔

متنبی پنجاب کو اگر اپنی نبوت اور مسیحیت کے افزاء اور ڈھونگ کو مضبوط کرنے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے خلاف اس درجہ ناگواری تھی جیسا کہ متنبی کاذب کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے، تب بھی یہود اور نصاریٰ کی اس اندھی تقلید کے لیے مقابلہ میں جو نصوصِ قرآنی کے خلاف ''کفر بواح'' تک پہنچائی اور حضرت مسیح کی شان رفیع کے حق میں باعث توہین و تذلیل اور وعدۂ الٰہی کی تکذیب کرتی ہے'' کیا یہ کافی نہیں تھا کہ تاویل باطل کے پردہ میں اتنا ہی کہہ دیا جاتا کہ وہ اگرچہ بقید حیات آسمان پر نہیں اٹھائے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے بند مکان سے کسی طریق پر ان کو دشمنوں کے نرغے سے نکال کر محفوظ کر دیا اور دشمن کسی طرح ان کو نہ پا سکے (تاویل باطل اس لیے کہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق دیگر نصوص قرآنی، حدیثی اور اجماع امت کے پیش نظر اس مقام پر یہ تاویل بلاشبہ ''باطل'' ہے مگر اس سے کم از کم حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین اور وعدۂ الٰہی کی تکذیب کا پہلو نہیں نکلتا) لیکن دائے برحالِ متنبی قادیان کہ خدا کے سچے پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ بغض و عناد نے ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کا مصداق بنا کر ہی چھوڑا۔

قادیانی تلبیس اور اس کا جواب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معرکتہ الآرا مسئلہ میں ''جو ان کی عظمت اور

جلالت کا زبردست نشان ہے۔" سورۂ آلِ عمران کی آیات کا باہمی ربط اور ترتیب ذکری خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے کہ متنبی کاذب نے اس میں بھی "تلبیس الحق بالباطل" کا ثبوت دے کر ناواقف کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

قرآن عزیز سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کے دشمنوں کے نرغہ میں گھر جانے سے متعلق جس تسلی اور وعدہ کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فطری شکل وصورت یہ پیش آئی کہ جب دشمنانِ دین نے حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک بند مکان میں محاصرہ کر لیا تو ایک اولوالعزم پیغمبر اور خدائے برحق کے درمیان تقرب کا جو رشتہ قائم ہے اس کے پیش نظر قدرتی طور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اب کیا پیش آنے والا ہے، راہِ حق میں جاں سپاری یا قدرتِ الٰہی کا کوئی اور کرشمہ؟ اور اگر دشمنوں سے تحفظ کے لیے کوئی کرشمہ پیش آنے والا ہے تو اس کی کیا شکل ہو گی کیونکہ بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتا اور اگر تحفظ ہوا بھی تو کیا کچھ مصائب و آلام اٹھانے کے بعد تحفظ جان ہوگا یا دشمن کسی بھی صورت میں قابو نہ پا سکیں گے؟ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب میں فطری طور پر پیدا ہونے والے سوالات کا ترتیب وار اس طرح جواب دیا "عیسیٰ! میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں تیری مقررہ مدتِ حیات پوری کروں گا یعنی مطمئن رہو کہ تجھ کو دشمن قتل نہ کر پائیں گے" (انی مُتوفیک) "اور صورت یہ ہو گی کہ اس وقت میں تجھ کو اپنی جانب یعنی ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لوں گا" (ورافعک الی) "اور یہ بھی اس طرح نہیں کہ پہلے سب کچھ مصائب ہو گزریں گے اور پھر ہم تجھ کو آخر میں علاج معالجہ کرا کر اٹھائیں گے نہیں بلکہ یوں ہوگا کہ تو دشمن کے ناپاک ہاتھوں سے ہر طرح محفوظ رہے گا اور کوئی دشمن تجھ کو ہاتھ تک نہ لگا سکے گا" (ومطھرک من الذین کفروا) یہ تو تمھارے فطری سوالات کا جواب ہوا لیکن اس سے بھی زیادہ ہم یہ کریں گے کہ جو تیرے پیرو ہیں (خواہ غلط کار ہوں جیسا کہ نصاریٰ اور خواہ صحیح العقیدہ ہوں جیسا کہ (مسلمان) ان کو قیامت تک یہود پر غالب رکھیں گے اور تاقیام قیامت کبھی ان کو حاکمانہ اقتدار نصیب نہیں ہوگا، باقی رہا تمام معاملات کا فیصلہ سو اس کے لیے (قیامت کا) دن مقرر ہے اس روز سب اختلافات ختم ہو جائیں گے اور حق و باطل کا دوٹوک فیصلہ کر دیا جائے گا۔

زیر بحث آیات کی یہ تفسیر جس طرح سلف صالحین اور اجماع امت کے مطابق ہے اسی طرح اس آیات میں کیے گئے متعدد وعدوں کی ترتیب میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا

اور مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی مگر مرزائے قادیانی نے اپنی "مسند مسیحیت و نبوت" کو قائم کرنے کے لیے قرآن، احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف جبکہ یہ دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ہو چکی تو اس سلسلہ کی آیات میں تحریف معنوی کی ناکام سعی کو بھی ضروری سمجھا اور دعویٰ کیا کہ اگر مسیح علیہ السلام کی موت کے وقوع کو **رفع الی السماء** اور **تطہیر** اور **تفوق المطیعین علی الکافرین** سے قبل تسلیم نہ کیا جائے گا تو ترتیب ذکری میں فرق آ جائے گا اور مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم ماننا پڑے گا اور یہ قرآن عزیز کی شان بلاغت کے خلاف ہے لہٰذا یہ ماننا چاہیے کہ "**انی متوفیک**" کے وعدہ کا وقوع ہو چکا اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت آ چکی۔

مرزا قادیانی کی "یہ تلبیس" اگرچہ ان حضرات سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی جو عربیت اور قرآن کے اسلوب بیان کا ذوق رکھتے ہیں، لیکن عوام کو مغالطہ میں ڈال سکتی ہے اس لیے اس عنوان کے شروع ہی میں آیات کی تفسیر کو اس طرح بیان کر دیا گیا کہ مرزا کی جانب سے جو تلبیس کی گئی ہے وہ خود بخود زائل ہو جائے تاہم مزید تشریح کے لیے یہ اور اضافہ ہے کہ ترتیب ذکری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کلام میں اگر چند باتیں ترتیب وار ذکر کی گئی ہیں تو ان کا وقوع بھی اس طرح ہونا چاہیے کہ اس کلام میں ذکر کردہ ترتیب بگڑنے نہ پائے اور مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کرنا نہ پڑے اور یہ جب ضروری ہے کہ کلام کی فصاحت و بلاغت کا تقاضہ ہی یہ ہو کہ ترتیب ذکری میں فرق نہ آنے پائے ورنہ تو بعض مقامات پر تقدیم و تاخیر کو بھی فصاحت کی جان سمجھا جاتا ہے اور یہ علم معانی کا مشہور مسئلہ ہے۔

پس قرآن کی ان آیات میں جمہور اہل اسلام کی تفسیر کے مطابق ترتیب ذکری بحالہ قائم ہے اس لیے کہ خدا کی جانب سے پہلا وعدہ یہ ہے کہ میں تمہاری مقررہ مدت پوری کروں گا "**انی متوفیک**" یعنی تمہاری موت ان دشمنوں کے ہاتھ سے نہیں ہوگی بلکہ تم اپنی طبعی موت سے مرو گے، مگر اس پہلے وعدہ کو پورا کرنے کے لیے متعدد صورتیں ہو سکتی تھیں یہ کہ دشمنوں پر باہر سے اچانک حملہ ہو جائے اور وہ فرار ہو جائیں یا سب وہیں کھیت رہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام ان کی زد سے بچ جائیں، یا یہ کہ قوم عاد و ثمود کی طرح زمین یا آسمان سے قدرتی عذاب آ کر ان سب کو ہلاک کر دے، یا یہ کہ حضرت مسیح کسی ترکیب سے ان کے نرغہ میں سے محفوظ نکل جائیں اور ان کی دسترس سے باہر ہو جائیں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرشمہ قدرت سے عیسیٰ علیہ السلام کو مکان بند رہتے

ہوئے ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لے وغیرہ وغیرہ تو قرآن نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ پہلے وعدہ کا ایفاء مسطورۂ بالا آخری شکل یعنی "ورافعک الی" کی شکل میں ہوگا اور ہوگا بھی ایسی قدرتِ کاملہ کے ہاتھوں کہ اس محاصرہ کے باوجود دشمن اپنے ناپاک ہاتھ تجھ کو نہیں لگا سکیں گے اور میں ان کافروں کے ہاتھ سے تجھ کو پاک رکھوں گا "ومطھرک من الذین کفروا" اور ان باتوں کے علاوہ یہ بھی ہوگا کہ میں تیرے پیروؤں کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔ بہرحال بعد کے یہ تینوں وعدے بالترتیب جب ہی عمل میں آئیں گے کہ پہلے وعدہ اوّل وقوع پذیر ہو جائے یعنی تیری موت ان کے ہاتھوں نہ ہو بلکہ اپنی مقررہ مدت پر پہنچ کر طبعی موت آئے، ان آیات میں پہلے وعدہ کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ میں اوّل تجھ کو ماروں گا اور پھر بالترتیب یہ سب امور انجام دوں گا کیونکہ یہ قول صرف جاہل ہی کہہ سکتا ہے لیکن جس کو گفتگو کا معمولی بھی سلیقہ ہے وہ ہرگز ایسا کہنے کی جرأت نہیں کرے گا کیونکہ ترتیب ذکری کے لیے یہ تو ہونا چاہیے کہ ان امور کے وقوع میں ایسی صورت نہ پیدا ہو جائے کہ ترتیب میں فرق لا کر تقدیم و تاخیر کا عمل جراحی کرنا پڑے لیکن اگر کوئی شے زمانہ کا امتداد اور طوالت چاہتی ہے اور اس کے آخری حصہ وقوع ان تمام امور کے بعد پیش آتا ہے جو اس کے بعد مذکور تھے مگر ترتیب ذکری میں مطلق کوئی فرق نہیں آتا تو ایسی شکل میں اس وقوع کے متاخر ہو جانے سے کسی عالم کے نزدیک بھی کلام کی فصاحت و بلاغت میں نقص واقع نہیں ہوتا اور نہ اس قسم کے وقوعِ ترتیبی کا ترتیب ذکری کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا ہے۔

پس مسئلہ زیر بحث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی موت کا وقوع کبھی بھی ہو اس کا ترتیب ذکری سے مطلق کوئی علاقہ نہیں ہے، یہاں تو "انی متوفیک" کہہ کر یہ بتلایا گیا ہے کہ دیئے گئے متعدد وعدوں میں پہل اور اولیت اس وعدہ کو حاصل ہے کہ تمہاری موت کا سبب یہ یہود بنی اسرائیل نہیں ہوں گے بلکہ جب بھی یہ مقررہ مدت پوری ہوگی اس طریق پر ہوگی جو عام طور پر سے میری جانب منسوب کی جاتی ہے (یعنی طبعی موت) اور یہ وعدہ بہرحال باقی تین وعدوں سے پہلے ہی رہا تب یہ تینوں وعدے وقوع میں آسکے اور اگر کہیں دشمن حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کا سبب بن گئے ہوتے تو پھر "رفع" اور "تطہیر" کے لیے کوئی صورت ہی نہ رہ جاتی اور مرزا قادیانی کی طرح باطل اور رکیک تاویلات کی آڑ لینی پڑتی اور آیات زیر بحث کی "روح" فنا ہو کر رہ جاتی اور یہ اس لیے کہ اگر "رفع" سے رفع روحانی اور "تطہیر" سے روحانی پاکی مراد لیے جائیں

تو یہ قطعاً بے محل اور بے موقع ہوگا کیونکہ قرآن کے ارشاد کے مطابق یہ وعدے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیئے جا رہے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بتلانا کہ تمھارے متعلق یہود کا یہ اعتقاد ''کہ تم کاذب اور ملعون ہو'' غلط ہے اور تم مطمئن رہو کہ میں تمہارا رفع روحانی کرنے والا ہوں قطعاً عبث تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر خدا ہیں اور جانتے ہیں کہ یہود کا افتراء کیا حقیقت رکھتا ہے نیز یہود کو حضرت مسیح کے رفع روحانی کا پتہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ معاملہ عالم غیب سے متعلق ہے تو خدائے برتر کا یہ ارشاد نہ حضرت مسیح کی برمحل تسلی کا باعث ہوسکتا تھا اور نہ یہود کے لیے سود مند اور یہی حال دوسرے وعدۂ تطہیر کا ہے بلکہ جب بقول قادیانی یہود کے ہاتھوں حضرت مسیح صلیب پر چڑھا دیئے گئے تو نعش پا لینے کے بعد شاگردوں کا مرہم عیسیٰ لگا کر چنگا کر لینے اور پھر منجانب اللہ جن کی ہدایت و ارشاد کے لیے مامور کیے گئے تھے ان سے جان بچا کر بھاگ جانے اور زندگی بھر گمنامی میں زندگی بسر کرتے رہنے کے بعد ''رَافِعُکَ اِلَیَّ'' اور ''**مطھرک من الذین کفروا**'' کہہ دینے سے نہ یہود کے عقیدۂ کے متعلق مسیح علیہ السلام کی ہی تردید ہو گی اور نہ ایک غیر جانبدار انسان ہی یہ سمجھ سکے گا کہ ایسے موقعہ پر جبکہ عیسیٰ علیہ السلام دشمنوں کے نرغے میں ہیں اور جبکہ ان کو یہ یقین ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور موت کے بعد رفع روحانی اور تطہیر لازم شے ہے'' ان تسلیوں اور وعدوں کا کیا فائدہ ہے، خصوصاً جبکہ ان کے ساتھ دشمن نے وہ سب کچھ کر لیا جو وہ کرنا چاہتا تھا۔

البتہ جمہور اہل حق کی تفسیر کے مطابق آیاتِ قرآن کی روح اپنی معجزانہ بلاغت کے ساتھ پوری طرح ناطق ہے کہ یہ وعدے حضرت مسیح سے جس طرح کیے گئے وہ برمحل اور فطری اضطراب کے لیے بلاشبہ باعث تسکین ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی معرفت کا وقت کے یہود و نصاریٰ کے وراثتی عقائد باطلہ کی تردید کے لیے کافی اور مدلل۔

توفی کا معنی: جمہور اہل حق کی یہ تفسیر ''**توفی**'' کے معنی ''مقررہ مدت پوری کرنا'' اختیار کر کے کی گئی ہے جس کا حاصل (**توفی** بمعنی موت) نکلتا ہے لیکن توفی کے یہ حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ بطور کنایہ کے مستعمل ہوئے ہیں کیونکہ لغت عرب میں اس کا مادہ (میٹر) وفی، یفی، وفاء ہے جس کے معنی ''پورا کرنے'' کے آتے ہیں اور اس کو جب باب تفعل میں لے جا کر ''**توفی**'' بناتے ہیں تو اس کے معنی ''کسی شے کو پورا پورا لے لینا'' یا ''کسی شے کو سالم قبضہ میں کر لینا'' آتے ہیں (**توفی۔ اخذہ وافیا تاماً یقال ''توفیت من فلان مالی علیہ''**) اور چونکہ موت میں بھی۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق روح کو پورا

لے لیا جاتا ہے اس لیے کنایہ کے طور پر" کہ جس میں حقیقی معنی محفوظ رہا کرتے ہیں" توفی بمعنی موت مستعمل ہوتا ہے اور کہتے ہیں "توفاہ اللّٰہ ای اماتہ" لیکن اگر کسی موقعہ پر دوسرے دلائل ایسے موجود ہوں جن کے پیش نظر توفی کے حقیقی معنی لیے جا سکتے ہوں یا حقیقی کے ماسوا دوسرے معنی بن ہی نہ سکتے ہوں تو اس مقام پر خواہ فاعل "اللہ تعالیٰ" اور مفعول "ذی روح انسان" ہی کیوں نہ ہو وہاں حقیقی معنی "پورا لے لینا" ہی مراد ہوں گے۔ مثلاً آیت "اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا" (زمر ۴۲) اللہ پورا لے لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو جن کو ابھی موت نہیں آئی ہے پورا لے لیتا ہے نیند میں" میں "والتی لم تمت" کے لیے بھی لفظ "توفی" بولا گیا یعنی ایک جانب یہ صراحت کی جا رہی ہے کہ یہ وہ جانیں (نفوس) ہیں جن کو موت نہیں آئی اور دوسری جانب یہ بھی بصراحت کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیند کی حالت میں ان کے ساتھ "توفی" کا معاملہ کرتا ہے، تو یہاں اللہ تعالیٰ فاعل ہے "متوفی" اور نفس انسانی مفعول ہے "متوفی" مگر پھر بھی کسی صورت سے "توفی بمعنی موت" صحیح نہیں ہیں ورنہ تو قرآن کا جملہ "والتی لم تمت" العیاذ باللہ مہمل ہو کر رہ جائے گا۔ یا مثلاً "وھو الّذی یتوفکم بالیل ویعلم ماجرحتم بالنھار. (انعام ۶۰) اور وہی (اللہ) ہے جو پورا لے لیتا یا قبضہ میں کر لیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو تم کماتے ہو دن میں" میں بھی کسی طرح توفی بمعنی موت نہیں بن سکتے حالانکہ توفی کا فاعل اللہ اور مفعول انسانی نفوس ہیں، یا مثلاً آیت "حتی اذا جاء احدکم الموت توفتہ رسلنا." (انعام ۶۱) یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے ایک کسی کو موت، قبض کر لیتے ہیں یا پورا لے لیتے ہیں اسکو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)" میں ذکر موت ہی کا ہو رہا ہے لیکن پھر بھی "توفتہ" میں توفی کے معنی موت کے نہیں بن سکتے ورنہ بے فائدہ تکرار لازم آئے گا یعنی "احدکم الموت" میں جب لفظ "موت" کا ذکر آ چکا تو اب "توفتہ" میں بھی اگر توفی کے معنی موت ہی کے لیے جائیں تو ترجمہ یہ ہوگا، "یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے ایک کسی کو موت، موت لے آتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں دوبارہ لفظ موت کا ذکر بے فائدہ ہے اور کلام فصیح و بلیغ اور معجز تو کیا روزمرہ کے محاورہ اور عام بول چال کے لحاظ سے بھی پست اور لاطائل ہو جاتا البتہ اگر "توفی" کے حقیقی معنی "کسی شے پر قبضہ کرنا یا اس کو پورا لے لینا" مراد لیے جائیں تو قرآن عزیز کا مقصد ٹھیک ادا ہوگا اور کلام بھی اپنے حد اعجاز پر قائم رہے گا۔

اب ہر ایک عاقل غور کر سکتا ہے کہ یہ دعویٰ کرنا کہ توفی کے حقیقی معنی موت کے ہیں خصوصاً جبکہ فاعل خدا ہو اور مفعول ذی روح کہاں تک صحیح اور درست ہے؟

بہرحال اس موقعہ پر ''موت'' اور ''توفی'' دونوں کا ساتھ ساتھ بیان ہونا اور دونوں کا ایک ہی معمول ہونا اور پھر دونوں کے معنی میں فرق و تفاوت اس بات کے لیے واضح دلیل ہے کہ یہ دونوں مرادف الفاظ نہیں ہیں اور جس طرح لیث و اسد (بمعنی شیر) ابل و جمل (بمعنی اونٹ) نون و حوت (بمعنی مچھلی) وغیرہ اسماء کا اور جمعٌ، شملٌ، کسبٌ (بمعنی جمع ہونا) اور لبث، مکث (بمعنی ٹھہرنا) اور عطش وظما (پیاس) اور جوعٌ، سغبٌ (بمعنی بھوک) مصادر کا حال ہے، موت اور توفی کے درمیان وہ معاملہ نہیں ہے بلکہ ان کے حقیقی معانی میں نمایاں فرق ہے۔

اور مثلاً آیتہ "فامسِکوھُن فِی البیوتِ حتّٰی یَتوفّٰھُنَ الموت" (نساء ۱۵) پس روکے رکھو ان (عورتوں) کو گھروں میں یہاں تک کہ لے لے ان کو موت'' میں موت کو فعل توفی کا فاعل قرار دیا گیا ہے اور ہر ایک زبان کی نحو (گرامر) کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ فاعل اور فعل ایک نہیں ہوتے، کیونکہ فعل، فاعل سے صادر ہوتا ہے، عین ذاتِ فاعل نہیں ہوا کرتا تو اس سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ توفی کے حقیقی معنی ''موت'' کے ہرگز ہرگز نہیں ہیں، ورنہ اس کا اطلاق جائز نہیں ہو سکتا تھا۔

ان تین مقامات کے علاوہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۱۔

ثُمّ توفی کل نفس بما کسبت.

پھر پورا دیا جائے گا ہر ایک نفس کو جو کچھ اس نے کمایا ہے۔

اور سورۂ نحل کی آیت ۱۱۱۔

وتوفی کل نفس ماعملت. اور پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو کچھ اس نے کمایا ہے۔

میں بھی توفی کا فاعل اللہ تعالیٰ اور مفعول ''نفس انسانی'' ہے تاہم یہاں بھی توفی بمعنی موت نہیں بن سکتے اور یہ بہت واضح اور صاف بات ہے۔

غرض ان آیات میں باوجود اس امر کے کہ ''توفی'' کا فاعل اللہ تعالیٰ اور اس کا مفعول ''انسان یا نفس انسانی'' ہے، پھر بھی باجماع اہل لغت و تفسیر ''موت کے معنی'' نہیں ہو سکتے خواہ اس لیے کہ دلیل اور قرینہ اس معنی کے خلاف ہے اور یا اس لیے کہ اس مقام پر توفی کے حقیقی معنی (پورا لے لینا یا قبض کر لینا) کے ماسوا ''موت کے معنی'' کسی طرح

بن ہی نہیں سکتے۔

تو مرزا قادیانی کا یہ دعویٰ کہ ''توفی'' اور ''موت'' مرادف الفاظ ہیں یا یہ کہ توفی کا فاعل اگر اللہ تعالیٰ اور مفعول، انسان یا نفس انسانی ہو تو اس جگہ صرف ''موت'' ہی کے معنی ہوں گے۔ دونوں دعویٰ باطل اور نصوصِ قرآن کے قطعاً مخالف ہیں۔ ''فھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین''

توفی کا حقیقی معنی فوت نہیں

توفی اور موت یقیناً مرادف الفاظ نہیں ہیں اور توفی کے حقیقی معنی ''موت'' نہیں بلکہ ''پورا لے لینا یا قبض کر لینا'' ہیں۔ قرآن عزیز سے اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ پورے قرآن میں کسی ایک جگہ بھی موت کا فاعل اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو قرار نہیں دیا مگر اس کے برعکس توفی کا فاعل متعدد مقامات پر ملائکہ (فرشتوں) کو ٹھہرایا ہے مثلاً سورۂ نساء ۹۷ میں ہے "ان الذین توفھم الملٰئکۃ" بیشک وہ لوگ جن کو فرشتوں نے قبض کر لیا یا پورا پورا لے لیا'' اور سورہ انعام ۶۱ میں ہے "توفتہ رسلنا." قبض کر لیا یا پورا لے لیا اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتوں) نے۔ اور سورۂ سجدہ میں ہے "قُلْ یتوفکم ملک الموت" (اے محمد ﷺ کہہ دیجیے قبض کرے گا تم کو موت کا فرشتہ'' اور سورۂ انفال ۵۰ میں ہے۔ ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملٰئکۃ اور کاش کہ تو دیکھے جس وقت کہ قبض کرتے ہیں، فرشتے ان لوگوں (کی روحوں) کو جنھوں نے کفر کیا ہے۔

ان تمام مقامات پر اگرچہ توفی ''کنایتہً'' بمعنی موت استعمال ہوا ہے لیکن پھر بھی چونکہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی بجائے ملائکہ اور ملک الموت کی جانب ہو رہی تھی اس لیے لفظ ''متوفی'' کا اطلاق کیا گیا اور لفظ ''موت'' استعمال نہیں کیا گیا اور یہ صرف اس لیے کہ موت تو اللہ کا فعل ہے اور موت کے وقت انسان کا یعنی روحِ انسانی کا قبض کرنا اور اس کو پورا پورا لے لینا یہ فرشتوں کا عمل ہے، تو جن مقامات میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ جب خدا کسی کی اجل پوری کر دیتا اور موت کا حکم صادر فرماتا ہے تو اس کی صورتِ عمل کیا پیش آتی ہے ان مقامات میں موت کا اطلاق ہرگز موزوں نہیں تھا بلکہ ''توفی'' کا لفظ ہی اس حقیقت کو ادا کر سکتا تھا۔

موت اور توفی کے درمیان قرآنی اطلاقات کے پیش نظر ایک بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ قرآنِ عزیز نے جگہ جگہ ''موت'' اور ''حیات'' کو تو مقابل ٹھہرایا ہے لیکن ''توفی'' کو کسی ایک مقام پر بھی ''حیات'' کا مقابل قرار نہیں دیا۔ مثلاً سورۂ ملک ۲ میں

ہے "هوالذی خلق الموت والحیوٰۃ." "خدا ہی وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا موت کو اور زندگی کو" اور سورۂ فرقان ۳ میں ہے "ولا یملکون موتا ولاحیوۃً" اور وہ نہیں مالک ہیں موت کے اور نہ حیات کے اور اسی طرح ان دونوں کے مشتقات کو مقابل ٹھہرایا ہے مثلاً "کیف تحیی الموتی" (بقرہ ۲۶۰) "یحییٰ الارض بعد موتھا." (روم ۲۴) "فاحیا به الارض بعد موتھا" (بقرہ۱۶۴) "واحیی الموتی باذن اللّٰہ" (ال عمران ۴۹) "وھو یحیی الموتی" (شوریٰ ۹) (وغیر ذلک کثیرا) البتہ توفی کے حقیقی معنی میں چونکہ یہ وسعت موجود ہے کہ اسلام کے نقطہ نظر سے موت کی جو حقیقت ہے بطریق کنایہ اس پر بھی حسب موقعہ اس کا اطلاق ہوسکتا ہے تو یہ استعمال اور اطلاق بھی جائز ٹھہرا اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

''متوفی'' کے معنی کی اس مفصل تشریح و توضیح کا حاصل یہ ہوا کہ لغت عرب اور قرآنی اطلاقات دونوں اس کے شاہد ہیں کہ توفی اور موت دونوں کے حقیقی معنی میں بھی اوردونوں کے اطلاقات میں بھی واضح فرق ہے اور دونوں مرادف الفاظ نہیں ہیں۔ خواہ متوفی کا فاعل اللہ تعالیٰ اورمفعول انسان اور روح انسانیؑ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اسلامی نقطہ نظر سے چونکہ موت ایک ایسی حقیقت کا نام ہے جس پر بطریق ''توسع'' اور کنایہ توفی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے پس جس مقام پر قرینہ اورمحل استعمال کا تقاضہ یہ ہو گا کہ وہاں توفی بول کرکنایۃً موت کے معنی لیے جانے چاہئیں تو اس جگہ موت'' کے معنی مراد ہوں گے لیکن اس کے برعکس اگر دلیل' قرینہ اورمحل استعمال حقیقی معنی کا متقاضی ہے تو اس جگہ وہی معنی مراد ہوں گے اور ان ہی کو مقدم سمجھا جائے گا خواہ کنائی معنی وہاں قطعاً نہ بن سکتے ہوں اور خواہ بن سکتے ہوں مگرمحل استعمال اور دوسرے دلائل اس کو مرجوح یا ممنوع قرار دیتے ہوں۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو بہ نظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد لغت کے مشہو امام ابوالبقا' نے یہ تصریح کی ہے کہ عوام میں توفی کے معنی اگر چہ ''موت'' کے سمجھے جاتے ہیں مگر خواص کے نزدیک اس کے معنی ''پورا لے لینا اور قبض کرنا'' ہیں۔ فرماتے ہیں۔ التوفی الاماتہ وقبض الروح والخاص' سورہ مائدہ کی آیت ''انی متوفیک میں اگر حقیقی معنی مردا ہوں۔ جیسا کہ جلیل القدر علما تفسیر و لغت نے اختیار کیے ہیں...... تب بھی مرزا قادیانی کے علی الرغم آیات زیر بحث کا یہ مطلب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ تسلی دی گئی ''اے عیسیٰ! میں تجھ کو پورا پورا لے لینے والا ہوں یا تجھ کوقبض کرنے والا ہوں اورصورت یہ ہو گی کہ میں تجھ کو اپنی جانب (ملاء اعلیٰ کی جانب) اٹھا لینے والا ہوں

اور تجھ کو دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں سے پاک رکھنے والا ہوں' یعنی جب شروع میں یہ بتلایا کہ تجھ کو قبض کر لیا جائے گا یا پورا لے لیا جائے گا تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوا کہ قبض کرنے اور پورا لے لینے کی مختلف شکلیں ہیں مثلاً ایک یہ کہ موت آ جائے اور روح کو قبض کر لیا جائے اور دوسری یہ کہ زندہ ملاء اعلیٰ کی جانب (اپنی جانب) اٹھا لیا جائے۔ تو یہاں کون سی صورت پیش آئے گی پس اس کو صاف اور واضح کرنے کے لیے کہا گیا کہ دوسری شکل اختیار کی جائے گی تاکہ دشمنوں کی سازشوں کے مقابلہ میں معجزانہ تدبیر کے ذریعہ وعدہ الٰہی "ومکروا ومکر الله والله خیر الماکرین" پورا ہو اور "واذ کففت بنی اسرائیل عنک" کا عظیم الشان مظاہر ہو جائے۔ اور "متوفی" اور "رفع" ہو جانے پر نتیجہ یہ نکلے کہ ذات اقدس کافروں کے ہاتھ سے ہر طرح محفوظ ہو جائے اور اس طرح وعدہ ربانی "ومطهرک من الذین کفروا" بغیر کسی تاویل کے صحیح ہو جائے اور تاویل باطل کے ذریعہ شک اور تردد یا حقیقت حال سے انکار صرف ان ہی قلوب کا حصہ رہ جائے جو قرآن سے علم حاصل کرنے کی بجائے اول اپنے ذاتی اوہام وظنون کو راہنما بناتے اور قرآن کے منطوق ومفہوم کے خلاف اس کے منہ میں اپنی زبان رکھ دینا چاہتے ہیں اور اس سے وہ کہلانا چاہتے ہیں جو وہ خود کہنا نہیں چاہتا مگر وہ قرآن عزیز کی اس صفت سے غافل رہتے ہیں "لایاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید." (حم سجدہ ۴۲) اس قرآن کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے (کسی جانب سے بھی) باطل نہیں پھٹک سکتا' یہ اتارا ہوا ہے ایسی ہستی کی جانب سے جو حکمت والی' خوبیوں والی ہے۔"

متنبی پنجاب کو جب قرآن عزیز کی ان نصوص سے متعلق تحرفی معنوی میں ناکامی ہوئی اور خسران کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا تو مجبور ہو کر اور قرآن عزیز کے اطلاقات' احادیث صحیحہ کی اطلاعات اور اجماع امت کے فیصلہ کو پس پشت ڈال کر "فلسفہ" کی آغوش میں پناہ لینے کا ارادہ کیا اور اپنی تصانیف میں یہ ہرزہ سرائی کی کہ اگر حضرت مسیح آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے تو یہ عقل کے خلاف ہے اس لیے کہ کوئی مادی جسم ملاء اعلیٰ تک پرواز نہیں کر سکتا اور کر بھی جاتا تو اتنی طویل مدت کیسے زندہ ہے اور وہاں کھانے' پینے اور رفع حاجت کرنے کی صورت کیسے عمل میں آ سکتی ہے؟

فلسفہ جدید اور رفع مسیح علیہ اسلام

قدرت الٰہی کے معجزانہ افعال کو خلاف عقل کہہ کر بات اگر ختم ہو سکتی تو شاید

کادیانی کی یہ فلسفیانہ موشگافی درخور اعتنا سمجھی جا سکتی لیکن آج فلسفہ جدید بہ شکل سائنس ترقی کر کے جس حد تک پہنچ چکا ہے وہاں نظریات (Thiorts) نہیں بلکہ مشاہدات اور عملیات (Pratiees) اس بات کو ثابت کرر ہے ہیں کہ فضاء کے موانعات کو اگر آہستہ آہستہ ہٹا دیا جائے یا ان کو ضبط (Controt) میں لے آیا جائے تو مادی جسم کے لیے غیر معلوم بلندی تک پہنچنا ممکن العمل ہو جائے گا اور اس کے لیے جو جدوجہد کر رہے ہیں اس کو ممکن العمل سمجھ کر ہی کر رہے ہیں اور سائنٹیفک (Scientific) طریقہ پر کر رہے ہیں' پس اگر آج کا انسان میلوں اوپر ہوائی جہاز کے ذریعہ جا سکتا ہے اور ٹیلی وثیرن کے ذریعہ ہزاروں میل سے مادی انسان کے ساتھ باتیں کرتے وقت اس کے جسم کی تصویر لے سکتا ہے اور ہوا اور آفتاب کی لہروں اور شعاعوں پر کنٹرول کر کے ہزاروں میل تک اپنی آواز کو بزریعہ ریڈیونشر کر سکتا ہے گویا وہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے تو اس انساں کے خالق بلکہ خالق کائنات کے متعلق ازرہ تفلسف یہ کہنا کہ وہ مادی جسم کو ملاء اعلیٰ تک کیسے لے جا سکتا ہے اپنی غباوت پر مہر کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔

اوراگرادویات اورغذاؤں اور حفظان صحت کے مختلف طریق سے عمر طبعی کو دوگنا اور تین گنا کیا جا سکتا اور کیا جا رہا ہے نیز اگر مختلف غذاؤں کے اثرات و نتائج میں یہ فرق ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے کہ کسی سے فضلہ زیادہ بنے اور کسی سے بہت کم بنے اور کسی سے قطعاً نہ بنے بلکہ وہ خالص خون کی شکل میں تحلیل ہوجائے اور اگرانسان اپنی ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ روحانی قوت کو بڑھا کر آج اس دنیا میں دنوں' ہفتوں بلکہ مہینوں بغیرخورد نوش زندہ رہ سکتا ہے تو مجبور انسانوں کی ان کامیاب کوششوں کو صحیح سمجھنے کے باوجود خالق ارض و سماوات کی جانب حضرت مسیح علیہ السلام کی رفعت آسمانی پر مسطورہ بالا شکوک پیش کرنا یا ان کے پیش نظر ان کے بجسد عنصری ملاءِ اعلیٰ تک پہنچنے اور وہاں زندہ رہنے کا انکار کرنا اگر جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص علمی حقائق سے ناآشنا اور علوم قرآن سے محروم ہے وہ ''خلاف عقل'' اور ''ماوراء عقل'' ان دونوں باتوں کے درمیان فرق کرنے سے عاجز ہے اور اس لیے ہمیشہ ماوراءِ عقل کو خلاف عقل کہہ کر پیش کرتا رہتا ہے۔

دراصل انسان کی فکری گمراہیوں کا سرچشمہ صرف دو ہی باتیں ہیں ایک یہ کہ انسان ''عقل'' سے اس درجہ بے بہرہ ہو جائے کہ ہر ایک بات بے سمجھے بوجھے مان لے اور اندھوں کی طرح ہر ایک راہ پر چلنے لگے دوسری بات یہ کہ جو حقیقت بھی عقل سے

بالاتر نظر آئے اس کو فوراً جھٹلا دے اور یہ یقین کر لے کہ جس شے کو اس کی سمجھ یا چند انسانوں کی سمجھ ادراک نہیں کر سکتی وہ شے حقیقتۃً وجود نہیں رکھتی اور تکذیب کے لائق ہے حالانکہ بہت سی باتیں وہ ہیں جو ایک دور کے تمام عقلاء کے نزدیک ماوراء عقل سمجھی جاتی ہیں، اس لیے کہ ان کی عقلیں ان باتوں کا ادراک کرنے سے عاجز رہیں مگر وہی باتیں علمی ترقی کے دوسرے دور میں جا کر نہ صرف ممکن الوقوع قرار پاتی، بلکہ مشاہدہ اور تجربہ میں آ جاتی ہیں پس اگر ہر ایک وہ شے جو کسی ایک انسان یا جماعت یا اس دور کے تمام اہل عقل کے نزدیک ماوراء عقل تھی ''خلاف عقل'' کہلانے کی مستحق تھی تو وہ دوسرے دور میں کیوں عقل کے لیے ممکن ہوئی بلکہ مشاہدہ میں آ گئی۔

قرآن عزیز نے گمراہی کی اس پہلی حالت کو (جہل، ظن، خرص (اٹکل)) سے تعبیر کیا ہے اور دوسری حالت کو ''الحاد'' کہا ہے ''اور یہ دونوں حالتیں ''علم و عرفان'' سے محروی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔''

خلاف عقل اور ماوراء عقل کے درمیان یہ فرق ہے کہ خلافِ عقل بات وہ ہو سکتی ہے جس کے نہ ہو سکنے کے متعلق علم و یقین کی روشنی میں مثبت دلائل و براہین موجود ہوں اور عقل، دلیل و برہان اور علم یقین سے یہ ثابت کرتی ہو کہ ایسا ہونا ناممکن اور محال ذاتی ہے اور ماوراءِ عقل اس بات کو کہتے ہیں کہ بعض باتوں کے متعلق عقل ہی کا یہ فیصلہ ہے کہ چونکہ انسانی عقل کا ادراک ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھتا اور حقیقت اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی لہٰذا ہر وہ بات جو عقل کے احاطہ میں نہ آ سکتی ہو مگر اس کے انکار پر علم و یقین کے ذریعہ برہان و دلیل بھی نہ دی جا سکتی ہوں تو ایسی بات کو خلاف عقل نہیں بلکہ ماوراءِ عقل کہیں گے۔

خلافِ عقل اور ماوراء عقل کے درمیان امتیاز ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ جن چیزوں کو کل کی دنیا میں عام طور پر خلاف عقل کہا جاتا رہا ان کو اہل دانش و بینش نے خلاف عقل نہ سمجھتے ہوئے موجودہ دور میں ممکن بلکہ موجود کر دکھایا اور کل یہی عقل کی ترقی آج کی بہت سی ماوراء عقل باتوں کو احاطہ عقل میں لا سکے گی اور نہ معلوم یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔

پس جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجسد عنصری رفع الی السماء کا اس لیے منکر ہے کہ عقلی فلسفہ اس کا انکار کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ ''برہان و دلیل اور علم و یقین کی جگہ محض جہل، ظن، اٹکل کے ماتحت ہے اور ایسے حضرات کے لیے پھر عالم غیب کی تمام

ماوراءِ عقل باتوں مثلاً وحی، فرشتہ، جنت، جہنم، حشر، معاد، معجزہ وغیرہ تمام باتوں کو خلافِ عقل کہہ کر جھٹلا دینا چاہیے۔

قرآن عزیز نے ان ہی جیسے منکرین حق کے متعلق صاف صاف مکذبین کا لقب تجویز کر دیا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ. (یونس ۳۹)

نہیں یہ بات نہیں ہے (جیسا کفار کہتے ہیں) اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر یہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے۔ ٹھیک اسی طرح انھوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں تو دیکھو، ظلم کرنے والوں کا کیسا کچھ انجام ہو چکا ہے؟

آیت میں **کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ** کہہ کر جس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے ''یعنی انسان کی عقل جس بات کا ادراک نہ کر سکے اس کو دلیل و برہان اور علم یقین کے بغیر ہی جھٹلا دینا اور صرف اس بناء پر انکار کر دینا کہ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے'' اس کی ایک نظیر مرزا قادیان کا وہ انکار ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ''رفع الی السماء'' سے متعلق ہے اور اس کے خلیفہ مسٹر لاہوری کی فلسفیانہ موشگافیاں بھی اسی بے دلیل انکار وجحو کا شعبہ ہیں۔

اس حربہ کو بھی کمزور سمجھ کر متنبی پنجاب نے پھر رخ بدلا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس موقعہ کے علاوہ قرآن کے کسی مقام سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ''رفع'' سے ''رفع روحانی'' کے ماسوا کوئی معنی لیے گئے ہیں یعنی مادی شے کی جانب رفع کی نسبت کی گئی ہو لہٰذا اس مقام پر بھی رفع روحانی کے علاوہ معنی لینا قرآن کے اطلاق و استعمال کے خلاف ہے۔

مگر متنبی کاذب کا یہ دعویٰ اوّل تو بنیاداً ہی غلط ہے کیونکہ اگر کسی لفظ کے محل استعمال سے یا قرآن ہی کی دوسری نصوص سے ایک معنی متعین ہیں تب یہ سوال پیدا کرنا کہ یہی استعمال دوسرے کسی مقام پر جب تک ثابت نہیں ہوگا قابل تسلیم نہیں'' حد درجہ کی نادانی ہے تاوقتیکہ دلیل سے یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ لغت عرب میں اس لفظ کا اس معنی میں استعمال جائز ہی نہیں اور اگر اتمام حجت کے طور پر اس قسم کے لچر سوال یا دعویٰ کو قابل جواب یا لائق رد سمجھا ہی جائے تو سورۂ والنازعات ۲۷ کی یہ آیت کافی و وافی ہے۔

ء انتم اشد خلقاً ام السماء (اے افرادِ نسل انسانی!) خلقت اور پیدائش کے

لحاظ سے بنھا رفع سمکھا (الآیہ) کیا تم زیادہ بھاری اور بوجھل ہو یا آسمان، جس کو خدا نے بنایا اور اس کے بوجھل جسم کو بلند کیا۔

اور ایک آسمان پر ہی کیا موقوف ہے یہ ہم سے لاکھوں اور کروڑوں میل دور فضا میں سورج، چاند اور ستاروں کو خدائے برتر نے جو بلندی اور رفعت عطا کی ہے کیا یہ سب کے سب مادی اجسام نہیں ہیں؟ اور اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو جس خالق ارض و سماوات نے ان مادی اجسا کا رفع کیا ہے وہ اگر ایک انسانی مخلوق کا رفع آسمانی کر دے تو اس کو قرآن کے اطلاق و استعمال کے خلاف کہنا غباوت اور جہالت نہیں تو اور کیا ہے، البتہ ثبوت درکار ہے تو اس کے لیے قرآن عزیز کی نصوص، صحیح احادیث اور اجماع امت سے زیادہ موثق ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع سماوی اور چند جذباتی باتیں

مرزا قادیانی نے اگرچہ اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف یہود و نصاریٰ کی پیروی میں تحریف مطالب کی کافی سعی ناکام کی ہے اور مسٹر لاہوری نے بھی تفسیر قرآن میں تحریف معنوی کے ذریعہ اپنے مقتداء کی مدد کی تاہم دل کا چور ان کو مطمئن نہیں کر سکا اور اس لیے انھوں نے دلائل و براہین کی جگہ جذبات کو دلیل راہ بنایا اور کبھی تو یہ کہا کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ تسلیم کرتے ہیں وہ ان کو خاتم الانبیاء محمد ﷺ پر فضیلت دیتے ہیں کہ آپ زمین پر ہوں اور حضرت عیسیٰ آسمان پر۔ یہ تو سخت توہین کی بات ہے۔

لیکن علمی حلقوں میں اس لچر اور پوچ جذبہ کی کیا قدر و قیمت ہوسکتی ہے جبکہ ہر ایک مذہبی انسان اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہے کہ اگرچہ فرشتے ہمیشہ بقید حیات ملاءِ اعلیٰ میں موجود اور سکونت پذیر ہیں تاہم ان سب کے مقابلہ میں بلکہ ان کی جلیل القدر ہستیوں مثلاً جبرائیل و میکائیل کے مقابلہ میں بھی ایک مفضول سے مفضول نبی کا رتبہ بہت بلند اور عالی ہے حالانکہ وہ نبی زمین پر مقیم رہا ہے اور جبرائیل کا قیام ملاءِ اعلیٰ کے بھی بلند تر مقام پر رہتا ہے چہ جائیکہ خاتم الانبیاء ﷺ کا مرتبہ جلیل کہ جس کی عظمت ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' میں مضمر ہے، علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے شب معراج میں ''قاب قوسین اور ادنیٰ'' کا جو تقرب پایا ہے وہ نہ کسی ملک اور فرشتہ کو حاصل ہوا اور نہ کسی نبی اور رسول کو اس لیے حضرت مسیح کا رفع آسمانی اس ''رفعت'' کو پہنچ ہی نہیں سکتا جو اسریٰ میں آپ کو حاصل ہوئی بہرحال فاضل و مفضول کے درمیان فرق مراتب کے لیے تنہا ملاءِ

اعلیٰ کا قیام معیارِ فضیلت نہیں ہے خصوصاً اس ''افضل ہستی'' کے مقابلہ میں جس کی فضیلت کا معیار خود اس کا وجودِ باوجود ہو اور جس کی ذاتِ قدسی صفات خود ہی منبع فضائل اور مرجع کمالات ہو، ایسی ہستی سے تو ''مقام'' عزت و مرتبہ پاتا ہے نہ کہ وہ ذات گرامی ؎

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور کبھی یہ کہا کہ جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کرتا ہے وہ ''العیاذ باللہ'' نبی اکرم ﷺ کی اس لیے توہین کرتا ہے کہ وہ بقید حیات نہیں رہے اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھر ذاتِ اقدس پر برتری حاصل ہوگئی۔

یہ مقولہ پہلے سے بھی زیادہ بے کیف اور بے معنی ہے بلکہ سرتاسر غلط بنیاد پر قائم، اس لیے کہ کون اہل عقل اور ذی ہوش کہہ سکتا ہے کہ ''زندگی'' بھی فاضل و مفضول کے درمیان معیارِ فضیلت ہے، اس لیے کہ زندگی کی قیمت ذاتی کمالات و فضائل سے ہے نہ اس لیے کہ وہ زندگی ہے پھر ''معیارِ فضیلت'' کی اس بحث سے قطع نظر اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کے مسئلہ فضیلت کو درمیان لانا اس لیے بھی قطعاً بے محل ہے کہ جبکہ قرآن عزیز کی نصوص نے تمام کائنات پر آپ ﷺ کی برتری کو ثابت کر دیا اور آپ ﷺ کی سیرت نے زندہ شہادت بن کر ان نصوص کی تصدیق کر دی تو کسی بھی انسان کی ''زندگی'' یا ''رفع آسمانی'' یا اور کوئی ''وجہ فضیلت'' اس کے مقابلہ میں نہیں لائی جا سکتی، اور ہر ایک حالت وصورت میں ''فضل کلی'' اسی جامع کمالات ہستی کو حاصل رہے گا۔

وَلٰكِن شُبِّهَ لَهُم کی تفسیر

اس مسئلہ کو ختم کرنے سے پہلے اب ایک بات باقی رہ جاتی ہے کہ سورۂ نساء کی مسطورۂ بالا آیت میں ''ولکن شبہ لھم'' کی کیا تفسیر ہے؟ یعنی وہ کیا اشتباہ تھا جو یہودیوں پر طاری کر دیا گیا، تو قرآن عزیز اس کا جواب اس مقام پر بھی اور آل عمران میں بھی ایک ہی دیتا ہے اور وہ ''رفع الی السماء'' ہے، آلِ عمران میں اس کو وعدہ کی شکل میں ظاہر کیا ''ورافعک الی'' اور نساء میں ایفاء وعدہ کی صورت میں یعنی ''بل رفعه الله الیه'' جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ محاصرہ کے وقت جب منکرین حق گرفتاری کے لیے اندر گھسے تو وہاں عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا، یہ دیکھا تو سخت حیران ہوئے اور کسی طرح اندازہ نہ لگا سکے کہ صورتِ حال کیا پیش آئی اور اس طرح ''ولکن شبه لهم'' کا مصداق بن کر رہ گئے، اس کے بعد قرآن کہتا ہے ''ان الذین اختلفوا فیه لفی شک منه

مالهم به من علمٍ الا اتباع الظن وما قتلوہ یقینا" تو یہ اشتباہ کے بعد جو صورت حال پیش آئی اس کا نقشہ بیان کیا گیا ہے اور اس سے دو باتیں بصراحت ظاہر ہوتی ہیں ایک یہ کہ یہود اس سلسلہ میں اس طرح شک میں پڑ گئے تھے کہ گمان اور اٹکل کے ماسوا ان کے پاس علم و یقین کی کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی تھی اور دوسری بات یہ کہ انھوں نے کسی کو قتل کر کے یہ مشہور کیا کہ انھوں نے "مسیح علیہ السلام" کو قتل کر دیا اور یا پھر آیت زمانہ نبوتِ محمدی کے یہود کا حال بیان کر رہی ہے۔

پس قرآن عزیز کے ان واضح اعلانات کے بعد جو حضرت مسیح علیہ السلام کی حفاظت و صیانت کے سلسلہ میں کیے گئے ہیں اور جن کو تفصیل کے ساتھ سطور بالا میں بیان کر دیا گیا ہے ان دو باتوں کی جزئی تفصیلات کا تعلق آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور تاریخی روایات پر رہ جاتا ہے اور اس سلسلہ میں صرف ان ہی روایات و آثار کو قابل تسلیم سمجھا جائے گا جو اپنی صحت روایت کے ساتھ ساتھ ان بنیادی تصریحات سے نہ ٹکراتی ہوں جن کا ذکر متعدد مقامات پر قرآنِ عزیز نے بصراحت کر دیا ہے اور "**القران یفسر بعضه بعضا**" قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی خود ہی تفسیر کر دیتا ہے" کے اصول پر جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دشمن ہاتھ تک نہ لگا سکے اور وہ محفوظ ملاءِ اعلیٰ کی جانب اٹھا لیے گئے اور جیسا کہ حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام کی بحث میں ابھی نصوص قرآنی سے ثابت ہوگا کہ وہ وقوع قیامت کے لیے "نشان" ہیں اور اس لیے دوبارہ کائنات ارضی میں واپس آ کر اور مفوضہ خدمت انجام دے کر پھر موت سے دوچار ہوں گے۔

شخص مقتول و مصلیب سے متعلق آثار و تاریخ کی جو ملی جلی روایات ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ "سبت کی شب" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس کے ایک بند مکان میں اپنے حواریوں کے ساتھ موجود تھے کہ بنی اسرائیل کی سازش سے دمشق کے بت پرست بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے لیے ایک دستہ بھیجا اس نے آ کر محاصرہ کر لیا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ملاءِ اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا جب سپاہی اندر داخل ہوئے تو انھوں نے حواریوں میں ایک ہی شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شبیہ پایا اور اس کو گرفتار کر کے لے گئے اور پھر اس کے ساتھ وہ سب کچھ ہوا جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے۔ ان ہی روایات میں بعض اس کا نام یودس بن کریایوطا بیان کرتے ہیں اور بعض جرجس اور دوسرے داؤد بن لوزا کہتے ہیں۔

پھر ان روایات میں سے بعض میں ہے کہ یہ شخص مقتول اپنی خلقت ہی میں

حضرت مسیح علیہ السلام کا مشابہ اور ان کا نقش ثانی تھا، اسرائیلیات انجیلی میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے یہودا اسخر یوطی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شبیہ تھا اور بعض روایات میں ہے کہ جب یہ نازک گھڑی آ پہنچی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو دعوت و تبلیغ حق سے متعلق تلقین و ہدایات کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھ کو مطلع کر دیا ہے کہ میں ایک مدت تک کے لیے ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا جاؤں گا اور یہ واقعہ مخالفین اور متبعین دونوں کے لیے سخت آزمائش و امتحان بن جانے والا ہے لہٰذا تم میں سے جو شخص اس پر آمادہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرا شبیہ بنا دے اور وہ خدا کی راہ میں جامِ شہادت پیے اس کو جنت کی بشارت ہے، تب ایک حواری نے پہل کی اور خود کو اس کے لیے پیش کیا اور منجانب اللہ وہ حضرت کا ہم شکل ہو گیا اور سپاہیوں نے اس کو گرفتار کر لیا۔ (واقعات کی یہ تفصیلات تاریخ ابن کثیر جلد ۲ اور کتب تفسیر میں منقول ہیں)

یہ تفصیلات نہ قرآن میں مذکور ہیں اور نہ احادیث مرفوعہ میں اس لیے وہ صحیح ہوں یا غلط نفس مسئلہ اپنی جگہ اٹل ہے اور قرآن کی آیات میں منصوص، اس لیے اصحابِ ذوق کو اختیار ہے کہ وہ صرف قرآن کے اس اجمال پر ہی قناعت کریں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا رفع الی السماء اور ہر طرح دشمنوں سے تحفظ نیز یہود پر معاملہ کا مشتبہ ہو کر کسی دوسرے کو قتل کرنا، یہود و نصاریٰ کے پاس اس سلسلہ میں علم و یقین سے محروم ہو کر ظن و تخمین اور شک و شبہ میں مبتلا ہو جانا اور قرآن کا حقیقت واقعہ کو علم و یقین کی روشنی میں ظاہر کر دینا یہ سب حقائق ثابتہ ہیں یا "ولکن شبه لهم" اور "ان الذین اختلفوا فیه لفی شک منه" (الآیہ) کی تفسیر میں ان روایات کی تفصیلات کو بھی قبول کر لیں اور یہ سمجھ کر تسلیم کریں کہ زیر بحث آیات کی تفسیر ان تفصیلات پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ امر زائد ہے جو آیات کی تفسیر صحیح کے لیے مؤید ہے۔

حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت

سورۂ آل عمران، مائدہ اور نساء کی زیر بحث آیات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حکمت الٰہی کا یہ فیصلہ صادر ہوا کہ ان کو بقید حیات ملاءِ اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا جائے اور وہ دشمنوں اور کافروں سے محفوظ اٹھا لیے گئے لیکن قرآن نے اس مسئلہ میں صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حسب موقعہ ان کی حیاتِ امروز پر نصوصِ قطعیہ کے ذریعہ متعدد جگہ روشنی ڈالی ہے اور ان مقامات میں اس جانب بھی

اشارات کیے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیاتِ طویل اور رفع الی السماء میں کیا حکمت مستور تھی تاکہ اہل حق کے قلوب تازگی ایمان سے شگفتہ ہو جائیں اور باطل کوش اپنی کور باطنی پر شرمائیں۔

لیؤمنن بہ قبل موتہ

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔ (نساء ۱۶۹) اور کوئی اہل کتاب میں سے باقی نہ رہے گا مگر یہ کہ وہ ضرور ایمان لائے گا عیسیٰ پر اس (عیسیٰ) کی موت سے پہلے اور وہ (عیسیٰ) قیامت کے دن ان پر (اہل کتاب پر) گواہ بنے گا۔

اس آیت سے قبل آیات میں وہی مسطورۂ بالا واقعہ مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صلیب پر چڑھایا گیا اور نہ قتل کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب اٹھا لیا یہ یہود و نصاریٰ کے اس عقیدہ کی تردید ہے جو انھوں نے اپنے باطل زعم اور اٹکل سے قائم کر لیا تھا، ان سے کہا جا رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق صلیب پر چڑھائے جانے اور قتل کیے جانے کا دعویٰ قابل لعنت ہے کیونکہ بہتان اور لعنت توام ہیں اس کے بعد اس آیت میں امر اوّل کی تصدیق میں اس جانب توجہ دلائی جا رہی ہے کہ آج اگر اس ملعون عقیدہ پر فخر کر رہے ہو تو وہ وقت بھی آنے والا ہے جب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام خدائے برتر کی حکمت و مصلحت کو پورا کرنے کے لیے کائنات ارضی پر واپس تشریف لائیں گے اور اس عینی مشاہدہ کے وقت اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے ہر ایک موجود ہستی کو قرآن کے فیصلہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان کے آنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے گا اور پھر جب وہ اپنی مدتِ حیات ختم کر کے موت کی آغوش سے دوچار ہو جائیں گے تو قیامت کے دن اپنی امت (اہل کتاب) پر اسی طرح گواہ ہوں گے جس طرح تمام انبیاء و مرسلین اپنی اپنی امتوں پر شاہد بنیں گے۔

یہ حقیقت کچھ مخفی نہیں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اگرچہ یہود و نصاریٰ دونوں واقعہ صلیب و قتل پر متفق ہیں لیکن اس سلسلہ میں دونوں کے عقائد کی بنیاد قطعاً متضاد اصول پر قائم ہے، یہود، حضرت مسیح علیہ السلام کو مفتری و کاذب کہتے اور دجال سمجھتے ہیں اور اس لیے فخر کرتے ہیں کہ انھوں نے یسوع مسیح کو صلیب پر بھی چڑھایا اور پھر اس حالت میں مار بھی ڈالا۔ اس کے برعکس نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کا پہلا انسان آدم علیہ السلام گنہگار تھا اور ساری دنیا گنہگار تھی اس لیے خدا کی صفت ''رحمت''

نے ارادہ کیا کہ دنیا کو گناہوں سے نجات دلائے اس لیے اس کی صفت ''رحمت'' نے ابنیت (بیٹا ہونے) کی شکل اختیار کی اور اس کو دنیا میں بھیجا تا کہ وہ یہود کے ہاتھوں سولی پر چڑھے اور مارا جائے اور اس طرح ساری کائناتِ ماضی و مستقبل کے گناہوں کا ''کفارہ'' بن کر دنیا کی نجات کا باعث بنے۔

سورۂ نساء کی آیات میں قرآن عزیز نے صاف صاف کہہ دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کے دعویٰ کی بنیاد کسی بھی عقیدہ پر مبنی ہو لائق لعنت اور باعث ذلت و خسران ہے، خدا کے سچے پیغمبر کو مفتری سمجھ کر یہ عقیدہ رکھنا بھی لعنت کا موجب اور خدا کے بندے اور مریم کے بطن سے پیدا انسان کو خدا کا بیٹا بنا کر اور ''کفارہ'' کا باطل عقیدۂ تراش کر مسیح علیہ السلام کو مصلوب و مقتول تسلیم کرنا بھی گمراہی اور علم و حقیقت کے خلاف اٹکل کا تیر ہے اور اس سلسلہ میں صحیح اور مبنی برحقیقت فیصلہ وہی ہے جو قرآن نے کیا ہے اور جس کی بنیاد ''علم و یقین اور وحی الٰہی'' پر قائم ہے۔

پس آج جبکہ تمھارے سامنے اس اختلاف کے فیصلہ کے لیے جو شک وظن کی شکستہ بنیادوں پر قائم تھا علم و یقین کی روش آ چکی ہے پھر بھی تم اپنے ظنونِ فاسدہ اور اوہامِ فاسدہ پر اصرار کر رہے ہو اور حضرت مسیح سے متعلق باطل عقیدہ کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہو تو قرآن کا ایک دوسرا فیصلہ اور وحی الٰہی کا یہ اعلان بھی سن لو کہ تمہاری نسلوں پر وہ وقت بھی آنے والا ہے جب قرآن کے اس صحیح فیصلہ اور اعلانِ حق کے مطابق حضرت مسیح ملاءِ اعلیٰ سے کائنات ارضی کو واپس ہوں گے اور ان کی یہ آمد ایسی مشاہد ہو گی کہ یہود و نصاریٰ میں سے ایک فرد بھی ایسا نہ رہے گا جو بادلِ خواستہ یا بادلِ ناخواستہ اس ذاتِ گرامی پر یہ ایمان نہ لے آئے کہ بلاشبہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں، خدا کے بیٹے نہیں، برگزیدہ انسان ہیں، مصلوب و مقتول نہیں ہوئے تھے بقید حیات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں "وان من اھل الکتب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ"

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ سورۂ آل عمران اور سورۂ مائدہ کی طرح اس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے لفظ ''توفی'' نہیں بولا گیا بلکہ بصراحت لفظ ''موت'' استعمال کیا گیا ہے، یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ان دونوں مقامات پر جس حقیقت کا اظہار مقصود ہے اس کے لیے ''توفی'' ہی مناسب ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران سے متعلق آیات کی تشریح و تفسیر میں گزر چکا اور سورۂ مائدہ سے متعلق آیت کی تفسیر میں عنقریب بیان ہوگا اور اس جگہ چونکہ براہِ راست ''موت'' ہی کا تذکرہ مطلوب ہے، اور

اس حالت کا ذکر ہے جس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام بھی ''کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الموت'' کا مصداق بننے والے ہیں، اس لیے یہاں ''موت'' کو بصراحت لانا ہی از بس ضروری تھا، اور یہ مزید برہان ہے اس دعویٰ کے لیے کہ آل عمران اور مائدہ میں لفظ ''موت'' کی جگہ ''توفی'' کا اطلاق بلاشبہ خاص مقصد رکھتا ہے ورنہ جس طرح ان دونوں مقامات پر توفی کا اطلاق کیا گیا تھا اسی طرح یہاں بھی کیا جاتا یا جس طرح اس جگہ لفظ ''موت'' کا اطلاق کیا گیا ہے اسی طرح ان دونوں مقامات پر بھی لفظ موت ہی کا استعمال ہونا چاہیے تھا، مگر قرآن عزیز کے ان دقیق اسالیب بیان کے فرق کا فہم طالبین حق کا ہی حصہ ہے نہ کہ مرزا قادیانی اور مسٹر لاہوری جیسے اصحابِ زیغ کا جو اپنی خاص اغراض ذاتی کے پیش نظر پہلے ایک نظریہ ایجاد کر لیتے ہیں اور بعدازاں اس سلسلہ کی تمام آیات قرآنی کو اسی کے سانچہ میں ڈھال کر اس کا نام ''تفسیر قرآن'' رکھتے ہیں۔

بہرحال جمہور کے نزدیک آیت زیر عنوان کی تفسیر یہی ہے جو سپردِ قلم کی جا چکی، مشہور محدث، جلیل القدر مفسر اور اسلامی مورخ، عماد الدین بن کثیر رحمہ اللہ اس تفسیر کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمہ اللہ سے بسند صحیح نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

قتادہ عبدالرحمٰن اور بہت سے مفسروں کا یہی قول ہے اور یہی قولِ حق ہے جیسا کہ عنقریب ہم دلیل قاطع سے اس کو ثابت کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) (ابن کثیر ج ۱)

اور سرتاجِ محدثین ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بھی اسی کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اسی تفسیر پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یقین کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس تفسیر کو ابن جریر نے بروایت سعید بن جبیر اور ابو رجاء نے بھی حسن رحمتہ اللہ علیہ سے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "قبل موتہ" یعنی قبل موتِ عیسیٰ علیہ السلام قسم بخدا بیشک و شبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بقید حیات ہیں اور جب وہ آسمان سے اتریں گے تو سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے، اور ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی تفسیر کو اکثر اہل علم سے نقل کیا ہے اور ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۷)

مگر اس صحیح تفسیر کے علاوہ کتب تفسیر میں احتمال عقلی کے طور پر دو قول اور بھی منقول ہیں۔ مگر وہ دونوں بلحاظِ سند ضعیف اور ناقابل اعتماد اور بلحاظ سیاق و سباق (یعنی

آیت زیرِ بحث سے قبل اور بعد کی آیات کے لحاظ سے) غلط اور ناقابلِ التفات ہیں یعنی ایسے احتمالاتِ عقلی ہیں جو نقل اور آیات کے باہمی نظم و ترتیب کے خلاف ہیں۔

ان ہر دو معانی میں سے ایک معنی یہ ہیں کہ "موتہ" میں جو ضمیر ہے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بجائے اہلِ کتاب کی جانب لوٹایا جائے اور آیت کا ترجمہ یوں کیا جائے "اور اہلِ کتاب میں سے کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آتا ہو" یعنی اگرچہ یہود و نصاریٰ اپنی زندگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق قرآن کے بتلائے ہوئے عقیدے پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے اپنے عقیدہ پر قائم رہتے ہیں، لیکن جب ان کو "موت" آدباتی ہے تو وہ اس آخری حالت میں "جو نزع کا وقت کہلاتا ہے" صحیح عقیدہ کے مطابق ایمان لے آتے ہیں اور اہلِ کتاب کے ہر ایک فرد پر بلا استثناء یہی حالت گزرتی ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ "اہلِ کتاب کا ہر ایک فرد اپنی موت سے پہلے محمد ﷺ پر ایمان لے آتا ہے" یعنی جب وہ عالمِ دنیا سے منقطع ہو کر عالمِ غیب سے وابستہ ہو رہا ہوتا ہے اس وقت اس پر اصل حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ محمد ﷺ بیشک خدا کے سچے پیغمبر تھے۔

پس اس بات سے قطع نظر کہ یہ دونوں تفسیریں نقل روایت کے اعتبار سے ناقابلِ اعتماد اور غیر صحیح اور آیات کے سیاق و سباق کے خلاف ہیں عقلی نقطہ نظر سے بھی غلط ہیں اس لیے کہ اگر آیت کے معنی یہ ہیں جو سطورِ بالا میں نقل کیے گئے تب یہ آیت اپنے مقصد بیان کے خلاف بے معنی اور بے نتیجہ ہو جاتی ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ قرآنِ عزیز دوسرے مقامات پر یہ صاف کہہ چکا ہے کہ جب انسان عالمِ دنیا سے کٹ کر عالمِ غیب سے وابستہ ہو جاتا ہے اور نزع کی یہ کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے کہ جو معاملات اس ساعت سے قبل تک اس کے لیے غیب کے معاملات تھے وہ مشاہدہ میں آنے شروع ہو جاتے ہیں تو اس وقت اس کے اعمال و کردار کا صحیفہ لپیٹ دیا جاتا ہے اور اب تبدیلی اعتقاد کا کوئی نتیجہ اور ثمرہ نہیں ملتا یعنی اس وقت کا نہ اقرار و اعتراف معتبر اور نہ انکار مستند۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ۝ (المؤمن ۸۳، ۸۵)

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ط اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ (النساء ۱۸)

پس جب آئے ان کے پاس پیغمبر واضح دلائل لے کر تو اس چیز سے خوش ہوئے جو ان کے پاس علم سے تھی اور گھیر لیا ان کو اس چیز نے جس کی وہ مذاق بناتے تھے پس جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو انھوں نے کہا ہم خدائے واحد پر ایمان لے آئے اور جن چیزوں کو ہم اس کا شریک بناتے تھے اس سے منکر ہوئے پس نہیں مانع ہوا ان کا (یہ) ایمان جب انھوں نے ہمارے عذاب کا مشاہدہ کر لیا، یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں ہمیشہ جاری رہی اور اس موقعہ پر کافروں نے زیاں پایا۔

لیکن ان لوگوں کی توبہ، توبہ نہیں ہے جو (ساری عمر تو) برائیاں کرتے رہے، لیکن جب ان میں سے کسی کے آگے موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا ''اب میں توبہ کرتا ہوں'' (ظاہر ہے کہ ایسی توبہ سچی توبہ نہیں ہوئی) اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں ہے جو دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں، ان تمام لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تو ایسی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا محمد ﷺ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا معنی رکھتا ہے؟ انسان جب اس حالت پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے سامنے سے غیب کے پردے ہٹ جاتے ہیں اور ''برزخ'' ملائکۃ اللہ، عذاب یا راحت، جنت و جہنم غرض دینِ حق کی تعلیم کردہ غیب کی ساری حقیقتیں اس پر منکشف ہو جاتی ہیں اور اس میں یہود و نصاریٰ کی ہی خصوصیت کیا ہے یہ حالت تو ہر ایک ابنِ آدم پر گزرنے والی ہے، نیز جب اس قسم کا ایمان قابلِ قبول ہی نہیں ہے تو اس کا ذکر اسی اسلوب کے ساتھ ہونا چاہیے تھا جو غرقِ فرعون کے وقت فرعون کے ایمانی اعتراف و اقرار کے لیے اختیار کیا گیا اور جس میں اس وقت کی ایمانی پکار کی بے وقعتی ظاہر کی گئی ہے نہ کہ ایسے اسلوبِ بیان کے ساتھ گویا مستقبل میں ہونے والے کسی ایسے عظیم الشان واقعہ کی خبر دی جا رہی ہے جو مخاطبین (یہود و نصاریٰ) کے عقائد و عزائم کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق قرآن کی تصدیق اور اس کے اٹل فیصلہ کی زندہ شہادت بن کر پیش آنے والا ہے۔ ورنہ تو ایک عیسائی اور یہودی پنجہ موت میں آ جانے کے وقت جانِ عزیز سپرد کر دینے سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لایا تب کیا اور نہ لایا تب کیا اس کی یہ تصدیق کائناتِ انسانی

کے علم و ادراک سے باہر صرف اس کے اور خدا کے درمیان تعلق رکھتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی بات کا ایسے موقعہ پر تذکرہ کرنا قطعاً بے محل ہے جہاں ایک قوم کو اس کے ایک خاص عقیدہ پر ملزم و مجرم بنانے کے لیے فیصلہ حق کی تائید کے لیے ماضی اور مستقبل میں کائنات ارضی پر پیش آنے والے واقعات کو پیش کیا جا رہا ہے جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے واضح ہو رہا ہے، علاوہ ازیں ان احتمالات کی یہاں اس لیے بھی گنجائش نہیں ہے کہ غرغرہ کے وقت حضرت عیسیٰ یا محمد ﷺ پر اس قسم کا ایمان تو ہر اس اہل کتاب سے متعلق ہے جو اس آیت کے نزول سے کچھ دن قبل یا صدیوں قبل گزر چکے اور مرکھپ چکے ہیں۔ لہٰذا اگر آیت میں یہ مضمون بیان کرنا مقصود تھا تو اس کے لیے موکد مستقبل کی یہ تعبیر "لیؤمنن" فصاحت و بلاغت کلام کے بالکل خلاف ہے اس کے لیے تو ایسی تعبیر کی ضرورت تھی جو ماضی، حال اور استقبال تینوں زمانوں پر حاوی ہوتی تا کہ قرآن کا مفہوم اپنے توسع کے لحاظ سے پوری طرح ادا ہوتا۔

نیز دوسرے معنی تو اس لیے بھی قطعاً غلط اور بے محل ہیں کہ اس آیت سے قبل اور بعد کی آیات میں یعنی سیاق و سباق میں خاتم الانبیاء محمد ﷺ کا ذکر ہی نہیں ہے کیونکہ شروع آیات میں صرف حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے اور اس آیت کے آخر میں یہ ارشاد ہوا ہے۔ "**ویوم القیمة یکون علیهم شهیدا**" اور واضح ہے یہ بات کہ اس جگہ شاہد سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور علیہم کی ضمیر سے ان کی امت تو پھر نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیے بغیر درمیان کی کسی ضمیر کا مرجع ذاتِ اقدس کو قرار دینا نہ صرف یہ کہ فصاحت و بلاغت کے منافی ہے بلکہ قاعدۂ عربیت کے قطعاً خلاف اور انتشار ضمائر کا موجب ہے۔

غرض بے غل و غش صحیح معنی وہی ہیں جو جمہور نے اختیار کیے ہیں اور یہ دونوں خود ساختہ احتمالات آیت کی تفسیر تو کیا صحیح احتمال کہلانے کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ (اس مقام کے علاوہ سورۂ مائدہ ۷۵ کی آیت **ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل** اور سورۂ آل عمران کی ابتداء سے بیاسی آیات تک جو وفد نجران سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ سب مقامات دلالۃ النص! اشارۃ النص کی شکل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے لیے دلیل و برہان ہیں اور اگرچہ ان کی تفصیلات اور وجوہ استشہاد میرے پاس مدون و مرتب ہیں تاہم کتاب کی طوالت کے خوف سے اس جگہ ان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے بوقت فرصت انشاء اللہ مستقل مضمون کی صورت میں ہدیۂ ناظرین ہوگا اور یا پھر

حجتہ الاسلام علامہ محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب ''عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام اس مقصد کے لیے قابل مراجعت ہے۔)

حیوۃ و نزول عیسیٰ علیہ السلام اور احادیث صحیحہ

قرآن عزیز نے جس معجزانہ اختصار کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی، حیات امروز اور علامت قیامت بن کر نزول من السماء، کے متعلق تصریحات کی ہیں صحیح ذخیرۂ احادیث نبوی میں ان آیات ہی کی تفصیلات بیان کر کے ان حقائق کو روشن کیا گیا ہے، چنانچہ امام حدیث بخاری اور مسلم نے صحیحین (صحیح بخاری، صحیح مسلم) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت متعدد طریقہائے سند سے نقل کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر و یضع الجزیہ و یفیض المال حتی لا یقبل احداً و حتّٰی یکون السجدۃ خیرلہٗ من الدنیا وما فیھا ثم قال ابو ھریرۃ اقرؤا ان شئتم روان مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا۔ (بخاری کتاب الانبیاء ج ۱ ص ۴۹۰ باب نزول عیسیٰ بن مریم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور وہ وقت کے آنے والا ہے کہ تم میں عیسیٰ بن مریم حاکم عادل بن کر اتریں گے وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے (یعنی موجودہ عیسائیت کو مٹائیں گے) اور جزیہ اٹھا دیں گے (یعنی نشان الٰہی کے مشاہدہ کے بعد اسلام کے سوا کچھ بھی قبول نہیں ہوگا' اور اسلامی احکام میں بارشادِ رسول اللہ ﷺ جزیہ کا حکم اسی وقت تک کے لیے ہے) اور مال کی اس درجہ کثرت ہو گی کہ کوئی اس کو قبول کرنے والا نہیں ملے گا اور خدا کے سامنے ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمت رکھے گا (یعنی! مالی کثرت کی وجہ سے خیرات و صدقات کے مقابلہ میں عبادت نافلہ کی اہمیت بڑھ جائے گی) پھر ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم (قرآن سے اس کا استشہاد) چاہو تو یہ آیت پڑھو (وان من اھل الکتاب (الآیہ)) اور کوئی اہل کتاب میں سے نہ ہوگا مگر (عیسیٰ کی) موت سے پہلے اس پر (عیسیٰ پر) ضرور ایمان لے آئے گا اور وہ (عیسیٰ) قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا۔

(۲) بخاری اور مسلم میں بسند نافع مولی ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت بھی منقول ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم

منکم۔ (بخاری کتاب الانبیاء ایضا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم اتریں گے اور اس حالت میں اتریں گے کہ تم ہی میں سے ایک شخص تمہاری امامت کر رہا ہوگا۔

ان دونوں روایات کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد طریقہائے سند سے اور روایات بھی صحیحین: مسند احمد اور سنن ابو داؤد نسائی، ترمذی ابن ماجہ میں درج ہیں جو یہی مفہوم و معنی ادا کرتی ہیں ان میں سے ایک زیادہ مفصل ہے اور مسئلہ زیر بحث کے بعض دوسرے پہلوؤں کو بھی نمایاں کرتی ہے۔ مسند احمد میں ہے۔

(۳) ان النبی ﷺ قال: "الانبیاء اخوة لعلات امهاتهم شتّٰی و دینهم واحد وانی اولی الناس بعیسی بن مریم لانه لم یکن نبی بینی و بینه و انه نازل فاذا رأیتموه فاعرفوه رجلٌ مربوعا الی الحمرة والبیاض علیه ثوبان ممصر ان کان رأسه یقطر ان لم یصبه ملل: فیدق الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیه و یدعو الناس الی الاسلام و بملک اللّٰه فی زمانه المسیح الدجال ثم تقع الامانة علی الارض حتّٰی ترفع الاسواد مع الابل والنمار مع البقرو الذئاب مع الغنم و یلعب الصبیان بالحیاتِ لا تضرهم فیمکث اربعین سنة ثم یتوفی و یصلی علیه المسلمون. (مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۶)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمام انبیاء اصولِ دین میں علاتی بھائیوں کی طرح ہیں دین سب کا ایک اور فروغِ دین مختلف اور میں دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں عیسیٰ بن مریم سے زیادہ قریب ہوں اس لیے کہ ان کے اور میرے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا اور بلاشبہ وہ کائنات ارضی پر اتریں گے پس جب تم ان کو دیکھو تو اس حلیہ سے پہچان لینا۔ میانہ قد، سرخ و سپید رنگ ہوگا ان کے جسم پر دو سرخی مائل رنگ کی چادریں ہوں گی ایسا معلوم ہوگا گویا فی الحال غسل کر کے آ رہے ہیں اور سر سے پانی کے قطرے موتی کی طرح ٹپک پڑنے والے ہیں۔ وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے (موجودہ عیسائیت کا خاتمہ کر دیں گے) اور جزیہ اٹھا دیں گے اور لوگوں کو ''اسلام'' کی دعوت دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں تمام ادیان و ملل کو مٹا دے گا اور صرف ایک ہی دین ''دین اسلام'' باقی رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان ہی کے زمانہ میں مسیح دجال کو ہلاک کرے گا، پھر کائنات میں ''امانت'' (امر خیر) جگہ کر لے گی حتیٰ کہ شیر، اونٹوں کے ساتھ، چیتے گائے بیلوں کے ساتھ، بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے نظر آئیں گے اور

بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور ان کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا، پس عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال اس زمین پر زندہ رہیں گے پھر وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز ادا کریں گے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی گئی ہے اس میں خروج دجال کا ذکر کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک مذکور ہے۔

(۴) فاذا جاؤا الشام خرج فبينما هم يعدون للقتال يسوون الصفوف اذا قيمت الصلوة فينزل عيسى بن مريم. الخ. (مسلم ج ۲ ص ۳۹۳ کتاب الفتن واشراط الساعۃ)

پس جب مسلمان ملک شام پہنچیں گے تو دجال کا خروج ہوگا ابھی مسلمان اس کے مقابلہ میں جنگ کی تیاریاں کر رہے ہوں گے، صفیں درست کرتے ہوں گے کہ نماز کے لیے اقامت ہونے لگے گی، اس درمیان میں عیسیٰ بن مریم کا نزول ہوگا اور وہ مسلمانوں کی امامت کا فرض انجام دیں گے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت منقول ہے جس میں یہ مذکور ہے۔

اذبعث الله المسيح بن مريم عليه السلام فينزل عند المنارة البيضاء شرقي دمشق بين مهرودتين واضعاً كفيه على اجنحته ملكين اذا طأطأرأسه قطرو اذا رفعه تحدر منه جمانٌ كاللولوء (الخ) (مسلم ج ۲ ص ۴۰۱ باب ذکر الدجال)

(ابھی دجال ایک مسلمان پر اپنے شیطانی کرشموں کی آزمائش کر ہی رہا ہوگا) کہ اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو بھیج دے گا، وہ جب کائنات ارضی پر اتریں گے تو مسجد دمشق کے مشرقی جانب کے سپید منارہ پر اتریں گے اور ان کے بدن پر (سرخی مائل) گہری زرد رنگ کی دو چادریں ہوں گی (یعنی ایک بدن کے اوپر کے حصہ پر اور دوسری زیریں حصہ بدن پر لپٹی ہوئی)) اور دو فرشتوں کے بازوؤں پر سہارا لیے ہوں گے، جب سر جھکائیں گے تو سر سے پانی ٹپک پڑنے لگے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو پانی کے قطرے موتیوں کی طرح ٹپکیں گے (یعنی غسل کیے آرہے ہوں گے)

اور مختلف طریقہائے سند سے امام احمد نے مسند میں اور ترمذی رحمہ اللہ نے سنن میں حضرت مجمع بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح یہ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

يقتل ابن مريم الدجال بباب لد (ترمذی) ابن مریم، دجال کو باب لد پر قتل

کریں گے۔

امام ترمذی اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں ''ہذا حدیث صحیح'' اور اس کے بعد ان حضرات صحابہ کی فہرست شمار کراتے ہیں جن سے نزول عیسیٰ بن مریم اور ان کے ہاتھوں قتل دجال سے متعلق روایات کتب حدیث میں منقول ہیں۔ فرماتے ہیں۔

اور اس باب میں حضرت عمران بن حصین، نافع بن عینیہ، ابو برزہ اسلمی، حذیفہ بن اسید، ابو ہریرہ، کیسان، عثمان بن العاص، جابر بن عبداللہ، ابوامامہ باہلی، ابن مسعود، عبداللہ بن عمرو بن العاص، سمرہ بن جندب، نواس بن سمعان عمرو بن عوف، حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔

(ترمذی باب ماجاء فی قتل عیسیٰ ابن مریم الدجال ج ۲ ص ۴۹)

اور امام احمد نے مسند میں امام مسلم نے صحیح میں، اور اصحاب سنن نے سنن میں، بروایت حضرت حذیفہ بن الاسید، نبی اکرم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

قال اشرف علینا رسول اللّٰہ ﷺ من غرفة و نحن نتذاکر الساعة فقال "لاتقوم الساعة حتی تروا عشر اٰیات طلوع الشمس من مغربها والدخان، والدابة، و خروج یاجوج وماجوج و خروج عیسی بن مریم والدجال و ثلثه خسوف خسف بالمشرق و خسف بالمغرب و خسف بجزیرة العرب و نار تخرج من قعر عدن تسوق و تحشر الناس تبت معهم حیث باتوا و نقیل معهم حیث قالوا. (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۳۴ باب امارات الساعۃ وکنز العمال ج ۱۴ ص ۲۵۷ حدیث ۳۸۶۳۹ مسند احمد ج ۴ ص ۷ واللفظ لہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم (صحابہ) ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے قیامت کے متعلق بات چیت کر رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے بالاخانہ سے جھانکا اور ارشاد فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشان نہ دیکھ لو گے، آفتاب کا مغرب سے طلوع، دخان (دھواں) دابتہ الارض، خروج یا جوج و ماجوج، عیسیٰ بن مریم کا نزول، دجال کا خروج، تین مقامات میں خسوف کا پیش آنا (زمین میں دھنس جانا) مشرق میں مغرب میں اور جزیرۃ العرب میں، آگ کا کا رعدن سے نکلنا جو لوگوں کو سمیٹ لے جائے گی اور جب رات کو لوگ آرام کریں گے تو وہ بھی ٹھہر جائے گی اور جب دوپہر کو قیلولہ کریں گے تب بھی وہ ٹھہری رہے گی۔''

اور محدیث ابن ابی حاتم نے اور جلیل القدر الحدث ومفسر ابن جریر طبری رحمتہ

اللہ علیہ ج ۳ ص ۲۸۹ ایرانی متوفیک رافعک نے بروایت حسن بصری رحمہ اللہ بسند صحیح حیات و نزول عیسیٰ بن مریم سے متعلق ایک روایت نقل کی ہے اس میں ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ لیھود ان عیسٰی لم یمت و انہ راجعٌ الیکم قبل یوم القیمٰہ.

رسول اللہ ﷺ نے یہود سے فرمایا: ''عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں اور بلاشبہ وہ قیامت سے پہلے تمہاری جانب لوٹ کر آئیں گے۔

اسی طرح ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ نے سورۂ نساء کی آیات متعلقہ وفد نجران کی تفسیر کرتے ہوئے اصولِ حدیث کے نقطہ نظر سے بہ سند حسن ایک طویل روایت ربیع بن انس رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کی ہے اس میں بھی بصراحت یہ مذکور ہے۔

فقال لھم النبی ﷺ تعلمون ان ربنا حیّ لایموتُ ان عیسٰی یأتی علیہ الفناء. (زیر آیت اللہ لا الہ الا ھو الحیی القیوم تفسیر طبری ج ۳ ص ۱۶۳) ہونا ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ نے اس جگہ لفظ ''یأتی'' فرمایا ہے جو مستقبل کے لیے بولا جاتا ہے لفظ ''اتی'' نہیں فرمایا جو ماضی کے لیے مخصوص ہے۔

اور بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات ص ۴۲۴ باب **تولیہ تعالیٰ یعیسیٰ انی متوفیک و رافعک** میں اور محدث علی متقی گجراتی نے کنزالعمال ج ۱۴ ص ۶۱۹ حدیث ۳۹۷۲۶ میں باسناد حسن و صحیح اس سلسلہ میں جو روایات نقل فرمائی ہیں ان میں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ ''**من السماء**'' کا لفظ صراحت سے موجود ہے۔

یہ اور اسی قسم کا کثیر ذخیرۂ حدیث ہے جو حیات و نزول عیسیٰ بن مریم پیغمبر بنی اسرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق کتب حدیث و تفسیر میں منقول ہے اور جو قوتِ سند کے لحاظ سے صحیح اور حسن سے کم رتبہ نہیں رکھتا اور باعتبار شہرت و تواتر روایات جن کا یہ حال ہے کہ حسب تصریح امام ترمذی، حافظ حدیث عماد الدین ابن کثیر، حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی اور دیگر ائمہ حدیث سولہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو روایت کیا ہے جن میں سے بعض صحابہ کا یہ دعویٰ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ تصریحات سینکڑوں صحابہ کے مجمع میں خطبہ دے کر فرمائیں اور یہ صحابہ کرام بغیر کسی انکار و اجنبیت کے ان روایات کو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں علی روس الاشہاد سناتے تھے چنانچہ ان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہ سے جن ہزارہا شاگردوں نے سنا ان میں سے یہ عظیم المرتبہ ہستیاں قابل ذکر ہیں جن میں ہر فرد روایت حدیث میں ضبط و حفظ، ثقاہت و

علمی تبحر کے پیش نظر امامت و قیادت کا درجہ رکھتا ہے۔ مثلاً سعید بن المسیب، نافع مولیٰ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ، حنظلہ بن علی الاسلمی، عبدالرحمٰن بن آدم، ابو سلمہ، ابو عمرہ، عطاء بن بشار، ابو سہیل، موثر بن غفارہ، یحیٰ بن ابی عمرو، جبیر بن نضیر، عروہ بن مسعود ثقفی، عبداللہ بن زید انصاری، ابو زرعہ، یعقوب بن عامر، ابونضرہ، ابو الطفیل رحمہم اللہ۔

پھر ان علماء کبار اور محدثین اعلام سے جن بے شمار تلامذہ نے سنا اُن میں سے راویانِ حدیث کے طبقہ میں جن کو حدیث اور علوم قرآن کا رتبہ بلند حاصل ہے اور جو اپنے اپنے وقت کے "امام فی الحدیث" اور "امیرالمؤمنین فی الحدیث" تسلیم کیے گئے ہیں، بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں: ابن شہاب زہری، سیان بن عینیہ، لیث، ابن ابی ذئب، اوزاعی قتادہ، عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ، سہیل، جبلہ بن سہیم، علی بن زید، ابو رافع، عبدالرحمٰن بن جبیر، نعمان بن سالم، معمر، عبداللہ بن عبیداللہ رحمہم اللہ۔

عرض ان روایات و احادیث صحیحہ کا صحابہ، تابعین، تبع تابعین یعنی خیرالقرون کے طبقات میں اس درجہ شیوع ہو چکا تھا اور وہ بغیر کسی انکار کے اس درجہ لائق قبول ہو چکی تھیں کہ ائمہ حدیث کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و نزول سے متعلق ان احادیث کو مفہوم و معنی کے لحاظ سے درجہ "تواتر" حاصل تھا اور اسی لیے وہ بے جھجک اس مسئلہ کو "احادیث متواترہ" سے ثابت اور مسلم کہتے تھے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ روایت حدیث کے تمام طبقات و درجات میں ان روایات کو "تلقی بالقبول" کا یہ درجہ حاصل رہا ہے کہ ہر دور میں اس کے رواۃ میں "ائمہ حدیث" اور روایت حدیث کے "مدار" نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان مرفوع و موقوف بر صحابہ رضی اللہ عنہم احادیث و روایات کے ناقلین میں امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ جیسے اصحاب صحیح وسنن ائمہ حدیث کے اسماءِ گرامی شامل ہیں اور وہ باتفاق ان روایات کی صحت وحسن کے قائل ہیں۔ چنانچہ یہ اور اسی قسم کی احادیث صحیحہ کا ذکر کرتے ہوئے مشہور محدث و مفسر ابن کثیر اپنی تفسیر میں اوّل یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔

ذکر الاحادیث الواردة فی نزول عیسٰی بن مریم علیهما الصلوٰة والسلام الی الارض من السماء فی اٰخر الزمان قبل یوم القیمة. (ج ا ص ۵۷۸)

ان احادیث کا ذکر جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے آسمان سے زمین پر اترنے کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اوراس کے بعد سلسلہ کی احادیث کو نقل کرنے کے بعد آخر میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔

فھٰذہ احادیث متواترۃ عن رسول اللہ ﷺ من روایۃ ابی ھریرۃ و ابن مسعود و عثمان بن العاص و ابی امامہ والنواس بن السمعان و عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص و مجمع بن حارثہ و ابی شریحہ و حذیفہ بن اسید رضی اللّٰہ عنھم و فیھا دلالۃ علی صفۃ نزول و مکانہ. (ابن کثیر ج ۱ ص ۵۸۲ زیر آیت وان من اھل الکتب)

پس یہ ہیں وہ احادیث جو رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے درجہ تک منقول ہوئی ہیں اور یہ نقل روایت (آپ کے صحابہ) ابوہریرہ ابن مسعود، عثمان بن العاص، ابو امامہ، نواس بن سمعان، عبداللہ بن عمرو بن العاص، مجمع بن حارثہ، ابی شریحہ حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اوران روایات میں عیسیٰ بن مریم کے طریقہ نزول اور مکانِ نزول سے متعلق بھی رہنمائی موجود ہے۔

اور حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی (نور اللہ مرقدہٗ) علامہ ابوالحسین آبری رحمہ اللہ سے نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق احادیث کے تواتر کو فتح الباری میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

قال ابو الحسن الخسعی الابری بان المھدی من ھذہ الامۃ وان عیسی یصلی خلفہ الخ. (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۸ باب نزول عیسیٰ بن مریم)

ابوالحسن خسعی ابری سے منقول ہے کہ احادیث رسول اس بارہ میں تواتر کو پہنچ چکی ہیں کہ مہدی اسی امت میں سے ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

اور تلخیص الحبیر کتاب الطلاق کے ضمن میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔

واما رفع عیسی فاتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی انہ ببدنہ حیًا. الخ. (تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۴۶۲ زیر حدیث نمبر ۱۶۰۷)

لیکن رفع عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ تو تمام علماء حدیث وتفسیر کا اس پر اجماع ہے کہ وہ اپنے جسد عنصری کے ساتھ ہنوز زندہ ہیں (اور وہی قریب قیامت نازل ہوں گے)

اور محدث عصر محقق وقت علامہ سید محمد انور شاہ ''عقیدۃ الاسلام'' میں اس ''تواتر'' کی تائید میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔

والمحدث العلامۃ الشوکانی رسالۃ سماھا التوضیح فی تواتر ماجاء فی المنتظر والدجال والمسیح ذکر فیھا تسعۃ و عشرین حدیثا فی نزولہ علیہ السلام مابین صحیح و حسن و صالح ھٰذا وازید منہ مرفوع وامام الاثار

ففوت الاحصاء الخ۔

اور محدث علامہ شوکانی نے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس کا نام یہ رکھا ہے "التوضیح فی التواتر ماجاء فی المنتظر والدجال والمسیح" اس رسالہ میں انھوں نے انتیس احادیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق نقل کی ہیں جو اصول حدیث کے لحاظ سے صحیح، حسن، صالح تینوں درجات کو شامل ہیں، اور مرفوع احادیث اس تعداد سے بھی زیادہ موجود ہیں اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم تو بے شمار ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی اور حیات و نزول من السماء پر امت محمدیہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کا اجماع منعقد ہو چکا ہے چنانچہ علم عقائد و کلام کی مشہور و مستند کتاب عقیدۂ سفارینی میں امت کے اس اجماع کی تصریح موجود ہے۔

ومنها ای من علامات الساعة العظمى اعلامة الثالثة ان ينزل من السماء سيد (المسيح) عيسٰى بن مريم عليه السلام و نزوله ثابت بالكتاب والسنة واجماع الامة..... واما الاجماع فقد اجمعت الامة على نزول ولم يخالف فيه احد من اهل الشريعة وانما انكر ذلك الفلاسفه والملاحده مما لا يعتد بخلافه۔

اور علامات قیامت میں سے تیسری علامت یہ ہے کہ حضرت (مسیح) عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور ان کا آسمان سے اترنا کتاب (قرآن) سنت (حدیث) اور اجماع امت سے قطعاً ثابت ہے..... (قرآن و حدیث سے نزول ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں) جہاں تک اجماع امت کا تعلق ہے تو اس میں ذرا شبہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے پر امت کا اجماع ہے اور اس بارہ میں پیروان شریعت اسلامی میں سے کسی ایک کا بھی خلاف موجود نہیں البتہ فلسفیوں اور ملحدوں نے نزول عیسیٰ کا انکار کیا ہے اور اسلام میں ان کا انکار قطعاً بے وقعت ہے۔

(صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے تین زمانوں کو "خیر القرون" کہا جاتا ہے چونکہ نبی معصوم ﷺ نے ان تینوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے "خير القرون قرنی، ثم الذين يلونهم۔ ثم الذين يلونهم" سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا جو اس زمانہ سے قریب ہیں اور پھر ان کا جو اس دوسرے زمانہ سے متصل ہیں، اور اس کے بعد فرمایا، پھر جھوٹ کی کثرت ہو جائے گی یعنی ان ہر سہ ادوار کے بعد اکثریت کے اندر دینی انحطاط پیدا ہو جائے گا اور اسلامی خصوصیاتِ اخلاق مٹ جائیں گی۔)

حیات و نزول مسیح کی حکمت

گذشتہ سطور میں حیات و نزولِ مسیح علیہ السلام کو دلائل و براہین کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے جو ایک منصف اور طالب حق کو علم یقین عطا کرتے ہیں، اب مزید طمانیت قلب کے لیے ان چند حکمتوں کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو علماءِ حق نے اس سلسلہ میں بیان فرمایا ہے لیکن اس کے مطالعہ سے قبل یہ حقیقت بہرحال پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور اس کی مشیت کی مصلحتوں کا احاطہ عقل انسانی کے لیے ناممکن ہے اور مخلوق، خالق کائنات کے اسرار و حکم پر عبور بھی کیسے کر سکتی ہے؟ تاہم علماء امت فراست مومن اور علم حق کی راہ سیدین اور احکام دین کے اسرار و مصالح پر قلم فرسائی کرتے اور اپنی محدود دسترس کے مطابق اس موضوع پر علمی حقائق کا اظہار کرتے آئے ہیں۔

اسلامی دور کی علمی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ دورِ اوّل میں ''علم الاسرار'' کی امامت کا شرف عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب اور صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا اور اس کے بعد اگرچہ ہر ایک صدی میں دوچار علماءِ ربانی اس کے ماہر و محقق رہے ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ خلیفہ اموی عمر بن عبدالعزیز، امام ابو حنیفہ، علامہ عزالدین بن عبدالسلام مصر، حافظ ابن تیمیہ، امام غزالی، روحی، سید مرتضیٰ زبیدی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کو اس علم سے خاص مناسبت تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ان کو فطری ملکہ عطا فرمایا تھا۔

بہرحال ''حکمت'' کی حیثیت لطائف و نکات کی ہوتی ہے اور اس کو دلیل و حجت کا مرتبہ نہیں دیا جا سکتا اس لیے زیر بحث مسئلہ میں بھی ''حکمت و مصلحت'' کا ذکر اسی نقطہ نظر سے سمجھنا چاہیے۔ **واللہ اعلم بالصواب ولکل شیء عندہ فصل الخطاب''**

(۱) یہود بنی اسرائیل اپنی مذہبی کتابوں کی پیشینگوئیوں اور بشارتوں میں یہ پڑھ چکے تھے کہ ان کو دو شخصیتوں ''مسیح ہدایت'' اور ''مسیح ضلالت'' سے سابقہ پڑے گا۔ اس لیے وہ منتظر تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ''مسیح ہدایت'' کا ظہور کب ہوتا ہے لیکن شومی قسمت کہ جب مسیح ہدایت کا ظہور ہوا تو انھوں نے بغض و حسد کی راہ سے اس کو ''مسیح ضلالت'' کہہ کر رد کر دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ آمادۂ قتل ہو گئے اور چونکہ قتل انبیاء ان کا دستور رہا تھا اس لیے وہ اس پر ہر وقت جری رہتے تھے، پس جبکہ وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح ان کے قتل کے بھی قائل ہو گئے تو یہ تعجب خیز بات نہ ہوئی'' کہ

جب مسیح ضلالت (دجال) کا خروج ہو تو یہود اس کو مسیح ہدایت کہہ کر قومی حیثیت سے اس کے پیرو ہو جائیں کیونکہ مذہبی تعلیم کے پیش نظر ان پر مسیح ہدایت کا اتباع ضروری تھا اور جب وہ مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت کہہ کر قتل کر چکے تو اب مسیح ضلالت کو ہی اس کے دعویٰ کے مطابق مسیح ہدایت تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے مگر مشیت الٰہی فیصلہ کر چکی تھی کہ مسیح ضلالت کی گمراہی کا فتنہ چونکہ عظیم الشان ہوگا اور وہ اوّل خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس کے بعد مسیح ہدایت بنے گا اس لیے اس کا خروج قیامت کے قریب ہی ہونا چاہیے جو دورِ فتن یعنی فتنوں کی آماجگاہ ہوگا اس لیے حکمت الٰہی کا یہ بھی منشاء ہوا کہ ''مسیح ہدایت'' کو یہود کے فتنہ سے اس طرح بچا لیا جائے کہ وہ اس کو ہاتھ بھی نہ لگا سکیں اور جب وہ وقت آ پہنچے کہ مسیح ضلالت اپنی گمراہی کا علم بلند کرے تو مسیح ہدایت ملاءِ اعلیٰ سے کائناتِ ارضی پر اترے اور یہود بنی اسرائیل جو کہ بہ تعداد کثیر مسیح ضلالت کے پیرو ہو رہے ہوں گے اپنی آنکھوں سے حق و باطل کا مشاہدہ کر لیں اور جب مسیح ہدایت کے مقدس ہاتھوں سے مسیح ضلالت کا خاتمہ ہو جائے تو ''جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا'' (بنی اسرائیل ۸۱) حق الیقین بن کر ان کی نگاہوں کے سامنے آ جائے اور اس طرح قبولِ حق کے ماسوا ان کے لیے دوسرا چارۂ کار باقی ہی نہیں رہے اور یا پھر وہ بھی مسیح ضلالت کے ساتھ ''فی النار'' کر دیے جائیں۔

نیز یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ ادیان و ملل کی تاریخ میں صرف یہود ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کرنے سے ہاتھ نہیں روکا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہود نے جن انبیاء کے خونِ ناحق سے ہاتھ رنگے تھے وہ صرف ''نبی'' ہی تھے جو ''علماءِ امتي كانبياء بني اسرائيل'' کا مصداق تھے مگر کوئی صاحب شریعت رسول ان کے اس قتل ناحق کا مظلوم نہیں بنا تھا اس لیے یہ پہلا موقعہ تھا کہ انھوں نے ایک جلیل القدر رسول (عیسیٰ بن مریم) کو قتل کرنے کا نہ صرف ارادہ کیا بلکہ دنیوی اسباب کے لحاظ سے مکمل تیاری کر لی تھی تب مشیت حق نے یہ فیصلہ کیا کہ مسیح ہدایت کو اس طرح بچا لیا جائے کہ خود یہود کو بھی محسوس ہو جائے کہ وہ مسیح بن مریم پر دسترس نہ پا سکے۔ لہٰذا فیصلہ مشیت بروئے کار آیا اور حضرت مسیح کو ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا گیا اور تمام دنیوی اسباب ہیچ ہو کر رہ گئے، لیکن اس احساس کے باوجود چونکہ حقیقت حال تک نہ پہنچ سکے اور ظن و گمان ہی کے قعر میں پڑے رہے گو اپنی بات رکھنے کے لیے مشہور یہی کرتے رہے کہ ہم نے مسیح بن مریم کو قتل کر دیا، ادھر متبعین مسیح

ہدایت (نصاریٰ) کی بدبختی دیکھیے کہ کچھ عرصہ کے بعد پولوس رسول نے ان میں عقیدۂ تثلیث و کفارہ کی بدعت پیدا کر کے یہود کے گھڑے ہوئے افسانہ صلیب کو بھی داخل عقیدہ کر دیا، اور اب یہود و نصاریٰ دونوں جماعتیں اس گمراہی میں مبتلا ہو گئیں کہ عیسیٰ بن مریم صلیب پر چڑھا کر قتل کر دیئے گئے۔ تب قرآن عزیز نے نازل ہو کر حق و باطل کے درمیان فیصلہ سنایا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق دونوں جماعتوں نے جو دو الگ الگ رخ اختیار کیے تھے اور پھر ایک مسئلہ میں دونوں کا اتفاق بھی ہو گیا تھا ان سب کے متعلق علم یقین کے ذریعہ حقیقت حال کو واشگاف اور دونوں کی گمراہی کو واضح کر کے قبول حق کے لیے دعوت دی مگر جماعتی حیثیت سے دونوں نے انکار کر دیا اور حضرت مسیح سے متعلق اپنے اپنے گمراہ کن عقیدہ پر قائم رہے، مگر عالم الغیب والشہادہ چونکہ ان حقائق کا ان کے وقوع سے قبل عالم و دانا تھا اس لیے اس کی حکمت کا یہ بھی تقاضا ہوا کہ مسیح ہدایت کو کائنات ارضی پر اس وقت دوبارہ بھیجا جائے جب مسیح ضلالت کا بھی خروج ہو چکے تا کہ یہود و نصاریٰ کے سامنے حقیقت حال مشاہدہ کے درجہ میں روشن ہو جائے، یہود آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جس کے قتل کے مدعی تھے قدرتِ الٰہی کے کرشمے کی بدولت وہ بقید حیات موجود ہے اور النصاریٰ نادم ہوں کہ حضرت مسیح کی سچی پیروی چھوڑ کر جو گمراہ کن عقیدہ اختیار کیا تھا وہ سرتاپا باطل اور ہیچ تھا اور اس طرح ہدایت و ضلالت کے سرکہ میں حق کی سربلندی اور باطل کی پستی کا دونوں مشاہدہ کر کے قرآن عزیز کی تصدیق پر مجبور ہو جائیں اور دونوں جماعتیں ''ایمانِ حق کو برضاء و رغبت اختیار کر لیں اور اپنے باطل عقائد پر شرمسار و سرنگوں ہو جائیں اور چونکہ ان دونوں جماعتوں کے علاوہ ہدایت و ضلالت کا یہ مشاہدہ و مظاہرہ دوسرے اہل باطل بھی کریں گے اس لیے وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے اور اس طرح احادیث صحیحہ کے مطابق اس زمانہ میں کائنات ارضی کا صرف ایک ہی مذہب ہوگا اور وہ ''اسلام'' ہوگا ''هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دين الحق ليظهره على الدين كله و كفى بالله شهيدا۔'' (فتح ۲۸)

(۲) ادیان و ملل کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور معاندین حق کے درمیان ''سنۃ اللہ'' کے دو مستقل دور رہے ہیں۔ پہلا دور حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت لوط علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے، اس دور میں سنۃ اللہ یہ رہی کہ جب قوموں نے اپنے پیغمبروں کی صدائے حق پر کان نہ دھرا بلکہ برابر اس کا تمسخر کرتی اور اس کے پیغام حق کے آڑے آتی رہیں، تب اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو

ہلاک کر دیا اور دوسروں کے لیے ان کو باعث عبرت و بصیرت بنا دیا اور دوسرا دور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء محمد ﷺ تک پہنچتا ہے اس دور میں سنت اللہ کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ جب اعداءِ حق اور دشمنانِ دین قویم نے کلمہ حق کی مخالفت پر اصرار کیا، اپنے پیغمبروں کو ایذا دی اور ان کے ساتھ تمسخر کو اپنا نصب العین بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو ہلاک کرنے کی بجائے اپنے پیغمبروں کو یہ حکم دیا کہ وہ خدا کی راہ میں وطن چھوڑ دیں اور ''ہجرت کر جائیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جنھوں نے قوم (یہ حضرت ابراہیم کی اپنی قوم نہیں تھی اس لیے کہ یہ بنی سام (سامی) تھے اور نمارذہ عراق اور ان کی قوم بنی سام کے حامی تھے) کے سامنے یہ اعلان حق کیا ''انی مهاجرٌ الی ربی انه هوالعزیز الحکیم'' (عنکبوت ۲۶) اور عراق سے شام کی جانب ہجرت فرما گئے۔

پھر یہی صورت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیش آئی اور وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے شام کو ہجرت کر گئے مگر فرعون اور اس کے لشکریوں نے چونکہ مزاحمت کی اور ہجرت کے بھی آڑے آئے اس لیے وہ بحر قلزم میں غرق کر دیئے گئے۔

اور یہی صورت نبی اکرم محمد ﷺ کو پیش آئی کہ جب قریش مکہ نے اذیت، تمسخر، دین حق کے تصادم، اعمال دین کی مزاحمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تب مشیت الٰہی کا فیصلہ ہوا کہ آپ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر جائیں چنانچہ ہر قسم کی نگرانی اور مکان کے ہر طرف محاصرہ کے باوجود کرشمہ قدرت سے آپ محفوظ و ماموں مدینہ ہجرت کر گئے۔

''سنت اللہ'' کے اسی دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور ان کی قوم بنی اسرائیل نے ان کے ساتھ اور ان کی دعوتِ حق کے ساتھ بھی وہ سب کچھ کیا جو معاندین حق اور دشمنان دین اپنے پیغمبروں کے ساتھ کرتے رہے تھے اور ان میں ایک یہ خصوصیت زیادہ تھی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل چند انبیاء کو قتل تک کر چکے تھے اور اب حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کے درپے تھے، اسی کے ساتھ یہ مسطورۂ بالاحقیقت بھی فراموش نہیں رہنی چاہیے کہ یہود، مسیح ہدایت اور مسیح ضلالت دو مسیح کے منتظر تھے اور حضرت عیسیٰ بن مریم کو مسیح ضلالت قرار دے کر آج بھی مسیح ہدایت کے منتظر ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ہجرت کائنات ارضی کی بجائے ملاء اعلیٰ کی جانب ہوتا کہ مقررہ وقت آنے پر وہ مسیح ہدایت اور مسیح

ضلالت کے درمیان مشاہدہ سے امتیاز کر سکیں اور ایک جانب اگر مسیح ہدایت کو مسیح ہدایت سمجھیں تو دوسری جانب قرآن کے فیصلہ حق کی صداقت و حقانیت کو دیکھ کر دین حق "اسلام" کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور ساتھ ہی نصاریٰ کو بھی اپنی جہالت اور یہود کی کورانہ تقلید پر ندامت ہو اور وہ بھی تعلیم قرآن کی صداقت پر یقین و اعتقاد کے ساتھ شہادت دینے پر آمادہ ہو جائیں۔

کچھ عجیب صورتِ حال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے درمیان دعوتِ و تبلیغ حق اور معاندین کی جانب سے حق کی معاندت و مخالفت اور پھر اس کے نتائج و ثمرات میں بہت ہی زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے، دونوں کو اپنی قوم نے دونوں کو جھٹلایا، دونوں کی قوتوں نے سازش قتل کے بعد مکانوں کا محاصرہ کیا، قدرتِ حق کے کرشمہ اعجاز نے دونوں کو دشمنوں کی دسترس سے ہر طرح محفوظ رکھا، دونوں کے لیے ہجرت کا معاملہ پیش آیا، البتہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت چونکہ بعثت عامہ تھی اور اس کی دعوت و تبلیغ کے لیے ذاتِ اقدس ﷺ کا کرۂ ارضی پر قیام مسلسل ضروری تھا اس لیے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کا حکم ہوا اور عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام چونکہ قوم کو دعوتِ حق پہنچا چکے تھے اور ایک خاص مقصد عظیم کے پیش نظر ان کا مدت مدید کے بعد کائنات پر موجود ہونا ضروری تھا اس لیے ان کو ہجرت ارضی کی بجائے ہجرت سماوی پیش آئی پھر جس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانہ کے قائد ضلالت "امیہ بن خلف" کو اپنے حربہ سے قتل کیا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بھی اپنی قوم کے مسیح ضلالت دجال کو قتل کریں گے اور جس طرح نبی اکرم ﷺ کو ہجرت کے بعد آپ کے وطن مکہ پر قدرتِ حق نے اقتدار عطا فرما دیا عیسیٰ بن مریم کا نزول بھی شام ہی کے اس مشہور شہر میں ہوگا جس سے اپنی قوم کی معاندانہ سازشوں کی بنا پر ملاء اعلیٰ کی جانب ہجرت پیش آئی تھی اور بیت المقدس، دمشق اور شام کے پورے ملک پر یہود کے علی الرغم ان کی حکومت ہوگی۔ (خلاصہ از عقیدۃ الاسلام)

(۳) حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے قتل انبیاء علیہم السلام نے یہود کو اس درجہ گستاخ اور بے باک بنا دیا تھا کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ کسی ہستی کے متعلق یہ فیصلہ کہ وہ نبی صادق ہے یا متنبّی کاذب ہمارے ہاتھ میں ہے اور جس کو ہم اور ہمارے فقیہ "کاذب" قرار دے دیں وہ واجب القتل ہے چنانچہ اسی زعم باطل میں انھوں نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو مسیح علیہ السلام ضلالت کہا اور ان کے فقیہوں نے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا حالانکہ یہ وہ جلیل القدر ہستی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں اس پایہ کا کوئی پیغمبر

مبعوث ہی نہیں ہوا تھا اور اس نے جدید پیغام حق (انجیل) کے ذریعہ روحانیت کی مردہ کھیتی میں دوبارہ جان ڈال دی تھی تب اللہ تعالیٰ کی مشیت کا فیصلہ ہوا کہ ہمیشہ کے لیے بنی اسرائیل کے اس زعم باطل کو پاش پاش کر دیا جائے اور دکھا دیا جائے کہ رب العلمین، خالق کائنات جس کی حفاظت کا وعدہ کر لے کائنات کی کوئی ہستی یا مجموعہ کائنات بھی اس پر دسترس نہیں پا سکتی چنانچہ ید قدرت نے اس وقت اس مقدس ہستی کو جسد عنصری کے ساتھ ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا جب کہ مکان کے محاصرہ کے ساتھ دشمنوں نے اس کی حفاظت جان کے تمام وسائل دنیوی مسدود کر دیئے تھے۔

پھر اس واقعہ نے ایک نئی صورت پیدا کر دی وہ یہ کہ مذاہب کی تاریخ میں صرف حضرت مسیح علیہ السلام ہی کی شخصیت ایسی ہے جن کے قتل و عدم قتل کے متعلق حق و باطل کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہوا اور یہود و نصاریٰ کے باہم واقعہ صلیب و قتل پر اتفاق کے باوجود دو باطل اور متضاد عقائد کی کشمکش نظر آنے لگی یہود قتل وصلیب کی وجہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک وہ ''مسیح ضلالت'' تھے اور نصاریٰ وجہ صلیب یہ بتلاتے ہیں کہ وہ خدا کے بیٹے تھے جو کائنات کے گناہوں کا کفارہ بننے کے لیے بھیجے گئے تھے تاکہ پاپی دنیا پاپ سے پاک ہو جائے اور صدیوں بعد جب قرآن نے ''امر حق'' کو واضح اور مسیح بن مریم سے متعلق حقیقت حال کو روشن کیا تب بھی دونوں جماعتوں نے جماعتی حیثیت سے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا قدرتِ حق کا فیصلہ ہوا کہ خود مسیح بن مریم علیہما السلام ہی وقت موعود پر نازل ہو کر قرآن کے فیصلہ کی تصدیق کر دیں اور یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد کا خود بخود اس طرح خاتمہ ہو جائے اور اس کے بعد مدعیانِ اہل کتاب کو شرک و باطل کی پیروی کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور خدا کی حجت ان پر تمام ہو جائے۔

نیز جبکہ اللہ تعالیٰ نے کائناتِ ہست و بود کے لیے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ خدا کی ہستی کر کے ماسوا ہر ایک وجود کو فنا اور موت ہے ''کل نفس ذائقة الموت'' ''کل شیء ھالک الا وجھه'' اور یہ ظاہر ہے کہ ملاءِ اعلیٰ اور عالم قدس مقام موت نہیں ہے بلکہ مقام حیات ہے اس لیے ازبس ضروری ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بھی موت کا ذائقہ چکھیں اور اس کے لیے کائناتِ ارضی پر اتریں تاکہ زمین کی امانت زمین ہی کے سپرد ہو اس لیے ''حیات و رفع'' کے بعد ''نزول ارضی'' مقدر ہوا۔ (فتح الباری جلد ۶)

علماءِ حق نے حیات و نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ''اسرار و حکم'' بیان

فرمائے ہیں یہاں ان کا احاطہ مقصود نہیں ہے اس لیے مختصر چند حکمتوں کا ذکر کر دیا گیا ورنہ محدثِ عصر علامہ سید محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہٗ نے اس سلسلہ میں ایک طویل مقالہ عقیدۃ الاسلام میں سپردِ قلم فرمایا ہے جو لائق مطالعہ ہے، حضرت استاد نے نہایت لطیف مگر دقیق پیرایۂ بیان میں کائناتِ عالم کو ''انسانِ کبیر'' اور انسان کو ''عالم صغیر'' قرار دے کر ان ہر دو عالم کی حیات و موت پر جو بحث فرمائی ہے اس سے حضرت مسیح کے رفع اور قربِ قیامت میں کائنات ارضی کی جانب رجوع کی حکمت بہت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے لیکن یہ کتاب چونکہ اس دقیق بحث کی متحمل نہیں ہے اس لیے اپنی جگہ قابل مراجعت ہے۔

آخر میں اب اپنی جانب سے چند جملے اس سلسلہ میں اضافہ کر کے اس مبحث کو ختم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۴) قرآن عزیز میں ''میثاقِ انبیاء'' سے متعلق یہ ارشاد باری ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران ۸۱) اور وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ اللہ نے نبیوں سے (یہ) عہد لیا کہ جب تمھارے پاس (خدا کی جانب سے) کتاب اور حکمت آئے پھر ایسا ہو کہ تمہاری موجودگی میں ایک رسول محمد ﷺ آئے جو تصدیق کرتا ہو ان کتابوں کی جو تمھارے پاس ہیں، ضرور تم اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا، اللہ نے کہا: کیا تم نے اقرار کیا، انھوں نے جواب دیا ہاں ہم نے اقرار کیا، اللہ نے کہا: پس تم اپنے اس عہد پر گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔

آل عمران کی ان آیات میں حسب تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس عہد و پیمان کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے متعلق انبیاء و رسل علیہم السلام سے لیا، قرآن کے اسلوب بیان کے مطابق اگرچہ یہ خطاب انبیاء و رسل کی معرفت ان کی امتوں سے تھا کہ ان میں سے جو امتیں خاتم الانبیاء ﷺ کا زمانہ مبارک پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور دعوتِ حق میں ان کی نصرت و یاری کریں، چنانچہ ہر ایک پیغمبر نے اپنے اپنے دور میں تعلیم حق کے ساتھ ساتھ خدا کے اس وعدہ کو بھی یاد دلایا اور ان میں سے اہل حق نے وعدہ دیا اور اقرار کیا کہ ضرور ان پر ایمان لائیں گے اور پیغام حق میں ان کی مدد کریں گے۔ (**عن علی و ابن عباس فی تفسیر ایة ''ما بعث اللّٰه نبیًّا من الانبیاء الا اخذ علیه المیثاق لئن بعث لله محمدا و هو حی**

لیؤمنن به ولینصرنه وامره ان یاخذ المیثاق علی امه لئن بعث محمد وھم احیاء لیؤمنن به ولینصرنه. (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۳۷۸) اللہ تعالیٰ نے انبیاء میں سے جس نبی کو بھی کسی قوم کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تو اس سے یہ عہد ضرور لیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اس وقت زندہ ہو جبکہ محمد ﷺ کی بعثت ہوئی تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا اور ان سے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی اپنی امتوں سے بھی یہی عہد و پیمان لیں کہ ان میں سے جو اس وقت موجود ہوں وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں۔)

تو یہ ''میثاق النبیین'' اگرچہ اس طرح پورا ہوتا رہا تاہم ازل میں چونکہ اس عہد و میثاق کے اوّل مخاطب حضراتِ انبیاء و رسل تھے اس لیے اس میثاق کی عملی حیثیت کا تقاضا تھا کہ خود انبیاء و رسل میں سے بھی کوئی نبی یا رسول اس عہد و میثاق کا عملی مظاہرہ کر کے دکھلائے تاکہ یہ خطاب اولیں براہِ راست بھی موثر ثابت ہو مگر ''ثم جاء کم رسول'' میں بقاعدہ عربیت خطاب تھا ان انبیاء و رسل سے جو ذاتِ اقدس سے پہلے اس کائناتِ ارضی میں مبعوث ہونے والے تھے کیونکہ ازل ہی میں محمد ﷺ کے لیے یہ مقرر ہو چکا تھا "**وَلکن رسول اللہ وخاتم النبیین**" پس محمد ﷺ کی صفت ''خاتم النبیین'' اور ازل سے مقدر ''میثاق النبیین'' کا اجتماع صرف اسی ایک شکل میں ممکن تھا کہ انبیاء سابقین میں سے کوئی ایک پیغمبر بعثت محمد ﷺ کے بعد نزول فرمائیں اور وہ اور ان کی امت دنیاءِ انسانی کے سامنے خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لائیں اور ''دین حق کی مدد و نصرت کا مظاہرہ کریں تاکہ "**لتومنن به ولتنصرنه**" کا وعدہٗ حق پورا ہو۔

گذشتہ صفحات میں یہ حقیقت بخوبی عیاں ہو چکی ہے کہ اگرچہ تمام انبیاء و رسل اپنے اپنے زمانہ میں محمد ﷺ کی آمد کی بشارات دیتے چلے آتے تھے لیکن یہ خصوصیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے حصہ میں آئی کہ وہ ذاتِ اقدس کی بعثت کے لیے تمہید اور براہ راست منادو مبشر بنے اور بنی اسرائیل کو تعلیم حق دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ''**انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورۃ و مبشراً برسولٍ یاتی من بعد اسمه احمد**'' اور حقیقت یہ ہے کہ خاتم انبیاء بنی اسرائیل ہی کا یہ حق تھا کہ وہ خاتم الانبیاء والرسل کی بعثت کا ''مناد'' اور ''مبشر'' ہو۔ اس لیے حکمت ربانی کا یہ فیصلہ ہوا کہ ''میثاق النبیین'' کی وقار کے لیے ان ہی کو منتخب کیا جائے اور اس معاملہ میں وہی تمام انبیاء و رسل کی نمائندگی کریں تاکہ امتوں کی جانب سے ہی نہیں بلکہ براہِ راست انبیاء و رسل کی جانب سے وفاءِ عہد کا عملی مظاہرہ ہو سکے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد

فرمایا "انا اولی الناس بعیسے بن مریم والانبیاء اولاد علات لیس بینی و بینه نبی"

مگر قرآن چونکہ خدا کا آخری پیغام ہے اور "انا له لحافظون" کے وعدۂ الٰہی نے رہتی دنیا تک اس کو تحریف سے محفوظ کر دیا ہے اس لیے قدرتی طور پر اس کی تعلیم کے ثمرات دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے مقابلہ میں مدتِ طویل تک اپنا کام کرتے رہیں گے اور اس کی روشنی سے قلوب کو گرمانے اور طاعتِ ربانی کے لیے مشتعل کرنے کے لیے "علماءِ امت" انبیاء بنی اسرائیل کی طرح خدمت حق انجام دیتے رہیں گے لیکن جب بعثت محمد ﷺ کو گزرے ہوئے۔بہت ہی طویل عرصہ ہو جائے گا اور امت مرحومہ کے عملی قویٰ اور اجتماعی اعضاء میں انتہائی اضمحلال پیدا ہو کر یہ کیفیت ہو جائے گی کہ ان کی بیداری اور تیز روی کے لیے صرف علماءِ حق کی روحانیت ہی کافی ثابت نہیں ہوگی وہ وقت اس کا متقاضی ہوگا کہ کوئی "قائم بالحجۃ" ان کو سنبھالے اور اس لیے مشیت الٰہی نے مقدر کیا کہ جو ہستی (عیسیٰ بن مریم) انبیاء و رسل کے میثاقِ ازل کی نمائندگی کے لیے مامور ہے اس کا ایسے ہی وقت نزول ہو اور وہ امت محمد ﷺ کے درمیان رہ کر ذاتِ اقدس کی نیابت اور امت کی امامت کا فرض انجام دے اور "لتومنن به و لتنصرنه" کا عملی مظاہرہ کر کے دکھلائے۔

اب کرشمہ قدرت دیکھیے کہ ازل کے ان مقدرات نے جو کہ ملاء اعلیٰ سے تعلق رکھتے تھے کائناتِ ارضی میں کس طرح اپنی بساط بچھائی؟ بنی اسرائیل اپنے جلیل القدر پیغمبر کے قتل کے لیے سازش مکمل کر چکے ہیں، شاہی دستہ چہار جانب سے مکان کو محصور کیے ہوئے ہے مگر قدرتِ حق اپنا کام اس طرح نہیں کرتی کہ معجزانہ کرشمہ کے ذریعہ ان کو محفوظ وہاں سے نکال کر خدا کی وسیع زمین کے دوسرے حصہ میں "ہجرت" کرا دیتی، نہیں، بلکہ ہوا یہ کہ ان کو ملاءِ اعلیٰ کی ہجرت کے لیے محفوظ و مامون زندہ اٹھا لیا اور سازش و محصور کرنے والوں کو ظن و ریب کی دلدل میں پھنسا کر ان کے لیے خسر الدنیا والآخرہ کا نشان عطا کر دیا اور پھر ارضی انسان کے ارضی احکام کے لیے وہ وقت مقرر کر دیا جو "میثاق النبیین" کی نمائندگی کے لیے موزوں تھا، یہی ہے وہ حقیقت جس کو زبانِ وحی ترجمان نے اس طرح ظاہر فرمایا "وَالَّذِیْ نفسی بیده لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً" اور اسی کو نص قرآن نے یوں واضح کیا ہے۔ "وانه لعلم للساعة" (زخرف ۶۱)

پھر یہ ہستی میثاقِ انبیاء و رسل کی نمائندگی کا اس طرح حق ادا کرے گی کہ جب

اس کا نزول ہوگا تو اس کرشمہ قدرت کو دیکھ کر مسلمانوں کے قلوب تصدیق قرآن اور تازگی ایمان سے روشن ہو جائیں گے اور وہ حق الیقین کے درجہ میں یقین کریں گے کہ بلاشبہ راہِ مستقیم صرف ''اسلام'' ہی ہے اور مخبر صادق کی جس طرح یہ خبر ''صادق'' نکلی عالم غیب سے متعلق اس کی تمام خبریں اسی طرح حق اور بلاشبہ حق ہیں، اور نصاریٰ بحیثیت قوم اپنے باطل عقیدے ''تثلیث و کفارہ'' پر نادم وشرمسار ہوں گے اور قرآن اور محمد ﷺ پر ایمان لانے کو اپنے لیے راہِ نجات اور راہِ سعادت یقین کریں گے اور یہود جب مسیح ہدایت اور مسیح ضلالت کے معرکہ حق و باطل کا مشاہدہ کرلیں گے اور مسیح ہدایت کے نزول سے اپنے دعویٰ قتل وصلیب کے ملعون عقیدہ کو باطل پالیں گے تو اب ان کو بھی ''ایمان بالحق'' کے سواء کوئی چارہ کار نہیں رہے گا اور مسیح ضلالت کے رفقاء کے علاوہ وہ سب ہی ''مسلم'' بن جائیں گے۔ یہی ہے قرآن کی وہ خبر صادق ''وَاِنْ مِنْ اھلِ الکتٰب اِلَّا لیؤمنن به قبل موته'' مسلمانوں میں ایمان کی تازگی و شگفتگی، نصاریٰ اور یہود میں تبدیلی عقائد کا حیرت انگیز انقلاب دیکھ کر اب مشرک جماعتوں پر بھی قدرتی اثر پڑے گا، اور ساتھ ہی خدا کے مقدس پیغمبر کے زبردست روحانی اثرات کارفرما ہوں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں گے اور اس طرح وحی ترجمان، حامل قرآن محمد ﷺ کا یہ ارشاد اپنی صداقت کو نمایاں کرے گا۔ ''**ویدعو الناس الی الاسلام ویھلک اللّٰہ فی زمانه الملل کلھا الا الاسلام ویھلک اللّٰہ فی زمانه الدجال.**''

اس تفصیل سے یہ بھی روشن ہوگیا کہ قرآن اور احادیث کی تصریحات ثابت کر رہی ہیں کہ اگر اس فرض کی انجام دہی کے لیے کوئی جدید نبی مبعوث ہوتا تو ایک جانب نبی اکرم ﷺ کا خصوصی شرف ''خاتم النبیین'' باقی نہ رہتا اور دوسری جانب ''میثاق النبیین'' کے خطاب اولین کا عملی مظاہرہ عالم وجود میں نہ آتا کیونکہ وہ ہستی بہرحال محمد ﷺ کی امت ہی میں سے ہوتی۔ البتہ سابق نبی کی آمد نقلاً اور عقلاً دونوں حیثیت سے شرفِ خصوصی ''خاتم النبیین'' کے لیے بھی قادح نہیں ہے اور ''میثاق النبیین'' کو بھی پورا کرتی ہے۔

واقعاتِ نزول، صحیح احادیث کی روشنی میں

گذشتہ صفحات میں نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق جو صحیح احادیث ذکر کی گئیں اور ان سے اور بعض دوسری صحیح احادیث سے جو تفصیلات ظاہر ہوتی ہیں ان کو ترتیب کے ساتھ یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

قیامت کا دن اگرچہ معین ہے مگر ذاتِ باری کے ماسوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے اور اس کا وقوع اچانک ہوگا "وعنده علم الساعة" اور قیامت کا علم خدا ہی کو ہے۔ "حتی اذا جاء تهم الساعة بغتة." حتیٰ کہ ان پر اچانک قیامت کی گھڑی آ جائے گی۔ "لاتاتيهم الا بغتة" قیامت ان پر نہیں آئے گی مگر اچانک۔ اور حدیث جبرائیل میں ہے "ما المسئول عنها باعلم من السائل" (جبرائیل نے کہا) قیامت کے بارہ میں آپ سے زیادہ مجھے بھی علم نہیں جو اجمالی علم آپ کو ہے اسی قدر مجھ کو بھی ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے "سمعت رسول اللهﷺ يقول قبل ان يموت بشهر: تساء لون عن الساعة وانما علمها عند الله." تم مجھ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہو تو اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ البتہ قرآن عزیز اور احادیث صحیح نے چند ایسی علامات بیان کی ہیں جو قیامت کے قریب پیش آئیں گی اور ان سے صرف اس کے نزدیک ہو جانے کا پتہ چل سکتا ہے، ان ''اشراطِ ساعت'' میں سے ایک بڑی علامت حضرت مسیح علیہ السلام کا ملاءِ اعلیٰ سے نزول ہے جس کی تفصیلات یہ ہیں۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان سخت معرکہ جنگ بپا ہو رہا ہوگا اور مسلمانوں کی قیادت و امامت سلالہ رسول اللہﷺ میں سے ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہوگی جس کا لقب ''مہدی'' ہوگا اس معرکہ آرائی کے درمیان ہی میں مسیح ضلالت ''دجال'' کا خروج ہوگا یہ نسلاً یہودی اور یک چشم ہوگا، کرشمہ قدرت نے اس کی پیشانی پر (ک ف ر) کافر لکھ دیا ہوگا جس کو اہل ایمان فراست ایمانی سے پڑھ سکیں گے اور اس کے دجل و فریب سے جدا رہیں گے۔ یہ اوّل خدائی کا دعویٰ کرے گا اور شعبدہ بازوں کی طرح شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنی جانب توجہ دلائے گا، مگر اس سلسلہ کو کامیاب نہ دیکھ کر کچھ عرصہ کے بعد ''مسیح ہدایت'' ہونے کا مدعی ہوگا یہ دیکھ کر یہود بہ کثرت بلکہ قومی حیثیت سے اس کے پیرو ہو جائیں گے اور یہ اس لیے ہوگا کہ یہود، مسیح ہدایت کا انکار کر کے ان کے قتل کا دعاء کر چکے ہیں اور مسیح ہدایت کی آمد کے آج تک منتظر ہیں، اسی حالت میں ایک روز دمشق (شام) کی مسجد جامع میں مسلمان منہ اندھیرے نماز کے لیے جمع ہوں گے، نماز کے لیے اقامت ہو رہی ہو گی اور مہدی موعود امامت کے لیے مصلے پر پہنچ چکے ہوں گے کہ اچانک ایک آواز سب کو اپنی جانب متوجہ کر لے گی مسلمان آنکھ اٹھا کر دیکھیں گے تو سپید بادل چھایا ہوا نظر آئے گا اور تھوڑے سے عرصہ میں یہ مشاہدہ ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام دو زرد حسین چادروں میں لپٹے ہوئے اور فرشتوں کے بازوؤں پر

سہارا دیئے ہوئے ملاء اعلیٰ سے اتر رہے ہیں۔ فرشتے ان کو مسجد کے منار شرقی پر اتار دیں گے اور واپس چلے جائیں گے، اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق کائناتِ ارضی کے ساتھ دوبارہ وابستہ ہو جائے گا اور وہ عام قانونِ فطرت کے مطابق صحن مسجد میں اترنے کے لیے سیڑھی کے طالب ہوں گے۔ فوراً تعمیل ہوگی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز کی صفوں میں آ کھڑے ہوں گے۔ مسلمانوں کا امام (مہدی موعود) از رو تعظیم پیچھے ہٹ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے امامت کی درخواست کرے گا۔ آپ فرمائیں گے کہ یہ اقامت تمھارے لیے کہی گئی ہے اس لیے تم ہی نماز پڑھاؤ، فراغت نماز کے بعد اب مسلمانوں کی امامت حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں میں آ جائے گی اور وہ حربہ لے کر مسیح ضلالت (دجال) کے قتل کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور شہر پناہ کے باہر اس کو بابِ لد پر مقابل پائیں گے، دجال سمجھ جائے گا کہ اس کے دجل اور زندگی کے خاتمہ کا وقت آ پہنچا اس لیے خوف کی وجہ سے رانگ کی طرح پگھلنے لگے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ کر اس کو قتل کر دیں گے اور پھر جو یہود، دجال کی رفاقت میں قتل سے بچ جائیں گے وہ اور عیسائی سب اسلام قبول کر لیں گے اور مسیح ہدایت کی سچی پیروی کے لیے مسلمانوں کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آئیں گے، اس کا اثر مشرک جماعتوں پر بھی پڑے گا اور اس طرح اس زمانہ میں اسلام کے ماسوا کوئی مذہب باقی نہیں رہے گا۔

ان واقعات کے کچھ عرصہ بعد یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھیں گے، حضرت مسیح علیہ السلام کا دورِ حکومت چالیس (اور مسلم میں ہے کہ دور حکومت سات سال رہے گا، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جب حضرت مسیح کا رفع سماوی ہوا اس وقت ان کی عمر تینتیس سال تھی اور نزول کے بعد سات سال مزید بقید حیات رہیں گے اس طرح کائنات ارضی میں کل مدت حیات چالیس سال ہو جائے گی) سال رہے گا اور اس درمیان میں وہ ازدواجی زندگی بسر کریں گے اور ان کے دور حکومت میں عدل و انصاف اور خیر و برکت کا یہ عالم ہوگا کہ بکری اور شیر ایک گھاٹ پانی پئیں گے اور بدی اور شرارت کے عناصر دب کر رہ جائیں گے۔ (ماخوذ از صحیح احادیث عن ابن عساکر فی تاریخہٖ)

وفات مسیح علیہ السلام

چالیس سالہ دور حکومت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو جائے گا اور نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں دفن ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے۔

فیمکث اربعین سنة ثم یتوفی و یصلی علیه المسلمون ویدفنونه.
(مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۶) پھر وہ کائنات ارضی پر اتر کر چالیس سال قیام کریں گے اور اس کے بعد وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے اور ان کو دفن کر دیں گے۔

اور ترمذی نے بسند حسن محمد بن یوسف بن عبداللہ بن سلام کے سلسلہ سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

قال مکتوبٌ فی التوراة صفة محمد و عیسٰی بن مریم یدفن معه.
(ترمذی جؒ ۲ ص ۲۰۲ باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ) عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تورات میں محمد ﷺ کی صفت (حلیہ و سیرت) مذکور ہے اور یہ بھی مسطور ہے کہ عیسٰی بن مریم علیہما السلام ان کے ساتھ پہلو میں دفن ہوں گے۔

و یوم القیمة یکون علیهم شهیدا

سورۂ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے مختلف حالات کا تذکرہ کیا گیا ہے پھر آخر سورت بھی ان ہی کے تذکرہ پر ختم ہوتی ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالٰی نے اول قیامت کے اس واقعہ کا نقشہ کھینچا ہے جب انبیاء علیہم السلام سے ان کی امتوں کے متعلق سوال ہوگا اور وہ غایت ادب سے اپنی لاعلمی کا اظہار کریں گے اور عرض کریں گے خدایا! آج کا دن تو نے اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ ہر معاملہ میں حقائق امور کے پیش نظر فیصلہ سنائے ادر ہم چونکہ صرف ظواہر ہی پر کوئی حکم لگا سکتے ہیں اور قلوب اور حقائق کا دیکھنے والا تیرے سوا کوئی نہیں اس لیے آج ہم کیا شہادت دے سکتے ہیں، صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں، تو علام الغیوب ہے اس لیے تو ہی سب کچھ جانتا ہے۔

یَومَ یجمع اللّٰه الرُسُلَ فَیَقُولُ ماذا اجبتم قالو الا علم لنا انک انت علام الغیوب. (مائدہ ۱۰۹) وہ دن (قابل ذکر ہے) جب کہ اللہ تعالٰی پیغمبروں کو جمع کر دے گا، پھر کہے گا تم (اپنی اپنی امتوں کی جانب سے) کیا جواب دیئے گئے؟ وہ (پیغمبر) کہیں گے (تیرے علم کے سامنے) ہم کچھ نہیں جانتے بلاشبہ تو ہی غیب کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا "**لا علم لنا**" فرمانا "علم حقیقی کی نفی پر ہی مبنی ہوگا، یہ مطلب نہیں ہوگا کہ وہ درحقیقت اپنی امتوں کے جواب سے لاعلم ہیں کہ کس نے ایمان کو قبول کیا اور کس نے انکار کیا کیونکہ جواب کا مقصد اگر یہ ہو تو یہ صریح جھوٹ اور

کذب بیانی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی جانب اس عمل بد کی نسبت ناممکن ہے، اس لیے انبیاء علیہم السلام کا یہ جواب مسطورۂ بالا حقیقت کے ہی پیش نظر ہوگا ظاہر حالات کے علم سے انکار پر مبنی نہیں ہوگا اس کے لیے خود قرآنِ عزیز ہی شاہد عدل ہے کیونکہ وہ متعدد جگہ یہ کہتا ہے کہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں پر شہادت دیں گے کہ ہم نے ان تک خدا کا پیغام پہنچا دیا تھا اور یہ کہ انھوں نے ہماری دعوت کو قبول کیا یا رد کر دیا تو ان ہر دو مقامات پر نظر رکھنے کے بعد یوں کہا جائے گا کہ پاس ادب کے طریقہ پر اوّل انبیاء علیہم السلام کا یہی جواب ہوگا جو مائدہ میں مذکور ہے لیکن جب ان کو خدائے برتر کا یہ حکم ہوگا کہ وہ صرف اپنے علم کے مطابق شہادت دیں تب وہ شہادت دیں گے۔

فکیف اذا جئنا من کُلِّ امۃٍ بشَھِیْدٍ وَجِئْنا بک علی ھولاءِ شَھِیدا (النساء ۴۱)

وَجِیْ بِالنَّبِیِّنَ وَالشُّھَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ (زمر ۶۹)

پھر (اے پیغمبر! کیا حال ہوگا اس دن، (یعنی قیامت کے دن) جب ہم ہر ایک امت سے ایک گواہ طلب کریں گے (یعنی اس کے پیغمبر کو طلب کریں گے جو اپنی امت کے اعمال و احوال پر گواہ ہوگا) اور ہم تمھیں بھی ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے طلب کریں گے۔

اور لائے جائیں گے (قیامت کے دن) انبیاء اور شہداء اور فیصلہ کیا جائے گا ان لوگوں کے درمیان اچھائی اور برائی کا حق کے ساتھ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی "لاعلم لنا" کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔

عن ابن عباس یوم یجمع اللّٰہ الایہ بقولو الرب عزوجل لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا (تفسیر ابن کثیر جلد از یر یوم تجمع الرسل) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیت **یوم یجمع اللّٰہ الرسول** (لآیہ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام رب عزوجل سے عرض کریں گے ہم کو کوئی علم نہیں ہے مگر ایسا علم کہ جس کے متعلق تو ہم سے بہتر جانتا ہے۔

اور شیخ المحققین علامہ سید انور شاہ رحمتہ اللہ آیت کے جملہ **"لاعلم لنا"** کو "علم حقیقی کے انکار" پر محمول کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"یہ بات مسلم ہے کہ ایک انسان کو...... خواہ وہ کسی درجہ اور رتبہ کا ہو...... دوسرے انسان کے متعلق جو کچھ بھی معلوم ہوتا ہے وہ علم حقیقی کے لحاظ سے "ظن" کے

درجہ سے آگے ''علم'' تک نہیں پہنچتا، اسی بنا پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ''نحن نحکم بالظواھر واللّٰہ متولی السرائر'' ہم ظاہر معاملات پر حکم لگاتے ہیں اور بھیدوں اور حقیقتوں پر تو صرف خدا کو ہی قابو حاصل ہے۔ نیز ایک دوسری حدیث میں ہے ذات اقدس نے ارشاد فرمایا: تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو اور بعض تم میں سے زیادہ چرب زبان ہوتے ہیں اور مجھ کو علم غیب نہیں ہے کہ حقیقت سے آگاہ ہو جایا کروں اس لیے جو بھی فیصلہ دیتا ہوں ظاہر حالات پر ہی دیتا ہوں تو یاد رہے کہ جو شخص بھی اپنی چرب زبانی سے کسی بھائی کا ادنیٰ سا ٹکڑا بھی ناحق حاصل کرے گا وہ بلاشبہ جہنم کا ٹکڑا حاصل کرے گا۔'' (عقیدۃ الاسلام ص ۱۶۵)

بہرحال قرآن عزیز احادیث رسول، آثار صحابہ اور اقوالِ علماء سب یہی ظاہر کرتے ہیں کہ اس موقعہ پر انبیاء علیہم السلام کا جواب ''عدم علم'' کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ از رہ پاسِ ادب ''حقیقی علم پر انکار'' کو واضح کرتا ہے۔

غرض، ذکر یہ تھا کہ اس مقام پر اصل تذکرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کا ہو رہا ہے جو قیامت میں پیش آئے گا جبکہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے انعامات شمار کرانے کے بعد ان سے ان کی امت کے متعلق سوال کرے گا اور وہ حسب حال جوابات پیش کریں گے مگر سابق آیات میں چونکہ دوسرے مطالب ذکر ہوئے تھے اس لیے ان سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے تمہیداً قیامت میں ہونے والے ان سوال و جواب کا ذکر ضروری ہوا جو عام طور پر انبیاء علیہم السلام سے ان کی امتوں کے متعلق کیے جائیں گے اور اس لیے بھی یہ تذکرہ ضروری تھا کہ اگلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جواب کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کا پیرایہ بیان بھی انبیاء علیہم السلام کے جواب کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَايَكُوْنُ لِىْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَالَيْسَ لِىْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِىْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ○ مَاقُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِىْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ○ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (مائدہ ۱۱۶، ۱۱۸)

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم سے کہے گا:

''کیا تو نے لوگوں (بنی اسرائیل) سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو دونوں کو اللہ کے ماسوا خدا بنا لینا'' عیسیٰ کہیں گے: ''پاکی تجھ کو ہی زیبا ہے میرے لیے کیسے ممکن تھا کہ میں وہ بات کہتا جو کہنے کے لائق نہیں، اگر میں نے یہ بات ان سے کہی ہوتی تو یقیناً تیرے علم میں ہوتی (اس لیے کہ) تو وہ سب کچھ جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں تیرا بھید نہیں پا سکتا، بلاشبہ تو غیب کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے، میں نے اس بات کے ماسوا جس کا تو نے مجھ کو حکم دیا ان سے اور کچھ نہیں کہا وہ یہ کہ صرف اللہ کی ہی پوجا کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے اور میں ان پر اس وقت تک کا گواہ ہوں جب تک میں ان کے درمیان رہا پھر جب تو نے مجھ کو ''قبض کر لیا''۔ تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے اگر تو ان سب کو عذاب چکھائے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو بخش دے، پس تو ہی بلاشبہ غالب، حکمت والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنا جواب دے چکیں گے تب اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرمائے گا۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ٥

(مائدہ ۱۱۹)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ ایسا دن ہے کہ جس میں راستبازوں کی راستبازی ہی کام آ سکتی ہے، ان ہی کے لیے بہت ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ خدا سے راضی اور خدا ان سے راضی (کا مقام اعلیٰ پائیں گے) یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب ایک جلیل القدر پیغمبر کی عظمت شان کے عین مطابق ہے، وہ پہلے بارگاہِ رب العزت میں عذر خواہ ہوں گے کہ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں ایسی نامناسب بات کہتا جو قطعاً حق کے خلاف ہے ''**سبحنک ما یکون لی ان اقول مالیس لی بحق**'' پھر پاس ادب کے طور پر خدا کے علم حقیقی کے سامنے اپنے علم کو ہیچ اور بے علمی کے مرادف ظاہر کریں گے ''**ان کنت قلته فقد علمته تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب**''۔ اور اس کے بعد اپنے فرض کی انجام دہی کا حال گزارش کریں گے ''**ماقلت لهم الا ما امرتنی به ان اعبدوا اللّٰه ربی و ربکم**'' اور پھر امت نے اس دعوتِ حق کا جواب کیا دیا؟ اس کے متعلق ظاہر امور کی

شہادت کا بھی اس ''اسلوب کے ساتھ ذکر کریں گے جس میں ان کی شہادت خدا کی شہادت کے مقابلہ میں بے وقعت نظر آئے۔ ''**وکنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شیءٍ شھیداً**'' اور اس کے بعد یہ جانتے ہوئے کہ امت میں مومنین قانتین بھی ہیں اور منکرین جاحدین بھی وقوع عذاب اور طلب مغفرت کا اس انداز میں ذکر کریں گے جس سے ایک جانب خدا کے مقرر کردہ پاداشِ عمل کے قانون کی خلاف ورزی بھی مترشح نہ ہو اور دوسری جانب امت کے ساتھ رحمت و شفقت کے جذبہ کا جو تقاضا ہے وہ بھی پورا ہو جائے ''**ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم**'' جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرضداشت یا جواب کے مضمون کو ختم کر چکے تو رب العلمین نے اپنے قانونِ عدل کا یہ فیصلہ سنا دیا تاکہ مستحق رحمت و مغفرت کو مایوسی نہ پیدا ہو بلکہ مسرت و شادمانی سے ان کے قلوب روشن ہو جائیں اور مستحق عذاب غلط توقعات قائم نہ کر سکیں ''**قال اللّٰہ ھذا یوم ینفع الصدقین صدقھم**'' (الآیہ)

ان تمام تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ آیاتِ زیر بحث کا سیاق و سباق صراحت کرتا ہے کہ واقعہ قیامت کے روز پیش آئے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ملاء اعلیٰ پر اٹھا لیے جانے کے وقت پیش نہیں آیا، اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی ابتداء ''**یوم یجمع اللّٰہ الرسل**'' (الآیہ) سے کرنا اور انتہاءِ واقعہ ''**ھذا یوم ینفع الصدقین صدقھم**'' (الآیہ) پر ہونا روز قیامت کے ماسوا اور کسی دن پر صادق نہیں آ سکتا اور اس ایک قطعی بات کے علاوہ دوسرے کسی احتمال کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔

نیز یہ تفصیلات واضح کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے قبول و انکار کے حالات سے آگاہی کے باوجود آیاتِ مائدہ میں مذکور اسلوب بیان اس لیے اختیار فرمائیں گے کہ دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام بھی مقام کی نزاکت حال اور رب العزت کے دربار میں غایت پاسِ ادب کے لیے یہی اسلوب بیان اختیار فرمائیں گے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے قبول و انکار کے حالات سے آگاہی کے باوجود آیاتِ مائدہ میں مذکور اسلوبِ بیان اس لیے اختیار فرمائیں گے کہ دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام بھی مقام کی نزاکت حال اور رب العزت کے دربار میں غایت پاسِ ادب کے لیے یہی اسلوب بیان اختیار فرمائیں گے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور انبیاء علیہم السلام کے جوابات میں اسلوب

بیان کی یکسانیت کے باوجود اجمال و تفصیل کا فرق صرف اس لیے ہے کہ زیر بحث آیات میں اصل مقصود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کے قبول و انکار اور ان کے نتائج و ثمرات کا تذکرہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کا ذکر صرف واقعہ کی تمہید کے طور پر ہے۔

حقیقت حال کے اس انکشاف کے بعد اب جمہور امت مسلمہ کے خلاف خلیفہ قادیانی مسٹر محمد علی لاہوری کی تحریف معنوی بھی قابل مطالعہ ہے کہتے ہیں کہ سورۂ مائدہ میں مذکور حضرت عیسیٰ اور پروردگار عالم کا یہ سوال و جواب اس وقت پیش آ چکا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نعش ملنے پر شاگردوں نے ان کا علاج کر کے چنگا کر لیا اور پھر وہ شام سے فرار ہو کر مصر اور مصر سے کشمیر پہنچے اور گمنامی کی حالت میں انتقال فرما گئے۔ مسٹر لاہوری نے اپنے دعویٰ میں دو دلائل پیش کیے ہیں ایک یہ کہ عربیت کے قاعدے سے لفظ "اذ" ماضی کے لیے مستعمل ہے نہ کہ مستقبل کے لیے اور دوسری دلیل یہ کہ اگر جمہور کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کا انتقال نہیں ہوا اور وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے تو ضروری ہے کہ ان کو اپنی امت (نصاریٰ) کے عقیدۂ الوہیت مسیح اور تثلیث کا علم ہو چکا ہوگا کیونکہ نصاریٰ نے ان کے رفع کے زمانہ تک تثلیث کو نہیں اپنایا تھا اور اگر ایسا ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب ایسے اسلوب پر نہ ہوتا جس سے ان کی لاعلمی ظاہر ہوتی ہے۔

مسٹر لاہوری نے قرآن کی تحریف معنوی پر یہ اقدام یا تو اس لیے کیا کہ اپنے مرشد متنبی قادیان علیہ ما علیہ کے دعویٰ مسیحیت کو قوت پہنچائیں اور مغالطہ اور سفسطہ سے کام لے کر ''خسران مبین'' کا سامان مہیا کریں اور یا پھر وہ قواعد عربیت سے اس درجہ ناواقف ہیں کہ نہ ان کو نحو کے معمولی استعمالات ہی کا علم ہے اور نہ وہ آیات قرآنی کے سیاق و سباق کا ہی کچھ درک رکھتے ہیں اور صرف جاہلانہ دعاوی پر دلیر نظر آتے ہیں۔

جن قوانین عربیت میں "اذ" اور "اذا" کے درمیان یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ "اذ" اگر فعل مستقبل پر بھی داخل ہو تب بھی ''ماضی'' کے معنی دیتا ہے اور "اذا" اگرچہ فعل ماضی پر بھی داخل ہو تب بھی مستقبل کے معنی دیا کرتا ہے ان ہی قوانین میں علماءِ معانی و بلاغت یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ بسا ایسا ہوتا ہے کہ کسی گزرے ہوئے واقعہ کو اس طرح پیش کرنے کے لیے گویا وہ زمانہ حال میں پیش آ رہا ہے صیغہ مستقبل سے تعبیر کر لیا کرتے ہیں یعنی اس کے لیے "اذا" کا استعمال جائز رکھتے بلکہ مستحسن سمجھتے اور اس کو ''استحضار'' اور ''حکایۃ الحال'' کہتے ہیں اور اسی طرح مستقبل میں ہونے والے ایسے واقعہ

کو جس کے وقوع سے متعلق یہ یقین دلانا ہو کہ وہ ضرور ہو کر رہے گا اور ناممکن ہے کہ اس کے خلاف ہو سکے اکثر ماضی کے صیغہ سے تعبیر کرنا مستحسن سمجھتے بلکہ بلاغت تعبیر کے لحاظ سے ضروری اور مفید یقین کرتے ہیں، کیونکہ اس طرح مخاطب اور سامع کے سامنے ہونے والے واقعہ کا نقشہ اس طرح آ جاتا ہے گویا وہ ہو گزرا ہے اور یہ بھی ''استحضار'' ہی کی ایک صورت سمجھی جاتی ہے، دور کیوں جایئے لفظ ''اذ'' کا استعمال مستقبل کے لیے خود قرآنِ عزیز میں متعدد مقامات پر ثابت ہے۔

سورۂ انعام میں قیامت کے دن مجرموں کی کیا کیفیت ہو گی اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا گیا ہے۔

وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (الانعام ۲۷) ''اور کاش کہ تو دیکھے جس وقت کہ وہ کھڑے کیے جائیں گے آگ (جہنم) کے اوپر پس کہیں گے اے کاش کہ ہم لوٹا دیئے جائیں دنیا میں اور نہ جھٹلائیں ہم اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہو جائیں ہم ایمان والوں میں سے۔''

اور اسی سورۂ انعام میں روزِ قیامت مجرموں کی حالت کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ. (انعام ۳۰) ''اور کاش کہ تو دیکھے، جب وہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو (پروردگار) کہے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے قسم ہے پروردگار کی یہ (روز حشر) حق اور سچ ہے، بس (پروردگار) کہے گا تو چکھو اس کے بدلہ میں عذاب جو تم کفر کیا کرتے تھے۔''

اور ان ہی مجرمین کی روز قیامت حالت کا نقشہ سورۂ سبا میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ وَقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ. (سبا ۵۱،۵۲) ''اور کاش کہ تو دیکھے جبکہ وہ (منکرین) گھبرائیں گے پس نہیں بھاگ سکیں گے اور پکڑے جائیں گے قریب سے اور کہیں گے ہم (اب) اس پر ایمان لے آئے۔''

اور سورۂ سجدہ میں اس حقیقت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

وَلَوْ تَرٰىٓ اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ. (سجدہ ۱۲) ''اور کاش کہ تو دیکھے جبکہ مجرم اپنا سر نیچے ڈالے ہوئے ہوں گے اپنے رب کے سامنے۔''

یہ اور اسی قسم کے متعدد مقامات ہیں جن میں مستقبل کے واقعات کو ماضی کے

ساتھ تعبیر کیا گیا اور اس لیے لفظ "اذ" کا استعمال مفید سمجھا گیا۔ پس جس طرح ان مقامات میں "اذ وقفوا" "قال" "قالوا" "اذفزعوا" "اخذوا" "اذالمجرمون ناکسوا" تمام افعال لفظ "اذ" کے باوجود مستقبل کے معنی دے رہے ہیں اسی طرح "اذ قال اللّٰہ یعیسٰی" کے استعمال کو مستقبل کے لیے سمجھیئے اور جس طرح ان تمام مقامات کے سیاق و سباق دلالت کر رہے ہیں کہ ان واقعات کا تعلق روز قیامت سے ہے ٹھیک آیاتِ مائدہ کی زیر بحث آیات کا سیاق و سباق صراحت کر رہا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق قیامت کے دن سے ہے۔

قاعدۂ عربیت کی اس حقیقت افروز تحقیق کے بعد مسٹر لاہوری کی دوسری دلیل پر نظر ڈالیے تو وہ اس سے بھی زیادہ لچر نظر آئے گی اس لیے کہ گذشتہ تحقیق سے یہ واضح ہو چکا کہ سورۂ مائدہ کی آیات زیر بحث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب ہرگز اس بات پر مبنی نہیں ہے کہ ان کو اپنی امت کی گمراہی کا علم نہیں ہوگا اور وہ اپنی لاعلمی ظاہر کریں گے، ایک مرتبہ ان آیات پر پھر غور کرو گے تو صاف نظر آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصل جواب صرف یہ ہے "ماقلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللّٰہ ربی و ربکم" اور اوّل و آخر باقی آیات میں یا جواب کے مناسب حال تمہید ہے اور یا اللہ تعالیٰ کی جلالت و جبروت اور اپنی بیچارگی دور ماندگی بلکہ عبودیت کا اظہار ہے جس میں ایک جلیل القدر پیغمبر کی شان کے مناسب حضرۃ القدس کے سامنے شہادت پیش کی گئی ہے، علاوہ ازیں اگر مسٹر لاہوری کا یہ قول صحیح مان لیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی تک نصاریٰ نے چونکہ تثلیث کا عقیدہ نہیں اختیار کیا تھا اس لیے انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ سوال کیا معنی رکھتا ہے "ء انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللّٰہ" کیا العیاذ باللہ اس کا یہ مطلب نہ ہوا کہ خدا نے عیسیٰ علیہ السلام کی امت پر جھوٹا الزام لگایا ہے پھر یہ کیا کم حیرت کی بات ہے کہ قادیانی اور لاہوری ایک جانب تو یہ کہہ رہے ہیں مگر اس کے قطعاً متضاد آئینہ کمالات میں قادیانی نے یہ کہا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو یہ معلوم ہوا اور اس کو بتلایا گیا کہ اس کی امت کس طرح شرک میں مبتلا ہو گئی تب عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔ خدایا! تو میرا مثیل نازل فرماتا کہ میری امت اس شرک سے نجات پائے اور تیری سچی پرستار بنے ۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

حقیقت یہ ہے کہ قادیانی اور لاہوری کی تفسیر کا معیار یہ نہیں ہے کہ وہ قرآن

کی آیات کے مصائب قرآن کی زبان سے سننا چاہتے ہیں بلکہ پہلے سے ایک باطل عقیدہ کو عقیدہ بناتے ہیں اور پھر اس کے سانچہ میں قرآن کو ڈھالنا چاہتے ہیں اور جب قرآن اس سانچہ میں ڈھلنے سے انکار کرتا ہے تو تحریف کے حربہ سے زبردستی اس پر مشق ستم کرنا چاہتے ہیں، مگر وہ ایسا کرتے وقت میں حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ قرآن، امت کی ہدایت کے لیے رہتی دنیا تک امام الھدیٰ ہے۔ اس لیے کوئی ''ملحد و زندیق'' خواہ کتنی ہی تحریف معنوی کی کوشش کرے ہمیشہ ناکام اور خاسر رہے گا اور خود قرآنی اطلاقات ہی اس کے عقیدہ وفکر کی بطالت کے لیے ناطق حوایت ہوں گے بلکہ بمصداق دروغ گورا حافظہ نہ باشد وہ اکثر اپنے ہی متضاد اقوال کی بھول بھلیاں میں پھنس کر اپنی کذب بیانی اور تفسیری افتراء پر مہر لگا لیتا ہے جس کی تازہ شہادت ابھی سطور بالا میں نقل ہو چکی ہے۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ

حیات و رفع مسیح علیہ السلام سے متعلق گذشتہ مباحث میں ''توفی'' کی حقیقت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے اور سورۂ مائدہ کی آیات مسطورہ بالا کی تفسیر کے بھی تمام پہلو واضح ہو چکے ہیں، تاہم قرآن کے اعجازِ بلاغت اور اسلوبِ بیان کی لطافت سے مستفید ہونے کے لیے چند سطور اس مسئلہ پر بھی سپرد قلم کر دینا مناسب ہے کہ اس مقام پر قرآن نے عیسیٰ علیہ السلام کے قیام ارضی کو ''**مادمت فيهم**'' سے اور کائنات ارضی سے انقطاع تعلقات کو ''**توفيتنی**'' سے کیوں تعبیر کیا؟

گذشتہ سطور میں لغت اور معانی کے حوالوں سے یہ تو ثابت ہو چکا کہ ''توفی'' کے حقیقی معنی ''اخذ و تناول'' (لے لینے اور قبضہ میں کر لینے) کے ہیں اور موت کے معنی میں بطور کنایہ اس کا استعمال ہوتا ہے اور یہ کہ کنایہ میں حقیقی معنی برابر ساتھ ساتھ رہتے ہیں مجاز کی طرح یہ نہیں ہوتا کہ حقیقی معنی سے جدا ہو کر لفظ غیر موضوع لہٗ میں استعمال ہونے لگے۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کا عقیدہ یہ ہوتا کہ ان کو موت آ چکی اور سوال و جواب کا یہ سلسلہ موت کے اسی وقت سے متعلق ہے نہ کہ قیامت کے دن سے تو پھر بلاغت و معانی کا تقاضا یہ تھا کہ اس موقعہ پر ''حیات'' اور ''موت'' ایک دوسرے کے متضاد الفاظ کو استعمال کیا جاتا تاکہ یہ حقیقت واضح ہو سکتی کہ سوال و جواب کا معاملہ ''موت'' کے ہم قرین ہے اور پھر لفظ ''موت'' کی صراحت اپنے مقابل لفظ ''حیات'' کی طالب ہوتی مگر قرآن نے ان دونوں الفاظ کی بجائے ''**مادمت فيهم**''

کو ''حیوۃ'' کی اور ''توفی'' کو ''موت'' کی جگہ استعمال کیا ہے تو یہ کس لیے اور کس مقصد سے یا بغیر کسی حکمت و مصلحت کے یہ اسلوب اختیار کر لیا؟ جمہور امت تو اس کا ایک ہی جواب رکھتی ہے اور وہ یہ کہ قرآن نے دوسرے مقامات کی طرح اس مقام پر بھی اعجاز و ایجاز سے کام لیا ہے اور ان دو لفظوں میں وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی، رفع، نزول اور موت، تمام مراحل کو سمو دینا چاہتا ہے، وہ اگر یہ کہتا ''ماحییت. میں جب تک زندہ رہا'' اور ''فلما امتنی. پس جب تو نے مجھ کو موت دے دی'' تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی عام حالات کے مطابق دو ہی مراحل پیش آئے ہیں ''زندگی'' اور ''موت'' اور ان دونوں مرحلوں کے درمیان کوئی خاص صورتِ حال پیش نہیں آئی، لیکن جبکہ یہ خلاف واقعہ تھا اور ان کی زندگی اور موت کے درمیان دو اہم مراحل پیش آ چکے ہوں گے ایک ''ملاء اعلیٰ کی جانب بقید حیات رفع'' اور دوسرا ''کائناتِ ارضی پر دوبارہ رجوع (نزول)'' اس لیے از بس ضروری ہوا کہ حیوۃ اور موت کی جگہ دو ایسے الفاظ اختیار کیے جائیں جو ان چاروں مراحل پر صادق آ سکیں اور جبکہ متعدد مقامات پر حسب حال ان مراحل کی تفصیل بیان ہو چکی ہے تو اعجازِ بلاغت کا یہی تقاضا ہے کہ اب ان کو ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔

صورتِ حال کا یہی نقشہ تھا جس کے لیے قرآن عزیز نے ''ماحییت'' کی جگہ ''مادمت فیهم'' استعمال کیا تا کہ یہ جملہ اختصار کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے دونوں حصوں پر حاوی ہو جائے اس حصہ پر بھی جو ابتداء زندگی سے شروع ہو کر ''رفع الی السماء'' پر ختم ہوتا ہے اور اس حصہ پر بھی جو ''نزولِ ارضی'' سے شروع ہو کر ''موت'' پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی طرح قرآن نے ''فلما امتنی'' کی جگہ ''فلما توفیتنی'' کا اسلوب بیان اختیار کیا تا کہ یہ جملہ بھی پہلے جملہ کی طرح باقی دونوں مرحلوں کو اپنے اندر سمو لے اس مرحلہ کو بھی جو ''رفع الی السماء'' کی صورت میں پیش آیا اور اس مرحلہ کو بھی جو نزول کے بعد ''موت'' کی صورت میں نمودار ہوا کیونکہ موت سے تو صرف ایک ہی حقیقت ظاہر ہو سکتی تھی مگر ''توفی'' میں بیک وقت دونوں حقیقتیں موجود تھیں، حقیقی معنی کے لحاظ سے صرف ''اخذ و تناول'' اور کنایہ کے اعتبار سے اخذ و تناول کے ساتھ ساتھ ''موت'' جیسا کہ سطور بالا میں ''کنایہ'' اور ''مجاز'' کے باہمی فرق سے معلوم ہو چکا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے، خدایا! جو وقت میں نے ان کے درمیان گزارا اس کے لیے تو بیشک میں شاہد ہوں لیکن ''توفی'' کے اوقات

میں ان پر فقط تو ہی نگہبان رہا، باقی تیری شہادت تو ہر حالت میں ہر وقت ہر شے پر حاوی ہے۔

مسئلہ متعلقہ کی یہ پوری بحث اس سے قطع نظر کہ نبی معصوم ﷺ نے آیات کی تفسیر میں کیا ارشاد فرمایا ہے، لغت، معانی، بلاغت کے پیش نظر تھی ورنہ ان آیات کی تفسیر میں ایک مومن صادق کے لیے وہ صحیح مرفوع احادیث کافی ہیں جن کو محدثین نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ مثلاً مشہور محدث حافظ ابن عساکرؒ نے بروایت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے جو حدیث نقل کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام انبیاء علیہم السلام کو اور ان کی امتوں کو بلایا جائے گا اور عیسیٰ علیہ السلام بھی بلائے جائیں گے، اللہ تعالیٰ اوّل ان کے سامنے اپنی ان نعمتوں کو شمار کرائے گا جو دنیا میں ان پر نازل ہوتی رہیں اور عیسیٰ علیہ السلام ان سب کا اعتراف کریں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ ”**ء انت قلت للناس اتخذونی و أمی الٰھین من دون اللّٰہ**“ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام انکار فرمائیں گے، پھر نصاریٰ بلائے جائیں گے اور ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ دروغ بیانی کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہاں، عیسیٰ علیہ السلام نے ہم کو یہی تعلیم دی تھی، یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سخت خوف طاری ہو جائے گا، بدن کے بال کھڑے ہو جائیں گے اور خشیت الٰہی سے ان کا رواں رواں بارگاہِ صمد میں سجدہ ریز ہو جائے گا اور یہ مدت ایک ہزار سال معلوم ہو گی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصاریٰ کے خلاف حجت قائم کر دی جائے گی اور ان کی خود ساختہ صلیب پرستی کا راز فاش کر دیا جائے گا اور پھر ان کو جہنم میں جھونک دیئے جانے کا حکم ہو جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ا سورۂ مائدہ)

اور محدث ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح یہ روایت نقل کی ہے۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”کہ اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی امت کے متعلق سوال کرے گا تو اپنی جانب سے عیسیٰ علیہ السلام پر جواب بھی القاء کر دے گا“ اور اس القاء کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر القاء ہوگا کہ وہ یہ جواب دیں

”**سبحانک مایکون لی ان اقول ما لیس لی بحق**“ (ایضاً)

اور صحیحین (بخاری و مسلم) اور سنن میں جو حدیث شفاعت منقول و مشہور ہے

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح قیامت میں تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوں گے اور معاملہ کے پیش آنے سے قبل خائف و ہراساں ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے ایک ہوں گے اور ان پر یہ خوف طاری ہو رہا ہوگا کہ جب ان سے امت کی مشرکانہ بدعت پر سوال ہوگا تو وہ درگاہِ صمدی میں کس طرح اس سے عہدہ برآ ہو سکیں گے؟

الحاصل سورۂ مائدہ کی ان آیات کی تفسیر وہی صحیح ہے جو جمہور امت کی جانب سے منقول ہے اور قادیانی اور لاہوری کی تفسیر بالرائے الحاد و زندقہ سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوتِ اصلاح اور بنی اسرائیل کے فرقے

گذشتہ مباحث میں پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کی تھی اور یہ الہامی کتاب دراصل توراۃ کا تکملہ تھی یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمی اساس اگرچہ توراۃ ہی پر قائم تھی مگر یہود کی گمراہیوں، مذہبی بغاوتوں اور سرکشیوں کی وجہ سے جن اصلاحات کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی معرفت انجیل کی شکل میں ان کے سامنے پیش کر دیا تھا، حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے یہود کی اعتقادی اور عملی گمراہیاں اگرچہ بے شمار حد تک پہنچ چکی تھیں اور حضرت مسیح علیہ السلام نے مبعث ہو کر ان سب کی اصلاح کے لیے قدم اٹھایا تاہم چند اہم بنیادی باتیں خصوصیت کے ساتھ قابل اصلاح تھیں جن کی اصلاح کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام بہت زیادہ سرگرم عمل رہے۔

(۱) یہود کی ایک جماعت کہتی تھی کہ انسان کے اعمالِ نیک و بد کی سزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے باقی قیامت، آخرت، آخرت میں جزا و سزا، حشر و نشر، یہ سب باتیں غلط ہیں، یہ ''صدوقی'' تھے۔

(۲) دوسری جماعت اگرچہ ان تمام چیزوں کو حق سمجھتی تھی مگر ساتھ ہی یہ یقین رکھتی تھی کہ وصول الی اللہ کے لیے ازبس ضروری ہے کہ لذاتِ دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کش ہو کر ''زہادت'' کی زندگی اختیار کی جائے چنانچہ وہ بستیوں سے الگ خانقاہوں اور جھونپڑیوں میں رہنا پسند کرتے تھے مگر یہ جماعت حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت سے کچھ پہلے اپنی حیثیت کھو چکی تھی اور اب ترک دنیا کے پردہ میں دنیا کی ہر قسم کی گندگی میں آلودہ نظر آتی تھی، ظاہر رسم و طریق زاہدوں کا سا ہوتا مگر خلوت کدوں میں وہ سب کچھ نظر آتا جن

سے رندانِ بادہ خوار بھی ایک مرتبہ حیا سے آنکھیں بند کر لیں، یہ ''فریسی'' کہلاتے تھے۔

(۳) تیسری جماعت مذہبی رسوم اور خدمت ہیکل سے متعلق تھی لیکن ان کا بھی یہ حال تھا کہ جن رسوم اور خدمات کو لوجہ اللہ کرنا چاہیے تھا اور جن اعمال کے نیک نتائج خلوص پر مبنی تھے ان کو تجارتی کاروبار بنا لیا تھا اور جب تک ہر ایک رسم اور خدمت ہیکل پر بھینٹ اور نذر نہ لے لیں قدم نہ اٹھائیں حتیٰ کہ اس مقدس کاروبار کے لیے انھوں نے تورات کے احکام تک میں تحریف کر دی تھی یہ ''کاہن'' تھے۔

(۴) چوتھی جماعت ان سب پر حاوی اور مذہب کی اجارہ دار تھی، اس جماعت نے عوام میں آہستہ آہستہ یہ عقیدہ پیدا کر دیا تھا کہ مذہب اور دین کے اصول و اعتقادات کچھ نہیں ہیں مگر وہ جن پر وہ صاد کر دیں، ان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیں، احکام دین میں اضافہ یا کمی کر دیں۔ جس کو چاہیں جنت کا پروانہ لکھ دیں اور جس کو چاہیں جہنم کی سند تحریر کر دیں، خدا کے یہاں ان کا فیصلہ اٹل اور اَن مٹ ہے، غرض بنی اسرائیل کے ''ارباباً من دون اللّٰہ'' بنے ہوئے تھے اور تورات کی لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف میں اس درجہ جری تھے کہ اس کو دنیا طلبی کا مستقل سرمایہ بنا لیا تھا اور عوام و خواص کی خوشنودی کے لیے ٹھہرائی ہوئی قیمت پر احکام دین کو بدل ڈالنا ان کا مشغلہ دینی تھا۔ یہ ''احبار'' یا ''فقیہ'' تھے۔

یہ تھیں وہ جماعتیں اور یہ تھے ان کے عقائد و اعمال جن کے درمیان حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور جن کی اصلاح حال کے لیے ان کی بعثت ہوئی انھوں نے ہر ایک جماعت کے فاسد عقائد و اعمال کا جائزہ لیا، رحم و شفقت کے ساتھ ان کے عیوب و نقائص پر نکتہ چینی کی، ان کو اصلاحِ حال کے لیے ترغیب دی اور ان کے عقائد و افکار اور ان کے اعمال و کردار کی نجاستوں کو دور کر کے ان کا رشتہ خالق کائنات اور ذاتِ واحد کے ساتھ دوبارہ قائم کرنے کی سعی کی۔ مگر ان بدبختوں نے اپنے اعمالِ سیاہ کی اصلاح سے یکسر انکار کر دیا اور نہ صرف یہ بلکہ ان کو ''مسیح ضلالت'' کہہ کر ان کی دعوتِ حق و ارشاد کے دشمن اور ان کے خلاف سازشیں کر کے ان کی جان کے درپے ہو گئے۔

اناجیل اربعہ: حضرت مسیح علیہ السلام پر جو انجیل نازل ہوئی تھی کیا موجودہ چاروں انجیلیں وہی ہیں یا یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کی تصانیف ہیں؟ اس کے متعلق تمام اہل علم کا جن میں نصاریٰ بھی شامل ہیں، اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل نہیں ہے اور نہ اس کا ترجمہ ہے، لیکن پھر ان موجودہ انجیلوں کے

متعلق عیسائی کیا کہتے ہیں اور ناقدین کی رائے کیا ہے؟ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔

یہ بات بہرحال تسلیم شدہ ہے کہ موجودہ چاروں انجیلوں کے متعلق نصاریٰ کے پاس کوئی ایسی سند موجود نہیں جس کی بنا پر وہ یہ کہہ سکیں کہ ان کی روایات کا سلسلہ یا ان کی ترتیب و تالیف کا زمانہ حضرت مسیح یا ان کے شاگردوں (حواریوں) تک پہنچتا ہے۔ نہ اس کے لیے کوئی مذہبی سند ہے اور نہ تاریخی بلکہ اس کے خلاف خود عیسائیت کی مذہبی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ پہلی صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک عیسائیوں میں اکیس سے زیادہ انجیلیں الہامی یقین کی جاتی اور رائج و معمول بہا تھیں لیکن ۳۲۵ء میں نایسیا کی کونسل نے ان میں سے صرف چار کو منتخب کر کے باقی کو متروک قرار دے دیا اور سخت حیرت کا مقام ہے کہ کونسل کا یہ انتخاب کسی تاریخی اور علمی بنیاد پر نہیں ہوا بلکہ ایک طرح کی فال نکالی گئی اور اسی کو الہامی اشارہ تسلیم کر لیا گیا، چنانچہ ان اکیس سے زائد انجیلوں میں سے بعض یورپ کے قدیم کتب خانوں میں پائی گئی ہیں، مثلاً انیسویں صدی میں ویٹیکان کے مشہور کتب خانہ سے متروک اناجیل کا ایک نسخہ برآمد ہوا تھا جس میں موجودہ چاروں انجیلوں سے بہت کچھ زائد موجود ہے، موجودہ نسخوں میں سے سینٹ لوقا کی انجیل میں خصوصیت کے ساتھ حضرت مسیح کی پیدائش کا واقعہ تفصیل سے درج ہے لیکن سورۂ مریم میں قرآنِ عزیز نے اس واقعہ کو جس طرح حضرت مریم کی پیدائش اور ہیکل میں تربیت کے ذکر سے شروع کیا ہے نہ لوقا کی انجیل میں اس کا ذکر ہے اور نہ باقی تینوں انجیلوں میں مگر ویٹیکان کے اس نسخہ میں یہ واقعہ ٹھیک سورۂ مریم میں مذکور واقعہ کی طرح درج ہے (ترجمان القرآن جلد دوم) اسی طرح سولھویں صدی میں روما کے مشہور پوپ سکٹس (Skits) کے قدیم کتب خانہ میں ایک اور متروک انجیل کا نسخہ برآمد ہوا جس کا نام انجیل برنابا ہے، یہ نسخہ پوپ کے مقرب لاٹ پادری فرامرینو نے پڑھا اور پوپ کی اجازت کے بغیر کتب خانہ سے چرا لایا، چونکہ اس میں خاتم الانبیاء محمد ﷺ سے متعلق کثرت سے واضح اور صاف بشارتیں موجود تھیں حتیٰ کہ ''احمد'' نام تک مذکور تھا نیز الوہیت مسیح کے خلاف عقیدۂ کی تعلیم پائی جاتی تھی اس لیے وہ لاٹ پادری مسلمان ہو گیا، حال ہی میں اس کا عربی ترجمہ مصر میں علامہ سید رشید رضا مرحوم نے المنار پریس سے شائع کیا ہے جو قابل مطالعہ ہے، ڈاکٹر سعادہ نے اس کے مقدمہ میں جو قابل قدر علمی تحقیق پیش کی ہے اس میں ہے کہ اس انجیل کا پتہ پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس تاریخی منشور (حکمنامہ) سے چلتا ہے جو خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی بعثت سے

پہلے عیسائیوں کے پوپ گلیسیوس...... کی جانب سے کلیساؤں کے نام بھیجا گیا تھا اور جس میں ان کتابوں کے نام درج تھے جن کا پڑھنا پڑھانا عیسائیوں پر حرام کیا گیا تھا ان ہی میں انجیل برنابا کا نام بھی شامل تھا۔

علاوہ ازیں محققین یورپ بھی آج اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ابتدائی تین صدیوں میں ایک سو سے زائد انجیلیں پائی جاتی تھیں جو بعد میں چار کو چھوڑ کر باقی متروک کر دی گئیں اور کلیسہ کے فیصلہ کے مطابق ان کا پڑھنا حرام کر دیا گیا اس لیے آہستہ آہستہ وہ سب مفقود ہوتی چلی گئیں اور کہتے ہیں کہ ان مفقود نسخوں میں ایک مشہور انجیل، انجیل ایکنٹس (انجیل اغنطسی) بھی تھی جو اب ناپید ہے۔

نیز یہ بات بھی خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے کہ سینٹ پال (پولوس رسول) کے جو خطوط ہیں اور جن پر موجودہ عیسائیت کی بنیادیں قائم ہیں ان کے مطالعہ سے جگہ جگہ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگوں کو خبر دار کرتا اور ڈراتا ہے کہ وہ ان انجیلوں کی جانب توجہ نہ دیں جو مسیح کے نام کی بجائے دوسرے ناموں سے منسوب ہیں کیونکہ مجھ کو روح القدس نے اسی کے لیے مامور کیا ہے کہ میں انجیل مسیح کی حمایت کروں، اسی کو اسوہ بناؤں اور اس کی تعلیم کو تمام عیسائی دنیا میں پھیلاؤں، چنانچہ حسب ذیل جملے اس کی صراحت کرتے ہیں کہ اس کے نزدیک مسیح کی انجیل عیسائیوں میں متروک ہو چکی تھی اور بعد کی بے سند انجیلوں کا عام رواج ہو گیا تھا اور ان ہی میں سے یہ چار ہیں جو نایسیا کی کونسل نے بغیر کسی سند کے قال کے ذریعہ صحیح تسلیم کر لیں۔

اب ان چار کا حال بھی سنیے۔ ان میں سے سب سے قدیم متی کی انجیل تسلیم کی جاتی ہے بایں ہمہ اس کے متعلق نصاریٰ میں سے علماء متقدمین تو بالاتفاق اور علماء موجودہ میں سے اکثر اس کے قائل ہیں کہ موجودہ انجیل متی اصل نہیں ہے بلکہ اس کا ترجمہ ہے اس لیے کہ اصل کتاب عبرانی زبان میں تھی جو اب ناپید ہے اور ضائع ہو گئی لیکن یہ اصل کا ترجمہ ہے یا اس میں بھی تحریف ہوئی ہے اس کے متعلق کوئی تاریخی سند موجود نہیں حتیٰ کہ مترجم کا نام تک معلوم نہیں اور نہ یہ پتہ کہ کس زمانہ میں یہ ترجمہ ہوا۔ (اظہار الحق مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی (نور اللہ مرقدہ) جلد اوّل ص ۱۶۱) اور مشہور عیسائی عالم جرجیس زوبن الفتوحی اللبنانی نے اپنی کتاب میں تصریح کی ہے کہ متی نے اپنی انجیل بیت المقدس میں بیٹھ کر ۳۹ء میں عبرانی میں تصنیف کی تھی جیسا کہ مقدس اریونیموس نے کہا ہے کہ اوسیبیوس نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ متی کی انجیل کا یونانی ترجمہ اصل نہیں

ہے اور جب بانتیوس نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ ہندوستان جا کر عیسائیت کی تبلیغ کرے تو اس نے متی کی انجیل کو عبرانی میں مکتوب اسکندریہ کے کتب خانہ میں محفوظ دیکھا تھا مگر وہ نسخہ مفقود ہو گیا اور نہیں کہا جا سکتا کہ کس زمانہ میں کس شخص نے یونانی زبان میں موجودہ ترجمہ کو روشناس کرایا۔

(الفارق بین المخلوق والخالق جلد ا ص ۲۰ ماخوذ از کتاب جرجیس زوین لبنانی مطبوعہ بیروت)

دوسری انجیل مرقس کی ہے اس کے متعلق مشہور عیسائی عالم پطرس گواماگ اپنی کتاب مروج الاخبار فی تراجم الابرار میں مرقس کی سوانح حیات پر لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ نسلاً یہودی لاوی اور پطرس حواری عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد تھا۔ رومیوں نے جب عیسائیت اختیار کر لی تو ان کے مطالبہ پر یہ انجیل تصنیف کی، یہ الوہیت مسیح کا منکر تھا اور اس نے اپنی انجیل میں اس حصہ کو بھی نہیں لیا جس میں حضرت مسیح علیہ السلام پطرس کی مدح کرتے ہیں، یہ ۶۸ء میں اسکندریہ کے قید خانہ میں قتل ہوا، بت پرستوں نے اس کو قتل کر دیا (قصص الانبیاء للنجار) اور عیسائی دنیا کو اس بارہ میں اختلاف ہے کہ مرقس کی انجیل کب تصنیف ہوئی، چنانچہ الفارق کے مصنف مرشد الطالبین ص ۱۷۰ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ علماءِ نصاریٰ کا خیال یہ ہے کہ یہ پطرس کی نگرانی میں ۶۱ء میں تصنیف ہوئی۔

(الفارق ص ۳۱۶)

تیسری انجیل سینٹ لوقا کی انجیل ہے، جس قدر اختلاف علماءِ نصاریٰ میں متی کی انجیل سے متعلق ہے اس سے بھی زیادہ لوقا کی انجیل کی صحت و عدم صحت کے متعلق اختلاف ہے، چنانچہ الفارق کے مصنف نے اس سلسلہ میں خود علماءِ نصاریٰ کے ہی اقوال نقل کیے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ یہ الہامی کتاب نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسٹر گڈل...... اپنے رسالہ الہام میں دعویٰ کرتا ہے کہ لوقا کی انجیل الہامی نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ لوقا نے خود اپنی انجیل کی ابتداء میں یہ لکھا ہے کہ یہ (انجیل) اس نے ثاوفیلس کے ساتھ خط و کتابت کی بنا پر لکھی ہے وہ اس کو مخاطب کر کے لکھتا ہے کہ مسیح کی باتیں جن لوگوں نے آنکھوں سے دیکھی تھیں انھوں نے ہم تک جس طرح پہنچائی ہیں ان کو بہت سے لوگ ہم سے نقل کر رہے ہیں اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کو خود ہی صحیح طریقہ پر جمع کر دوں تا کہ تم کو صحیح حقیقت معلوم ہو جائے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کا زمانہ نہیں پایا، اور محققین نصاریٰ یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ لوقا کی انجیل مرقس کی انجیل کے بعد وجود میں آئی ہے اور پطرس اور پولوس نے

مرنے کے بعد تصنیف کی گئی ہے۔ (قصص الانبیاء للنجار ص ۴۷۷۔۴۷۹)

اصل بات یہ ہے کہ لوقا انطاکیہ میں طبابت کرتا تھا، اس نے مسیح کو نہیں دیکھا، اور مسیحیت کو سینٹ پال (پولوس) سے سیکھا ہے اور پولوس کے متعلق یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ وہ دراصل متعصب یہودی اور عیسائیت کا بدترین دشمن تھا اور نصاریٰ کے خلاف علی الاعلان اپنی جدوجہد جاری رکھتا تھا مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی ہمہ قسم کی مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود مسیحیت کی ترقی ہوتی جا رہی ہے اور روکے نہیں رکتی تب اس نے یہودیانہ مکر و فریب سے کام لیا اور اعلان کیا کہ عجیب معجزہ ہوا، میں بحالت صحت تھا کہ ایک دم اس طرح زمین پر گرا جیسا کہ کوئی کشتی میں پچھاڑ دیتا ہے اور اس حالت میں حضرت مسیح علیہ السلام نے مجھ کو چھوا اور پھر سخت زجر و توبیخ کی کہ آئندہ تو ہرگز میرے پیروؤں کے خلاف کوئی اقدام نہ کرنا پس میں اسی وقت حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے حکم سے میں مسیحی دنیا کی خدمت کے لیے مامور ہو گیا، انھوں نے مجھ کو فرمایا کہ میں لوگوں کو مسیح کی انجیل کی بشارت سنا دوں اور اس کے اتباع کی ترغیب دوں، چنانچہ اس نے آہستہ آہستہ "کلیسہ" پر ایسا قبضہ کیا کہ دین عیسوی کی اصل صداقتوں کو مٹا کر بدعتوں اور برائیوں کا مجموعہ بنا دیا، الوہیت مسیح، تثلیث و ابنیت اور کفارہ کی بدعت ایجاد کر کے مسیحیت کو وثنیت میں تبدیل کر دیا اور شراب، مردار اور خنزیر سب کو حلال بنا دیا، یہی وہ مسیحیت ہے پولوس کے صدقہ میں جس سے آج دنیا روشناس ہے، اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ پولوس کے شاگرد لوقا کی انجیل الہامی انجیل ہے اور جیروم کہتا ہے کہ بعض قدیم علماءِ نصاریٰ اس کے قائل ہیں کہ لوقا کی انجیل کے ابتدائی دو باب الہامی نہیں الحاقی ہیں کیونکہ یہ اس نسخہ میں موجود نہیں ہیں جو مارسیوں فرقہ کے ہاتھوں میں ہے اور مشہور نصرانی عالم اکہارن لکھتا ہے کہ لوقا کی انجیل کے باب ۲۲ آیات ۴۳۔۴۷ الحاقی ہیں، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ معجزات سے متعلق جو بیان ہے اس میں کذب بیانی اور شاعرانہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے جو غالباً کاتب کی جانب سے اضافہ ہیں لیکن اب صدق کا کذب سے امتیاز حد درجہ دشوار ہے اور کلی میشس لکھتا ہے کہ متی اور مرقس کی انجیلیں بہت جگہ آپس میں مخالف اور متضاد واقعات کی حامل ہیں لیکن جس معاملہ میں دونوں کا اتفاق ہو اس کو لوقا کی انجیل کے بیان پر ترجیح حاصل ہے (الفارق بین المخلوق والخالق) اور یہ واضح رہے کہ لوقا کی انجیل میں بیس سے زیادہ مواقع پر متی کی انجیل سے اضافہ ہے اور مرقس کی انجیل سے تو اس سے بھی کہیں زیادہ۔

(قصص الانبیاء ص ۴۷۷) پس ان تمام دلائل سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ لوقا کی انجیل ہرگز الہامی نہیں ہے اور نہ کسی حواری کی تصنیف ہے۔

چوتھی انجیل یوحنا کی ہے۔ اس کے متعلق نصاریٰ کا عام عقیدہ یہ ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے محبوب شاگرد یوحنا زبدی کی ہے، زبدی صیاد، یوحنا کے والد کا نام تھا جلیل کے بیت صیدا میں ولادت ہوئی اور حواری عیسیٰ علیہ السلام کا شرف حاصل ہوا اور نصاریٰ میں مشہور بارہ حواریوں میں سے سب سے زیادہ ان ہی کو تقدیس حاصل ہے۔ جرجیس زوین اللبنانی لکھتا ہے کہ جس زمانہ میں شیرنیطوس اور بیسوں اور ان کی جماعت اپنے عقیدہ کی تشہیر کر رہی تھی کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ باطل ہے وہ بشر تھے اور حضرت مریم علیہ السلام کے بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت مریم علیہ السلام سے قبل وہ عالم وجود میں نہیں تھے اس زمانہ میں ۹۶ء میں پادریوں، لاٹ پادریوں کی مجلس مشاورت ہوئی اور انھوں نے یوحنا کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست پیش کی کہ وہ حضرت مسیح کی باتیں تحریر کریں اور جو باتیں دوسری انجیلوں میں پائی جاتی ہیں ان کے ماسوا جو کچھ معلوم ہو وہ لکھیں خصوصیت سے الوہیت مسیح کا مسئلہ ضرور لکھیں تاکہ شیرنیطوس وغیرہ کی جماعت کے خلاف ہمارے ہاتھ مضبوط ہوں، تب یوحنا ان کی بات نہ ٹال سکے اور یہ انجیل لکھنے پر مجبور ہوئے۔ (قصص الانبیاء ص ۴۷۷) مگر اس کے باوجود مسیحی علماء زمانہ تصنیف کی تعیین میں مختلف نظر آتے ہیں، بعض کہتے ہیں ۶۵ء میں تالیف ہوئی اور بعض ۹۶ء اور بعض ۹۸ء میں تصنیف ہونا بیان کرتے ہیں۔

مگر ان کے مقابلہ میں ان مسیحی علماء کی بھی تعداد کم نہیں ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یوحنا کی انجیل، حواری یوحنا کی تصنیف ہرگز نہیں ہے چنانچہ کیتھولک ہیرالڈ جلد ۷ (مطبوعہ ۱۸۴۴ء) میں پروفیسر لن سے منقول ہے کہ انجیل یوحنا از ابتداء تا انتہاء مدرسہ اسکندریہ کے ایک طالب علم کی تصنیف ہے اور برٹش نیدر لکھتا ہے کہ انجیل یوحنا اور رسائل یوحنا ان میں سے کوئی ایک بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگرد یوحنا کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کسی شخص نے دوسری صدی کے اوائل میں اس کو تصنیف کر کے اس لیے یوحنا کی جانب منسوب کر دیا تاکہ وہ لوگوں میں مقبول و مشہور بن جائے اور صاحب الفارق کہتے ہیں کہ مشہور مسیحی عالم کروٹیس...... کا بیان ہے کہ یہ انجیل شروع میں بیس ابواب پر مشتمل تھی بعد میں افاس کے کنیسہ نے اس میں اکیسویں باب کا اضافہ کر دیا جبکہ یوحنا کا انتقال ہو چکا تھا۔ (الفارق ص ۳۴۲_۳۴۱) ان حوالہ جات سے یہ بخوبی آشکارا ہوتا ہے کہ

بلاشبہ یہ یوحنا حواری کی انجیل نہیں ہے اور صرف اس مقصد سے تصنیف کر کے یوحنا کی جانب منسوب کی گئی کہ الوہیت مسیح کے عقیدۂ کنیسہ کو قوت پہنچائی جائے اور اصلاحِ عقیدہ کی جو آواز کبھی کبھی مسیحی دنیا میں اٹھتی تھی اس کو دبایا جائے۔

چہارگانہ اناجیل کے متعلق سطورۂ بالا مختصر تنقیدات کے علاوہ ان کے الہامی نہ ہونے کے دو واضح دلائل یہ بھی ہیں کہ ان چاروں انجیلوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے وقائع درج ہیں حتیٰ کہ نصاریٰ کے زعم کے مطابق ان کی گرفتاری صلیب، قتل، مرکر جی اٹھنے اور حواریوں پر ظاہر ہونے وغیرہ تک کے حالات بھی موجود ہیں۔ پس اگر یہ اناجیل انجیل مسیح یا اس کا کوئی حصہ ہوتیں تو ان میں ان باتوں کا قطعاً تذکرہ نہیں ہونا چاہیے تھا، وہ واقعات تو مسیح کے بعد ان کے شاگرد علیحدہ جمع کرتے اور ان کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہوتی نہ کہ وہ کتاب اللہ کہلانے کے مستحق ہوتے اور یہ کہ جس طرح ان انجیلوں کے مصنفین کے بارہ میں اختلاف ہے اسی طرح ان تصنیفات کے باہم روایاتِ واقعات میں بھی تناقض اور سخت اختلاف پایا جاتا ہے یعنی بعض معجزات و عجیب واقعات ایسے ہیں جو ایک انجیل میں پائے جاتے ہیں اور دوسری انجیل میں ان کا اشارہ تک نہیں ہے یا بعض میں ایک واقعہ جس طرح مذکور ہے دوسری میں کچھ زیادتی یا کمی کے ساتھ ایسے طریقہ پر بیان ہوا ہے کہ پہلی انجیل کے بیان میں اور اس میں صریح تضاد اور خلاف نظر آتا ہے مثلاً صلیب مسیح علیہ السلام کا واقعہ اناجیل میں تضادِ بیان کے ساتھ منقول ہے۔

یہ بات بھی کم حیرت کے لائق نہیں ہے کہ یہ اناجیل اربعہ جن جن زبانوں میں منقول ہوئی ہیں ان کی عبارات وکلمات کے بقاء و تحفظ کی کبھی پرواہ نہیں کی گئی بلکہ ایک ہی زبان کے مختلف ایڈیشنوں اور اشاعتوں میں بہ کثرت الفاظ اور جملوں کی تبدیلی، کمی اور بیشی موجود ہے خصوصاً جن مقامات پر علماءِ اسلام اور علماءِ نصاریٰ کے درمیان بشارات کے سلسلہ میں یہ بحث آ گئی ہے کہ ان کا مصداق خاتم الانبیاء ﷺ ہیں یا حضرت مسیح یا کوئی اور نبی نیز جن مقامات پر الوہیت مسیح کی صراحت میں فرق پڑتا نظر آتا ہو ان کو کافی تختہ مشق بنایا جاتا رہا ہے۔

اگر تحریفاتِ لفظی و معنوی اور تضادِ بیان کی تفصیلات و تصریحات کو بہ نظر وسیع مطالعہ کرنا ہو تو اس کے لیے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی اظہارِ الحق، حافظ ابن قیم کی ہدایۃ الحیاریٰ باجہ جی زادہ کی الفارق بین المخلوق والخالق اور مولانا آل نبی امروہی کی اظہارِ حق لائق دید کتابیں ہیں۔

غرض موجودہ چاروں انجیلیں الہامی انجیلیں نہیں ہیں، نہ ان کے الہامی ہونے کی روایتی سند ہے اور نہ تاریخی، نہ ان کے مصنفین کے متعلق قطعی اور یقینی علم حاصل ہے اور نہ زمانہائے تصانیف ہی متعین ہیں بلکہ اس کے خلاف پولوس کے بیانات، ان کتابوں کی تاریخی حیثیت، مضامین و مطالب کا باہمی تضاد و تغیر، اسی پر شاہد ہیں کہ یہ ہرگز انجیل مسیح یا اس کا حصہ نہیں ہیں اور یہ کہ انجیل مسیح ''نصاریٰ'' کے ہی ہاتھوں اوّل تحریف لفظی و معنوی کا شکار ہوئی اور اس کے بعد مفقود ہوگئی بلکہ ان چہارگانہ انجیلوں میں سے بھی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یونانی اور اس سے منقول دوسری زبانوں کے تراجم ہیں جو تبدیلی و تغیر اور نقص و ازدیاد کا برابر شکار ہوتے رہے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ یہ اناجیل اربعہ انجیل مسیح نہیں ہیں بلکہ کسی علمی، تاریخی اور مذہبی سند سے ان کا شاگردانِ مسیح کی تصنیف ہونا بھی ثابت نہیں ہے بلکہ بعد کے مصنفین کی تصانیف میں البتہ ان تراجم میں مواعظ و نصائح اور مقالاتِ حکمت کے سلسلہ میں ایک حصہ ایسا ضرور ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ارشاداتِ عالیہ سے ماخوذ ہے اور اس لیے نقل میں کہیں کہیں اصل کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔

قرآن اور انجیل: قرآن عزیز کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ جس طرح خدا ایک ہے اسی طرح اس کی صداقت بھی ایک ہی ہے اور وہ کبھی کسی خاص قوم، خاص جماعت اور خاص گروہ کی وراثت نہیں رہی بلکہ ہر قوم اور ہر ملک میں خدا کی ہدایت و رشد کا پیغام ایک ہی اساس و بنیاد پر قائم رہتے ہوئے اس کے سچے پیغمبروں یا ان کے نائبوں کے ذریعہ ہمیشہ دنیا کے لیے راہ مستقیم کا داعی اور مناد رہا ہے اور اسی کا نام ''صراط مستقیم'' اور ''اسلام'' ہے اور قرآن اسی بھولے ہوئے سبق کو یاد دلانے آیا ہے اور یہی وہ آخری پیغام ہے جس نے تمام مذاہب ماضیہ کی صداقتوں کو اپنے اندر سمو کر کائناتِ ارضی کی ہدایت کا بیڑا اٹھایا ہے اور اس لیے اب اس کا انکار گویا خدا کی تمام صداقتوں کا انکار ہے، اسی بنیادی تعلیم کے پیش نظر اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی عظمت شان کو سراہا اور یہ اعتراف کیا کہ بلاشبہ انجیل الہامی کتاب اور خدا کی کتاب ہے لیکن ساتھ ہی جگہ جگہ یہ بھی بہ دلائل بتلایا کہ علماءِ اہل کتاب نے اس کی سچی تعلیم کو مٹا ڈالا، بدل ڈالا اور ہر قسم کی تحریف کر کے اس کی تعلیم کو شرک و کفر کی تعلیم بنا دیا۔ مگر بعض بعض مقامات پر اہل کتاب کو تورات و انجیل کے خلاف عمل پر ملزم بناتے ہوئے موجودہ تورات و انجیل کے حوالے بھی دیتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت اصل نسخے بھی اگرچہ محرف شکل ہی میں کیوں نہ ہوں پائے جاتے تھے، بہرحال اس وقت بھی یہ دونوں کتابیں

لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریفات سے اس درجہ مسخ ہو چکی تھیں کہ وہ توراتِ موسیٰ اور انجیل مسیح کہلانے کی مستحق نہیں رہی تھیں۔ چنانچہ قرآن نے اصل کتابوں کی عظمت، اور اہل کتاب کے ہاتھوں ان کی تحریف اور ان کا مسخ دونوں کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔

نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَo مِنْ قَبْلُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ط (آل عمران ۳،۴)

وَیُعَلِّمُهُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَ. (ال عمران ۴۸)

یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَمَا اُنْزِلَتِ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (آل عمران ۶۵)

(اے محمد ﷺ) اللہ نے تجھ پر کتاب کو اتارا حق کے ساتھ جو تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو اس کے سامنے ہیں اور اتارا اس نے تورات اور انجیل کو (قرآن سے) پہلے جو ہدایت ہیں لوگوں کے لیے اور اتارا فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والی) اور سکھاتا ہے وہ کتاب کو، حکمت کو، تورات کو، انجیل کو۔

اے اہل کتاب! تم کس لیے ابراہیم کے بارہ میں جھگڑتے ہو اور حال یہ ہے کہ تورات اور انجیل کا نزول نہیں ہوا مگر ابراہیم کے بعد پس کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

وَقَفَّیْنَا عَلٰی اٰثَارِهِمْ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّ نُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَهُدًی وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ وَلْیَحْکُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِ ط وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَo (المائدہ ۴۶،۴۷)

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ط وَکَثِیْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَo (المائدہ ۶۷)

قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ط (المائدہ ۶۸)

وَاِذْ عَلَّمْتُکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَ. (المائدہ ۱۱۰)

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ. (الاعراف ۱۵۷)

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ. (توبہ ۱۱۱)

اور پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ بن مریم کو جو تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو سامنے ہے تورات اور دی ہم نے اس کو انجیل جس میں ہدایت اور نور ہے اور جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتی ہے اور سرتاسر ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لیے اور چاہیے کہ اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ دیں جو ہم نے انجیل میں اتار دیا ہے اور جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے موافق فیصلہ نہیں دیتا پس یہی لوگ فاسق ہیں۔

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے (تحریف کرکے ان کو مسخ نہ کر ڈالتے) اور اس کو قائم رکھتے جو ان کی جانب ان کے پروردگار کی جانب سے نازل ہوا ہے تو البتہ وہ (فارغ البالی کے ساتھ) کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے بعض ان میں سے میانہ رو صلاح کار ہیں اور اکثر ان کے بدعمل ہیں۔

(اے محمد ﷺ) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تمھارے لیے ٹکنے کی کوئی جگہ نہیں ہے جب تک تورات اور انجیل اور اس شے کو جس کو تمھارے پروردگار نے تم پر نازل کیا قائم نہ کرو (تاکہ اس کا نتیجہ قرآن کی تصدیق نکلے)

اور جب میں نے تجھ کو (اے عیسیٰ) سکھائی کتاب، حکمت، تورات اور انجیل۔

(نکوکار) وہ لوگ ہیں جو پیروی کرتے ہیں الرسول کی جو نبی امی ہے اور جس کا ذکر اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔

بلاشبہ اللہ نے خرید لیا ہے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات پر کہ ان کے لیے جنت ہے وہ اللہ کے راستہ میں جنگ کرتے ہیں پس قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں ان کے لیے اللہ کا وعدہ سچا ہے جو تورات اور انجیل میں کیا گیا ہے۔

غرض یہ مدح و منقبت ہے اس تورات اور انجیل کی جو توراتِ موسیٰ اور انجیل مسیح کہلانے کی مستحق اور درحقیقت کتاب اللہ تھیں لیکن یہود و نصاریٰ نے ان الہامی کتابوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا اس کا حال بھی قرآن ہی کی زبان سے سنیے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۝ (بقرہ ۷۵)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ۝

(بقرہ ۷۹)

کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سنتا تھا پھر اس کو بدل ڈالتا تھا باوجود اس بات کے کہ وہ اس کے مطالب کو سمجھتا تھا اور وہ دیدہ و دانستہ تحریف کرتے تھے۔

پس افسوس ان (مدعیان علم) پر جن کا شیوہ یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں تاکہ اس کے معاوضہ میں ایک حقیر سی قیمت دنیوی فائدہ کی حاصل کر لیں پس افسوس اس پر جو کچھ ان کے ہاتھ لکھتے ہیں اور افسوس اس پر جو کچھ وہ اس ذریعہ سے کماتے ہیں۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ. (المائدہ ۴۱)

وہ (اہل کتاب) کتاب اللہ (توراۃ و انجیل) کے کلمات کو ان کے محل و مقام سے بدل ڈالتے ہیں (یعنی تحریف لفظی اور معنوی دونوں کرتے ہیں)

ان کے علاوہ ثمن قلیل (معمولی پونجی) کے عوض آیات اللہ کی فروخت کرنے کے متعلق تو بقرہ، آل عمران، نساء، توبہ میں متعدد آیات موجود ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ، تورات و انجیل کی دونوں طرح کیا کرتے تھے تحریف لفظی کے ذریعہ بھی اور تحریف معنوی کے سلسلہ سے بھی، گویا سیم و زر کے لالچ سے عوام و خواص کی خواہشات کے مطابق کتاب اللہ کی آیات میں لفظی و معنوی تحریف ان کے فروخت کرنے کی حیثیت رکھتی ہے جس سے بڑھ کر شقاوت و بدبختی کا دوسرا کوئی عمل نہیں اور جو ہر حالت میں موجب ''لعنت'' ہے۔

انجیل اور حواری عیسیٰ علیہ السلام

مفسرین عام طور پر حواری کو ''حور'' سے ماخوذ کہتے ہیں جس کے معنی کپڑے کی سپیدی کے ہیں، جب کپڑا دُھل جانے کے بعد سپید ہو جاتا ہے تو اہل عرب کہا کرتے ہیں ''حار الثوب'' اس لیے دھوبی کو ''حواری'' کہتے ہیں اور ''حواریوں'' اس کی جمع آتی ہے، اس معنی کے پیش نظر حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں کو یا اس لیے حواری کہتے ہیں کہ ان میں سے اکثر دھوبی اور مچھیرے کا پیشہ کرتے تھے اور یا اس لیے کہ جس طرح دھوبی کپڑا صاف کر دیتا ہے یہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے لوگوں کے قلوب کو روشن کر دیا کرتے تھے، حواری کے معنی ناصر و مددگار اور ناصح کے بھی آتے ہیں اور عبدالوہاب نجار فرماتے ہیں کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کو ''شاگرد''

کہتے ہیں، یہ تعبیر بے اصل نہیں ہے بلکہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ یہ اصل کے اعتبار سے ''حبور'' عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ''شاگرد'' کے ہیں اور اس کی جمع ''حبوریم'' آتی ہے، یہی حبوریم ہے جو عربی میں جا کر حواری اور حواریین کہلایا۔

حواریین عیسیٰ علیہ السلام کا گذشتہ صفحات میں تفصیل سے ذکر آ چکا ہے لیکن قرآن عزیز نے صرف ''حواریوں'' کہہ کر مجمل تذکرہ کیا ہے کسی کا نام مذکور نہیں ہے، انجیل نے البتہ ان کے نام بھی بتلائے ہیں اور تعداد بھی، چنانچہ متی کی انجیل کے باب میں بارہ نام شمار کرائے ہیں اور چار انجیلوں سے خارج برنابا کی متروک انجیل کے باب ۱۴ میں بھی یہی تعداد مسطور ہے، البتہ چند ناموں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ نقشہ حسب ذیل ہے۔

	انجیل متی		انجیل برنابا
۱۔	پطرس (سمعان)	۱۔	بطرس الصیاد (سمعان)
۲۔	اندراوس (پطرس کا بھائی)	۲۔	اندراوس
۳۔	یعقوب بن زبدی	۳۔	برنابا
۴۔	یوحنا (یعقوب کا بھائی)	۴۔	یعقوب بن زبدی
۵۔	فیلپس	۵۔	یوحنا بن زبدی
۶۔	برثولماوس	۶۔	فیلپس
۷۔	توما	۷۔	برثولماوس
۸۔	متی العشار	۸۔	تداوس
۹۔	یعقوب بن حلفی	۹۔	یعقوب بن حلفی
۱۰۔	لباوس (ملقب بہ تداوس)	۱۰۔	یہودا
۱۱۔	سمعان القانوی	۱۱۔	متی العشار
۱۲۔	یہودا اسخر یوطی	۱۲۔	یہودا اسخر یوطی

(قصص الانبیاء للنجار ص ۴۸۲)

دونوں انجیلوں کے درمیان صرف دو ناموں میں اختلاف ہے۔ متی میں توما اور سمعان قانوی ہیں اور برنابا میں ان کی جگہ خود برنابا اور تداوس ہیں۔ ان میں کون صحیح کہتا ہے؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے لیکن دلیل کی روشنی میں یہ کہنا بہت آسان ہے کہ کلیسا کی کونسل نے بے دلیل اور بے سند صرف اس بنا پر برنابا اور اس کے رفیق تداوس کے نام

نامنظور کر دیے کہ ان دونوں کی روایات الوہیت مسیح اور کفارہ کے خلاف سچی عیسائیت پر مبنی تھیں اور یہ کلیسہ کے اس عقیدہ کے قطعاً خلاف تھیں جو سینٹ پال کی محرف عیسائیت کا مقبول عقیدہ تھا اور ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ اگر چہ برنابا کا نام موجودہ عیسائیت میں حواریوں سے خارج سمجھا جاتا ہے تاہم ان رسولوں کی فہرست میں آج بھی موجود ہے جنھوں نے ملکوں میں خدائی بادشاہت کا اعلان کیا اور دین مسیحی کی دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور موجودہ مسیحیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم حق کا خلاصہ گذشتہ بیانات میں سپردِ قلم ہو چکا ہے، وہ خدا کے سچے پیغمبر، حق و صداقت کے داعی، دین مبین کے ہادی و مبلغ تھے اور خدا کے تمام سچے پیغمبروں کی طرح ان کی تعلیم بھی پہلی صداقتوں کی موئد اور وقت کی انفرادی و اجتماعی ضروریات کے انقلابات و حوادث کے مناسب حال انجیل کی شکل میں اصلاح و انقلاب کے لیے منادتھی، توحید خالص، معرفت کردگار کے لیے کردگار سے ہی بلاوسیلہ تقرب، محبت و شفقت، رحمت و عفو کی اخلاقی برتری ان کی پاک تعلیم کا نچوڑ تھا، لیکن انسانی انقلابات کی ذہنی تاریخ میں اس سے زیادہ حیرت اور تعجب کی غالبًا دوسری کوئی بات نہ ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی مقدس تعلیم ہی کے نام پر موجودہ مسیحیت، توحید کی جگہ تثلیث، معرفت حق کے لیے ابنیت کا عقیدہ، نجات کے لیے علم و عمل کی درستکاری کی جگہ کفارہ پر ایمان جیسی مشرکانہ اور جاہلانہ بدعات کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں سرگرم عمل ہے۔

تثلیث؟ بسانی نے دائرۃ المعارف (Encyclopadia) میں اس مسئلہ پر مسیحی نقطہ نظر سے سیر حاصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عیسائی مذہب نے سب سے پہلے تثلیث کا نام ''رسولوں کے عہد'' میں سنا، اس سے قبل مسیحیت اس عقیدہ سے قطعاً ناآشنا تھی اور رسولوں کا عہد سینٹ پال (پولوس رسول) سے شروع ہوتا ہے، یہ وہی حضرت ہیں جن کی بدولت دین مسیحی نے نیا جنم لیا اور جن کی یہودیت نے از رہِ تعصب مسیحی صداقت و توحید کے عقیدہ کو وثنیت اور شرک سے آلودہ کر کے کامیابی کا سانس لیا، یہ عقیدہ دراصل وثنی (بت پرستانہ) فلسفہ کی موشگافیوں کی پیداوار اور صنم پرستانہ عقیدۂ ''اوتار'' کی صدائے بازگشت ہے اور اس حقیقت پر مبنی ہے کہ ذات یا صفت خداوندی بشکل انسانی کائناتِ ارضی میں وجود پذیر ہوسکتی ہے۔ گویا یہ عقیدہ فلاسفہ ہیلاینیسن اور غنو سطیین کے عقائد فلسفیانہ کا ایک معجونِ مرکب ہے چنانچہ تاریخ قدیم سے پتہ چلتا ہے کہ

دوسری صدی عیسوی میں انطاکیہ کے بشپ (Bishap) تھیوفیلوس نے سب سے پہلے اس سلسلہ میں ایک یونانی کلمہ ''ٹریاس'' کا استعمال کیا اس کے بعد ایک دوسرے بشپ ترتیانوس نے اس کے قریب قریب ایک لفظ ''تیرنیتاس'' ایجاد کیا، یہی وہ یونانی لفظ ہے جو موجودہ مسیحی عقیدہ ''ثالوث'' (تثلیث) کے مرادف اور ہم معنی ہے، اگر اس مسئلہ کی حقیقت کو ذرا اور گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش کی جائے تو تاریخی حقائق سے یہ بات نمایاں نظر آئے گی کہ ثالوث کا عقیدہ دراصل مسیحیت اور وثنیت کی اس آمیزش کا نتیجہ ہے جو مسیحیت کے غلبہ اور وثنیت (بت پرستی) کی مغلوبیت کی وجہ سے پیش آیا، خصوصاً جب مصری بت پرستوں نے اس مذہب کو قبول کیا تو انھوں نے اس عقیدہ کو بہت ترقی دی اور فلسفیانہ دقیقہ سنجیوں کے ساتھ اس کو علمی بحث بنا دیا، مسیحیت قبول کر لینے کے بعد بت پرستوں پر جو ردِعمل ہوا اس کے نتائج میں سے ایک اہم بات یہ تھی کہ ان کی خواہش ہمیشہ یہ رہی کہ وہ کس طرح گذشتہ وثنیت کی موجودہ مسیحیت کے ساتھ مطابقت پیدا کریں؟ تاکہ اس طرح قدیم و جدید دونوں ادیان کے ساتھ ربط قائم رہ سکے چنانچہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد ''اسکندریہ کے فلسفہ آمیز اصنامی تخیل سیراپیز (Serapis) سے تثلیث وحدت کی اصل لی گئی، اور ایزیز (Isis) کی جگہ حضرت مریم علیہا السلام کو اور ہورس (Horus) کی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی'' اور اس یونانی اور مصری فلسفیانہ وثنیت کی بدولت موجودہ مسیحیت میں الوہیت مسیح اور تثلیث ''کلیسہ کا مقبول'' عقیدہ بن گیا۔

یہ عقیدۂ تثلیث ابھی سن طفولیت ہی میں تھا کہ علماء نصاریٰ میں اس کے رد و قبول پر معرکۃ الآراء بحثیں شروع ہوگئیں، ''نیقاؤ'' کی کونسل میں، مشرقی گرجاؤں میں اور خصوصی و عمومی مجالس میں جب بحث نے طول کھینچا تو ''کلیسہ'' نے فیصلہ دیا کہ مسئلہ ثالوث (تثلیث) حق اور اس کے خلاف ''الحاد'' ہے۔ ان ملحد جماعتوں اور فرقوں میں نمایاں فرقہ ''ابیونیین'' ہے جو کہتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام انسانِ محض تھے، دوسرا ''سابلیین'' ہے جس کا خیال ہے کہ خدا، ذات واحد ہے اور اب، ابن، روح القدس، یہ مختلف صورتیں ہیں جن کا اطلاق مختلف حیثیتوں سے ذاتِ واحد ہی پر ہوتا ہے۔ تیسرا فرقہ ''آریوسیین'' ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اگرچہ ''ابن اللہ'' ہیں مگر ''اب'' کی طرح ازلی نہیں ہیں بلکہ کائنات بلند و پست سے قبل ''اب'' کی تخلیق سے مخلوق ہوا ہے اور اس لیے وہ ''اب'' سے نیچے اور اس کی قدرت کے سامنے مغلوب و خاضع ہے۔ چوتھا فرقہ ''مقدونیین'' ہے ان کا کہنا ہے کہ صرف ''اب'' اور ''ابن'' ... ہی

اقنوم ہیں ''روح القدس'' اقنوم نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے۔

کلیسہ نے ان کو اور اسی قسم کے دوسرے فرقوں کو ''ملحد'' قرار دے کر نیقاوی کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء اور قسطنطنیہ کی کونسل منعقدہ ۳۸۱ء کے مطابق ثالوث (تثلیث) کو مسیحی عقیدہ کی بنیاد تسلیم کیا اور فیصلہ دیا کہ ''اب'' اور ''ابن'' اور ''ابن'' اور ''روح القدس'' تینوں جدا جدا مستقل اقنوم (اصل) ہیں اور عالم لاہوت میں تینوں کی وحدت ہی خدا ہے گویا اس طرح ریاضی اور علم ہندسہ کے اٹل اور نا قابل انکار بدیہی مسئلہ کے خلاف یا یوں کہیے کہ بداہتہً عقل کے خلاف یہ تسلیم کر لیا کہ ''ایک'' تین ہے اور ''تین'' ''ایک'' اور یہ بھی کہا کہ ''ابن'' ازل ہی میں ''اب'' سے پیدا ہوا اور ''روح القدس'' کا صدور بھی ازل ہی میں ''اب'' سے ہوا ہے، اور پھر ۵۸۹ء میں طلیطلہ کونسل نے یہ ترمیم منظور کر لی کہ ''روح القدس'' کا صدور ''اب'' سے ہی نہیں بلکہ ''اب'' اور ''ابن'' دونوں سے ہوا ہے۔ اس ترمیم کو ''لاطینی کلیسہ'' نے تو بغیر چون و چرا تسلیم کر لیا اور اس کو کلیسہ کا عقیدہ بنا لیا، لیکن ''یونانی کلیسہ'' اوّل تو خاموش رہا مگر اس کے کچھ عرصہ کے بعد اس ترمیم کو ''بدعت'' قرار دے کر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس باہمی اختلاف نے اس قدر شدید صورت اختیار کر لی کہ ''یونانی کلیسہ'' اور ''کیتھولک لاطینی کلیسہ'' کے درمیان کبھی اتفاق و اتحاد پیدا نہ ہو سکا۔

ثالوث یا تثلیث کا یہ عقیدہ دین مسیحی کے رگ و پے میں خون کی طرح ایسا سرایت کر گیا کہ مسیحی بڑے فرقوں رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ کے درمیان سخت بنیادی اختلافات کے باوجود بنیادی طور پر اس میں اتفاق ہی رہا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ قابل حیرت ہے یہ بات کہ لوتھر کی جماعت اور اصلاح پسند کلیساؤں نے بھی ایک عرصہ دراز تک اس کیتھولک عقیدہ کو ہی بغیر کسی اصلاح و ترمیم کے عقیدہ تسلیم کیا۔ البتہ تیرہویں صدی عیسوی میں فرقہ لاہوتی کی اکثریت نے اور جدید فرقوں سوسینیائی...... جرمانی...... موحدین...... اور عمومیین...... وغیرہم نے اس عقیدہ کو نقل و عقل کے خلاف کہہ کر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ (دائرۃ المعارف للبستانی جلد ۶ ص ۳۰۵ کلمہ (ثالوث))

یہ ہے مسیحیت میں عقیدۂ تثلیث کی وہ مختصر تاریخ جس سے یہ حقیقت بخوبی آشکارا ہو جاتی ہے کہ دین مسیح کی حقیقی صداقت کی تباہی کا راز اسی الحاد اور مشرکانہ بدعت کے اندر پوشیدہ ہے جو صنم پرستانہ تخیل کا رہین منت ہے۔

عقیدۂ ثالوث کیا شے ہے اور ''اب'' ''ابن'' ''روح القدس'' کی تعبیرات کی

حقیقت کیا ہے، یہ مسئلہ بھی مسیحیت کے ان مباحث میں سے ہے جن کا فیصلہ کن جواب کبھی نہ مل سکا اور جس قدر اس کو صاف اور واضح کرنے کی سعی کی گئی اس میں الجھاؤ اور پیچیدگی کا اضافہ ہی ہوتا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ جس عقیدہ کو مسیحیت میں اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل تھی وہی ''معمہ'' بن کر رہ گیا اور قدیم و جدید علماء نصاریٰ کو یہ کہنا پڑا کہ تثلیث میں توحید ہے اور توحید میں تثلیث، یہ مذہب کا ایسا مسئلہ ہے جو دنیا میں حل نہیں ہوسکتا اور دوسرے عالم میں پہنچ کر ہی یہ عقدہ حل ہوگا اس لیے یہاں اس کو عقل سے سمجھنے کی کوشش کرنا فضول ہے بلکہ خوش عقیدگی کے ساتھ قبول کر لینا ہی نجات کی راہ ہے، چنانچہ اواخر انیسویں صدی کے مشہور عیسائی عالم پادری فنڈر نے ''میزان الحق'' میں یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

تاہم اس صنم پرستانہ فلسفہ کی جو تشریحات کی گئی ہیں ان کو مختصر طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ اس کائناتِ ہست و بود کو جس میں ہم بس رہے ہیں ''عالم ناسوت'' کہا جاتا ہے اور ملاءِ اعلیٰ کہ جس کا تعلق عالم غیب سے ہے وہ اور اس سے ماوراء جہاں نہ زمین و زماں کا گزر اور نہ مکین و مکاں کا، جہاں سب کچھ ہے لیکن مادیت سے بالاتر اور وراء الوراء ہے اس کا نام ''عالم لاہوت'' ہے، تو جب زیر و بالا اور بلند و پست کچھ بھی نہ تھا اور ازل کی غیر محدود وسعت میں ''وقت'' ایک بے معنی لفظ تھا اس وقت تین اقنوم تھے۔ (اقنوم کے معنی ہیں ''اصل'') ''باپ'' ''بیٹا'' ''روح القدس'' اور ان ہی تین اقانیم کی مجموعی حقیقت کا نام ''خدا'' ہے۔ رومن کیتھولک، پراٹسٹنٹ اور ان دونوں سے جدا کلیسہ شرقی تینوں ہی اس پر متفق ہیں اور اسی کو دین مسیحیت کی روح یقین کرتے ہیں اور بڑی جسارت کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ کتاب مقدس کی تصریحات اسی کا اعلان کرتی ہیں۔

اس عجوبہ روزگار عقیدہ نے اس حد پر پہنچ کر جو نئے نئے مباحث و انکار پیدا کیے ان کا مطالعہ کرنے سے دیدۂ حیرت اور چشم عبرت کے لیے بہت کچھ سامان مہیا ہو جاتا ہے، بڑی بڑی مذہبی کونسلوں، بڑے بڑے کلیساؤں کے بشپوں اور پاپاؤں نے اس عقیدۂ کی تشریح میں یہ عجیب و غریب مباحث پیدا کیے کہ ''اقنوم اوّل'' باپ سے کس طرح اقنوم ثانی ''بیٹے کی ولادت ہوئی اور پھر باپ سے یا باپ اور بیٹے دونوں سے کس طرح اقنوم ثالث ''روح القدس'' پھوٹ کر نکلی یا کس طرح اس کا صدور ہوا اور یہ کہ ان کے باہم نسبت کیا ہے اور ان کے جدا جدا کیا القاب و صفات ہیں جو ایک دوسرے کو آپس میں متمائز کرتے ہیں اور پھر جب یہ تثلیث، توحید بن جاتی ہے تو اس کی صفات و

القاب کی کیا صورت ہو جاتی ہے، نیز یہ کہ جس کو ہم خدا کہتے ہیں اس میں تینوں اقانیم برابر کے شریک ہیں یا کوئی ایک پورا اور دوسرے دو جزوی حصہ دار ہیں اور جزوی شرکت ہے تو کس نسبت اور تعلق سے ہے؟ غرض خدائے برتر کی مقدس اور پاک ہستی کو معاذ اللہ کمہار کے چاک پر رکھا ہوا برتن فرض کر کے جس طرح اس کو بنایا اور تیار کیا ہے اور توحید خالص کو تباہ و برباد کر کے جس طرح شرک و ترکیب کا نیا سانچہ ڈھالا ہے دنیاءِ مذاہب و ادیان کی تاریخ میں ایسا مذہبی تغیر و انقلاب چشم فلک نے نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔ "ان ھذا لشیء عجاب" بہرحال "باپ" "بیٹا" "روح القدس" کی جدا جدا تفصیلات وتشریحات اور پھر وحدت سے ترکیب اور ترکیب سے وحدت کی عجوبہ تعبیرات کی ایک بھول بھلیاں ہے جس کا کہیں اور چھور نظر ہی نہیں آتا اور جب کہنے والا ہی لفظی تعبیرات کے علاوہ "حقیقت" سمجھنے سے عاری ہے تو سننے والا کیا خاک سمجھ سکتا ہے۔

باپ: اقانیم ثلاثہ میں "اب" پہلا اقنوم ہے اسی سے اقنوم ثانی کی ولادت ہوئی اور عالم لاہوت میں یہ کبھی بھی دوسرے اور تیسرے اقانیم سے جدا نہیں ہوتا مگر مسیحی فرقوں میں کنیسہ کی عام تعلیم کے مطابق اکثر فرقے یہ کہتے ہیں کہ وحدتِ لاہوت میں تینوں کا درجہ مساوی ہے اور کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں ہے اور آریوسی...... کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ دوسرا اقنوم "بیٹا" اقنوم اوّل کی طرح ازلی نہیں ہے البتہ عالم بالا و پست سے غیر معلوم مدت پہلے اقنوم اوّل سے پیدا ہوا ہے اس لیے اس کا درجہ "باپ" کے بعد اور اس سے کم ہے اور مقدونی فرقہ کہتا ہے کہ صرف دو ہی اقنوم ہیں "باپ" اور "بیٹا" اور "روح القدس" مخلوق ہے اور فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جس کا پایہ تمام ملائکۃ اللہ سے بلند ہے اور طلیطلہ کی کونسل کا فیصلہ یہ ہے کہ روح القدس "باپ" اور "بیٹا" دونوں سے پھوٹ کر نکلی ہے یا دونوں سے ہی اس کا صدور ہوا ہے مگر قسطنطنیہ کی کونسل روح القدس کو صرف "باپ" ہی سے صادر ہونا بتلاتی ہے، اور قدیم و جدید فرقوں میں سے ایک بڑی جماعت اقنوم ثالث مریم علیہا السلام کو تسلیم کرتی اور روح القدس کے اقنوم ہونے کا انکار کرتی ہے۔

بیٹا: عربی میں "ابن" فرنچ میں "فی"...... اور انگریزی میں "سن" **(Son)** اور اردو میں "بیٹا" کہتے ہیں، یہ اس شکل انسانی پر بولا جاتا ہے جو عام قانونِ قدرت کے مطابق مرد وعورت کے جنسی تعلقات کا نتیجہ ہوتا ہے مگر عقیدۂ ثالوث کے مطابق وہ عالم لاہوت میں "باپ" سے جدا بھی نہیں ہے اور پیدا بھی ہے اور بعض کے نزدیک اس کی پیدائش

ازلی ہے اور بعض کے نزدیک غیر ازلی آگے چل کر کہتے ہیں کہ جب "باپ" کی مشیت کا فیصلہ ہوا تو اقنوم ثانی "بیٹا" عالم ناسوت (کائناتِ ہست و بود) میں مریم کے بطن سے پیدا ہو کر "مسیح" کہلایا، اور بعض کا تو یہ دعویٰ ہے کہ خود باپ ہی عالم ناسوت میں بیٹا بن کر مریم کے بطن سے تولد ہوا اور مسیح کی شکل میں روشناس ہوا اور طرفہ تماشا یہ کہ بعض کے نزدیک تو اقنوم ثانی "ابن" کو اقنوم اوّل "اب" پر برتری اور تفوق حاصل ہے۔

روح القدس: اسی طرح "روح القدس" کے متعلق بھی سخت اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے کہ وہ اقنوم ہی نہیں ہے اس لیے عالم لاہوت میں اس کو الوہیت حاصل نہیں ہے چنانچہ مکدونی اور آریوسی کہتے ہیں کہ وہ ملائکۃ اللہ میں سے ہے اور ان میں سب سے برتر و بلند ہے اور ماڑاتونیوس کہتا ہے کہ روح القدس کی تعبیر مجاز ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال پر مجازاً اس کا اطلاق کیا جاتا ہے ورنہ الگ سے کوئی حقیقت نہیں ہے اسی بنا پر اس قول کے قائلین کو "مجازئین" کہا جاتا ہے اور علماءِ جدید میں کلارک کہتا ہے کہ الہامی کتابوں (عہد نامہ قدیم و جدید) میں کسی ایک جگہ بھی "الوہیت" کا درجہ نہیں دیا گیا۔ فرقہ "مکدونی" نے الوہیت روح القدس کا انکار کرتے ہوئے شد و مد سے یہ کہا کہ اگر جوہر الوہیت میں روح القدس کو بھی دخل ہوتا تو یا وہ مولود ہوتی یا غیر مولود، اگر مولود ہے تو اس کے اور "ابن" کے درمیان کیا فرق رہا اور اگر غیر مولود ہے تو اس کے اور "اب" کے درمیان کیا امتیاز ہے۔

ان کے مقابلہ میں دوسری جماعتیں کہتی ہیں کہ "روح القدس" کو بھی الوہیت حاصل ہے، بوسیو رومانی کہتا ہے کہ روح القدس کا صدور "اب" اور "ابن" دونوں سے ہوا اور وہ ان کے جوہر نفس سے ہے اور دونوں کے ساتھ وحدتِ لاہوت میں "الٰہ" ہے اور اثناسیوس کہتا ہے کہ روح القدس کی الوہیت ناقابل انکار ہے اور کتب سماویہ میں روح پر "الٰہ" کا اور "الٰہ" پر "روح" کا اطلاق ثابت و مسلم ہے اور اس کی جانب ان ہی امور کی نسبت کی گئی ہے جن کا تعلق ذاتِ خدا کے ماسوا اور کسی سے نہیں ہے۔ مثلاً تقدیس ذات، معرفت جمیع حقائق وغیرہ اور یہ عقیدۂ قدیم سے چلا آتا ہے جیسا کہ نظم وسولجیا سے ثابت ہے جس کی قدامت تالیف سب کے نزدیک مسلم ہے، اس میں الوہیت روح القدس کا اعتراف موجود ہے، اور مولف لفیلو پیٹرس نے انکار الوہیت روح پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ نصاریٰ کے نزدیک خدائے حقیقی کی توحید کا تثلیث میں مضمر ہونا ایک مسلم حقیقت ہے پھر روح کو الوہیت سے خارج کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور مکدونیوں سے

اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ماراثناسیوس کہتا ہے کہ کتب سماوی میں روح کو ابن نہیں کہا گیا بلکہ روح الاب اور روح الابن کے اطلاقات پائے جاتے ہیں لہٰذا اس کو ''ابن'' یا ''اب'' کہنا صحیح نہیں اور نہ اس کو الوہیت سے نکال کر مخلوق کہنا درست ہو سکتا ہے، اور ادراکِ بشری عاجز ہے کہ ان فلسفیانہ بحثوں سے ''روح القدس'' کی حقیقت تک پہنچ سکے البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فقط تولید (پیدا ہونا) ہی تنہا ایسا واسطہ نہیں ہے جو ''اب'' کے ساتھ قائم ہو بلکہ انبثاق (صدور یا پھوٹ نکلنا) بھی ایک شکل ہو سکتی ہے مگر ہم اس دنیا میں تولید اور انبثاق کے درمیان فرق ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہیں، البتہ یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ تولید و انبثاق دونوں کا ''اب'' کے ساتھ ازلی و ابدی اور تلازم کا تعلق ہے پس ہمارے لیے ہرگز یہ مناسب نہیں ہے کہ فلاسفہ قدیم (فلاسفہ یونان) کی طرح ''روح القدس'' اور ''اب'' کے درمیان فلسفیانہ موشگافیوں کے ذریعہ وہ اعتقادات قبول کر لیں جو انھوں نے خدا سے صدورِ ارواح کے متعلق پیدا کر لیے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ وہ اختلافات بھی پیش نظر رہنے چاہئیں جو گذشتہ سطور میں بیان ہو چکے ہیں کہ بعض کلیسہ ''روح القدس'' کا فقط اقنوم اوّل (باپ) سے صادر ہونا مانتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ''باپ'' اور ''بیٹا'' دونوں سے اس کا صدور ہوا ہے، یہ اختلاف بھی عیسائی فرقوں کے مابین سخت کشاکش کا باعث رہا ہے کیونکہ ۳۸۱ء میں منعقدہ کونسل قسطنطنیہ نے ''منشور ایمانی'' میں یہ واضح کر دیا تھا کہ ''روح القدس'' کا صدور ''باپ'' ہی سے ہوا ہے اور عرصہ تک یہی عقیدہ مسیحی دنیا میں نافذ رہا لیکن ۴۴۷ء میں اوّل ہسپانیہ کے کلیسہ نے پھر فرانس کے کلیسہ نے اور اس کے بعد تمام لاطینی رومن کلیساؤں نے اس ترمیم کو جزءِ عقیدہ بنایا کہ ''روح القدس'' کا صدور اقنوم اوّل (باپ) اور اقنوم ثانی ''بیٹا'' دونوں سے ہوا ہے۔ عیسائی علماء کہتے ہیں کہ دراصل یہ بحث ۸۶۶ء میں سب سے پہلے شرق کے بطریق فوتیوس نے اس لیے پیدا کی کہ اس کی اور اس کی جماعت کی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح شرق (یونان) کے کلیسہ کو غرب (روم) کے کلیسہ سے جدا کر دیا جائے اور مشرق و مغرب کے کلیساؤں کا اتحاد باقی نہ رہنے دیا جائے، اسی خیال کی تائید و تقویت کے لیے ۱۰۴۳ء میں بطریق میخائیل کر دلاریوس نے اس عقیدہ کو بہت شائع کیا اور آخر کار صدیوں تک ان اختلافات نے کلیسہ ہائے شرق و غرب کے درمیان مخالفانہ کشاکش کو قائم رکھا اور دونوں کلیسہ ایک دوسرے پر یہ الزام قائم کرتے رہے کہ مخالف کلیسہ نے مسیحیت میں ایجاد و بدعت کی آمیزش کر کے حقیقی مذہب کو مٹا

ڈالا ہے اور رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ کی بالعموم اور کلیساؤں کے مختلف فرقوں کی بالخصوص کشمکش کا یہ سلسلہ اس وقت تو انتہائی شدت اختیار کر چکا تھا اور باہم ہولناک خونریزیوں اور بہیمانہ مظالم کا جہنم بن چکا تھا جبکہ اسلام، اعتقادات کی سادگی، اعمالِ صالحہ کی پاکیزگی اور اپنی علمی و عملی روحانیت کی شگفتگی کی بدولت ''امن عام'' اور ''رحمت'' کا نیر درخشاں بنا ہوا تھا۔

ازمنہ مظلمہ اور اصلاح کنیسہ کی آواز

یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائیوں کے مذہبی معمولی معمولی اختلافات کی بنا پر پوپ کی حکومت اور پیروان پوپ کی حکومتوں کے ذریعہ ایک دوسری جماعت کو گردن زدنی اور کشتنی قرار دیتی اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کو وحشت ناک عذابوں میں مبتلا کر کے قتل کر دیا کرتی تھیں، اسی بنا پر مورخین تاریخ کے اس دور کو ازمنہ مظلمہ (زمانہائے تاریک) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جس حقیقت اور صداقت کا اظہار کیا تھا، پوپ اور کلیسا سے مرعوبیت نے اگرچہ ایک مدتِ مدید تک عیسائیوں کو اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا مگر پھر بھی یہ صدائے حق اثر کیے بغیر نہ رہ سکی، اس کی تفاصیل اگرچہ خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں مذکور ہوں گی لیکن یہاں صرف اس قدر اشارہ کرنا مقصود ہے کہ رومن کیتھولک، پراٹسٹنٹ اور دوسرے فرقوں نے بغیر کسی جھجک کے سینٹ پال کی تحریف (تثلیث) مسیحیت کا بنیادی عقیدہ تسلیم کر لیا تھا اور اگرچہ بعض چھوٹی چھوٹی جماعتوں یا افراد نے کبھی کبھی اس کے خلاف آواز اٹھائی مگر وہ آواز دب کر رہ گئی اور نقار خانہ میں طوطی کی صدا سے زیادہ اس کی حیثیت نہ بن سکی مثلاً ۳۲۵ء اور ۳۸۱ء میں جب نیقادی کونسل اور قسطنطنیہ کونسل نے تثلیث کو دین مسیحی کی بنیاد قرار دیا اس وقت ابوئین نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ حضرت مسیح صرف انسان ہیں اور الوہیت کا ان سے کوئی علاقہ نہیں اور سابلئین کہتے تھے کہ اقانیم ثلاثہ، تین مختلف جوہر نہیں ہیں بلکہ وحدتِ لاہوتی کی مختلف صورتیں اور تعبیریں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ صرف اپنی ذاتِ واحد کے لیے اطلاق کرتا ہے، تاہم اس وقت تک چونکہ پوپ اور کلیسہ کے فیصلے خدائی فیصلے سمجھے جاتے تھے اور بشپ اور پاپا ''ارباباً من دون اللہ'' یقین کیے جاتے تھے اس لیے ان اصلاحی آوازوں کو ''الحاد'' کہہ کر دبا دیا گیا مگر جب صلیبی جنگوں نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے اتنا قریب کر دیا کہ انھوں نے اسلام کے اعتقادی اور عملی نظام کا بہت کچھ نقشہ اپنی

آنکھوں سے دیکھا اور اسلام سے متعلق بطارقہ **Batariqa** اساقفہ **(Bishaps)** کی غلط بیانی اور بہتان ان پر ظاہر ہونے لگی تب ان میں بھی آزادیٔ فکر نے کروٹ لی اور کورانہ تقلید کو شکست و ریخت کرنے کا جذبہ پیدا ہوا چنانچہ لوتھر کی آواز پہلی صدائے حق تھی جس نے جرأت کے ساتھ ''اربابًا من دون اللّٰہ'' کے بتوں کو ماننے سے انکار کر دیا اور پوپ کے مقابلہ میں کتاب مقدس کی پیروی کی دعوت دی، مگر آپ کو تعجب ہو گا یہ سن کر کہ پوپ کی جانب سے لوتھر کے خلاف جو الحاد اور بد دینی کے الزامات لگائے گئے تھے ان میں سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ یہ در پردہ ''مسلمان'' ہو گیا ہے اور پاپا کے خلاف اس کی صدا قرآن کی صدائے بازگشت ہے۔

بہر حال یہی وہ صدائے اصلاح تھی جو بلاشبہ اسلام کی دعوتِ تفکر و تعقل سے متاثر ہو کر آہستہ آہستہ ''اصلاحِ کنیسہ'' کے نام سے مسیحی دنیا میں گونج اٹھی اور آگ کی طرح ہر طرف اس کے شعلے بلند نظر آنے لگے، ان ہی اصلاحات میں سے ایک اہم اصلاحی تخیل یہ بھی تھا کہ عقیدۂ ثالوث کتابِ مقدس (عہد نامہ جدید) کے قطعاً خلاف ہے چنانچہ تیرہویں صدی عیسوی میں قدیم لاہوتی فرقہ کے جمہور نے نسطوری فرقہ کے جماعتی فیصلہ نے اور جدید جماعتوں میں سے سوسینیا نیین...... جرمانیین...... موحدین...... اور عمومیین...... اور دوسری جماعتوں نے تعلیم کلیسا کے خلاف مذہبی بغاوت کرتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ تثلیث کا عقیدہ نقل و عقل دونوں کے خلاف اور ناقابل تسلیم ہے، اور اگرچہ قومی و مذہبی عصبیت نے ان کو اسلامی عقیدہ کا پیرو ہونے سے باز رکھا تاہم انھوں نے عقیدۂ تثلیث کی مختلف شکلوں کے ساتھ ایسی تعبیرات کرنی شروع کر دیں جس سے عقیدۂ ثالوث باطل ہو کر توحید الٰہی کے پاک اور مقدس جراثیم پیدا ہونے لگے مثلاً سویڈنبرگ نے کہا: ''اقانیم ثلاثہ'' ''باپ'' ''بیٹا'' ''روح القدس'' کا تعلق حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات کے ماسوا ذاتِ احدیت سے نہیں ہے، یعنی مسیح کی ذات اپنی طبع لاہوتی کے پیش نظر ''باپ'' ہے اور عالم ناسوت میں انسانی شکل کے تقید کی وجہ سے ''بیٹا'' اور اقنوم ثانی ہے اور اس حیثیت سے کہ ''روح القدس'' کا صدور اس سے ہوا ہے وہ اقنوم ثالث ''روح'' ہے، غرض ثالوث کا تعلق صرف حضرت مسیح سے ہے'' اور کانٹ **(Cant)** کہتا ہے کہ عقیدۂ ثالوث کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ''باپ'' ''بیٹا'' ''روح القدس'' بلکہ یہ عالم لاہوت میں خدائے برتر کی تین بنیادی صفات کی جانب اشارہ ہے جو باقی تمام صفات کے لیے مصدر اور منبع کی حیثیت رکھتی ہیں اور ''قد ت'' (ا ب) حکمت (ابن) اور ''محبت'' (روح) ہیں یا اللہ تعالیٰ کے ان تین افعـ کی جانب ـثارہ ہے جو ''خلق''

''حفظ'' اور ''ضبط'' کے نام سے بھی تعبیر کیے جاتے ہیں اور ہیگن اور شیلنگ نے اس خیال کی کافی اشاعت کی کہ عقیدۂ ثالوث حقائق کی طرح کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ ایک تخیلی نظر یہ ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے خدائے برتر کی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور مسیح علیہ السلام مخلوقِ خدا لیکن عالم خیال و تصور میں جب ہم لاہوتی عالم کی جانب پرواز کرتے ہیں تو ہمارا خیال اس عالم میں خدا، مسیح اور روح القدس کو ''اب'' ''ابن'' اور ''روح'' کی تعبیرات دیتا اور ان کے باہم تعلق کو اقانیم ثلاثہ کی حیثیت میں دیکھتا ہے۔

''عقلیین'' ''لوتھرین'' اور ''موحدین'' اور ''جرمانیین'' کے علاوہ بھی بہت لوگ ہیں جو سابلیین کے عقیدہ کو اختیار کر کے ایک بڑی جماعت کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یورپ کی نشاۃ جدید میں بھی عام طور پر تمام کلیساؤں کا ثالوث (تثلیث) پر ہی عقیدہ ہے اور ان کے نزدیک اس کلمہ کی تعبیر وہی ہے جو چوتھی صدی عیسوی میں متعدد مذہبی کونسلوں نے کی اور جو بلاشبہ شرک جلی اور توحید کے یکسر منافی ہے۔

قرآن اور عقیدۂ تثلیث

نزولِ قرآن کے وقت جمہور مسیحی جن بڑے فرقوں میں تقسیم تھے ثالوث کے متعلق ان کا عقیدہ تین جدا جدا اصولوں پر مبنی تھا، ایک فرقہ کہتا تھا کہ مسیح عین خدا ہے اور خدا ہی بشکل مسیح دنیا میں اتر آیا ہے اور دوسرا فرقہ کہتا تھا کہ مسیح ابن اللہ (خدا کا بیٹا ہے اور تیسرا کہتا تھا کہ وحدت کا راز تین میں پوشیدہ ہے، باپ، بیٹا، مریم اور اس جماعت میں بھی دو گروہ تھے اور دوسرا گروہ حضرت مریم کی جگہ ''روح القدس'' کو اقنوم ثالث کہتا تھا غرض وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ثالث ثلاثہ (تین میں کا تیسرا) تسلیم کرتے تھے، اس لیے قرآن کی صدائے حق نے تینوں جماعتوں کو جدا جدا بھی مخاطب کیا ہے اور یکجا بھی اور دلائل و براہین کی روشنی میں مسیحی دنیا پر یہ واضح کیا ہے کہ اس بارہ میں راہ حق ایک اور صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ مسیح، مریم کے بطن سے پیدا شدہ انسان اور خدا کا سچا پیغمبر اور رسول ہے باقی جو کچھ بھی کہا جاتا ہے وہ باطل محض ہے...... خواہ اس میں تفریط ہو جیسا کہ یہود کا عقیدہ ہے کہ العیاذ باللہ وہ شعبدہ باز اور مفتری تھے یا افراط ہو جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ وہ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں یا تین میں کے تیسرے ہیں۔

قرآن عزیز نے صرف یہی نہیں کیا کہ نصاریٰ کے تردیدی پہلو کو ہی اس

سلسلہ میں واضح کیا ہو بلکہ اس کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ رفع کی اصل حقیقت کیا ہے اور عنداللہ ان کو کیا قربت حاصل ہے اس پر بھی نمایاں روشنی ڈالی ہے تاکہ اس طرح یہود کے عقیدۂ باطل کی بھی تردید ہو جائے اور افراط و تفریط سے جدا ''راہِ حق'' آشکارا نظر آنے لگے۔

حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے مقرب اور برگزیدہ رسول ہیں

قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ط اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّاo وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ وَاَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّاo وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ وَلَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّاo وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَیَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّاo (مریم ۳۰،۳۳)

اِنۡ ھُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَیۡہِ وَجَعَلۡنٰہُ مَثَلًا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَo وَلَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ مَّلٰٓئِکَۃً فِی الۡاَرۡضِ یَخۡلُفُوۡنَo وَاِنَّہٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَۃِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِھَا وَاتَّبِعُوۡنِ ط ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌo (زخرف ۵۹)

وَاِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُo (الصف ۶)

''مسیح'' نے کہا: ''بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس نے مجھ کو نبی بنایا ہے اور مجھ کو مبارک ٹھہرایا جہاں بھی میں رہوں، اور اس نے مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی جب تک بھی میں زندہ رہوں اور اس نے مجھ کو میری والدہ کے لیے نیکوکار بنایا اور مجھ کو سخت گیر اور بدبخت نہیں بنایا، مجھ پر سلامتی ہو جب میں پیدا ہوا، جب میں مر جاؤں اور جب حشر کے لیے زندہ اٹھایا جاؤں۔

وہ (مسیح) نہیں ہے مگر ایسا بندہ جس پر ہم نے انعام کیا اور میں نے اس کو مثال بنایا ہے بنی اسرائیل کے لیے اور اگر ہم چاہتے تو کر دیتے ہم تم میں سے فرشتے زمین میں چلنے پھرنے والے اور بلاشبہ وہ (مسیح نشان ہے قیامت کے لیے پس اس بات پر تم شک نہ کرو اور میری پیروی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: ''اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے توراۃ، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے۔

حضرت مسیح نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے

لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ قُلۡ فَمَنۡ یَّمۡلِکُ مِنَ

اللّٰہِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّھْلِکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّہٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًاo وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا یَخْلُقُ مَایَشَآءُ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo

(المائدہ ۱۷)

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ط وَقَالَ الْمَسِیْحُ یَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍo (المائدہ ۷۲)

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَo

(بقرہ ۱۱۶)

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ.

(آل عمران ۵۹)

یَاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ط اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗٓ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ ط اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَہٗٓ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا. (نساء ۱۷۱)

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌo (انعام ۱۰۲)

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ. (المائدہ ۷۵)

لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَیَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُھُمْ اِلَیْہِ جَمِیْعًاo (النساء ۱۷۲)

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُنِ ابْنُ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ قَوْلُھُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ یُضَاھِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط قٰتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَo

(توبہ ۳۰)

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌo اَللّٰہُ الصَّمَدُo لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْo وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌo

(اخلاص ۱،۳)

بلاشبہ ان لوگوں نے کفر اختیار کر لیا جنھوں نے یہ کہا: ''بیشک اللہ وہی مسیح بن مریم ہے'' کہہ دیجیے اگر اللہ یہ ارادہ کر لے کہ مسیح بن مریم، مریم اور کائنات زمین پر جو

کچھ بھی ہے سب کو ہلاک کر ڈالے تو کون شخص ہے جو اللہ سے (اس کے خلاف) کسی شے کے مالک ہونے کا دعویٰ کر سکے اور اللہ کے لیے ہی بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی، وہ جو چاہتا ہے اس کو پیدا کر دیتا ہے اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے بلاشبہ ان لوگوں نے کفر اختیار کیا جنھوں نے کہا "بلاشبہ اللہ وہی مسیح بن مریم ہے" حالانکہ مسیح نے یہ کہا: "اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے، بیشک جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے پس یقیناً اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مدد نہیں ہے۔

اور انھوں نے کہا اللہ نے "بیٹا" بنا لیا ہے، وہ ذات تو ان باتوں سے پاک ہے بلکہ (اس کے خلاف) اللہ کے لیے ہی ہے جو کچھ بھی ہے آسمانوں اور زمین میں، ہر شے اس کے لیے تابعدار ہے۔

بلاشبہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے کہ اس کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس کو کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔

اے اہل کتاب اپنے دینی معاملہ میں حد سے نہ گزرو اور اللہ کے بارہ میں حق کے ماسوا کچھ نہ کہو، بلاشبہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم پر ڈالا (یعنی بغیر باپ کے اس کے حکم سے مریم کے بطن میں وجود پذیر ہوئے) اور اس کی روح ہیں پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین (اقانیم) نہ کہو اس سے باز آ جاؤ تمھارے لیے بہتر ہو گا، بلاشبہ اللہ خدائے واحد ہے، پاک ہے اس سے کہ اس کا بیٹا ہو، اسی کے لیے ہے (بلا شرکت غیرے) جو کچھ بھی ہے آسمانوں اور زمین میں اور کافی ہے اللہ "وکیل" ہو کر۔

وہ (خدا) موجد ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے لیے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے اور نہ اس کے بیوی ہے اور اس نے کائنات کی ہر شے کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر شے کا جاننے والا ہے۔

مسیح بن مریم نہیں ہیں مگر خدا کے رسول بلاشبہ ان سے پہلے رسول گزر چکے اور ان کی والدہ صدیقہ ہیں، یہ دونوں کھانا کھاتے تھے یعنی دوسرے انسانوں کی طرح کھانے پینے وغیرہ امور میں وہ بھی محتاج تھے۔

ہرگز مسیح اس سے ناگواری نہیں اختیار کرے گا کہ وہ اللہ کا بندہ کہلائے اور نہ مقرب فرشتے (حتیٰ کہ روح القدس "جبرائیل") ناک بھویں چڑھائیں گے، اور جو شخص

بھی اس کی عبادت سے ناگواری کا اظہار کرے اور غرور اختیار کرے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی جانب اکٹھا کرے گا (یعنی جزا و سزا کے دن سب حقیقت حال کھل جائے گی)

اور یہود کہتے ہیں عزیر خدا کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں مسیح خدا کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ پس کرنے لگے اگلے کافروں کی بات، اللہ ان کو ہلاک کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے، اللہ یکتا ہے، اللہ بے نیاز ہستی ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کائنات میں کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

قرآن نے اس سلسلہ میں اپنی صداقت تبلیغ اور اصلاحِ عقائد و اعمال کا جو مدلل اور واضح اعلان کیا اس کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ موجودہ کتاب مقدس کے محرف اور مسخ کر دیئے جانے کے باوجود جس شکل و صورت میں آج موجود ہے وہ کسی ایک مقام پر بھی ''ثالوث'' کے اس عقیدہ کا پتہ نہیں دیتی جس کی تفصیلات و تشریحات ابھی سطور بالا میں علماءِ نصاریٰ، مذہبی کونسلوں اور کلیساؤں سے نقل ہو چکی ہیں اور بجز تعبیر کے کہ جگہ جگہ حضرت مسیح کی زبان سے خدا کو ''باپ'' اور خود کو ''بیٹا'' ظاہر کیا گیا ہے اس کے لیے اور کوئی ثبوت واضح اور مصرح طور پر مہیا نہیں ہے۔ پس اگر ہم اس سے قطع نظر بھی کر لیں کہ یہ تعبیرات ''تحریفی'' اور صنم پرستی کے تخیل کی رہین منت ہیں اور بالفرض یہ تسلیم کر لیں کہ خدائے برتر کی جانب سے سچی الہامی انجیل میں بھی یہ تعبیرات موجود تھیں تب بھی ان سے نصاریٰ کا عقیدۂ ''تثلیث'' کسی طرح صحیح ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ''ابن'' کا لفظ اگرچہ حقیقی معنی کے لحاظ سے اس انسان پر بولا جاتا ہے جو کسی کی صلب یا کسی کے بطن سے مادہ منویہ کے ذریعہ پیدا ہوا ہو تاہم محاوراتِ زبان اور اہل زبان کے استعمالات و اطلاقات شاہد ہیں کہ یہ لفظ کبھی مجاز کے طور پر اور کبھی تشبیہ یا کنایہ کے طریق سے اور بھی مختلف معانی پر بولا جاتا ہے، مثلاً ایک بڑی عمر کا شخص اپنے سے چھوٹے کو مجازاً ''ابن'' (بیٹا) کہہ دیا کرتا ہے، یا بادشاہ اپنی رعایا کو اولاد کہہ کر خطاب کرتا ہے یا استاد اپنے شاگردوں کو ''بیٹا'' کہہ کر پکارتا ہے یا جو شخص کسی علم و ہنر کا ماہر یا اس کی خدمت میں سرشار ہوتا ہے تو اس کو کنایۃً اس علم و ہنر کا بیٹا کہہ کر یاد کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں ''ابن القانون'' ''ابن الفلسفہ'' ''ابن الفلاحۃ'' ''ابن الحدادہ'' یا دنیا طلبی کی حرص و آز میں اگر حد سے گزر چکا ہے تو اس کو ''ابن الدراہم'' ''ابن الدنانیر'' کہہ دیا کرتے ہیں، اس طرح مسافر کو ''ابن السبیل'' مشہور شخصیت کو

''ابن جلا'' بڑے ذمہ دار انسان ''ابن لیلہا'' آنے والے دن سے بے پرواہ شخص کو ''ابن یومہ'' دنیا ساز ہستی کو ''ابن الوقت'' کہتے ہیں یا جس کے اندر کوئی وصف نمایاں طور پر موجود ہوتا ہے تو اس وصف کی جانب لفظ ابن کو منسوب کر کے ذاتِ موصوف کو یاد کرتے ہیں مثلاً صبح کو ''ابن ذکاء'' کہتے ہیں اور ان تمام مثالوں سے زیادہ یہ کہ انبیاء بنی اسرائیل اپنی امتوں کو ابناء اور اولاد کے ساتھ ہی خطاب کرتے اور نصائح و مواعظ میں یہ ظاہر فرماتے ہیں کہ امم و اقوام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحانی اولاد ہوتی ہیں۔

اور یہی حال ''اب'' اور ''باپ'' کے اطلاقات و استعمالات کا ہے، ایک چھوٹا اپنے بڑے کو، ایک ضرورتمند اپنے مربی کو، ایک شاگرد اپنے استاد کو، ایک امتی اپنے نبی و رسول کو ''اب'' اور ''باپ'' کہنا فخر سمجھتا ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے تمام اطلاقات مجاز، کنایہ اور تشبیہ، کے طور پر کیے جاتے ہیں، اس طرح بے نظیر مقرر اور خطیب کو ''ابوالکلام'' بہترین انشا پرداز کو ''ابوالقلم'' ماہر نقاد کو ''ابوالنظر'' ڈراؤنی اور ہیبت ناک شے کو ''ابوالہول'' سخی کو ''ابوالنجاد'' فن کاشتکاری کے ماہر کو ''ابوالفلاحۃ'' صنعت و حرفت کے حاذق کو ''ابوالصنع'' شب و روز بولتے رہتے ہیں۔

تو ان اطلاقات کے پیش نظر بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ کتاب مقدس میں ذاتِ احدیث پر اب (باپ) کا اطلاق ربِ حقیقی کی حیثیت میں اور حضرت مسیح پر ابن (بیٹا) کا اطلاق محبوب و مقبولِ الٰہی کی حیثیت میں ہوا ہے یعنی جس طرح باپ اور بیٹے کے درمیان محبت و شفقت کا رشتہ مضبوط و مستحکم ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ محبت و شفقت کا وہ رشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اور اس کے مقدس پیغمبر مسیح علیہ السلام کے درمیان قائم ہے۔ ایک صحیح حدیث میں بھی نبی اکرم ﷺ نے اس استعارہ اور تشبیہ کو استعمال فرماتے ہوئے کہا ہے۔ ''**الخلق عیال اللّٰہ**'' (تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے)

پس روزمرہ کے محاورات و اطلاقات کو نظر انداز کر کے کتاب مقدس کے لفظ ''اب'' اور ''ابن'' کے ایسے معانی و مطالب مراد لینا ''جو صریح شرک کے مرادف ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ قباحت و شناعت کے ساتھ خدا کی ہستی کو تین اقانیم سے مرکب ظاہر کرتے اور خدا کے حصے بخرے بناتے ہوں'' کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا اور صریح ظلم اور اقدام شرک ہے۔ ''**تعالی اللّٰہ علواً کبیراً**'' بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ ان ہی اناجیل میں بصراحت حضرت مسیح علیہ السلام کے انسان اور مخلوق خدا ہونے پر نصوص موجود ہوں مثلاً یوحنا کی انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد مذکور ہے۔

(باب ۱ آیت ۵۱)

''میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم آسمان کو کھلا ہوا اور خدا کے فرشتوں کو اوپر جاتے اور ابن آدم (مسیح) پر اترتے دیکھو گے۔'' (یوحنا باب ۱ آیت ۵۱)

اور باب ۱۳ میں بصراحت خود کو ''رسول'' کہا ہے۔

''میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ نوکر اپنے مالک سے بڑا نہیں ہوتا، اور نہ ''رسول'' اپنے بھیجنے والے سے۔ (یوحنا باب ۱۳ آیت ۱۶) (نوٹ: موجودہ اناجیل میں رسول کی جگہ ''بھیجا ہوا'' کر دیا ہے مرتب)

اور باب ۴ میں ہے۔

''کیونکہ یسوع نے خود گواہی دی کہ ''نبی'' اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا۔''

(یوحنا باب ۴ آیت ۴۳،۴۴)

اور باب ۳ میں ہے۔

''اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا سوائے اس کے جو آسمان سے اترا یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے۔'' (یوحنا باب ۳ آیت ۱۳)

اور باب ۶ میں ہے۔

''پس جو معجزہ اس نے دکھایا وہ لوگ اسے دیکھ کر کہنے لگے جو ''نبی'' دنیا میں آنے والا تھا فی الحقیقت یہی ہے۔'' (یوحنا باب ۶ آیت ۱۴)

اور انجیل متی میں ہے۔

''لیکن اس لیے کہ تم جان لو کہ ابن آدم (مسیح) کو زمین پر گناہوں کے معاف کرنے کا اختیار ہے۔'' (متی باب ۹ آیت ۶)

علاوہ ازیں اگر عہد نامہ جدید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے ''ابن'' کا اطلاق موجود ہے تو نکوکار انسانوں پر بھی ''ابناء اللہ'' اور بدکاروں کے لیے ''ابناء ابلیس'' کا اطلاق پایا جاتا ہے چنانچہ انجیل متی میں ہے۔ (باب ۵ آیت ۹)

''مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ ''خدا کے بیٹے'' کہلائیں گے۔''

(متی باب ۵ آیت ۹)

اور انجیل یوحنا میں ہے۔

''یسوع نے ان سے کہا۔ اگر تم ابراہیم کے فرزند ہوتے تو ابراہیم کے سے کام کرتے...... انھوں نے اس سے کہا ہم حرام سے پیدا نہیں ہوئے ہمارا ایک باپ ہے یعنی خدا۔ (یوحنا باب ۸ آیت ۴۰،۴۱)

لہٰذا عقیدۂ تثلیث میں نصاریٰ کے لیے موجودہ کتاب مقدس سے بھی کوئی حجت و دلیل نہیں ملتی اور اس لیے بغیر کسی شک و ریب کے یہ کہنا حق ہے کہ یہ عقیدۂ

تثلیث صنم پرستانہ عقائد کے امتزاج کا نتیجہ ہے۔

لائق توجہ بات

یہ بات کبھی فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ ادیان وملل سابقہ کے مسخ وتحریف میں تحریف کرنے والوں کو اس سے بہت زیادہ مدد ملی کہ بنیادی عقائد میں صراحت اور وضاحت کی جگہ وقت کے معبروں، مفسروں اور ترجمانوں نے کنایات، استعارات اور تشبیہات سے بہت زیادہ کام کیا۔ ان تعبیرات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب ان مذاہب حق کا صنم پرستوں اور فلسفیوں سے واسطہ پڑا اور انھوں نے کسی نہ کسی طرح اس دین حق کو قبول کر لیا تو اپنے فلسفیانہ اور مشرکانہ افکار و خیالات کے لیے ان ہی استعارات و تشبیہات کو پشت و پناہ بنایا اور آہستہ آہستہ ملت حقیقی کی شکل وصورت بدل کر اس کو معجونِ مرکب بنا ڈالا، اسی حقیقت کے پیش نظر قرآنِ عزیز نے وجود باری، توحید، رسالت، الہامی کتب، ملائکۃ اللہ، غرض بنیادی عقائد میں دو معنی الفاظ، پرپیچ تشبیہات اور توحید میں خلل انداز استعارات وکنایات کی بجائے واضح، صریح اور غیر مبہم اطلاقات کو اختیار کیا ہے تاکہ کسی ملحد، زندیق اور مشرک فلسفی کو توحید خالص میں شرک اور اوہام و ظنون کی نکتہ آفرینیوں کا موقعہ ہاتھ نہ آنے پائے اور اگر کوئی شخص اس کے باوجود بھی بے جا جسارت کرے تو خود قرآنِ عزیز کی نصوصِ صریحہ ہے اس کے الحاد کو پاش پاش کر دیں۔

کفارہ؟ موجودہ مسیحیت کا دوسرا عقیدہ جس نے دین مسیحی کی حقیقت کو برباد کر ڈالا ''کفارہ'' کا عقیدہ ہے، اس کی بنیاد اس تخیل پر قائم ہے کہ تمام کائنات ''جس میں نکوکار اور انبیاء و رسل سب ہی شامل ہیں'' ابتداء آفرینش سے ہی گنہگار ہے، آخر رحمت الٰہی کو جوش آیا اور اس کی مشیت نے ارادہ کیا کہ ''بیٹے'' کو کائناتِ ارضی میں بھیجے اور وہ مصلوب ہو کر اوّل و آخر تمام کائنات کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور اس طرح دنیا کو نجات اور مکتی حاصل ہو سکے، لیکن اس عقیدہ کے قوام بنانے کے لیے چند ضروری اجزاء کی ضرورت تھی جن کے بغیر یہ عمارت کھڑی نہیں کی جا سکتی تھی اس لیے ''عہد رسول'' میں سب سے پہلے مسیحیت نے یہودیت کے اس عقیدہ کو تسلیم کر لیا کہ ان کو صلیب پر بھی چڑھایا گیا اور مار بھی ڈالا گیا اور اس کو شرفِ قبولیت دینے کے بعد دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ ''الوہیت'' کے باوجود مسیح کا صلیب پانا اور قتل ہونا اپنے لیے نہیں بلکہ کائنات کی نجات کے لیے تھا، چنانچہ جب اس پر یہ حادثہ گزر گیا تو اس نے پھر الوہیت کی چادر اوڑھ لی اور عالم لاہوت میں باپ اور بیٹے کے درمیان دوبارہ لاہوتی رشتہ قائم ہو گیا۔

پس جس مذہب میں خدائے برتر کے ساتھ صحت عقیدہ اور نیک عملی مفقود ہو کر نجات کا دار و مدار عمل و کردار کی بجائے "کفارہ" پر قائم ہو جائے اس کا حشر معلوم؟

قرآن نے اسی لیے جگہ جگہ یہ واضح کیا ہے کہ نجات کے لیے عقیدہ کی صحت یعنی صحیح خدا پرستی اور نیک عملی کے ماسوا کوئی دوسری راہ نہیں ہے اور جو شخص بھی اس "راہِ مستقیم" کو ترک کر کے خوش عقیدگی اور اوہام و ظنون کو اسوۂ بنائے گا اور نیک عملی اور صحیح خدا پرستی پر گامزن نہ ہوگا وہ بلاشبہ گمراہ ہے اور راہ مستقیم سے یکسر محروم۔

ان الذین امنوا والذین ھادوا و النصاریٰ والصابئین من اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخر و عمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون.

(بقرہ ۶۲)

جو لوگ اپنے کو مؤمن کہتے ہیں اور جو یہودی ہیں اور جو نصاریٰ ہیں اور جو صابی ہیں ان میں سے جو بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کیے تو یہی وہ لوگ ہیں جن کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے، نہ ان پر خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یعنی قرآن کی دعوت اصلاح ادیان و ملل کا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہودی، نصرانی صابی گروہوں کی طرح ایک نیا گروہ مومنوں کے نام سے اس طرح اضافہ کر دے کہ گویا وہ بھی ایک قومی، نسلی یا ملکی گروہ بندی ہے کہ خواہ اس کی خدا پرستانہ زندگی اور عملی زندگی کتنی ہی غلط اور برباد ہو یا سرے سے مفقود ہو مگر اس گروہ بندی کا فرد ہونے کی وجہ سے ضرور کامیاب اور خدا کی جنت و رضا کا مستحق ہے، قرآن کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے بلکہ وہ یہ اعلان کرنے آیا ہے کہ اس کی دعوتِ حق سے پہلے کوئی شخص کسی بھی گروہ اور مذہبی جماعت سے تعلق رکھتا ہو اگر اس نے (قرآن کی تعلیم حق) کے مطابق خدا پرستی اور نیک عملی کو اختیار کر لیا ہے تو بلاشبہ وہ نجات یافتہ اور کامیاب ہے ورنہ تو وہ اگر مسلمان گھر میں پیدا ہوا، پلا اور بڑھا اور اسی سوسائٹی میں زندگی گزار کر مر گیا مگر قرآن کی دعوتِ حق کے مطابق خدا پرستی اور نیک عملی دونوں سے محروم رہا یا مخالف تو اس کے لیے نہ کامیابی ہے اور نہ فوز و فلاح۔

باقی رہا مسیحیت کے کفارہ کا خصوصی مسئلہ تو قرآن نے اس کے ابطال اور اس کی تردید کے لیے یہ راہ اختیار کی کہ جن بنیادوں پر اس کو قائم کیا گیا تھا ان کی ہی جڑ کاٹ دی۔ چنانچہ گذشتہ سطور میں صلیب اور قتل مسیح کے انکار اور رفع الی السماء کے اثبات کے مبحث میں اس پر کافی روشنی پڑ چکی ہے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

ملتِ اسلامیہ کی سربین الاقوامی تنظیم ہے

جو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے قائم فرمائی۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے چار چاند لگائے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور اب شیخ المشائخ حضرت مولانا خان محمد دامت برکاتہم کی قیادت میں قادیانیت کے خاتمہ کی مہم پر ہے۔

اغراض و مقاصد

اسلام کی دعوت و تبلیغ، ناموس ختم نبوت کی پاسبانی، قادیانی فتنہ کی سرکوبی، باطل فرقوں کا مقابلہ، مجلس کا عظیم اور مقدس مقصد ہے۔ قادیانیوں کے سربراہ نے جب سے اپنا مستقر لندن منتقل کیا ہے اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اربوں کھربوں کے منصوبے شروع کیے ہیں ختم نبوت کی ذمہ داریوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ اندرون و بیرون ملک مجلس کے مبلغ، دفاتر، مدارس، مساجد ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کیلئے وقف ہیں مجلس کا سالانہ بجٹ کئی لاکھ کا ہے۔ جو اندرون و بیرون ملک تقسیم کیا جاتا ہے۔ جامع مسجد ربوہ، جامع مسجد کراچی اور دیگر شہروں میں مجالس کے تعمیراتی منصوبے تشنۂ تکمیل ہیں جبکہ لندن اور دوسرے ممالک میں بھی دفاتر قائم کیے جا رہے ہیں۔ اندرون و بیرون ملک قادیانیوں کے ساتھ مقدمات کی وجہ سے مجلس کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ ختم نبوت کی خدمت اور مالی اعانت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ ہے۔ آنجناب سے توقع رکھتے ہیں کہ آپ اس کار خیر میں ضرور شریک ہوں گے

واجرکم علی اللہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

فقیر خان محمد امیر مرکزیہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ، حضوری باغ روڈ ملتان
پاکستان، فون ۴۰۹۷۸

خاتم النبیین لا نبی بعدی
مسئلہ ختم نبوت
حضرت مولانا سید شمس الحق افغانی رحمہ

ختم نبوت

ختم نبوت کا مسئلہ اسلامی تاریخ کے کسی دور میں مشکوک و مشتبہ نہیں رہا اور نہ اس پر بحث کی ضرورت سمجھی گئی لیکن برصغیر پاک و ہند میں انگریزی حکومت نے اپنے مفاد اور تاریخی اسلام دشمنی کی تکمیل کے لیے اسلام کے اس مرکزی عقیدہ پر ضرب لگانا ضروری سمجھا تا کہ مسلمانوں کی وحدت کو ختم کیا جائے۔ اس سازش کی تکمیل کے لیے انگریزوں کو (بھارتی) پنجاب کے ضلع گورداسپور (بستی قادیان) سے ایک ایسا شخص ہاتھ آیا جو اس مقصد کی تکمیل کے لیے موزوں تھا۔ اس نے انگریزوں کی حمایت کے تحت اپنی امت بنائی اور نئی نبوت کی بنیاد ڈالی اور بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں کے بنیادی مقصد تین ہیں۔

۱۔ اپنی شخصیت اور دعاوی پر زور دینا۔
۲۔ تحریفاتِ قرآن کو معارف بتلانا۔
۳۔ مسلمانوں کی دشمنی اور انگریزوں کی دوستی پر زور صرف کرنا۔

یہی اس کی ساری کارروائی کا خلاصہ ہے۔ بقول اقبال مرحوم ع

سلطنت اغیار را رحمت شمرد
رقصہائے گردِ کلیسا کرد و مرد

(غیروں (انگریز) کی حکومت کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا۔ کلیسا کے گرد ناچتا ہوا مر گیا)

اس لیے ناواقف مسلمانوں کے ایمان بچانے کے لیے ضروری ہوا کہ ختم نبوت پر کچھ عرض کریں۔ اسلام کو ایک عمارت سمجھو اور اہم عمارت کے تین نقشے ہوتے ہیں۔ جن کو انجینئر مرتب کرتا ہے۔

۱۔ ذہنی و فکری نقشہ ۲۔ تحریری و کتابتی نقشہ ۳۔ خارجی نقشہ

اسلام عقائد، اخلاق و عبادات کی ایک عمارت تھی جس کا پورا نقشہ علم الٰہی میں منضبط تھا۔ پھر اس نقشہ کو کتاب و سنت میں منضبط کیا گیا۔ جو عمارت اسلام کی گویا تحریری شکل تھی۔ پھر مسلمانوں کا تقریباً چودہ سو سال کا مسلسل عمل اس نقشہ اور عمارت اسلام کا خارجی وجود تھا۔ یہ تینوں وجود باہمی متفق ہوتے آئے ہیں۔ اللہ کے علم میں اسلام کی جو حقیقت تھی وہ ہی قرآن و حدیث میں نمودار ہوئی اور قرآن و حدیث میں اسلام کی جو حقیقت تھی وہی مسلمانوں کے ذہن و فکر میں متواتر نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی گئی۔ اسلام کے بنیادی امور میں مسلمانوں نے اختلاف نہیں کیا اگرچہ دیگر امور میں اختلاف رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں بہت فرقے پیدا ہوئے لیکن آج تک انھوں نے ختم نبوت کی بنیادی حقیقت میں کسی قسم کا اختلاف نہیں کیا۔ البتہ اسلام اور اسلام کے سرچشموں یعنی کتاب و سنت سے الگ ہو کر انکار کیا جا سکتا تھا اور کیا گیا۔ اب ہم اس مسئلہ پر دو پہلوؤں سے بحث کریں گے۔ ۱۔ نقل۔ ۲۔ عقل۔

نقل میں تین امور زیر بحث آئیں گے۔ ۱۔ کتاب یعنی قرآن اور ختم نبوت۔
۲۔ حدیث اور ختم نبوت۔ ۳۔ اجماع اور ختم نبوت۔
اس کے بعد ختم نبوت کے عقلی پہلو کو بیان کریں گے۔

۱۔ قرآن اور ختم نبوت

قرآن حکیم کی ایک سو سے زائد آیات میں مسئلہ ختم نبوت بیان کیا گیا ہے۔ ہم نظر بہ اختصار چند آیات کا انتخاب کرتے ہیں۔ پہلی آیت ختم نبوت ہے جو سورۂ احزاب میں ہے۔ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (احزاب ۴۰) یہ آیت بالخصوص ختم نبوت پر دال ہے۔ ترجمہ یہ ہے۔ ''محمد ﷺ باپ نہیں کسی کا تمھارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔'' یعنی آپ ﷺ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلے پر مہر لگ گئی۔ اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔ بس جن کو ملنی تھی مل چکی۔ اس لیے آپ ﷺ کی نبوت کا دور سب نبیوں کے بعد رکھا جو قیامت تک چلتا رہے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی آخری زمانے میں بحیثیت آپ ﷺ کے ایک امتی کے آئیں گے جیسے تمام انبیاء اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں مگر شش جہت میں عمل صرف نبوتِ محمدیہ کا جاری و ساری ہے اور اللہ سب چیزوں کو جاننے والا ہے یعنی یہ بھی جانتا ہے کہ زمانہ ختم نبوت اور محل ختم نبوت کونسا ہے۔ خاتم تاء کے کسرہ کے ساتھ اکثر قراء کی قرأت ہے اور

فتح تا کے ساتھ حسن و عاصم کی قرأت ہے۔ پہلی قرأت کے بموجب خاتم النبیین کا معنی سب نبیوں کو ختم کرنے والا اور فتح والی قرأت کا معنی سب نبیوں پر مہر۔ دونوں قرأتوں کا مطلب ایک ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد عطاء نبوت کا دروازہ بند ہے کیونکہ مہر کا معنی بندشِ نبوت بیان کرنے کا ایک بلیغ پیرایہ ہے جس پر خود قرآن، سنت، لغت عربیہ متفق ہیں۔ قرآن نے ان کافروں کے متعلق جن کے نصیب میں ایمان نہیں تھا، ان کے حق میں بندش ایمان کو بلفظ مہر بیان کیا۔ فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ٥ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰی سَمۡعِهِمۡ ط (بقرہ ۶،۷)

یقیناً کچھ خاص لوگ ایسے کافر ہیں کہ خواہ تو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ مہر لگ چکی ہے ان کے دلوں اور کانوں پر۔

اگر مہر کی تعبیر سے یہاں ایمان کا دروازہ بند ہوا تو آیت خاتم النبیین میں نبوت کا دروازہ بند ہونا ضروری ہے۔ صاحب قرآن نے خود آیت کی تفسیر کی ہے۔ مسلم میں ابو ہریرۃ اور ابو داؤد و ترمذی میں ثوبان سے مرفوعاً روایت ہے کہ قیامت سے قبل دجالون، کذابون نبوت کا دعویٰ کریں گے وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیۡنَ لَا نَبِیَّ بَعۡدِیۡ.

(ترمذی ج ۲ ص ۴۵ باب لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون)

حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی۔ یہی الفاظ حذیفہؓ سے طبرانی و احمد نے مرفوعاً نقل کیے ہیں۔ بخاری و مسلم میں بروایۃ ابوہریرۃؓ نبوت کو ایک ایسے گھر سے تشبیہ دی ہے جس کی تعمیر میں ہر نبی کی نبوت بطور ایک خشت کے لگ گئی اور تکمیل عمارت میں صرف ایک خشت کی جگہ خالی تھی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں فَاَنَّا هٰذِهِ الۡبِنَةَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیۡنَ (بخاری ج ۱ ص ۵۰۱ باب خاتم النبیین) ابوہریرۃؓ سے مرفوعاً حضور ﷺ کی چھ خصوصیات ذکر ہیں۔ ان میں چھٹی خصوصیت وَ خَتَمَ بِیَ النَّبِیُّوۡنَ.

(مسلم ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب المساجد ومواضع الدعوۃ)

یعنی مجھ پر پیغمبری کا سلسلہ ختم ہوا (رواہ مسلم فی الفضائل) ابن ماجہ نے باب فتنۃ الدجال ص ۲۹۷ میں ابو امامۃ سے مرفوعا روایت نقل کی ہے وَاَنَا آخِرُ الۡاَنۡبِیَآءَ وَاَنۡتُمۡ آخِرُ الۡاُمَمِ. یعنی میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ اسی طرح صحیحین میں حضور ﷺ کا حضرت علیؓ کو یہ فرمانا کہ اَنۡتَ منی بِمَنۡزِلَةِ هَارُوۡن من موسی اِلَّا اَنَّه لَا نَبِیَّ بَعۡدِیۡ. (مسلم ج ۲ ص ۲۷۸ باب فضائل علیؓ) یعنی تیرا تعلق مجھ سے وہ ہے جو حضرت

ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھا بجز اس کے کہ ہارون نبی تھے اور میرے بعد نبی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح صحیحین کی یہ روایت کہ لَمْ یَبْقٰی مِنَ النُّبُوَّتِ اِلَّا المبشرات.

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۵ باب مبشرات)

کہ نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی بجز سچے خوابوں کے۔ آیت ختم کے متعلق خود مرزا قادیانی لکھتے ہیں ''مگر وہ رسول اللہ ہے ختم کرنے والا ہے نبیوں کا۔'' یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی ﷺ کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔ (ازالہ اوہام ص ۶۱۴ خزائن ج ۳ ص ۴۳۶) نیز مرزا قادیانی لکھتے ہیں الا تعلم ان الرب الرحیم المتفضل سمٰی نَبِیَّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ خاتم الْاَنْبِیَآء بِغَیْرا ستثناء وَفَسَرَ نَبِیَّنَا فِی قَوْلِهٖ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ بِبَیَانٍ وَاضح اللطالبین. (حمامتہ البشریٰ ص ۲۰ خزائن ج ۷ ص ۲۰۰) ''ہمارے نبی ﷺ نے خاتم النبیین کی تفسیر لا نبی بعدی کے ساتھ فرمائی کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور طالبین حق کے لیے یہ بات واضح ہے۔'' گویا حدیث لا نبی بعدی میں لانفی کو عام تسلیم کیا ہے۔ (ایام الصلح ص ۷۵ خزائن ج ۱۴ ص ۳۹) مرزا قادیانی لکھتے ہیں۔ ''آنحضرت نے بار بار فرما دیا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور حدیث لا نبی بعدی ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیت کریمہ ولکن رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ سے بھی اس کی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبی کریم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔''

(ص ۱۹۹ کتاب البریہ خزائن ج ۱۳ ص ۲۱۷)

مرزا قادیانی مزید لکھتے ہیں۔

رہ ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

(سراج منیر ص ۳ خزائن ج ۱۲ ص ۹۵)

ان تصریحات کے بعد اس امر میں کیا کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے کہ آیت مذکورہ ختم نبوت میں قطعی الثبوت ہونے کے علاوہ قطعی الدلالت بھی ہے۔

لفظ خاتم النبیین اور لغت عرب

روح المعانی میں ہے کہ خاتم ما یختم بہ کو کہا جاتا ہے جیسے طَابِعٌ مَایطْبَعُ بِهٖ کو کہا جاتا ہے فمضٰی خَاتَمَ النَّبِیّیْنَ الَّذِیْ خُتِمَ النَّبِیُّوْنَ بِهٖ وماله آخرُ النَّبِیّیْنَ.

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۲)

۲۔ مفرداتِ راغب (الخاء مع القاء ص ۱۴۲) میں ہے وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ لِاَنَّهٗ ختم النبوۃ ای.

۳۔ وَفِی الْمُحْکَمِ لِاِبْنِ سیدۃ وَخَاتَم کُلِّ شَیْءٍ وَخَاتَمَتُهٗ عَاقِبَةُ وَاٰخِرُهٗ.

۴۔ وَفِی التَّهْذِیْبِ لِلْاَزْهَرِیِّ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اَیْ اٰخِرُهُمْ.

۵۔ وَفِیْ لِسَانِ الْعَرَبِ (ج ۴ ص ۲۵ الخاء مع القاء) وَخَاتِمُهُمْ وَخَاتَمُهُمْ اٰخِرُهُمْ.

۶۔ وَفِیْ تَاجِ الْعُرُوْسِ (ج ۱۶ ص ۱۹ فصل الخاء مع المیم) اَلْخَاتَمُ بِالْفَتْحِ وَالْکَسْرِ مِنْ اَسْمَائِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَهُوَ الَّذِیْ خُتِمَ النُّبُوَّةُ بمجْیِهٖ.

۷۔ وَفِیْ مَجْمَعِ الْبِحَارِ وَخَاتَمٌ بِالْفَتْحِ بِمَعْنَی الطَّابِعِ اَیْ شَیٍ یَدُلُّ عَلٰی اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ.

۸۔ وَفِیْ الْقَامُوْسِ (ج ۴ ص ۱۰۴ باب الخاء مع المیم) اَلْخَاتِمُ اٰخِرُ الْقَوْمِ کَالْخَاتَمِ ابن کُلِّ شَی عافبته واخیرتُهٗ.

۹۔ وَفِیْ کُلِّیَّاتِ اَبِی الْبَقَاءِ وَتَسْمِیَةُ نَبِیِّنَا خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ لِاَنَّ خَاتَمَ الْقَوْمِ اٰخِرُ الْقَوْمِ ثُمَّ قَالَ وَنَفْیُ الْاَعَمِّ یَسْتَلْزِمُ نَفْیَ الْاَخَصِّ.

۱۰۔ وَفِی الصَّحَاحِ وَخَاتِمُ بِکَسْرِ التَّاءِ وَفَتْحِهَا کُلُّهٗ بِمَعْنٰی وَالجمع الْخَوَاتِمِ وَخَاتَمَةُ الشَّیُٔ اٰخِرُهٗ وَمُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ.

لفظ خاتم النبیین و مفسرین کرام

قرآن حکیم کی جس قدر تفاسیر عہد صحابہ سے لے کر عہد مرزا تک لکھی گئی ہیں یا بعد عہد مرزا یا قرآن کے جس قدر تراجم کیے گئے ہیں سب نے خاتم النبیین کی تفسیر و تشریح یہ کی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی لیکن جس گورداسپوری کو نبی بننے کی سوجھی، صرف اس نے وہ بھی اوّل میں نہیں بلکہ آخر میں اپنا عقیدہ دربارۂ ختم نبوت اور اپنی تشریح ختم نبوت کو بدل ڈالا تا کہ نبی بننے کی گنجائش نکل آئے جس سے اس کو خلافِ امید کامیابی ہوئی۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ مجھے یہ گمان نہ تھا کہ مسلمان اس چیز کو قبول کریں گے کہ نبوت جاری ہے لیکن انگریز تعلیم اور انگریزی حکومت کی حمایت اور زوال فہم و عظمت دین نے ناشدنی کو شدنی بنایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہاں تک کہ اس مصنوعی نبوت نے ایک کامیاب اور نفع بخش فیکٹری کی شکل اختیار کی اور مرتد سازی کا نام تبلیغ اسلام رکھ کر اس فیکٹری کی آمدنی میں خوب اضافہ کیا گیا۔ دوسری طرف اس نبوت کے ماننے والوں پر عہدوں اور تنخواہوں کی بارش ہونے لگی جس نے انھیں یہ

احساس دلایا کہ یہ سب کچھ اس خود ساختہ نبوت پر ایمان لانے کی برکت ہے یا بالفاظ دیگر مرزا کا معجزہ ہے جس سے مسلمانوں کی اکثریت محروم ہے۔ اگر حالات اور ہماری غفلت کی رفتار یہی رہی تو عجب نہیں کہ مسلمانوں کو ایک اور اسرائیل سے دوچار ہونا پڑے گا لیکن اس وقت کوئی تدبیر کارگر نہ ہو گی۔

کشوری محکم اساسے بایدت
دیدۂ مردم شناسے بایدت
مرشد رومی حکیم پاک زاد
سر مرگ و زندگی برما کشاد
ہر ہلاک امت پیشیں کے بود
زانکہ برجندل گماں بردند عود اقبالؔ

۱۔ امام المفسرین ابن جریر الطبری اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وَلٰکِنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ الَّذِیْ خَتَمَ النُّبُوَّۃَ فَطَبَعَ علیھا فلا تفتحُ لِاَحَدٍ بَعْدَہٗ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ...... وَبِنَحْوِ الَّذِیْ قُلْنَا وفی ذالک قَالَ اَھْلُ التَاوِیْل.

(ج ۲۲ ص ۱۶ زیر آیت خاتم النبیین)

یعنی آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین جس نے نبوت کو ختم کیا اور اس پر مہر لگا دی پس وہ آپ ﷺ کے بعد کسی لیے نہ کھولی جائے گی قیامت کے قائم ہونے تک اور ایسا ہی آئمہ تفسیر، صحابہ و تابعین نے فرمایا۔

۲۔ حضرت علی بن حسین سے ابن جریر نقل فرماتے ہیں۔

بِکَسْرِ التَّاءِ (مِنْ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ) بِمَعْنٰی اِنَّہٗ الذی خَتَمَ الانبیاء وَقُرِءَ ذَالِکَ فِیْمَا یَذْکُرُ الْحَسَنُ وَالْعَاصِمُ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ بِفَتْحِ التَّاءِ بِمَعْنٰی اِنَّہٗ آخِرُ النَّبِیّٖنَ.

(ج ۲۲ ص ۱۶ زیر آیت خاتم النبیین)

خاتم النبیین بکسر التاء اس معنی میں کہ آپ ﷺ نے تمام انبیاء کو ختم کر دیا اور جیسا کہ منقول ہے قراء میں سے حسن اور عاصم نے اس کو بفتح التاء پڑھا ہے اس معنی میں کہ آپ آخر النبی ہیں۔

۳۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

فَھٰذِہِ الْاٰیَۃِ نَصٌّ فِیْ اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَاِذَا کَانَ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدَہٗ بِالطَّرِیْقِ الْاَوْلٰی لِاَنَّ مَقَامَ الرِسَالَۃَ اَخَصُّ من مَقَامِ النُّبُوَّۃَ فَاِنَّ کُلَّ رَسُوْلٍ نَبِیٌّ

وَلَایَنْعَکِسُ وَبِذَالِکَ وَرَدَتِ الْاَحَادِیْثُ الْمُتَوَاتِرَۃُ من رسول اللّٰہ مِنْ حَدِیْثِ جَمَاعَۃٍ مِنَ الصَّحَابَۃِ. (ابن کثیر ج ٦ ص ۳۸۱ زیرِ آیت خاتم النبیین)

یہ آیت نص صریح ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا جب کوئی نبی نہ ہو تو رسول بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا کیونکہ رسالت نبوۃ سے خاص ہے۔ ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے اور ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواترہ وارد ہوئی جو صحابہ کی بڑی جماعت نے آپ ﷺ سے نقل کی ہے۔

آگے لکھتے ہیں۔

لِیَعْلَمُوْا اَنَّ مَنْ کُلَّ مَنِ ادَّعٰی ھَذَ الْمَقَامَ بَعْدَہٗ فھُوَ کَذَّابٌ اَفَّاکٌ دَجَّالٌ ضَالٌّ مُضِلٌّ. (ج: ۸ ص ۹۱)

تاکہ امت جان لے تاکہ آپ ﷺ کے بعد ہر وہ شخص جو اس مقام کا (نبوت) کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا افتراء پرداز اور دجال اور گمراہ و گمراہ کنندہ ہے۔

۴۔ تفسیر کشاف میں ہے۔

خَاتَمُ بِفَتحِ التَّاءِ بِمَعْنٰی الطَّابِعِ وَبِکَسْرِھا بِمَعْنٰی الطَّابِعِ وَفَاعِلُ الْخَتْمِ وَتُقَوِّیْہِ قِرَاءَۃُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَّ لٰکِنْ نَبِیًّا خَتَمَ النَّبِیّیْنَ فَاِنْ قُلْتَ کَیْفَ کَانَ اٰخِرَ الْاَنْبِیَاءِ وَعِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یَنْزِلُ فِی آخِرِ الزَّمَانِ قُلْتُ مَعْنٰی کَوْنِہٖ اٰخِرَ الْاَنْبِیَآءِ اَنَّہٗ لَایُنَبَّأُ اَحَدٌ بَعْدَہٗ وَ عِیْسٰی مِمَّنْ نُبِّیَٔ قَبْلَہٗ. (کشاف ج ۳ ص ۵۴۴، ۵۴۵ زیرِ آیت خاتم النبیین)

خاتم بفتح التاء بمعنی الہ مہر و بکسر التاء بمعنی مہر کرنے والا اور اس معنی کی تقویت کرتی ہے۔ ابن مسعودؓ کی قرأت ولکن نبیا ختم النبیین۔ اگر آپ یہ کہیں کہ آپ خاتم الانبیاء کس طرح ہو سکتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام آخر زمان میں آسمان سے اتریں گے۔ جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی شخص نبی نہ بنایا جائے گا اور عیسیٰ ان لوگوں میں سے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے نبی بنا کر بھیجے گئے۔

۵۔ تفسیر روح المعانی میں ہے۔

وَالْمُرَادُ بِالنَّبِی مَاھُوَ اَعَمُّ مِنَ الرَّسُوْلِ فَیَلْزَمُ مِنْ کَوْنِہٖ خَاتَمَ النَّبِیّیْنَ کَوْنِہٖ خَاتَمَ الْمُرْسَلِیْنَ وَالْمُرَادُ بِکَوْنِہٖ خَاتَمَھُمْ اِنْقِطَاعُ حُدُوْثِ وَصْفِ النُّبُوَّۃِ فِی اَحَدٍ مِنَ الثقلین بَعْدَ تَحَلِّیْہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِھَا فِیْ ھٰذِہِ النَّشَاْۃِ وَلَا یَقْلَحُ فِیْ ذَالِکَ مَا اَجْمَعَتْ عَلَیْہِ الْاُمَّۃِ وَاشْتَھَرَتْ فِیْہِ الْاَخْبَارُ وَلَعَلَّھَا بَلَغَتْ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ الْمَعْنَوِیِّ وَنَطَقَ بِہٖ الْکِتَابُ عَلٰی قَوْلٍ وَّ وَجَبَ الْاِیْمَانُ بِہٖ وَاُکْفِرَ مُنْکِرُہٗ کَالْفَلَاسِفَۃِ مِنْ

نُزُوْلِ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ آخِرَ الزَّمَانِ لِاَنَّهٗ کَانَ نَبِیًّا قَبْلَ تَحَلِّی نَبِیِّنَا بِالنُّبُوَّۃِ فِی هٰذِهِ النَّشْأَۃِ. (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۲ زیر آیت خاتم النبیین)

آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اس عالم میں وصف نبوت سے متصف ہونے کے بعد نبوت کا پیدا ہونا منقطع ہو گیا اور ختم نبوت اس عقیدہ سے معارض نہیں۔ جس پر امت نے اجماع کیا اور جس میں احادیث شہرت کو پہنچی اور شاید درجہ تواتر معنوی کو پہنچ جائیں اور جس پر قرآن نے تصریح کی ہے اور جس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے منکر فلاسفہ کو کافر سمجھا گیا۔ یعنی نزول عیسیٰ علیہ السلام سے وصف نبوت سے متصف ہونے سے پہلے وصف نبوت سے متصف ہو چکے تھے۔

۶۔ تفسیر مدارک (ج ۲ ص ۲۳۴ زیر آیت خاتم النبیین) میں ہے۔

خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ بِفَتْحِ التَّاءِ عَاصِمٌ بِمَعْنَی الطَّابِعِ اَیْ آخِرُهُمْ اَیْ لَایُنَبَّاُ اَحَدٌ بَعْدَهٗ وَعِیْسٰی مِمَّنْ نُبِّیءَ قَبْلَهٗ وَ غَیْرُهٗ بِکَسْرِ التَّاءِ بِمَعْنَی الطَّابِعِ وَفَاعِلُ الْخَتْمِ وَتَقْوِیَّهٗ قَرَاءَۃُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ.

عاصم کی قرأت میں بفتح التاء بمعنی التاء جس سے مراد آخر ہے اور عیسیٰ علیہ السلام آپ سے پہلے نبی بنائے گئے اور عاصم کے بغیر سب قراء کے نزدیک بکسر التاء بمعنی مہر کرنے والا اور ختم کرنے والا جس کی ابن مسعودؓ کی قرأت تائید کرتی ہے۔

۷۔ زرقانی شرح مواہب میں ہے۔ خاتم النَّبِیِّیْنَ اَیْ آخِرُهُمْ. خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے ہیں۔ (ج ۵ ص ۲۶۷) یہی معنی تفسیر بحرالمحیط ج ۷ ص ۲۳۶ اور ابو السعود برحاشیہ تفسیر کبیر ص ۶۸۸ میں لکھا ہے۔

۸۔ (شفاء ج ۲ ص ۲۴۷ طبع مصر ۱۹۵۰ء) قاضی عیاض تفسیر آیت خاتم النبیین میں لکھتے ہیں۔

مَنِ الدَّعٰی مِنْهُمْ اَنَّهٗ یُوْحٰی اِلَیْهِ وَاِنْ لَّمْ یَدَّعِ النُّبُوَّۃَ فَهٰؤُلَاءِ کُلُّهُمْ کُفَّارٌ مُکَذِّبُوْنَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ لِاَنَّهٗ اَخْبَرَ اَنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ وَاَخْبَرَ عَنِ اللّٰهِ اَنَّهٗ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَاَنَّهٗ اُرْسِلَ اِلٰی کَافَّۃِ النَّاسِ وَاَجْمَعَتِ الْاُمَّۃُ عَلٰی حَمْلِ هٰذَا الْکَلَامِ عَلٰی ظَاهِرِهٖ وَاَنَّ مَفْهُوْمَهٗ الْمُرَادُ بِهٖ دُوْنَ تَاوِیْلٍ وَّلَا تَخْصِیْصٍ فَلَا شَکَّ فِیْ کُفْرِ هٰؤُلَاءِ الطَّوَائِفِ قَطْعًا اِجْمَاعًا وَّ سَمْعًا.

جو وحی کا دعویٰ کرے اگرچہ نبوت کا دعویٰ نہ کرے تو یہ سب گروہ کفار ہیں پیغمبر ﷺ کو جھٹلانے والے، جس نے خبر دی کہ وہ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی

نہیں ہو سکتا اور وہ سب لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں اور آپ ﷺ کے ظاہری معنی پر بلا تاویل و تخصیص محمول ہونے پر امت متفق ہے تو اس کے خلاف معنی اختیار کرنے کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

۹۔ غزالی لکھتے ہیں۔

ان الامته فهمت بالاجماع من هذه اللفظ ومن قرائن احواله انه افهم عدم نبى بعده ابدا وعدم رسول الله ابدا. وانه ليس فيه تاويل ولا تخصيص فمنكر هذا لايكون الامنكر الاجماع. الاقتصاد ص ۱۲۳ اله تبته السادسته.

ترجمہ: امت نے اجماع سے اس لفظ (خاتم النبیین) سے احوال و قرائن سے یہ سمجھا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں اس میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں (ختم نبوت) کا منکر اجماع کا منکر ہے۔

اسی طرح تمام کتب تفاسیر میں یہی معنی خاتم النبیین کے بیان ہوئے ہیں اور چونسٹھ صحابہ سے یہی معنی ختم النبوت فی الآ ثار میں منقول ہے۔

عمومی انداز میں یہ مسئلہ کہ حضور علیہ السلام کے بعد نبوت کسی کو نہیں دی جا سکتی ایک سو سے زائد آیاتِ قرآن میں ثابت ہے، جن کو ہم آئندہ چند عنوانات کے تحت لائیں گے یہاں قادیانیوں کی چند تحریفات اور شیطانی وساوس کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں، جو آیت خاتم النبیین سے متعلق ہیں۔

پہلی تحریف: اگر آیت ختم النبیین کا معنی آخری نبی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اس کے خلاف ہے۔ اس کا جواب گزر گیا کہ ختم نبوت کا معنی عطاء نبوت کی بندش ہے جس پر مہر لگ گئی ہے لیکن پرانے نبی سے زوال نبوت مراد نہیں لہٰذا دور محمدی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ایسی ہے جیسے ایک گورنر کے صوبہ میں دوسرا گورنر آ جائے جو اس گورنر کے احکام کا تابع ہو کر آئے گا بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو نزول عیسیٰ علیہ السلام دلیل ختم نبوت ہے اگر آئندہ نبوت کا سلسلہ جاری ہوتا تو سابق انبیاء میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لائے جانے کی ضرورت نہ تھی۔ انبیاء علیہم السلام کے سابق تعداد میں سے ایک نبی کو واپس لانا اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد حضور علیہ السلام کی بعثت پر پوری ہو گئی۔ اس لیے دوبارہ لانے کے لیے سابق انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب کیا گیا۔

تحریف دوم: خاتم النبیین کے معنی مہر کے ہیں یعنی آپ کے بعد آپ کی مہر و تصدیق

سے انبیاء بنیں گے۔ اس کے لیے اولاً ہم یہ پوچھتے ہیں کہ یہ معنی لغت عربی کی کس کتاب میں لکھا ہے یا کس حدیث میں بیان ہوا ہے یا کونسی تفسیر میں لکھا ہے جب کہ خود قرآن مثلاً خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ. اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ اور احادیث متواترہ اور اجماع امت میں مہر کے معنی بندشِ نبوت کے ہیں تو مہر کے معنی اس کے خلاف نبوت جاری کرنے کے کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ خود مرزا قادیانی نے بندش کے معنی کیے ہیں اور اگر مراد جاری کرنا ہوتا تو اس میں حضورﷺ کی خصوصیت کیا رہی جبکہ اور پیغمبروں کے بعد بھی نبوت جاری رہی اور آپ کے بعد بھی بلکہ اگر اس سے مراد اجراء نبوت ہوتی تو کم از کم اس تیرہ سو سال میں کئی سو نبی آ جانے چاہیے تھے کہ آپﷺ کا یہ کمال خوب ظاہر ہو جائے اور اگر نبوت آپﷺ کی اتباع سے ملتی تو نبوت وہبی نہ رہی، کسبی ہو گئی۔ اس کے علاوہ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ تیرہ سو سال میں پیغمبر اسلام کا کوئی متبع کامل پیدا نہ ہوا کہ اس کو اتباع کے ثمرہ میں نبی بنایا جاتا۔ تیرہ سو سال کے بعد صرف آریہ ورت میں انگریز کی عنایت سے صرف ایک ہی پیدا ہوا اور اس کو بھی آخر تک اپنی نبوت میں شک رہا۔ کبھی اقرار کبھی انکار۔ یہاں تک کہ اس کے ماننے والے دو جماعتوں میں تقسیم ہوئے۔

تحریف سوم: آیت خاتم النبیین میں الف لام عہد خارجی یا ذہنی ہے جس سے مراد صرف تشریعی انبیاء ہیں گویا آپ تشریعی انبیاء کے خاتم ہیں عہد خارجی کے لیے سابق کلام میں خاص تشریعی انبیاء علیہم السلام کا ذکر ضروری ہے جو یہاں نہیں، اور عہد ذہنی اس وقت لیا جاتا ہے جب استغراق ممکن نہ ہو جیسے اَكَلَهُ الذِئْبُ اور اِشْتَرِ اللحم عَنْدَ عَامَةُ اَهْلِ الْاُصُوْلِ وَالْعَرَبِيَّةِ لَامُ التَّعْرِيْفَ سَوَاءٌ دَخَلَتْ عَلٰى المفرد اَوْ الجمع تُفِيْد لِاسْتِغْرَاقِ اِلَّا اِذَا كَانَ مَعْهُوْدًا. ((کلیات ابی البقاء ص ۵۶۳) و فی الکشف ج ۱ ص ۲۲۰ وان دخلت علی الجمع فلا ان كَانَ وَاِلاَّ وفی الرضی ج ۲ ص ۱۰۳ فَاِذَالَمْ يَكُنْ للبَعْضِيَّة لِعَدَمِ دَلِيْلِهَا یوجب كَونِهَا للاستغراق)

تحریف چہارم: خاتم النبیین میں الف لام استغراق حقیقی کے لیے نہیں بلکہ عرفی کے لیے ہے یعنی انبیاء تشریعی مراد ہیں نہ مطلق انبیاء جیسے وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ میں صرف بعض وہ انبیاء مراد ہیں جو بنی اسرائیل کے زمانے میں تھے۔ جواب یہ ہے کہ استغراقِ عرفی وہاں لیا جاتا ہے جہاں استغراقِ حقیقی ممکن نہ ہو جیسے جمع الامیر الصاغۃ کیونکہ تمام دنیا کے سناروں کا جمع کرنا ممکن نہیں بلحاظ عرف و عادت کے لیکن خاتم النبیین بلا تکلف

استغراق درست ہے بخلاف یقتلون النبیین جہاں استغراق ممکن نہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آیت ولکن البرمن امن باللّٰہ والیوم الاخر والکتاب والنبیین۔ (بقرہ ۱۷۷) اسی طرح ووضع الکتاب وجئی بالنبیین (زمر ۶۹) اور اذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین۔ (ال عمران ۸۱) کیا استغراق حقیقی مراد ہے یا عرفی۔

تحریف پنجم: خاتم کے معنی نگینہ انگشتری لے کر زینت مراد ہے یعنی آپ ﷺ انبیاء کی زینت ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حقیقی معنی لینا جب تک محال نہ ہو مجازی معنی مراد لینا درست نہیں اور یہاں حقیقی معنی درست ہے اور لغت احادیث اجماع نے اس کو متعین کیا ہے لہٰذا مجاز لینا غلط ہے ورنہ قرآن کے کسی لفظ سے معنی کا تعین نہ ہو سکے گا اور ہر لفظ مجازات اور تاویلات کا اکھاڑہ بن کر اپنی حقیقت کھو دے گا اور صوم وصلوٰۃ زکوٰۃ سب کے معنی بدل جائیں گے۔

آیت خاتم النبیین کے بعد اب ہم قرآن حکیم کی چند دیگر آیات کو پیش کرتے ہیں۔

دلیل کمالی: آیت دوم۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ آیت ۳) اس آیت میں کمال دین کا اعلان ہوا۔ وہ دن حدیث بخاری کے بموجب عرفہ کا دن تھا۔ مظہری میں ہے کہ حضور ﷺ اس کے بعد صرف اکیاسی دن زندہ رہے۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۳۲ زیر آیت الیوم اکملت لکم دینکم)

اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ آیت امت پر سب سے بڑی نعمت ہے۔

حَیْثُ اَکْمَلَ تعالیٰ لَهُمْ دِیْنَهُمْ فَلَا یَحْتَاجُوْنَ اِلٰی دِیْنٍ غَیْرِہٖ وَلَا اِلٰی نَبِیٍّ غَیْرِ نَبِیِّهِمْ وَلِهٰذَا جَعَلَهُ اللّٰہ تعالیٰ خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ وَبَعَثَهُ اِلَی الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اِنَّ الدِّیْنَ مَاکَانَ نَاقِصًا اَلْبَتَّةَ بَلْ کَانَ اَبَدًا کَامِلاً کَانَتْ الشرائعُ النَّازِلَةُ کَافِیَةً فِیْ ذَالِکَ الْوَقْتِ اِلَّا اَنَّهُ تَعَالٰی کَانَ عَالِمًا فِیْ اَوَّلِ وَقْتِ المبعث بِاَنَّ مَاهُوَ کَامِلٌ فِی هٰذَا الْیَوْمِ لَیْسَ بِکَامِلٍ فِی الغد وَلَا صلاح فِیْهِ لَاجَرَمَ کَانَ ینسخ بَعْدَ الثُّبُوْتِ وَکَانَ یُزِیْلُ بَعْدَ التَّحکم وَاَمَّا فِیْ آخِرِ زَمَانِ المبعث فَانْزَلَ اللّٰہُ شَرِیْعَةً کَامِلَةً وَّ حَکَم بِبَقَائِهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ فَالشَّرْعُ اَبَدًا کَانَ کَامِلاً اِلَّا اِنَّ الْاَوَّلَ کَمَالٌ اِلٰی ایمان مَخْصُوْصٍ وَالثَّانِیْ کَمَالٌ اِلٰی یُوْمِ الْقِیَامَةِ فَلَاجْلِ هٰذَا الْمَعْنٰی قَالَ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۳۸ زیر آیت الیوم اکملت لکم دینکم)

یہ آیت ختم نبوت پر دال ہے بوجوہاتِ ذیل۔

۱۔ ایک خود کمال دین اس امر کی دلیل ہے کہ حضورﷺ کی بعثت سب سے اخیر میں ہوئی کہ فہرست نبوت میں کوئی نبی باقی نہ رہا۔

۲۔ نبی کی آمد دین میں نقص کو دور کرنے کے لیے ہو، یا موقت احکام میں تنسیخ کے لیے یا محرف کی تحریف کو دور کرنے کے لیے، لیکن قرآن اور دین اسلام کامل ہے اس میں ترمیم و تنسیخ ہو نہیں سکتی اور اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (حجر ۹) میں قرآن کے الفاظ اور معانی بلکہ تلفظ تک کی حفاظت کا اعلان ہے لہٰذا ازالہ تحریف کی بھی ضرورت نہیں۔ باقی رہی تجدید و تبلیغ دین، اس کے لیے نبی کی ضرورت نہیں بلکہ کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ (ال عمران ۱۱۰) یہ ساری امت کا اجتماعی وظیفہ اور فریضہ ہے۔

۳۔ اگر نبوت جاری ہو تو دین اسلام ناقص رہے گا اور اسلام کے تمام احکام فضول قرار پائیں گے کیونکہ جب تک اس نئے نبی پر مسلمان ایمان نہیں لائیں گے تو قرآن اور حدیث اور پوری اسلامی شریعت پر اوّل سے آخر تک عمل کرنے کے باوجود وہ کافر اور ابدی جہنمی ہوں گے تو کمال دین اس نبی پر ایمان لانے میں منحصر ہوا اور اس پر ایمان لائے بغیر پورا دین ناکمل بلکہ کالعدم رہا۔

دلیل میثاقی: آیت وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّ حِکۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ (ال عمران ۸۱) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب وحکمت دوں اور اس کے پیچھے ایسا رسول آئے جو تمہاری آسمانی کتابوں کی تصدیق کرے تو تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو۔ یہ تمام انبیاء علیہم السلام سے عالم ارواح میں عہد لیا گیا۔ اس میں ثم جاءَ کُمۡ رسول جس سے حضرت نبی کریم علیہ السلام مراد ہے ان کا سب انبیاء کے بعد تشریف لانا ثابت ہوتا ہے جو دلیل ہے کہ مشیت الٰہی میں جس قدر انبیاء مقدر تھے ان سب کو اللہ نے آپﷺ سے پہلے مبعوث فرمایا اور آپﷺ کو سب سے اخیر میں بھیجا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپﷺ کی بعثت باعث بندش نہیں ہوئی بلکہ مقدر آپﷺ کو سب سے آخر میں بھیجنا تھا۔

دلیل بعثت عمومی: قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَا نِ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (الاعراف آیۃ ۱۵۸) تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا. (الفرقان آیۃ ۱) وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیاء آیۃ ۱۰۷)

یہ آیات دال ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تمام اقوام اور ازمان کو شامل ہے تو قیامت تک کے انسان آپ ﷺ کی امت ہیں اور آپ ﷺ ان سب کی طرف مبعوث ہیں جو دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ آپ ﷺ کی موجودگی میں جو اکمل الانبیاء ہیں کسی نبی کی ضرورت نہیں، جیسے سورج کے بعد کسی چراغ اور دریا کے بعد شبنم کی حاجت نہیں اور آیت وَمَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ میں پہلے حضور ﷺ سے نسبی ابوت کی نفی کی گئی اور وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ میں روحانی اور دینی ابوت ثابت کی گئی جس سے معلوم ہوا کہ جیسے ابوت نسبیہ میں تشارک نہیں تو ابوت دینیہ میں بھی تشارک نہیں۔ اگر ایک آدمی کے دو باپ نہیں ہو سکتے تو اسی طرح امت کے دو روحانی باپ نہیں ہو سکتے۔

دلیل وحی قبلی: ۱. یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (البقرہ آیۃ ۴)

۲. وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. (الانبیاء آیۃ ۲۵)

۳. وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ. (الزمر ۶۴)

۴. وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اِنَّھُمْ لَیَأْکُلُوْنَ الطَّعَامَ. (الفرقان آیۃ ۲۰)

۵. وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِکَ. (الانعام آیۃ ۴۲)

۶. قُلْ قَدْ جَآءَکُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ. (آل عمران آیۃ ۱۸۲)

۷. وَالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ. (فاطر آیۃ ۳۱)

ان آیات اور اسی قسم کی دوسری آیات میں وحی الٰہی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان سب آیات میں قید قبلیت کے ساتھ مقید کیا گیا حالانکہ اگر مابعد میں بھی کوئی وحی یا نبوت ہوتی تو یہ قید سبب اضلال ہوسکتی ہے بلکہ وحی ماقبل کی طرح وحی مابعد کا بھی ذکر کرنا ضروری تھا اور مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ کے ساتھ مِنْ خَلْفِہٖ کا ذکر بھی ضروری تھا اور کم از کم وحی کو مطلق چھوڑ دیا جاتا تاکہ وحی مابعد کی گنجائش بھی باقی رہتی۔

دلیل وعدی: فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الاعراف آیۃ ۱۵۷) ایسی تمام آیات جن میں صرف اللہ اور رسول کی اطاعت پر جنت اور فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے انقطاع نبوت کی دلیل ہے کیونکہ

اور نبی کا آنا اگر ہوتا خواہ بروزی یا ظلی تو جنت اور فلاح اس کے ماننے پر موقوف ہوتی، تو اس قسم کی تمام آیات کا مضمون کیونکر درست ہو سکتا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی اور نبوت بند ہے۔

حدیث اور ختم النبوۃ

عَنْ اَبُو ھُرَیْرَۃَ ان رسول اللّٰہ قال اَنَّ مَثَلِی وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ اِلَّا مُوْضِعَ لَبِنَۃٍ مِنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِہٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَہٗ وَیَقُوْلُوْنَ ھَلَّا وُضِعَتْ ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّیْنَ۔

(بخاری ج ا ص ۵۰ باب خاتم النبیین)

ابوہریرہؓ سے مرفوعا روایت ہے کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو آراستہ کیا مگر ایک اینٹ کی جگہ کونے می ں چھوڑی لوگ اس کے پاس گزرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی فرمایا وہ آخری اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

۲. اِنَّ لِیْ اَسْمَاءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ اِلٰی قَوْلِہٖ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ۔ (بخاری ومسلم ج ۲ ص ۲۶۱ باب فی اسمائہ)

میں محمد ہوں، احمد ہوں، عاقب ہوں۔ عاقب سے مراد یہ ہے کہ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

۳. لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ ابْنَ الْخَطَّابِ. (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۹)

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔

(مشکوۃ ص ۵۵۸ مناقب عمرؓ ازالہ اوہام ص ۲۳ خزائن ج ۳ ص ۲۱۹)

۴. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (بخاری ومسلم ج ۲ ص ۲۷۸ باب فضائل علیؓ مشکوۃ ص ۵۶۳ باب مناقب علیؓ)

۵. کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا ھلکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَاَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدُ وَسَیَکُوْنَ خُلَفَاءَ فَیَکْثُرُوْنَ. (بخاری ج ا ص ۴۹۱ باب نزول عیسیٰ بن مریم)

بنی اسرائیل کی عنان سیاست انبیاء کے ہاتھوں میں رہی جب ایک نبی فوت ہوتا تو اس کا جانشین نبی ہوتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ عنقریب خلفاء کا سلسلہ شروع ہوگا پس بکثرت ہوں گے۔

مرزا لکھتے ہیں۔ وحی و رسالت ختم ہو گی مگر ولایت و امامت و خلافت کبھی ختم

نہ ہوگی۔ (مکتوب مرزا تشحیذ الاذہان ج ا ص ا)

۶۔ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلاَ رَسُوْلَ بَعْدِی وَ لاَنَبِیَّ۔

(ترمذی ج ۲ ص ۵۳ باب وھبت النبوہ و بقیت المبشرات۔

تحفہ بغداد مرزا ص ۷ مرزا ازالہ اوہام ص ۶۱۴ میں لکھتے ہیں۔ اب وحی و رسالت تا بقیامت منقطع ہے۔ آئینہ کمالات ص ۳۷۷ پر لکھتے ہیں۔ ہرگز نہ ہوگا کہ اللہ ہمارے نبی کے بعد کسی کو نبی کر کے بھیجے اور یہ نہ ہوگا کہ سلسلہ نبوت کو اس کے منقطع ہو جانے کے بعد جاری کر دے۔ حمامتہ البشریٰ ص ۳۴ پر لکھتے ہیں آپ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو گئی، اور اللہ نے آپ پر نبیوں کا خاتمہ کر دیا۔ حقیقتہ ص ۶۴ ضمیمہ عربی میں لکھتے ہیں۔ اِنَّ رَسُوْلَنَا خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَعَلَیْهِ انْقَطَعَتْ سَلْسِلَةُ الْمُرْسَلِیْنَ۔

۷۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی مَرْفُوْعًا اَنَا مُحَمَّدٌ وَّ اَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمُقْفِیْ۔

(رواہ مسلم ج ۲ ص ۲۶۱ باب فی اسمائہ)

قَالَ النووِیُّ اَلْمُقْفِی الْعَاقِب یعنی میں آخر الانبیاء ہوں۔

۸۔ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَةِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ مَرْفُوْعًا یَا اَبَا ذَرٍّ اَوَّلُ الْاَنْبِیَاءِ اٰدَمُ وَاٰخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ۔ پہلا نبی آدم اور آخر محمد ﷺ۔ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کو صحیح کہا۔ مرزا نے لکھا اور سب سے آخر محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور ختم الرسل ہیں۔ (حقیقتہ الوحی ص ۱۴۱)

۹۔ عَنِ اَبِیْ اُمَامَةَ مَرْفُوْعًا اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ میں آخر الانبیاء اور تم آخر الامم ہو۔ (ابن ماجہ ص ۲۹۷ باب فتنۃ الدجال)

۱۰۔ عَنْ ابن عباس مَرْفُوْعًا لم یبقی مِن مبشرات النُّبُوَّةِ اِلَّا الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ (نسائی و ابو داؤد ص ۸۱ ج ا باب الدعا فی الرؤیا) میرے بعد سوائے رویا صالحہ کے کوئی جز باقی نہیں رہا۔ اسی طرح اَنَا اٰخر الانبیاء وَ مَسْجدی اٰخِرُ الْمَسَاجد۔

(مسلم ج ا ص ۴۴۶ باب فضل الصلوٰۃ بمسجدی)

وفی البزار۔ و مسجدی اخر مساجد الانبیاء (الترغیب المنذری ج ۲ ص ۱۷۳ حدیث ۱۷۷ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۷ کنزالعمال ج ۱۲ ص ۲۷۰ حدیث ۳۴۹۹۹ باب فضل الحرمین من الاکمال) میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد، مساجد انبیاء کی خاتم ہے۔ اسی طرح دو سو سے زائد احادیث ختم نبوت کے متعلق موجود ہیں اور اسی پر عقیدہ قائم ہوا ہے۔ قرآن کی کسی آیت اور احادیث میں سے کسی حدیث میں سلسلہ نبوت کے جاری کرنے کی خبر نہیں دی گئی اور

نہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین اور نہ مابعد زمانہ میں مرزا کے علاوہ کسی کا یہ عقیدہ رہا ہے۔ ایسی صورت میں محض قیاس آرائی اور نو تراشیدہ تاویلات سے اجراء نبوت کا عقیدہ پیدا کرنا کسی قدر عقل اور دین سے محرومی کی دلیل ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ھٰذِہِ الشَّقَاوَۃِ.

ختم نبوت اور اجماعِ امت

ابن خلدون لکھتے ہیں کہ اس امت میں پہلا اجماع دعویٰ نبوت کی وجہ سے مسیلمہ کذاب کے کفر و قتل پر ہوا اور اس کی دیگر برائیاں صحابہ کو اس کے قتل کے بعد معلوم ہوئیں اور اسی طرح کا اجماع بلا فصل قرنا بعد قرن مدعی نبوت کے کفر و ارتداد اور قتل پر جاری رہا اور تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کی کوئی تفصیل نہیں پوچھی گئی۔ خاتم النبیین للشیخ الانور ص ۳۳ و ص ۳۴ علامہ قاری شرح فقہ اکبر مجتبائی ص ۲۰۲ میں لکھتے ہیں۔ دَعوی النُّبُوَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّنَا کُفْرٌ بِالْاَجْمَاعِ. اسی طرح عام کتب تفسیر و شروح حدیث اور کتب کلام میں اجماع مدعی نبوت کے کفر پر اجماعِ امت کی تصریح کی گئی ہے۔

ختم نبوت اور درایت

اللہ کے سوا ہر چیز کے لیے ابتداء اور انتہا ہوتی ہے۔ نبوت کے لیے بھی ابتداء اور انتہا کا ہونا ضروری ہے۔ انسانی زندگی کا ابتدائی زمانہ طفولیت کا تھا بتدریج انسانی عقل میں ترقی ہوتی گئی تو جس طرح عہد طفولیت کا لباس طفل کی بدنی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے اسی طرح عقل و شعور انسانی کی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی لباس یعنی شریعت کا بدل جانا بھی ضروری تھا۔ اس لیے مختلف نبوتیں اور شریعتیں آتی رہیں۔ حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کے زمانے تک عقل و شعورِ انسانی کی نشوونما مکمل ہوئی تو ضرورت تھی کہ اس وقت انسان کو کامل شریعت اور نبوت کی نعمت عطاء کی جاتی جس کا قرآن نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا اعلان کر کے شریعت کاملہ کی عطا کردگی کا اعلان کیا اور اِنَّا نَحْنُ نزلنا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ میں حفاظت دین و شریعت کا بھی اعلان ہوا تاکہ مستقبل میں نوع انسانی کسی جدید نبی کی آمد سے بے نیاز ہو کر اس کے انتظار میں نہ رہے کہ نبی کے آنے کا مقصد یا تکمیل دین ہے یا حفاظت دین وہ دونوں مکمل ہو چکے۔ باقی تبلیغ، تو یہ امت اور علماء کا کام ہے جس کے لیے نبی کی ضرورت نہیں جیسے قرآن میں ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (ال عمران ۱۲) اور وَلْتَکُنْ منکم اُمَّۃٌ یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ

عَنِ الْمُنْکَرِ (ال عمران ۱۰۴) اور یہی فریضہ تبلیغ امت نے۔ صرف شیخ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ نے بقول ڈاکٹر اسمتھ نوے لاکھ ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ (ملاحظہ ہو نقش حیات) اور تاریخ اسلام بھی اس کی شاہد ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے وصال کے بعد تقریباً لاکھ سوا لاکھ مسلمان چھوڑے۔ لیکن آج ستر کروڑ مسلمان ہیں جو امت کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ یہ کس قدر نامعقول امر ہے کہ امت کی کوششوں سے جو ستر کروڑ مسلمان پیدا ہوئے ہیں، اس کے بعد ایک ایسے نبی کی آمد ضروری ہے جو ان ستر کروڑ مسلمانوں کی تکفیر کر کے صرف اپنے چند مریدوں میں اسلام کی وسعت کو منحصر کر دے گویا اس کی آمد کفار کو مسلمان بنانے کے بجائے مسلمانوں کو کافر بنانے کے لیے تھی۔

مرزائی وساوس کا جواب

نبوت جیسا بنیادی مسئلہ جو کفر و ایمان کے درمیان ایک حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے، مرزائیوں نے جب اجراء نبوت کو قرآن، احادیث، اجماع امت، صحابہ، تابعین، فقہاء، متکلمین، محدثین کے خلاف پایا تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے تحت چند مصنفین کی مبہم عبارات کا سہارا لینا شروع کیا۔ اگرچہ دوسری جگہ ان حضرات کی صریح عبارات نے قادیانی استدلال کا بھانڈا پھوڑ دیا تاہم مرتا کیا نہ کرتا کے تحت جو کچھ اسی قسم کے دلائل یا وساوس ان کے ہیں ہم ان کا جواب بھی دینا چاہتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ پر مرزائی افتراء

مرزائی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے۔ **قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ.** یہ درمنثور تحت آیت خاتم النبیین اور (تکملہ مجمع البحار ج ۵۵ ص ۵۰۲ صرف زبی) پر ہے۔ یہاں تلبیس کر کے باقی عبارت کو انھوں نے کاٹ دیا۔ یہ لفظ صدیقہؓ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا۔ **اَصْلُهَا فِيْ حَدِيْثِ عِيْسٰى اَنَّهٗ يَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيُكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَزِيْدُ فِي الْحَلَالِ اَيْ يَزِيْدُ فِيْ حَلَالِ نَفْسِهٖ بِاَنْ يَتَزَوَّجَ وَيُوْلَدَ لَهٗ وَكَانَ لَمْ يَتَزَوَّجْ قَبْلَ رَفْعِهٖ اِلَى السَّمَاءِ فَزَادَ فِي الْهُبُوْطِ فِي الْحَلَالِ فَحِيْنَئِذٍ يُؤْمِنُ كُلُّ اَحَدٍ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَيَتَيَقَّنُ اَنَّهٗ بَشَرٌ وَّ عَنْ عَائِشَةَ قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ.** (وھذا ناظرائی نزول عیسیٰ علیہ السلام) اس پوری عبارت سے معلوم ہوا کہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان پر اٹھائے جانے سے قبل نکاح نہیں کیا تھا۔ آسمان سے اترنے کے بعد نکاح کریں گے اور

اولاد بھی ہوگی۔ یہی حلال میں اضافہ ہے۔ خنزیر خوری اور صلیب پرستی کا خاتمہ کریں گے، اور سب اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے اس لیے حضور علیہ السلام کو خاتم الانبیاء کہو، لیکن لا نبی بعدہٗ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے انکار کی بنیاد پر نہ کہو۔ آپ کا مقصد لا نبی بعدہٗ کی نفی سے فقط یہ ہے کہ اس لفظ کو نزول عیسیٰ کی نفی کے معنی میں استعمال کر کے مت کہو، باقی جدید نبوت کی نفی میں حضرت صدیقہؓ خود نفی کی قائلہ ہیں کہ مسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۹ میں آپ نے حضور ﷺ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ لَا یَبْقٰی بَعْدِیْ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَات وَای الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ. نیز روایت عائشہؓ منقطع الاسناد بھی ہے۔

حضرت علیؓ پر افتراء

کہ آپ نے ابوعبدالرحمان السلمی استاذ حسنین کو کہا کہ ان کو خاتم بالفتح پڑھاؤ۔ جواب ظاہر ہے کہ آپ کے ہاں یہی قرأت راجح تھی اور ہم نے مدلل بیان کیا ہے کہ معنی کے لحاظ سے قرأت فتح و کسرہ میں فرق نہیں۔ خود حضرت علی بندش نبوت کی حدیث کے راوی ہیں۔ بخاری و مسلم میں اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِی.

شیخ اکبر پر افتراء

شیخ اکبر نے ولی کے لیے نبوت ثابت کی ہے۔ الجواب۔ صوفیہ کی اصطلاح میں نبوت بمعنی لغوی یعنی انبیاء عن الغیب مطلقا وحیا او الہاما مراد ہے۔ وحی کو وہ شرع اور الہام کو غیر شرع کہتے ہیں ورنہ شیخ نبوت شرعی کے دروازہ کو بند تسلیم کرتے ہیں۔ شیخ فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۳۷۶ باب ۱۸۸ میں لکھتے ہیں۔ اِنَّ الرُّؤْیَا جُزْءٌ مِنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّۃِ فَقَدْ بَقِیَ لِلنَّاسِ مِنَ النُّبُوَّۃِ ھٰذَا وَغَیْرُہٗ وَمَعَ ھٰذَا لَا یُطْلَقَ اِسْم النُّبُوَّۃِ وَلَا النبی اِلَّا عَلَی الْمُشْرِعِ (اَیْ صَاحِبِ الْوَحِیْ) خَاصَۃً اور ص ۷۵ باب ۴۶۲ میں لکھتے ہیں۔ وختم بمحمدٍ جمیع الرسل علیھم السلام و ختم بشرعیہ جمیع الشرائع. ونقل عنہ فی الیواقیت ج ۲ ص ۳۷ طبع مع ھذا باب اغلق بعد موت محمد فلا یفتح لاحد الی یوم القیامۃ لکن بقی للاولیا وحی الالھام الذی تشریع فیہ.

امام راغب پر افتراء

بحر المحیط ج ۳ ص ۲۸۷ پر امام راغب کی طرف منسوب ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ارباب اطاعت میں نبی نبیوں کے ساتھ شامل ہوں گے۔ مراد انبیاء سابقین ہیں کیونکہ امام موصوف نے ختم نبوت کی تصریح کی ہے چنانچہ معنی ختم نبوت کے تحت لکھتے ہیں۔ اَنَّہٗ خَاتِمُ النَّبِیِّیْنَ لِاَنَّہٗ خَتَمَ النُّبُوَّۃَ اَیْ تَمَّمھا بمجیہ.

جلال الدین رومیؒ پر افتراء

فکر کن در راہ نیکو خدمتے
تا نبوت یابی اندر امتے

اس سے مقصود وہ قربِ الٰہی ہے جو فیضِ نبوت سے حاصل ہوتا ہے۔ خود نبوت مراد نہیں کیونکہ رومی خود ختم نبوت کے قائل ہیں دفتر پنجم میں ہے۔

یارسول اللہ رسالت را تمام
تو نمودی ہمچو شمس بے غمام

دفتر چہارم میں ہے۔

ایں ہمہ افکار کفران زاد شان
چوں در آمد سید آخر زمان

علامہ قاریؒ پر افتراء

موضوعات کبیر ص ۱۰۰ طبع اصح المطابع کراچی میں حدیث لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ نبيا قُلْتُ مَعَ هٰذَا لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ وَصَارَ نَبِيًّا وَكَذَا لَوْصَارَ عُمَرُ نَبِيًّا لَكَانَ مِنْ اَتْبَاعِهِ عَلَيْهِ السَّلَام كَعِيْسٰى وَخِضَرِ وَاِلْيَاسَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلَهُ وَخَاتَمَ النَّبِيّيْنَ اِذِ الْمَعْنٰى لَوْيَاتِيْ نَبِيٌّ بَعْدَهٗ ينسخ مِلَّتَهٗ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ. اس کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم اور عمر کی نبوت اگر ہوتی تو عہد نبوت میں ہوتی نہ بعد زمانے میں اور عیسٰی، خضر و الیاس علیہم السلام اگر آئیں تو وہ پرانے ہیں نئے نہیں لہٰذا وہ بحیثیت امتی آئیں گے۔ خود علامہ قاریؒ نے شرح شمائل باب اوّل ص ۳۳ میں یہی فرمایا ہے۔ اَنَّهٗ خَتَمَ هُمْ اَیْ جَاءَ آخِرَهُمْ فَلَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ اَیْ لَا يُنَبَّاءُ اَحَدٌ بَعْدُ فَلَا يُنَافِيْ نُزُوْلَ عِيْسٰى مُتَابِعًا لِشَرِيْعَتِهٖ مُسْتَمِدًّا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّةِ وَقَالَ فِي الْمِرْقَاتِ (ج ۵ ص ۳۷۶) اَلْمُقْفِيْ امن قَفَا اَثَرَهٗ اِذَا تَبِعَهٗ يَعْنِيْ اَنَّهٗ آخِرُ الْاَنْبِيَاءِ الاتِي عَلٰى آخِرِهِمْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ وَقَالَ فِيْ شَرْحِ الْفِقْهِ الْاَكْبَرِ (الجتبائی ص ۲۰۲) وَدَعْوَى النُّبُوَّةِ بَعْدَ نَبِيِّنَا كُفْرٌ بِالْاِجْمَاعِ. نیز لَوْعَاشَ اِبْرَاهِيْمُ صَدِّيْقًا نَبِيًّا ابن ماجہ کی روایت ہے اس میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان ساقط راوی ہے (تہذیب التہذیب) صحیح حدیث بخاری ج ۲ ص ۹۱۴ باب ومن سمی باسماء الانبیاء کی یہ ہے۔ لوقضى اَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ نَبِی عَاشَ ابنه وَلٰكِن لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ.

امام ربانی مجدد الفؒ ثانی پر افتراء

امام ربانیؒ کے مکتوبات ج ۱ مکتوب ۲۷۱ میں حصول کمالات نبوت مرتابعان را

بطریق تبعیت و وراثت بعد از بعثت خاتم الرسل علیہ و علی جمیع الانبیاء والرسل الصلوٰۃ والتحیات منافی خاتمیت اونیست فلاتکن من الممترین۔ اس عبارت سے مرزائیوں نے امام ربانی کی طرف اجراء نبوت کو منسوب کیا حالانکہ آپ کا مقصد حصول کمالات بعض اجزاء نبوت ہے اور بعض کا حصول کل کے حصول کو مستلزم نہیں۔ امام موصوف خود دفتر دوم ص ۱۸۰ حصہ ہفتم مکتوب نمبر ۶۷ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی میں عقائد اہل السنّت کے متعلق لکھتے ہیں۔ و خاتم الانبیاء و محمد رسول است...... و عیسیٰ علیہ السلام کہ نزول خواہد نمود عمل بشریعت او خواہد کرد و بعنوان امت او خواہد بود اور دفتر سوم حصہ ہشتم ص ۳۰۵ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی میں لکھتے ہیں۔ اوّل انبیاء آدم علیہ السلام و آخر ایشاں خاتم نبوت شان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ است و عیسیٰ علیہ السلام کہ از اسمان نزول خواہد فرمود متابعت شریعت خاتم الرسل خواہد نمود۔ یہ تمام بیان مرزائیت کے خلاف ہے ختم نبوت کے علاوہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول من السماء مذکور ہے اور مجدد کے متعلق مرزا شہادت القرآن پر لکھتے ہیں۔ ''یہ کہنا کہ مجدد پر ایمان لانا فرض نہیں انحراف ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے۔ وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذَالِکَ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ.''

شاہ ولیؒ اللہ پر افتراء

تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص ۷۲ تفہیم نمبر ۵۵ مطبوعہ مجلس علمی ڈھابیل پر شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ختم به النبیون ای لا یوجد من یامره الله سبحانه با التشریع علی الناس جس سے مرزائیوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ حضور علیہ السلام کے بعد صرف شرعی نبوت بند ہے۔ حالانکہ اس کی تشریح خود شاہؒ صاحب نے تفہیمات ج ۲ ص ۱۳۷ میں کی ہے۔ فرماتے ہیں، وَصَارَ خَاتِمَ هٰذِهِ الدَّوْرَةِ فذالک لا یُمْکِنُ اَنْ یُّوْجَدَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ اور پھر ج ا تفہیم ۶۵ ص ۱۴۷ مطبوعہ ڈھابیل میں فرماتے ہیں مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمُ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ وَ دَعْوَتُهٗ عَامَةٌ لِجَمِیْعُ الْاِنْسَ وَالْجِنُّ وَهُوَ اَفْضَلُ الْاَنْبِیَاءِ بِهٰذِهِ الْخَاصَةِ وَ بِخَوَاصَ اُخْرٰی وَقَالَ فِی (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۱۲ مبحث فی الفتن مطبوعہ نور محمد کراچی) فِی حَدِیْثِ بِدءِ هٰذَا الْاَمْرِ نُبُوَّةٌ اَقُوْلُ فَالنُّبُوَّةُ اِنْقَضَتْ بِوَفَاةِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَالْخِلَافَةُ لَا سَیْفَ فِیْهَا بِمَقْتَلِ عُثْمَانَ وَالْخِلَافَةُ بِشَهَادَةِ عَلِیٍّ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ وخلع الْحَسَنُ اور فارسی ترجمہ میں لکھتے ہیں آیت خاتم النبیین کے متعلق نیست محمد ﷺ پدر ہیچ کس از مردمان شما ولیکن پیغمبر خدا و مہر پیغمبران یعنے بعد از وے ہیچ پیغمبر نباشد۔

مولانا محمد قاسمؒ پر افتراء

ان کی طرف ختم زمانی کا انکار منسوب کیا گیا حالانکہ آپ فرماتے ہیں۔ ’’اگر اطلاق اور عموم ہے تو خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبوی ﷺ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی الا انه لاَ نَبِیَّ بَعْدَهٗ. جو بطرز مذکور لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے، اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچا۔ پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہے گو الفاظ لاَ نَبِیَّ بَعْدِیْ بسند تواتر منقول نہ ہو۔ پس یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی ایسا ہوگا جیسے تواتر عدد رکعات فرائض وغیرہ۔ جیسے اس کا منکر کافر ہے ویسا اس کا (لانبی بعدی) منکر بھی کافر ہے۔‘‘ (تحذیر الناس ۱۳، ۱۲ ص دارالاشاعت کراچی) مناظر عجیبہ ص ۳۹ مطبوعہ سہارن پور میں لکھتے ہیں۔ ’’خاتمیت زمانی اپنا دین ایمان ہے، ناحق کی تہمت کا البتہ کوئی علاج نہیں۔‘‘

مولانا عبدالحیؒ پر افتراء

مولانا موصوف نے دافع الوساس فی اثر ابن عباسؓ ص ۳۹ پر لکھا ہے علماء اہل السنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہوسکتا جو نبی آپ کا ہم عصر ہوگا وہ متبع شریعت محمدیہ ہوگا پس بتقدیر بعثت محمدیہ عام ہے‘‘ حالانکہ یہ مضمون زمین کے دیگر طبقات اور ان کے انبیاء کے متعلق ہے جس کی وضاحت زجر الناس ص ۸۴ پر آپ نے کی ہے۔ خَتْمُ نَبِیِّنَا حَقِیْقِیٌّ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی اَنْبِیَاءِ جَمِیْعِ الطَّبَقَاتِ بِمَعْنٰی اَنَّهٗ لَمْ یُعْطَی النُّبُوَّةُ لِاَحَدٍ فِی طَبْقَةِ اور مجموع الفتاویٰ ج ۱ ص ۹۹ میں مولانا موصوف لکھتے ہیں۔ قَالَ اَبُوْ شَکُوْرَ فِی التَّمْهِیْدِ اِعْلَمْ اَنَّ الْوَاجِبَ عَلٰی کُلِّ عَاقِلٍ اَنْ یَّعْتَقِدَ اَنَّ مُحَمَّدًا کَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالْاٰنَ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَکَانَ خَاتِمَ الْاَنْبِیَاءِ وَلاَ یَجُوْزُ بَعْدَهٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَحَدٌ نَبِیًّا وَمَنْ اَدَّعٰی النُّبُوَّةِ فِی زَمَانِنَا یَکُوْنُ کَافِرًا. ان تصریحات سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ ختم نبوت کے منکر تھے؟

ختم نبوت علامہ اقبال کی نظر میں

قادیانیت یہودی مذہب کا چربہ ہے

’’میرے نزدیک بہائیت قادیانیت سے زیادہ مخلص ہے کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے لیکن موخر الذکر (قادیانیت) اسلام کے چند نہایت اہم اصولوں کو ظاہری طور پر قائم رکھتی ہے لیکن باطنی طور پر اسلام کی روح اور مقاصد کے لیے مہلک

ہے۔ اس کا (قادیانی فرقے) حاسد خدا کا تصور کہ جس کے پاس دشمنوں کے لیے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں ہوں اس کا (قادیانی فرقہ کا) نبی کے متعلق نجومی کا تخیل اور اس کا روح مسیح کے تسلسل کا عقیدہ وغیرہ یہ تمام چیزیں اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہیں گویا یہ تحریک یہودیت کی طرف رجوع ہے۔"

(حرف اقبال ص ۱۲۳ مرتبہ لطیف احمد شیروانی مطبوعہ المنار اکادمی لاہور)

۲۔ "اسلامی ایران میں موبدانہ اثر کے ماتحت ملحدانہ تحریکیں اٹھیں اور انھوں نے بروز، حلول، ظل وغیرہ اصطلاحات وضع کیں تاکہ تناسخ کو اس تصور میں چھپا سکیں۔ ان اصطلاحات کا وضع کرنا اس لیے لازم تھا کہ وہ مسلم کے قلوب کو ناگوار نہ گزریں۔ حتیٰ کہ مسیح موعود کی اصطلاح بھی اسلامی نہیں بلکہ اجنبی ہے اور اس کا آغاز بھی اسی موبدانہ تصور میں ملتا ہے۔ یہ اصطلاح ہمیں اسلام کے دور اوّل کی تاریخی اور مذہبی ادب میں نہیں ملتی۔" (حرف اقبال ص ۱۲۳، ص ۱۲۴)

۳۔ قادیانی گروہ اسلامی وحدت کا دشمن ہے

"مسلمان ان تحریکوں کے معاملہ میں زیادہ حساس ہیں جو ان کی وحدت کے لیے خطرناک ہے۔ چنانچہ ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بناء نئی نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لیے ایک خطرہ تصور کرے گا اور یہ اس لیے کہ اسلامی وحدت ختم نبوت سے استوار ہوتی ہے۔" (حرفِ اقبال ص ۱۲۲) مرزا محمود خلیفہ قادیان دوم آئینہ صداقت ص ۳۵ پر لکھتے ہیں۔ "کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں خواہ انھوں نے مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔"

۴۔ میں اس باب میں کوئی شک اور شبہ نہیں رکھتا کہ یہ احمدی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں۔ (خط اقبال بنام جواہر لال مندرجہ بنام "کچھ پرانے خطوط" حصہ اوّل ص ۲۹۳ مرتبہ جواہر لال مطبوعہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی انڈیا)

۵۔ میری رائے میں قادیانیوں کے لیے صرف دو راہیں ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں یا پھر ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو اس کے پورے مفہوم کے ساتھ قبول کریں۔ ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقہ اسلام میں ہوتا کہ ان کو سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔" (حرفِ اقبال ص ۱۳۷)

۶۔ "میری رائے میں حکومت کے لیے بہترین طریق کار یہ ہوگا کہ وہ

قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرے یہ قادیانیوں کی پالیسی کے عین مطابق ہوگا اور مسلمان ان سے رواداری سے کام لے گا جیسے وہ باقی مذاہب کے معاملہ میں اختیار کرتا ہے" (حرفِ اقبال ص ۱۲۸، ۱۲۹) یہ قادیانیوں کی پالیسی کے مطابق اس لیے ہے کہ مرزا بشیر الدین خلیفہ دوم کا خطبہ مندرجہ الفضل میں ہے۔ میں "مسیح موعود (مرزا) نے فرمایا۔ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور، ان کا خدا اور ہے ہمارا خدا اور، ہمارا حج اور ہے ان کا حج اور، اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے۔"

(الفضل قادیان ۲۱ اگست ۱۹۱۷ص ۸ ج ۵ نمبر ۱۵)

۷۔ علامہ اقبال کا انگریزی حکومت کو مشورہ۔ نئے دستور میں اقلیتوں کے تحفظ کا خیال رکھا گیا ہے۔ "میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے..... حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبہ کا انتظار نہ کیا۔ اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبہ کا کیوں انتظار کر رہی ہے۔" (حرفِ اقبال ص ۱۳۸) مزید علامہ لکھتے ہیں "مسلمانوں کی نماز میں قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ دنیائے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے کہیں اس سے دور ہیں جتنے سکھ ہندوؤں سے کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے..... پھر جب قادیانی مذہبی معاشرتی معاملات میں علیحدگی اختیار کرتے ہیں۔ پھر وہ سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل رہنے کے لیے کیوں مضطرب ہیں۔ (حرفِ اقبال ص ۱۳۷، ۱۳۸)

۸۔ پابندی باغی جماعت پر لگانی چاہیے۔ علامہ اقبال انگریزی حکومت کو لکھتے ہیں۔ "اگر کسی قوم کی وحدت خطرے میں ہو تو اس کے لیے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ وہ معاندانہ قوتوں کے خلاف مدافعت کرے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدافعت کا کیا طریقہ ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ اصل جماعت کو رواداری کی تلقین کی جائے حالانکہ اس کی وحدت خطرہ میں ہو اور باغی گروہ کو تبلیغ کی پوری اجازت ہو۔ اگرچہ وہ تبلیغ جھوٹ اور دشنام سے لبریز ہو۔ (حرفِ اقبال ص ۱۲۶) میں کہتا ہوں کہ مرزا کی یہ ایک گالی کروڑوں گالیوں سے زیادہ ہے۔ وہ آئینہ کمالات ص ۵۴۸ میں لکھتے ہیں۔ جو لوگ مجھے نہیں مانتے اور میرے دعویٰ پر ایمان اور تصدیق نہیں رکھتے وہ سب زنا کی اولاد ہے۔

مسئلہ حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

حضرت مولانا سید شمس الحق افغانیؒ

حیات عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کو اٹھایا جانا اور اس وقت زندہ ہونا اور آخری زمانے میں زمین پر نزول فرمایا اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ تقریباً چودہ سو سال سے لے کر اب تک اسلام کے تمام فرقے اسی پر متفق چلے آتے ہیں اور اسلامی فرقوں میں اس عقیدے کے متعلق کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا حالانکہ دیگر بیسیوں اعتقادی مسائل میں اختلاف موجود رہا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کو اس قدر واضح اور صاف کیا گیا ہے کہ جس کو اسلام کے ساتھ معمولی تعلق بھی ہو وہ اس مسئلہ میں اختلاف کا روادار نہیں اور اسلام اور مسئلہ حیات ونزول مسیح علیہ السلام کو لازم وملزوم سمجھتے رہے ہیں اور یہ کہ تسلیم اسلام کے ساتھ اس مسئلہ کا انکار قطعاً جمع نہیں ہوسکتا۔ تفسیر بحرالمحیط ج ۲ ص ۴۷۳ میں امام ابن عطیۃ سے اجماع کے الفاظ منقول ہیں۔

حَیَاتُ الْمَسِیْحُ بِجِسْمِہٖ اِلَی الْیَوْمِ وَنُزُوْلُہٗ مِنَ السَّمَاءِ بِجِسْمِہٖ الْعُنْصُرِیِّ مِمَّا اَجْمَعَ عَلَیْہِ الْاُمَّۃُ وَتَوَاتَرَ بِہِ الاحادیث.

حضرت مسیح علیہ السلام کا جسم کے ساتھ اس وقت تک زندہ ہونا اور جسم عنصری کے ساتھ آسمان سے اتر کر آنا ایسا عقیدہ ہے جس پر پوری امتہ کا اتفاق ہے اور پیغمبر ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

تفسیر جامع البیان میں اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ کے تحت تفسیر وجیز سے نقل کیا گیا ہے۔

وَالْاَجْمَاعُ عَلٰی اَنَّہٗ حَیٌّ فِی السَّمَاءِ یَنْزِلُ یَقْتُلُ الدَّجَّالَ وَیُؤَیِّدُ الدِّیْنَ.

اس پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں، اتریں گے، دجال کو قتل کریں گے اور دین اسلام کو مضبوط کریں گے۔

اسی طرح امام شوکانی کے رسالہ التَوْضِیْح فِیْمَا تَوَاتَرَ فِی الْمُنْتَظَرِ وَالدَّجَالِ

وَالْمَسِیحِ اور امام سیوطی کے اَلْاَعْلَامِ بِحُکْمِ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامِ میں تواتر اور اجماع مذکور ہے۔ صحیح الکرامتہ ص ۲۳۴ میں امام شوکانی کی انتیس احادیث دوبارہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بعد تواتر اور اجماع کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے تلخیص الجیر کتاب الطلاق میں لکھا ہے۔ اَلْاِجْمَاعُ عَلٰی اَنَّہٗ رُفِعَ بِبَدَنِہٖ حَیًا کہ اس پر اجماع ہے کہ وہ بدن کے ساتھ زندہ اٹھائے گئے ہیں۔ اسی طرح فتح الباری میں ذکر ادریسؑ کے سلسلہ میں حضرت مسیحؑ کے نزول پر اجماع منقول ہے۔ اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں تواتر نزول کی صراحت کی گئی ہے۔ اسی طرح۔

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے براہین احمدیہ ص ۴۹۸ خزائن ج ۱ ص ۵۹۳ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ ہونے اور دوبارہ آنے کی تصریح کی ہے "اور یہ کتاب اس کے اقرار کے مطابق اس وقت لکھی گئی تھی کہ وہ بزعم خود نبی تھا۔"

(دیکھو ایام الصلح ص ۵۷ خزائن ج ۱۴ ص ۳۰۹)

۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی براہین احمدیہ حاشیہ ص ۵۰۵ خزائن ج ۱ ص ۶۰۲۔۶۰۱ میں وان عدتم عدنا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "اس میں مسیح کے جلالی اور ظاہر ہونے کا اشارہ ہے۔ اگر نرمی قبول نہ کرو گے تو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب مسیح علیہ السلام جلالت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے اور جلالِ الٰہی گمراہی کو نیست و نابود کر دے گا۔ میرا زمانہ اس زمانہ کے لیے بطور ارہاص واقعہ ہوا ہے۔"

۳۔ مرزا غلام احمد قادیانی ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ کی تفسیر براہین ص ۴۹۹ خزائن ج ۱ ص ۵۹۳ میں یوں ذکر کرتے ہیں کہ "جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا۔"

۴۔ ازالہ اوہام ص ۲۲۵ خزائن ج ۳ ص ۲۱۳ پر مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے عمر کو قتل سے منع کیا، اور فرمایا اگر یہی دجال ہے تو اس کا صاحب عیسیٰ بن مریم ہے جو اس کو قتل کرے گا ہم اسے قتل نہیں کر سکتے۔"

حیات و نزولِ مسیح کے مسئلہ پر ہم مختصراً قرآنی، حدیثی، تاریخی اور عقلی حیثیت سے روشنی ڈالیں گے۔ اجماعی حیثیت سے ہم نے مسئلہ پر روشنی ڈال دی ہے۔

حیاتِ مسیح علیہ السلام قرآنی روشنی میں

۱. وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ط (آل عمران آیۃ ۵۴) یہود

نے حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف تدبیر کی اور اللہ نے ان کو بچانے کی تدبیر کی۔ اللہ کی تدبیر سب تدبیر کرنے والوں کی تدبیر سے بہتر ہے۔ مرزا قادیانی نے اس آیۃ کا مطلب یہ بیان کیا۔ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے قتل وصلیب کا حیلہ سوچا تھا خدا نے مسیح کو وعدہ دیا اور کہا کہ تیرا اپنی طرف رفع کروں گا۔ (اربعین جلد۳ ص ۱۰) پھر آئینہ کمالات ص ۴۰ وص ۴۶ میں لکھتے ہیں کہ وعدے کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ وہ وعدہ جلد پورا ہونے والا ہے۔ پھر مرزا قادیانی ازالہ اوہام ص ۳۸۰ میں لکھتے ہیں کہ پھر بعد اس کے ان کے (یہود) کے حوالے کیا گیا۔ تازیانے لگائے گئے۔ گالیاں سننا طمانچے کھانا، ہنسی اور ٹھٹھے میں اڑائے جانا اس نے دیکھا۔ آخر صلیب پر چڑھا دیا۔ آیت مذکورہ کی مرزائی تفسیر نہ صرف یہ کہ بے دلیل اور تحریف ہے خود ایک عظیم بہتان اور ذاتِ خداوندی کی شان کے بھی خلاف ہے۔ بقول مرزا یہود نے حضرت مسیح کے خلاف تدبیر کی اور اللہ نے بچانے کی۔ پھر یہود نے اس کو تازیانے بھی لگائے، گالیاں بھی دیں، ٹھٹھا اور تمسخر بھی اڑایا، سولی پر بھی چڑھایا پھر بھی قرآن نے یہ کہا کہ اللہ خیر الماکرین ہے اور اس کی تدبیر بہتر و کامیاب رہی۔ اگر مرزائی تحریف کے اس خود ساختہ شوشے کو بھی مان لیا جائے کہ سولی پر اتارنے سے یہود نے اس کو مردہ سمجھا لیکن اس کی آخری رمق باقی تھی اور علاج سے اچھے ہوئے۔ پھر کشمیر جا کر بہت مدت کے بعد طبعی موت سے مر گئے، تو بھی موت کے وقوع کی راہ میں یہود کی غلط فہمی آڑے آ گئی۔ نہ کوئی خرقِ عادت کارنامہ آیت مذکورہ کی روح اللہ کی حفاظتی تدبیر کا یہودی تدبیر سے موازنہ کر کے اللہ کی تدبیر کی پوری کامیابی اور عظمت کا بیان کرنا مقصود ہے لیکن مرزا کی تفسیر کے تحت اس وعدہ الٰہی کے باوجود یہود نا مسعود حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہ سب کچھ کر چکے لیکن پھر بھی بقول مرزا تدبیر اور وعدہ الٰہی بلند اور کامیاب رہا۔ اس طرح مرزا نے حضرت مسیح اور خدائے قرآن دونوں کی یہود کے مقابلے میں توہین اور تذلیل کی۔ اگر دماغ میں کجی اور الحاد نہ ہو تو آیت کا مطلب صاف ہے کہ یہود نے حضرت مسیح کے خلاف تدبیر کی کہ ان کو بے عزت کر کے سولی پر چڑھا دیا جائے لیکن اللہ کی تدبیر بچانے کی تھی لہٰذا اللہ کی تدبیر غالب رہی کہ اللہ نے اس کو آسمان پر اٹھا لیا اور یہود اس کا بال تک بیکا نہ کر سکے۔ تقریباً چودہ سو سال سے قرآنی علوم کے ماہرین صحابہ و تابعین وغیرہ نے یہی مطلب سمجھا لیکن چودھویں صدی میں مسیحیت کی دوکان جمانے والے نے یہ نامعقول مطلب تراشا۔

۲. اِذْ قَالَ اللّٰهُ يَاعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ط (ال عمران ۵۵)

جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں لے لوں گا تجھ کو اور اٹھا لوں گا تجھ کو اپنی طرف اور پاک کر دوں گا تجھ کو کافروں سے اور رکھوں گا ان کو جو تیرے تابع ہیں غالب ان لوگوں سے جو انکار کرتے ہیں قیامت کے دن تک پھر میری طرف تم سب کو آنا ہے پھر میں فیصلہ کر دوں گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔

توفی کے متعلق کلیات ابی البقاء میں ہے۔

اَلتَّوَفِّيْ الْاِمَامَةُ وَ قَبْضُ الرُّوْحِ وَعَلَيْهِ اسْتِعْمَالُ الْعَامَةِ وَالْاِسْتِيْفَاءُ وَاَخْذُ الْحَقِّ وَ عَلَيْهِ اسْتِعْمَالُ الْبُلَغَاءِ. یعنی توفی کا لفظ عوام کے ہاں موت دینے اور جان لینے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن بلغاء کے نزدیک اس کے معنی پورا وصال کرنا اور ٹھیک لینا ہے۔

گویا ان کے نزدیک موت پر توفی کا اطلاق اس حیثیت سے ہے کہ اس میں کسی خاص عضو سے نہیں بلکہ پورے بدن سے جان لی جاتی ہے تو اگر خدا نے کسی کی جان بدن سمیت لی تو اس پر توفی کا اطلاق بطریق اولیٰ ہوگا اور روح مع البدن لینا توفی کے مفہوم میں داخل ہے۔ عام طور پر چونکہ روح بدن کے بغیر لی جاتی ہے اس لیے موت پر توفی کا اطلاق کثرت سے آیا اور یہاں یہ راز ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی حالت چونکہ عام حالات سے مختلف تھی اس لیے اہم ترین ضرورت کے موقع پر بھی اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق موت کا اطلاق نہیں کیا بلکہ توفی کا کیا جو قبض روح اور قبض روح مع البدن دونوں کو شامل ہے۔ یہ غلط ہے کہ فاعل اگر خدا ہو اور مفعول ذی روح ہو، تو توفی موت کے معنی میں ہوگا۔ بالفرض اگر موت کے معنی میں ہو تو ضحاک شاگرد ابن عباس نے معالم میں تقدم و تاخیر کا قول نقل کیا ہے۔ یعنی متوفیک، میں تم کو موت دوں گا زمین پر اتارنے کے بعد کی دلیل یہ ہے کہ سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَاط (زمر ۴۲) یہاں فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہے پھر بھی نیند کی حالت کے متعلق فرمایا کہ اللہ جان لیتا ہے موت کے وقت اور وہ جان بھی لیتا ہے جو نیند کی حالت میں مری نہیں۔ یہاں نیند پر توفی کا اطلاق آیا اور توفی کو عدم موت کے ساتھ جمع کیا۔ اس حقیقت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق توفی کے لفظ میں موت کا معنی مراد نہیں بلکہ اٹھا لینے کا معنی مراد ہے اور یہی معنی

ابن عباس کا صحیح قول ہے جو روح المعانی میں مذکور ہے اور مناسب حال عیسیٰ علیہ السلام بھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی محاصرہ کے وقت جو پریشانی لاحق تھی وہ مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے تھی۔

۱۔ کہ میں یہود کی دست برد اور جور و ستم سے بچ جاؤں گا یا نہیں۔ اس کے جواب میں یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ (ال عمران ۵۵) میں تم کو لے لوں گا اور دست برد سے بچا لوں گا جیسے وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَنْکَ (المائدہ ۱۱۰) میں بنی اسرائیل کو تم تک پہنچنے سے روکوں گا۔

۲۔ دوسری یہ تشویش تھی کہ میرا بچانا زمین کے کسی حصہ میں ہوگا کہ ان کو میری طرف پہنچنے نہ دیا جائے گا یا اور کوئی صورت ہوگی۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ میں تجھ کو اپنی طرف آسمان پر اٹھا لوں گا۔

۳۔ اپنی والدہ اور خاندان کے حال سے مشوش تھے کہ وہ ان پر داغ لگاتے تھے۔ اس کے متعلق کیا انتظام ہوگا؟ اس کے متعلق فرمایا۔ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (ال عمران ۵۵) میں منکروں سے تم کو اور تمہاری والدہ کو پاک کر دوں گا۔ چنانچہ اس کا انتظام قرآن اور خاتم الانبیاء علیہ السلام کی زبان سے کیا گیا کہ آپ اور آپ کی والدہ کی زندگی بے داغ ہے۔

۴۔ کہ میرے اٹھائے جانے کے بعد میری امت یا متبعین کا ان منکروں کے مقابلہ میں کیا حال ہوگا تو فرمایا۔ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (ال عمران ۵۵) کہ قیامت تک تیرے تابع تیرے منکروں پر غالب ہوں گے۔ یہ وعدہ آج بھی ایک حقیقت ہے۔ اسرائیل کا وجود اس وعدے پر اثر انداز نہیں کہ خود قرآن نے یہود کی ذلت اور مسکنت میں دو استثنائی صورتیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ یہود اسلام لا کر اسلام کی پناہ میں آ جائیں۔ دوم یہ کہ کسی قوم عیسائی کی پناہ میں آ جائے۔ الا بحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ (ال عمران ۱۱۲) یعنی ذلت اور مسکنت کی دو صورتیں مستثنائی ہیں۔ اسلام لا کر اللہ کی پناہ میں آ جانا یا عیسائی قوم کی پناہ میں آنا۔ اسرائیل برطانیہ، امریکہ اور عیسائی اقوام کی پناہ کی وجہ سے موجود ہے جس کا استثناء خود قرآن نے کیا ہے۔ یہود کی قوت اور اقتدار عیسائیوں کے سہارے قائم ہے لیکن مسلمانوں کا اقتدار عیسائیوں کے سہارے کا محتاج نہیں۔ خواہ امریکہ ہو یا روس۔ بلکہ خود آپس میں متحد ہو کر سامانِ قوت کی فراہمی کا محتاج ہے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا

(ال عمران ۱۰۳) کے تحت نوے کروڑ مسلمان ایک منظم بلاک بن جائے اور **واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ** (انفال ۶۰) کے تحت سامان قوت کی تیاری میں لگ جائے اور اپنی خداداد مشترک دولت اس میں صرف کر دے تو مستقل عزت[1] مسلمانوں کے لیے اب بھی پہلے کی طرح حاصل ہو گی لیکن حبل اللہ اور اسلام پر عمل پیرا ہونے سے مسلمانوں کی قوت ہے نہ کہ اسلام کو چھوڑ کر مغربیت اختیار کرنے اور اسلام میں تحریف کرنے سے وہ قوی ہوں گے۔ یورپ کی قوت بھی تعلیم اسلامی کے اجزاء سے ہے۔ یعنی سامانِ قوت کی تیاری اور قوانین قدرت کا علم حاصل کر کے اس سے استفادہ کرنا۔ ان کے غیر اسلامی اجزاء یعنی ان کے تمدن کو ان کی ترقی میں دخل نہیں بلکہ ان کی وجہ سے مادی ترقی کے باوجود ان کا زوال شروع ہوگیا ہے۔ وہ غیر اسلامی اجزاء خدا اور آخرت فراموشی، انبیاء علیہم السلام کے اخلاقی اقدار کو زندگی سے خارج کرنا، نسل و وطن کے بت کی پرستش کرنا، زنا، جوابازی، لواطت، شراب نوشی، سود، عیاشی جنھوں نے مغربی قوت کے اعصاب کو کمزور کر دیا ہے اس کمزوری کی وجہ سے مغرب کی نمبر ایک طاقت کو ریا اور ویت کانگ کی معمولی بے سرو سامان ریاستوں کے ہاتھوں پٹ رہی ہے اور اب توبہ کرنے پر آمادہ ہے لیکن توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ مغرب زدہ مسلمانوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ ان کے ذہنی انحطاط نے ان کو سامان قوت کے ترک اور سامان زوال کے اپنانے پر آمادہ کیا ہے مسلمانوں کی بڑی قوت اسلام ہے وہ اس میں تحریف کر رہے ہیں اور اسباب زوال میں خطرناک چیز یورپ کی شیطانی تہذیب ہے اس کو وہ اپنا رہے ہیں۔

۳. **وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا o وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ط مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاo بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاo وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ط** (النساء ۱۵۶ تا ۱۵۹)

یہود کے دلوں پر بندش ہدایت کی مہر لگ چکی ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم پر بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم عیسیٰ بن مریم کو جو خدا کے رسول تھے قتل کر ڈالا اور انھوں نے اس کو نہ قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا لیکن شبہ پڑ گیا ان کو اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کرتے تھے وہ شک میں ہیں ان کو علم نہیں صرف اٹکل پچو باتوں پر چلتے ہیں اور انھوں نے یقیناً حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اس کو اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور وہ غالب اور حکمت والا ہے اور اہل کتاب کا کوئی گروہ نہیں مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس کے مرنے سے پہلے ایمان لائے گا اور وہ ان کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔

اس آیت میں چند امور بیان ہوئے ہیں۔

(۱) کہ حضرت عیسیٰ نہ قتل ہوئے نہ سولی پر چڑھائے گئے۔ جو لوگ قتل اور صلب کے قائل ہیں جیسے یہود و نصاریٰ وہ قطعاً غلطی پر ہیں۔ قرآن نے واضح الفاظ میں ان کی تردید کی۔ مرزائیوں یا مرزا کا یہ کہنا کہ سولی پر چڑھائے گئے ہیں لیکن سولی پر مرے نہیں۔ یہ قول بھی یہود و نصاریٰ کی طرح قرآن کے خلاف ہے۔ مَاصَلَبُوْہُ کا یہ معنی تراشنا کہ سولی پر نہیں مرے لغت عرب کے خلاف ہے۔ صلب کے معنی سولی پر چڑھانا اور ماصلب کا معنی سولی پر نہ چڑھانا ہے۔ یہ قطعاً قرآن کی تحریف ہے کہ ماصلبوہ کا یہ معنی لیا جائے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھایا لیکن سولی پر اس کو موت نہیں آئی۔

(۲) آیت میں وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا کے بعد فرمایا بَلْ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ یعنی حضرت عیسیٰ قتل نہیں ہوئے اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھایا۔ ماقتلوہ اور بل رفعہ اللہ میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو راجع ہے اور عیسیٰ نام ہے جسم اور روح دونوں کا یعنی عیسیٰ جو مجموعہ روح و جسم کا ہے اس پر قتل واقع نہیں ہوا بلکہ بجائے قتل کے رفع الی اللہ واقع ہوا۔ یہ ظاہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہاں جس ذات سے قتل کی نفی ہوئی اسی کے لیے رفع کا اثبات ہے اور قتل نہ صرف جسم کا ممکن ہے اور نہ صرف روح کا بلکہ جسم اور روح کے مجموعہ پر قتل واقع ہوسکتا ہے کیونکہ قتل کا مفہوم یہ ہے کہ کسی خارجی موثر کے ذریعہ روح کو جسم سے الگ کیا جائے۔ جب غیر مقتول جسم مع روح ہے تو مرفوع الی اللہ بھی جسم و روح کا مجموعہ ہوگا۔

(۳) اس کے علاوہ جب رفع حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر واقع ہے تو جب تک اس کے خلاف قرینہ نہ ہو تو جسمانی رفع ہی مراد ہوگا جیسے سورۂ یوسف میں وَرَفَعَ اَبَوَیْہِ عَلَی الْعَرْشِ (یوسف ۱۰۰) کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے والدین کو تخت پر اٹھایا جس کا معنی جسم اور روح دونوں کا اٹھانا ہے نہ کہ والدین کی روح کو اٹھانا۔

(۴) اگر روحانی رفع لیا جائے تو یہ چند وجوہات سے غلط ہے۔

ایک وجہ یہ کہ مجاز کو اختیار کرنا ہے بلا قرینہ مثلاً یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُتُوا الْعِلْمَ دَرَجَات (مجادلہ ۱۱) یہاں چونکہ جسمانی رفع مراد نہ تھا دینی رفع مراد تھا

تو بطور قرینہ لفظ درجات لایا گیا۔ اسی طرح وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَات. (زخرف ۳۲) یہاں بھی قرینہ موجود ہے جو لفظ درجات ہے۔

دوسری وجہ روحانی رفع مراد لینے کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھایا۔ اب روحانی رفع مراد لینے میں معنی یہ ہوگا، کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کا مرتبہ بلند کیا جو بالکل تحریف اور غلط ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس واقعہ سے قبل چالیس سال پیغمبر کی حیثیت سے زمین پر رہے اور پیغمبر کے مرتبہ کی بلندی پیغمبر کے وقت سے ان کو حاصل ہوتی ہے تو اس وقت مرتبہ کی بلندی کی تخصیص بے فائدہ ہے اس کے علاوہ عربی زبان میں بَلْ کا استعمال دو مقابل چیزوں میں ہوتا ہے لیکن یہاں اگر رفع سے روحانی رفع اور مرتبہ کی بلندی مرزائی تحریف کے مطابق لی جائے تو مقابلہ فوت ہو جائے گا جس سے بَلْ کا استعمال غلط پڑے گا کیونکہ معنی یہ ہوگا کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب و مقتول نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کا مرتبہ بلند کیا۔ اگر کوئی پیغمبر یا مومن ناحق مقتول و مصلوب ہو جائے تو وہ شہید ہوگا اور شہید کا مرتبہ بلند ہوتا ہے تو اس کا مقابلہ بل رفعہ اللہ کے لیے درست ہوگا جب کہ اس سے بھی مرتبہ کی بلندی اور رفع روحانی مراد ہوگا۔ مرزائی تحریف کا یہ دعویٰ کہ بائبل کی رو سے مصلوب ملعون ہوتا ہے اس لیے ملعونیت کی نفی اور مرتبہ کی بلندی میں مقابلہ صحیح ہوا، یہ بھی جھوٹ اور غلط ہے۔ بائبل میں صاف لکھا ہے کہ جو کسی جرم سے مصلوب ہو وہ ملعون ہے نہ وہ مصلوب جو ناحق سولی دیا گیا ہو بلکہ وہ تو شہید ہوگا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ روحانی رفع اللہ نے ہر نبی کو عطا کیا ہے خصوصاً خاتم الانبیاء کو سب سے بڑھ کر روحانی رفع عطا ہوئی تو اگر یہی معنی مراد ہوتا اور رفع جسمانی آسمانی مراد نہ ہوتا، تو بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے الفاظ ہر نبی کے حق میں مذکور ہوتے خصوصاً خاتم الانبیاء علیہ السلام کے حق میں تو حضرت مسیح علیہ السلام سے رفع کی خصوصیت باقی نہ رہتی۔ خصوصیت صاف بتلا رہی ہے کہ یہ رفع جسمانی جو صرف حضرت مسیح علیہ السلام سے خاص ہے یا جس کو رفع جسمانی ہو چکا ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس رفع کے بعد قرآن میں وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا کے الفاظ آئے ہیں جو اسی انداز میں کسی اور نبی کے بارے میں نہیں آئے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع جسمانی مراد ہے جس میں قدرت و قوت کا بھی ظہور ہے جس پر

لفظ عزیز دلالت کرتا ہے اور حکمت کا بھی ظہور ہے جس پر لفظ حکیما دلالت کرتا ہے جس کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

دوسرا امر جو آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے وہ ہے وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ. (نساء ۱۵۹) جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب کا کوئی فرقہ نہ ہوگا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے بِهٖ اور مَوْتِهٖ دونوں ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ لَيُؤْمِنَنَّ کا لفظ جس میں نون تاکید ثقیلہ ہے جو مضارع کو مستقبل سے مختص کرتا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے مضمون کا تعلق نزول قرآن کے مابعد زمانے سے ہے اور ایسے زمانے سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حصولِ کتاب سے زمینی تعلق قائم ہو جو نزول مسیح کا زمانہ ہے جس سے مسیح کا نزول ثابت ہوا اور بل رفعه الله سے صعود ثابت ہوتا ہے تو پوری آیت رفع و نزول دونوں پر مشتمل ہے یہی وجہ ہے کہ صحیحین کی حدیث بروایت ابی ہریرةؓ نزول مسیح علیہ السلام کی حدیث مرفوع کے بعد ابو ہریرةؓ فرماتے ہیں فاقرؤا ان شئتم وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ جس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ نزول مسیح من السماء کے بعد اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے۔ یہ مسئلہ خالص نقلی ہے، عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ابو ہریرةؓ کا موقف اس میں مرفوع کے حکم میں ہے یعنی حضور علیہ السلام سے ابو ہریرة نے یہ ضرور سن لیا ہو گا کہ تمام کتابیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ان کے آخر کے زمانے میں نازل ہونے اور تشریف لانے کے بعد ضرور ہو گا۔ باقی مَوْتِهٖ کی ضمیر کتابی کو لوٹانا صحیح نہیں۔ ایک تو انتشار ضمائر شان بلاغت کے خلاف ہے دوم مَوْتِهٖ کی قید لغو ہو کر شانَ بلاغت کے خلاف ہو گی کیونکہ معنی یہ ہو گا کہ ہر کتابی اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیگا حالانکہ ایمان تو مرنے سے پہلے لایا جاتا ہے جیسے نماز روزہ کو مرنے سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔ تو جو چیز عقل سے معلوم ہو اس کو بطور قید لانا کہ وہ مرنے سے پہلے ایمان لائیں گے ایسا ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ میں نے روٹی کھائی مرنے سے پہلے، پانی پیا مرنے سے پہلے اور ظاہر ہے کہ یہ غیر بلیغ کلام ہے۔ اگر یہ توجیہ کی جائے کہ حالت نزع میں ایمان لائیں گے تو یہ ایمان غیر معتبر ہے ورنہ فرعون بھی مومن قرار پائے گا تو ایسے غیر معتبر ایمان کا ذکر ہی عبث ہے اس کے علاوہ نزع کی حالت میں تو ہر کافر اپنے نبی پر ایمان لاتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس امر کی تخصیص نہیں رہی۔

۴. وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌo وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ط (الزخرف آیۃ ۶۱، ۶۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہے قیامت میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو یہی سیدھی راہ ہے شیطان تم کو اس بات کے ماننے سے نہ روکے۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی علامت دو وجہ سے ٹھہرایا گیا۔ ایک ان کی بلا باپ پیدائش جو مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی دلیل ہے۔ دوم قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول جو قرب قیامت کی نشانی ہے۔ سیاق و سباق کے مطابق اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہے اور اس کے سوا جو بھی رائے ہو وہ ضعیف ہے۔ (ابن ماجہ ص ۳۰۹ باب فتنۃ الدجال) میں حدیث اسراء کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کا سوال ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے واقع ہونے کا وقت تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جب دجال کا ذکر ہوا تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا میں نازل ہوں گا اور اس کو قتل کروں گا۔ اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر نے آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت سے پہلے ابن عباس، ابی مالک، عوف، مجاہد، قتادہ، سدی ضحاک و ابن زید کی روایات سے نقل کیا ہے جو آپ کے نزول کی دلیل ہے اور آیت مذکورہ میں اسی نزول کے پیش نظر حضرت عیسیٰ کو قیامت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ یہی صحیح معنی ہے۔ اگر بغیر باپ کے پیدائش کی علامت ہوتی تو اس اطلاق کے زیادہ حق دار حضرت آدم علیہ السلام تھے جن کی پیدائش ماں اور باپ دونوں کے بغیر ہوئی لیکن قرآن میں علم للساعۃ کا اطلاق ان پر نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ مراد الٰہی علامت قیامت کا حضرت عیسیٰ کا آسمان سے قرب قیامت میں نزول ہے اور جو اس عقیدے سے روک دے وہ شیطان ہے۔ فَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ تم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کے عقیدے سے شیطان روک نہ دے۔ یعنی اس عقیدے سے روکنے والا قرآن کے اس ارشاد کے مطابق شیطان ہے۔

۵. اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ط (ال عمران ۴۵) (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم علیہ السلام بے شک اللہ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا اس کا نام مسیح عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہ السلام ہوگا باآبرو ہوں گے دنیا میں اور آخرت میں اور منجملہ مقربین کے ہوں گے۔

یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ان کا مقربین سے ہونا بیان ہوا ہے۔
دوسری جگہ اہل جنت کے حق میں سورۃ واقعہ میں بیان ہوا ہے **اُولٰئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ.** (واقعہ ۱۱،۱۲) تیسری جگہ ملائکہ کے حق میں آیا ہے **لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللّٰہ. ولا الملٰئِکَۃ المُقَرَّبُوْن** (نساء۱۷۲) مسیح کو اللہ کے بندہ ہونے سے عار نہیں اور نہ مقرب ملائکہ کو عار ہے۔ ان تینوں جگہ میں قرب سے مراد قرب جسمی وحسی وسماوی مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی آیت کی تفسیر میں امام رازی نے تفسیر کبیر اور ابو السعود نے اپنی تفسیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جسم کے ساتھ اٹھایا جانا ذکر کیا ہے اور مدارک، خازن، سراج المنیر اور کشاف میں ہے **فَکَوْنِہٖ مِنَ الْمُقَرَّبِیْن.** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقربین میں سے ہونا، ان کو آسمان پر اٹھانا اور ملائکہ کی صحبت اختیار کرنا اور پھر باقیماندہ امور کی تکمیل کے لیے ان کا زمین پر نزول فرمانا مثلاً نکاح، حج، جہاد کرنا اور مسیحی اقوام کے فتنوں کو مٹانا۔

حیات ونزول مسیح علیہ السلام حدیث کی روشنی میں

۱۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۹۰ باب نزول عیسیٰ بن مریم) میں ابوہریرۃؓ نے حضور علیہ السلام سے جو حدیث نقل کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ قسم ہے خدا کی کہ عیسیٰ علیہ السلام اوپر سے تم میں نازل ہوگا۔ حضرت مریم علیہ السلام کا فرزند جو حاکم ہوگا، انصاف والا، صلیبی قوت توڑ دے گا اور خنزیر کے قتل کا حکم دے گا اور تمام لوگوں کے مسلمان ہو جانے سے جہاد کی ضرورت نہ رہے گی کہ لوگوں کو ایک سجدہ تمام دنیا کی دولت سے بہتر نظر آئے گا۔ پھر ابوہریرۃؓ نے اس کی تصدیق کے لیے اس آیت کی طرف توجہ دلائی جس کا معنی یہ ہے کہ اس وقت کوئی کتابی نہ ہوگا مگر ایمان لائے گا عیسیٰ علیہ السلام پر۔'' (بقول مرزا قادیانی قرآن کے بعد اصح کتاب بخاری کی حدیث ہے)

۲۔ حدیث دوم یہ ہے کہ ''حضور ﷺ نے فرمایا۔ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان نبی نہیں اور وہ اتریں گے جب اس کو دیکھو تو پہچان لو۔ وہ قامت کے درمیانے ہیں سرخ وسفید ہیں۔ دو زرد کپڑوں میں اتریں گے۔ سر کے بال اس کے ایسے معلوم ہوں گے کہ گویا اس سے پانی ٹپکتا ہے اگرچہ اس کو پانی نہیں پہنچا ہوگا تو اسلام پر لوگوں سے جہاد کریں گے۔ صلیبی قوت توڑ دیں گے۔ خنزیر کے قتل کا حکم دیں گے جزیہ موقوف کریں گے۔ اس کے وقت اسلام کے سوا تمام ادیان کا خاتمہ ہوگا دجال کو قتل کریں گے زمین میں چالیس برس رہیں گے پھر وفات پائیں گے اور مسلمان اس پر نماز جنازہ

پڑھیں گے۔ (ابوداؤد عن ابو ہریرۃ مرفوعاً ج ۲ ص ۱۳۵ باب خروج الدجال)

۳۔ مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ ص ۴۸۰ میں عبداللہ بن عمروؓ نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے کہ ابن مریم زمین پر اتریں گے شادی کریں گے اور اولاد پیدا ہوگی اور ٹھہریں گے زمین پر پینتالیس برس پھر فوت ہوں گے اور دفن ہوں گے میرے مقبرہ میں تو قیامت میں اٹھیں گے ہم اور عیسیٰ ابن مریم ایک مقبرہ سے، جو ابوبکرؓ و عمرؓ کے درمیان ہوں گے۔

۴۔ صحیح مسلم (ج ۲ ص ۴۰۱ باب ذکر الدجال) میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید منارہ پر اتریں گے دو کپڑوں میں درمیان دو فرشتوں کے۔ دونوں ہتھیلی فرشتوں پر رکھے ہوتے ہوں گے دجال کو باب لُد پر پائیں گے تو اس کو قتل کریں گے۔

آیات حیات مسیح علیہ السلام کثیر التعداد ہیں اور احادیث تو حد تواتر کو پہنچتی ہیں جو ۲۹ صحابہؓ سے منقول ہیں لیکن ہم نے بغرضِ اختصار پانچ آیات اور صرف چار احادیث پر اکتفاء کیا۔ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے تحفظ ایمان اور گمراہی سے بچانے کے لیے حضرت مسیح کی جو علامات ذکر کی ہیں وہی کافی شافی ہیں اور جو گمراہ ہیں کہ استعارات اور مجازات سے وہ پوری تاریخ اور ایک دنیا کو بدلا سکتے ہیں ان کے لیے قرآن و احادیث کا دفتر بھی بے کار ہے۔ ان چار احادیث سے حضرت مسیح موعود کی معرفت کی جو واضح علامات ہیں وہ نمبردار حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مسیح موعود کا باپ نہ ہوگا اس لیے عام ضابطہ کے خلاف وہ اپنی والدہ مریم سے منسوب ہوگا لیکن مرزا غلام احمد کا باپ تھا مرزا غلام مرتضیٰ تھا اور اس کی والدہ کا نام ممتاز بی بی تھا اور وہ باپ سے منسوب تھا نہ کہ ماں سے۔

۲۔ وہ حاکم ہوگا لیکن مرزا غلام تھا اور انگریزی حکومت کا غلام تھا۔

۳۔ عادل ہوگا۔ عدل اللہ کے قانون چلانے کا نام ہے۔ مرزا کے وقت شرعی قانون بند تھا اور انگریز کا قانون خود اس پر اور اس کے مریدوں پر بھی نافذ تھا۔

۴۔ صلیبی قوت کو توڑ دے گا۔ مرزا کے وقت میں صلیبی قوت کو اس قدر غلبہ حاصل ہوا کہ اس سے پہلے نہ تھا۔ خود ان کا باپ ان کے اقرار کے مطابق پچاس گھوڑوں کے سواروں کو مہیا کر کے تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں صلیبی قوت کو ہندوستان پر مسلط کرنے کے لیے لڑا اور خود مرزا نے تحفہ قیصریہ میں اپنے آنے کا مقصد یہ ظاہر کیا کہ میں انگریز کی صلیبی حکومت کے لیے ایک ایسی فوج تیار کروں جو انگریز کی حکومت کی وفادار ہو۔

۵۔ اس کے وقت میں خنزیر خوری کا خاتمہ ہوگا لیکن مرزا کے وقت میں اس میں اضافہ ہوا۔

۶۔ وہ لوگوں پر اس قدر مال برسائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ مرزا نے مال نہیں دیا بلکہ لینا شروع کیا۔ چندہ عام اور چندہ بہشتی مقبرہ کو شرطِ ایمان قرار دیا۔

۷۔ عبادت کا ذوق اتنا بڑھے گا کہ ایک سجدہ کی قیمت لوگوں کی نگاہوں میں ساری دنیا سے زائد ہو گی لیکن مرزا کے وقت میں نصاریٰ نے مسلمانوں کو مرتد بنانا شروع کیا اور لاکھوں کو مرتد کیا۔

۹۔ وہ آسمان سے زمین پر اتریں گے لیکن مرزا زمین ہی میں پیدا ہوئے اور زمین ہی پر رہے۔

۱۰۔ فرشتوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے لیکن مرزا کو کسی فرشتہ کا دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا۔

۱۱۔ دمشق کے سفید منارہ پر نزول فرمائیں گے لیکن مرزا کو عرب کی سرزمین ن زیارت بھی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

۱۲۔ باب لُد پر یہودی دجال کو قتل کریں گے لیکن مرزا کو نہ لد کا دیکھنا نصیب ہوا، اور نہ دجال کا۔ البتہ اس کی روحانی اولاد نے دجال کی قوم یہود سے تل ابیب میں تعلق پیدا کیا جب کہ تمام عالم اسلام کا ان سے تعلق منقطع ہو چکا ہے۔ شاید کہ ظہورِ دجال کے وقت امداد کے لیے حاضر رہیں۔

۱۳۔ اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہ رہے گا لیکن سب باطل ادیان مرزا کے وقت باقی رہے بلکہ اور نئے باطل ادیان بھی خلافِ اسلام پیدا ہوئے جن میں خود ایک دین مرزائیت ہے جو وحدتِ اسلامی کے برخلاف ایٹم بم ہے۔

۱۴۔ حج کریں گے۔ مرزا کو موت تک حج نصیب نہ ہوا۔

۱۵۔ وہ شادی کریں گے اور اولاد ہو گی یعنی نزول سے قبل نہ اس نے شادی کی ہو گی اور نہ اولاد ہوگی۔ لیکن مرزا کی شادی اور اولاد دعویٰ سے قبل موجود تھی۔

۱۶۔ جہاد کریں گے اور جزیہ موقوف کریں گے۔ مرزا نے جہاد کرنے کی بجائے خود جہاد کو حرام ٹھہرا کر نصاریٰ کے استعمار کے لیے راہ صاف کیا۔ جزیہ کا تو سوال ہی نہیں رہا۔

۱۷۔ باشندگان زمین کا ایک ہی دین یعنی اسلام ہوگا۔ اس لیے مختلف مذاہب

کی لڑائیاں موقوف ہوں گی لیکن مرزا کے وقت میں مختلف مذاہب نے مسلمانوں پر ہندوستان ترکی، فلسطین، شمالی افریقہ میں جو مظالم کیے۔ ان کی تاریخ میں نظیر نہیں۔ یہ سب مرزا کی برکت تھی۔

۱۸۔ امن قائم ہوگا اور جنگ ختم ہوگی لیکن مرزا کے وقت میں اور اس کے بعد اس کا نام و نشان مٹ گیا اور جنگ کے لیے وہ مہلک اوزار تیار کیے گئے کہ مرزا اور اس کے بعد کی ایک جنگ کی تباہی سابق زمانے کی سینکڑوں جنگوں کی تباہی سے زیادہ ہے۔

ان علامات کے لحاظ سے مرزا کی شخصیت ضد مسیح موعود ہے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ مجازات و استعارات کی مشین سے پوری تاریخ بھی بدلائی جا سکتی ہے جس کی نہ قادیان میں کبھی کمی رہی نہ ربوہ میں۔ تو ایسی صورت میں تمام قرآن و حدیث بلکہ پوری تاریخ کو بازیچہ اطفال بنایا جا سکتا ہے اور ایسا کرنے سے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ پھر قادیانی و مرزائی تاویلات کے آگے ہر چیز کی حقیقت بدلائی جا سکتی ہے اور الفاظ اور تعبیرات سے کسی مقصد کا تعین ممکن نہیں بلکہ مرزائیوں کے لیے الفاظ ربڑ کا ایک ایسا تسمہ ہے کہ جہاں تک چاہو اس کو پھیلا سکتے ہو اور ایسی صورت میں کہ نزولِ مسیح کی علامات اس کی ضد پر بھی چسپاں کیے جا سکتے ہیں تو پھر ان علامات کا بیان ہی بے فائدہ رہا کیونکہ علامات سے مسیح کی شخصیت کا تعین مقصود تھا اور جب نہ نام سے تعین ممکن نہ والدہ کے نام سے نہ مکان سے نہ مقاصد نزول سے بلکہ ان تمام علامات کی ضد شخصیت کو بھی اس میں گھسیڑا جا سکتا ہے تو تمام نظامہائے سلطنت کے دفتر کی الفاظ بھی تاویل سے لغو اور بے فائدہ ہو سکتے ہیں۔

شیخ اکبر اور حیات عیسیٰ علیہ السلام

شیخ اکبر فتوحات مکیہ باب ص ۳۶۷ ج ۳ ص ۳۴۱ میں لکھتے ہیں۔

فِیْ حَدِیْثِ الْمِعْرَاجِ فَلَمَّا دَخَلَ اذا بِعِیْسٰی بِجَسَدِہٖ عَیْنِہٖ فَاِنَّہٗ لَمْ یَمُتْ اِلٰی الآنَ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰہُ اِلٰی ھٰذِہِ السَّمَاءِ وَاَسْکَنَہٗ بِھَا وَحَکَمَہٗ فِیْھَا وَھُوَ شَیْخُنَا الاوَّلُ الَّذِیْ رَجَعْنَا عَلٰی یَدِہٖ وَلَہٗ بنَاعِنَایَۃٌ عَظِیْمَۃٌ وَلاَ یَغْفِلُ عَنَا سَاعَۃً وَاَرْجُوْ اَنْ اُدْرِکَہ فِیْ نُزُوْلِہٖ اِنْشَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی.

حدیث معراج میں ہے کہ وہ داخل ہوئے تو ان کو عیسیٰ علیہ السلام جسم کے ساتھ ملے کیونکہ وہ اب نہیں مرے بلکہ اللہ نے اس کو اس آسمان تک اٹھایا اور اس میں بسایا اور اس کا حکم اس میں چلتا رہا اور وہ ہمارے پہلے شیخ ہیں جس کے ہاتھ پر ہم نے

خدا کی طرف رجوع کیا۔ ان کو ہم پر مہربانی ہے اور ہم سے وہ غفلت نہیں کرتے مجھے امید ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں اس کے زمین پر نازل ہونے کا زمانہ پالوں گا۔

حیاتِ مسیح تاریخی نقطہ نظر سے

حضرت مسیح حضور علیہ السلام کے قریب تر پیغمبر ہیں اور تمام نصاریٰ اور مسلمان ان کی عظمت اور شخصیت کو مانتے ہیں۔ نصاریٰ نے بالخصوص ہزاروں سال کے آثار قدیمہ کو دریافت کیا لیکن نہ خود نصاریٰ اور نہ مورخوں کو یہ پتہ لگا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرنے سے بچ کر فلسطین سے طویل سفر کاٹ کر کشمیر آئے اور پھر وہیں فوت ہو کر محلّہ خانیار میں دفن ہوئے اور نہ ہندوستان اور کشمیر والوں کو پتہ لگا۔ صرف مرزا کو دعویٰ مسیحیت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے نئی تاریخ بنانی پڑی۔ اگر اس طرح فرضی تاریخ گھڑنا درست ہو تو تمام گذشتہ انبیاء اور سلاطین کی تاریخیں ناقابل اعتبار قرار پائیں گی بلکہ پوری تاریخ ناقابل اعتبار بن جائے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و نزول کی حکمت

ا۔ آپ کی ذاتی حیثیت کے اعتبار سے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا (عمران) جو زاہد اور امام تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسل سے تھے اور آپ کی بیوی ختہ بنت فاقوذ حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھی۔ جو بناء بر تحقیقی قول حضرت ذکریا علیہ السلام کی بیوی ایشاع کی بھانجی تھی۔ گویا حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حضرت مریم علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی کہا گیا ہے وہ مجاز ہے کیونکہ عمران دختہ کی حضرت مریم علیہ السلام کے سوا اور کوئی اولاد نہ تھی۔ مریم کے معنی سریانی زبان میں خادم کے ہیں۔ حضرت مریم سے حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام نفخہ جبرائیل سے پیدا ہوئے۔ مسیح کے معنی مبارک ہے یا بمعنی سیاحت کرنے والے جس کا گھر نہ ہو۔ نفخہ جبرائیلی جو گریبان مریم میں پھونکا گیا وہ کلمہ کن تھا۔ اس وجہ سے کلمہ کہلائے۔ اس بنیاد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت مادری رشتہ سے انسانی ہے اور نفخہ جبرائیلی کے اعتبار سے ملکی ہے۔ نفخہ جبرائیل پدری تعلق کے قائم مقام تھا لہٰذا ذاتِ مسیح میں مادری اور پدری دونوں رشتوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔ مادری رشتہ کے لحاظ سے زمین پر رہنا، زمینی خواہشات کھانا، پینا، میلان صنفی کا موجود ہونا ضروری تھا اور جبرائیلی اور ملکی رشتہ کے لحاظ سے ملکی خواص کھانے، پینے وغیرہ خواہشات کا منقطع ہونا لازمی تھا۔

اس حکمت کی بنیاد پر آپ میں زمینی اور انسانی زندگی کے صفات بھی جمع کیے گئے اور ملکی زندگی سے آسمانی زندگی اور انسانی خواہشات سے استغناء اور ملکی صفات آپ کو عطا کیے گئے۔ لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام کا طولِ حیاتِ سماوی اور ضروریات انسانی سے منقطع ہونا آپ کی شخصیت کے ملکی پہلو کا عقلی تقاضا ہے اور جب دوبارہ زمین پر نزول فرمائیں گے تو زمینی خواص سے موصوف ہوں گے۔ اس لیے حدیث نزولِ مسیح میں آیا ہے کہ یَتَزَوَّجُ وَیُولَدُ لَهٗ کہ وہ شادی کریں گے اور ان کی اولاد بھی ہوگی۔ شیخ اکبر فتوحات باب میں لکھتے ہیں۔ **نصفهٗ بشر و نصفهٗ ملک** یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا نصف بشر اور نصف ملک ہے۔ آسمان پر ملکی خواص اور زمین پر انسانی خواص ہوں گے۔

ازالہ شبہہ: سطحی نگاہ والے شبہہ کرتے ہیں کہ اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر ہیں تو کھانا پینا کہاں سے ہے اس کا پہلا جواب تو اب گزرا کہ آسمانی زندگی ان کے ملکی طرز کی زندگی ہے جس میں وہ کھانے، پینے اور اس کے لوازمات سے بے نیاز ہیں۔ جس کے کچھ نظائر زمینی زندگی میں بھی موجود ہیں۔

۱۔ طبقات شافعیہ ج ۵ ص ۲۰۷ میں شیخ عزیز الدین فاروقی سے روایت ہے کہ انھوں نے عراق میں ایک آدمی دیکھا کہ وہ نہ کھاتا تھا نہ پیتا تھا۔

۲۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اندلس میں ایک عورت تھی۔ جو بیس سال سے نہ کھاتی اور نہ پیتی تھی۔ جس کا واقعہ مشہور ہے۔

۳۔ حاکم تاریخ نیشاپور میں عیسیٰ بن محمد الطہمانی سے نقل کرتے ہیں کہ رحمت نام ایک عورت کا شوہر شہید ہو چکا تھا تو اس نے شوہر کو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت کا طعام کھاتا ہے تو اس نے اس میں سے ایک ٹکڑا اپنی بیوی کو دے دیا۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوئی تو اس کو عمر بھر بھوک نہیں لگی۔

بحوالہ مذکورہ طبقات دوسرا جواب یہ ہے کہ زمین کو آسمان سے ایسی نسبت ہے جیسے رائی کے دانہ کو پہاڑ سے۔ تو جب اس چھوٹی زمین پر اللہ تعالیٰ نے اربوں مخلوقات کے کھانے کا انتظام فرما دیا ہے تو کیا آسمان پر ایک فرد کی ضروریات کا انتظام کرنا اس کے لیے مشکل ہے؟ قطعاً نہیں۔

۲۔ حکمت نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلحاظ ختم نبوۃ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ

اِصۡرِیۡ ط قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ط قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَاَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ ط (ال عمران ۸۱)

جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے دیا کتاب اور علم اور پھر آئے تمھارے پاس بڑا رسول کہ سچا بتا دے تمھارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر ہمارا عہد قبول کر لیا بولے ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عباس کی تفسیر کے مطابق یہ عہد انبیاء علیہم السلام سے خاتم الانبیاء علیہ السلام کے بارہ میں لیا گیا گویا حضور نبی کریم ﷺ نبی الامم اور نبی الانبیاء بھی ہیں۔ آیت مذکورہ میں انبیاء علیہم السلام نے خاتم الانبیاء کی نبوۃ کو اعتقاداً اور اقراراً تسلیم کیا اور نصرۃ بالواسطہ بھی انبیاء علیہم السلام نے حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کر دی اور اپنی امتوں کو آپ ﷺ کے نبی ہونے اور امداد دینے کی تاکید فرمائی جیسے موسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کی کتاب استثناء باب ۸، باب ۲۳، داؤد علیہ السلام نے زبور باب ۴۵، حضرت سلیمان علیہ السلام نے غزل الغزلات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل یوحنا باب ۱۹ آیت ۵ تا آیت ۱۵ میں اعلان کیا۔ اب ضرورت تھی کہ آپ کی نبی الانبیاء کا عملی بالذات ظہور ہو جس کی ایک صورت حدیث معراج میں آپ کی امامت انبیاء علیہم السلام کی شکل میں ہوئی اور دوسری عملی صورت یہ ہوئی کہ آپ سے قریب نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری زمانہ تک زندہ رکھ کر نبی ہونے کے باوجود امتی کی پوزیشن میں خدمت دین محمدی کے لیے آسمان سے نازل فرمانا طے کیا گیا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جملہ انبیاء علیہم السلام سابقین کے نمائندہ کے طور پر شرع محمدی کی خدمت و نصرت عملی رنگ میں انجام دیں اور حضور ﷺ کی نبی الانبیائی کے عہدہ کو نمایاں کر دیں۔ نبی الانبیائی کے منصب کی عملی تکمیل آئندہ کسی نبی کے ذریعہ ممکن نہ تھی کہ حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند تھا، اس لیے سابق انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی کو آخری وقت کی نصرتِ دین محمدی و اظہارِ شان نبی الانبیائی کے لیے باقی رکھنا پڑا جو حضور نبی کریم ﷺ کے بعد عطاء عہدۂ نبوت کی بندش کی دلیل ہے یہی حکمت نزولِ عیسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ کے ختم نبوت کی حیثیت سے ہے۔

۳۔ حکمت نزولِ مسیح علیہ السلام بلحاظ فتن عالمی و اصلاحِ عمومی

اس سلسلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حکمتیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ آپ کے نزول کا ایک مقصد دجالی فتنے کا استیصال اور قتل دجال ہے۔

دجال مدعی الوہیت ہوگا اور آپ توحید باری قائم کرنے اور غیر اللہ کی الوہیت کی طرف دعوت دینے کے جرم میں اس کو قتل کریں گے جس سے خود آپ کی امت کی گمراہی جو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الہ مانتی ہے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس عمل قتل دجال سے باطل قرار پائے گی اور نصاریٰ کو ذہن نشین ہو جائے گا کہ خدا کے سوا کسی اور کو الہ ماننا ایسا عقیدہ ہے جو موجب سزاء قتل ہے۔

۲۔ یہود آپ کے قتل اور مصلوب ہونے کے مدعی تھے۔ جب آپ کے ہاتھوں دجال یہودی اور اس کے ماننے والے یہود قتل کیے جائیں گے تو یہ عملاً یہود کے اس جھوٹے دعویٰ کی تردید اور سزاء ہوگی۔

۳۔ آپ کو دجال میں اسی مناسبت ہے کہ آپ مسیح ہدایت ہیں اور مکان نہ رکھنے کی وجہ سے سیاحت کرتے تھے اس لیے مسیح کہلائے اور دجال مسیح ضلالت ہے جو دائیں آنکھ کے ممسوح ہونے کی وجہ سے مسیح کہلاتا تھا تو آپ ہی کے ہاتھوں دجال ممسوح العین کے قتل اور اس کے متبعین کی تباہی زیادہ موزوں تھی۔

۴۔ اس وقت تمدن جدید اور سائنسی ترقی نے عالمی تباہی کی جو صورت پیدا کی ہے اس کو دیکھ کر عالم موجود کی اس تباہی اور خون ریزی اور عالمگیر فساد کی اصلاح اور ازالہ مادی ذرائع سے ہونا ناممکن ہوگیا ہے۔ پوری دنیا مادیت پرستی کی وجہ سے جہنم کے کنارہ پر کھڑی ہے۔ انسانی اخلاق کا تقریباً خاتمہ ہو چکا ہے۔ انسانی لباس میں اس وقت حیوانیت اور حیوانی جذبات برسر عروج ہیں۔ اصلاح کی راہیں مادی ذرائع سے کلیتہً مسدود ہو چکی ہیں۔ اس وقت کا مشرقی و مغربی بلاک یاجوج و ماجوج کی صورت میں دنیا کی تخریب میں مصروف ہے۔ یاجوج ماجوج کو عبرانی زبان میں غوغ ماغوغ اور انگریزی میں گاگ میگاگ کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو عقیدۃ الاسلام ص ۲۹۸ روس اور اسی طرح چین یاجوج ہے اور برطانیہ اور اسی طرح امریکہ وغیرہ ماجوج ہے اور بعض کاس میکاس اور بعض چین ماچین سے تعبیر کرتے ہیں۔ ناسخ التواریخ نے ہبوط آدم علیہ السلام سے تاریخ تعمیر سہ ذی القرنین تک کی تاریخ ۳۴۶۰ ہوطی لکھا ہے اور کبھی یاجوج ماجوج کا اطلاق مطلق کافر پر کیا جاتا ہے حدیث حشر میں ہے۔

مِنْ یَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ اَلف وَّ مِنکُمْ رَجُلٌ. یعنی دوزخ میں یاجوج ماجوج سے ہزار اور تم میں سے ایک ہوگا۔

یعنی کافروں سے ہزار اور تم سے ایک ہوگا۔ حافظ ابن حجرؒ اور قرطبیؒ نے اس کی

تشریح کی ہے۔ اَیْ مِنْهُمْ وَمِمَّنْ کَانَ عَلَی الشِّرْکِ مِثْلُهُمْ وَرَجُلٌ مِنْکُمْ اَیْ مِنْ احوا بِهٖ وَمِمَّنْ کَانَ مِثْلُهُمْ. گویا ہزار سے مطلق کافر اور منکم سے مطلق مومن مراد ہیں۔ سنہدرین جو کمار الیہود سے ہے اور ان کے ہاں حدیث کا درجہ رکھتا ہے۔ جو خزائن الروم میں عبرانی خط میں موجود ہے نقل کیا ہے کہ عالم ۴۲۹۱ کے بعد یتیم ہو جائے گا اور اس کے بعد کوک ماکوک کی لڑائیاں ہوں گی، اور باقی ایام ماشیح کے ہوں گے۔ صاحب ناسخ نے ماشیح مبارک کو خاتم الانبیاء پر محمول کیا ہے اور عبری کمار میں ماشیح کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد عالم یتیم بلا راعی رہ جائے گا یعنی نبوت ختم ہوگی بہرحال دور حاضر میں عالمی فساد مادیت انتہائی کی شکل میں متشکل ہو گئی ہے اس کا ازالہ اپنی ضد یعنی روحانیہ انتہائی کے بغیر ناممکن ہے جس کے لیے قدرت کی طرف سے حضرت مسیح علیہ السلام مقدر ہے کہ وہ روح المقدس کی پھونک سے پیدا ہوئے یہ پہلی روحانیت ہوئی وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ ۸۷) کے تحت زمینی زندگی میں بھی آپ کی تقویت روح القدس سے کی گئی۔ یہ دوسری روحانی قوت ہوئی۔ آسمان پر روح القدس کے ذریعہ اٹھائے گئے یہ تیسری تقویت روحانیت کی ہوئی۔ آپ کا نزول از روئے حدیث ایسی حالت میں ہوگا وَاضِعًا کَفَّیْهِ عَلٰی اَجْنِحَةِ مَلَکَیْنِ کہ آپ کی دونوں ہتھیلیاں دو فرشتوں کے بازوؤں پر رکھی ہوئی ہوں گی جیسے مسلم کی حدیث میں نواس بن سمعان سے آیا۔ یہ پانچویں ملکی اور روحانی قوت ہوئی۔ ان تمام قوتوں کا اثر یہ ہوگا کہ آپ کا ایک دعائیہ جملہ کہ اے خدا ان مادی مفسد یاجوجی ماجوجی، قوتوں کو ہلاک کر دے ایسا کام انجام دے گا کہ تمام مادہ پرست یاجوجی ماجوجی ہستیاں اپنی اپنی جگہ پر ہلاک ہوں گی اور خس کم جہاں پاک کے تحت تخریبی سائنس کے علمبرداروں کا خاتمہ ہو جائے گا اور پوری زمین ان کی لاشوں سے پر اور بدبودار ہو جائے گی۔ مسلم کی حدیث نو اس بن سمعان میں آیا ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اور ان کے متبعین کا بھی محاصرہ کریں گے۔ فَیَرْغَبُ اللّٰهُ عِیْسٰی وَاَصْحَابَهٗ بِرِسْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ. حضرت عیسٰی اور ان کے ساتھی دعا کریں گے تو اللہ ان پر گردن پکڑنے والی بیماری مسلط کر دے گا۔ فَیَصْبِحُوْنَ کَنَفْسٍ واحِدَة تو ہو جائیں گے سب کے سب مردہ لاشوں کا ڈھیر کہ گویا ان سب کا مرنا ایک آدمی کا مرنا ہوگا۔ بالشت بھر زمین خالی نہ ہوگی جو ان کی لاشوں کی بدبو سے پر نہ ہوئی ہو گی تو اللہ بختی اونٹوں جتنے بڑے بڑے پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر کہیں اور جگہ پھینک دیں گے۔ سائنس نے جو موجودہ ایٹمی دور کو جنم دیا ہے اس کے ازالے کی تدبیر مادی قوت سے ممکن نہیں۔ اگر کوئی صالح حکومت ان کے توڑ کے لیے کارخانے بنائے

تاکہ ان کا مقابلہ کیا جائے تو یہ مفسد قوتیں اس قدر آگے نکل چکی ہیں کہ ان کی برابری مشکل ہے اور پھر سائنسی آلاتِ حرب سے مسلح سلطنتیں مشرقی بلاک کی یا مغربی بلاک کی، سب تخریب عالم اور فساد اور خدا دشمنی پر متفق ہیں۔ فساد اس قدر زور دار ہے جس کی نظیر تاریخ بشری میں ناپید ہے اس لیے صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۵ باب قصۃ الجساسۃ میں عمران بن حصین کی حدیث میں اس دجالی فتنہ کے متعلق مذکور ہے۔

مَابَیْنَ خَلْقِ آدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اَمْرٌ اَکْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ. دجالی فتنہ سے بڑا کوئی فتنہ پیدائش آدم سے قیامت تک نہیں۔

پانچویں حکمت: پانچویں حکمت یہ ہے کہ موجودہ دور کے عالمی فتنوں اور ایٹمی تباہیوں کے بانی مبانی یہود و نصاریٰ ہیں۔ اشتراکیت کا بانی کارل مارکس یہودی ہے۔ ایٹم بم کا موجد شوپن ہار یہودی ہے۔ تہذیب جدید کے خدا فراموشانہ، فاسقانہ معاشرہ اور انسان کش سامراجیت کی بنیاد مسیحی طاقتوں نے قائم کی ہے اور دیگر مذاہب والوں کو مثلاً مسلمانوں کو بگاڑنے والی بھی عیسائی قومیں ہیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ایک اسرائیلی پیغمبر جو مسیحی اقوام کا پیشوا ہے انہی کے ہاتھوں ان کی امت کے پیدا کردہ فساد کا خاتمہ ہو۔ الغرض امت مسیح علیہ السلام نے مادی اور سائنسی ایٹمی ذرائع سے جو عالمی فساد برپا کیا ہے اور زمینی قوتیں اس کے مقابلہ سے عاجز ہیں اور اب بجز مذکورہ آسمانی تدبیر کے زمین کی اصلاح قطعاً ناممکن ہے اس لیے عقلاً بھی نزولِ مسیح علیہ السلام کی ضرورت ہے جو خدا کی تدبیر نے ہزاروں سال پیشتر طے کر دیا ہے نہ کہ دجالی قوتوں کا وہ کاسہ لیس شخص جو مسیحیت کی دکان جما کر دجالی قوتوں کا دست بازو بن جائے اور اسلام کے چودہ سو سال میں کمائے ہوئے مسلمانوں کو کافر کہہ کر سابق محنت کو بھی ختم کر دے۔

فائدہ: سد ذوالقرنین کے متعلق

دنیا میں اسوقت بہت سد ہیں۔ ایک دیوار چین جو طویل وعریض ہے جس کو منگولی زبان میں نکووہ اور ترکی زبان میں بوقورقہ کہتے ہیں۔

دوم بخارا اور ترمذ کے درمیان جس کو دربند کہتے ہیں یہ تیمور کے وقت میں موجود تھا۔

سوم داغستان کا سد۔ اس کا نام باب ابواب ہے اور دربند بھی کہتے ہیں۔ بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

چہارم وہ سد جو کاکیشیا میں قفقاز کے پاس درہ داریال میں ہے۔ یاقوت نے

معجم البلدان میں لکھا ہے کہ وہ پگھلے ہوئے تانبے کا ہے اور باقی تین سد پتھر کے ہیں۔ لہٰذا قرآنی تشریح کے مطابق سد ذوالقرنین سے یہی سد چہارم مراد ہے۔ ناسخ التواریخ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خردار نے کتاب الم۔ لک میں لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ واثق باللہ نے سد ذوالقرنین کی تحقیق کے لیے ماہرین کا ایک کمیشن بھیجا تو اس نے بھی اسی سد کو مطابق قرآن قرار دیا۔ اسی سد ذوالقرنین کو فارس میں درۂ آہنی اور ترکی زبان میں وامرکیو اور چینی زبان میں پھاگ کو رائی ہے یعنی کور کا درہ۔ کور سے مراد گورش ہے۔ گورش سائرس بخنصر و کا نام ہے۔

ذوالقرنین: ذوالقرنین کے تین سفر قرآن میں ذکر ہیں۔ مغربی، مشرقی اور تیسرا سفر غالباً شمالی ہے۔

ذوالقرنین کون تھا؟ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر سورۂ کہف میں لکھا ہے کہ مقدونیہ کا سکندر بن فیلقوس تھا جو ارسطو کا شاگرد تھا۔ امام رازیؒ نے ارسطو کے کافر ہونے کی تصریح کی ہے۔ بعضوں نے کیقباد کہا ہے اور بعضوں نے مغفور چین بتلایا ہے۔ بعضوں نے یمن کا بادشاہ ذونواس حمیری بتلایا ہے اور بعضوں نے سامی بادشاہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا، اس کو ذوالقرنین قرار دیا۔ بعض اس کو مصعب بن عبداللہ قرار دیتے ہیں جیسے ابن عبدالبر نے لکھا ہے۔ بعض نے عبداللہ بن ضحاک قرار دیا ہے اور بعض نے سائرس جس کو گورش بھی کہتے ہیں، ذوالقرنین قرار دیا۔ یہ آخیر قول صحیح ہے۔ باقی اقوال صحیح نہیں ہے یہاں اور اقوال بھی ہیں لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔ مصعب بن عبداللہ و عبداللہ بن ضحاک کی سند صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے تردید کی ہے اور معاصر حضرت ابراہیم علیہ السلام خواہ مصعب ہو یا عبداللہ بن ضحاک ہو ان کی معاصرۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تاریخاً ثابت نہیں اور نہ تعمیر سد کا انتساب ان کو ثابت ہے۔ باقی سلاطین مومن نہ تھے۔ حالانکہ قرآن ان کو کم از کم رجل صالح بتاتا ہے اور ان کی طرف اس معین سد کی تعمیر کی نسبت کی صحت بھی ضروری قرار دیتا ہے لہٰذا سائرس ذوالقرنین جو مومن صالح تھا جو ۵۵۹ قبل از مسیح میں گزرے ہیں۔ ان کے تین اسفار بھی تاریخاً ثابت ہیں۔ سکندر نے قفقاز کا سفر نہیں کیا۔ نہ دیگر مذکورہ افراد نے سفر کیا ہے۔ ذوالقرنین کا مغربی سفر ایشیائے کوچک کا تھا اور سورج کا غروب عین حمئہ میں سمرنا کے سمندر کے پانی میں تھا جو سیاہ ہے۔ سائرس نے بابل فتح کر کے بنی اسرائیل کو نجات دی اور بیت المقدس کی تعمیر کی اور یسعیاہ علیہ السلام نے ایک سو ساٹھ سال قبل اس تعمیر بیت المقدس کی پیشین گوئی کی تھی۔ یرمیاہ نبی نے پیشین گوئی کی تھی کہ بابل میں ستر سال یہودی قید رہیں

گے۔ پھر بیت المقدس آباد ہو گا۔ امام رازیؒ نے بھی کبیر میں تصریح کی ہے کہ سد کی تعمیر سائرس نے کی۔ ذوالقرنین یقیناً سائرس ہے۔ سائرس دانیال علیہ السلام کے دین کا پیرو تھا۔ یہی تحقیق تاریخ کے علاوہ صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام (باب ۴۵ آیۃ ۱ تا ۴ و مکاشفہ دانیال باب ۸ آیۃ ۱ تا ۸، زکریا کی کتاب باب ۶ آیت ۱۲ و عزرا باب ۱ آیت ۱ تا ۴) سے ماخوذ ہے۔ جو قدیم تاریخ کے اہم ترین ماخذ ہیں۔ ابراہیم زردشت بھی دانیال علیہ السلام کا شاگرد تھا۔ وہ موحد تھا اس کا اوستا اعوذ باللہ و بسم اللہ سے شروع ہوتا ہے۔ ابن کثیر کی بھی یہی تحقیق ہے۔ کتہات اصطخر میں دارا کو بھی مومن اور دشمن مجوسیت قرار دیا گیا ہے۔ سائرس ذوالقرنین دارا سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ یاجوج ماجوج کے متعلق ان کے درازی قامت کے واقعات غلط ہیں۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اور حافظ ابن حجر نے بخاری کے باب یاجوج ماجوج میں اس کی تردید کی ہے۔ اسی طرح ترمذی کی روایت، ابی ہریرۃؓ کی روایت کہ وہ سد کھودتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ کل باقی کھودیں گے لیکن انشاء اللہ بھول جاتے ہیں تو سد اسی طرح ہو جاتا ہے۔ جب وقت آئے گا تو انشاء اللہ کہہ دیں گے تو کھود کر آئیں گے یہ بھی ضعیف روایت ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر جلد ۳ ص ۱۰۵ میں نقل کیا کہ یہ خلاف القرآن ہے۔

فَمَا اسۡطَاعُوۡا اَنۡ یَّظۡهَرُوۡهُ وَ مَاسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا. (الکہف ۹۷) یاجوج ماجوج نہ سد پر چڑھ سکتے ہیں اور نہ اس میں شگاف کر سکتے ہیں۔

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت حضرت ابوہریرۃؓ نے کعب الاحبار سے لی ہے۔ لوگوں نے غلطی سے مرفوع سمجھ لیا ہے۔ یاجوج ماجوج کا خروج جیسے عقیدۃ الاسلام میں ہے کہ ان کا خروج سد سے نہ ہوگا بلکہ بحیرہ کیسپین سے منچور یا تک کسی جگہ سے ہوگا۔ قرآن نے جہاں سد کا استحکام بیان کیا جاتا ہے تو اس کے توڑنے کو قیامت کی علامت قرار دیا ہے لیکن جہاں خروجِ یاجوج ماجوج کا ذکر کیا وہاں سد کا ذکر تک نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خروج سد کے راستے سے نہ ہوگا۔ حدیث متفق علیہ۔ **ویل العرب قد اقترب فتح الیوم من روم یاجوج و ماجوج مثل هذه.** (مسلم کتاب الفتن ج ۲ ص ۳۸۸) عمدۃ القاری جلد ۱۱ میں کرمانی سے منقول ہے کہ یہ استعارہ ہے شیوع فتن سے کہ بند فتنے انگلی کے حلقے کے انداز پر کھل گئے۔ خود سد کا کھل جانا مراد نہیں۔ (دیکھو عقیدۃ الاسلام) ذوالقرنین کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں لیکن اصطخر کے آثار قدیمہ سے ذوالقرنین کا جو مجسمہ برآمد ہوا ہے اس میں ذوالقرنین کی آہنی ٹوپی کے دائیں بائیں لوہے کے ابھرے ہوئے سینگ کی طرح لوہے کے سینگ نما خول بنے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ تسمیہ زیادہ درست ہے۔

ایک درخواست

آخر میں ایک درخواست ہے کہ کیا تم باپ کے قاتل کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے ہو؟۔ (غیر مہذب الفاظ کہنے کی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔)

اگر کوئی کسی کی بہن بیٹی کو اغواء کر کے لے جائے کیا اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے ہیں؟ اور ایسے شخص کے ساتھ آپ کی دوستی اور یارانہ رہا کرتا ہے؟ اگر ہمیں اپنے باپ کے قاتل کے بارے میں غیرت ہے اور ہمیں اپنی بہو بیٹی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والے کے بارے میں غیرت ہے کہ ہماری اس کے ساتھ کبھی صلح نہیں ہوسکتی، کبھی دوستی نہیں ہوسکتی، کبھی اس کے ساتھ ملنا، بیٹھنا نہیں ہوسکتا تو میں پوچھتا ہوں کہ جن موذیوں نے آنحضرت ﷺ کی ناموس نبوت پر ہاتھ ڈالا (معاذ اللہ)، جنہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو محمد رسول اللہ بنا ڈالا جنہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر، حرامزادے، سور اور ان کی عورتوں کو کتیوں کا خطاب دیا۔ ان موذیوں کے بارے میں آپ کی غیرت کیوں مرگئی ہے............!!

آپ ان کے ساتھ کیوں لین دین کرتے ہیں؟ ان کے ساتھ کیوں میل جول رکھتے ہیں؟ مسلمانوں کے معاشرہ میں ان کے وجود کو کیوں برداشت کرتے ہیں؟ کیا رحمت دو عالم حضور نبی کریم ﷺ کی ناموس نبوت کسی کے باپ اور کسی کی بہو بیٹی کے برابر بھی نہیں؟۔

کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ ان موذیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور ان سے کوئی لین دین نہیں کریں گے۔ حق تعالیٰ شانہ ہمیں ایمانی غیرت نصیب فرمائیں اور ہم سب کو قیامت کے دن حضور نبی کریم رحمت اللعالمین خاتم الانبیا ﷺ کے خدام میں اٹھائیں اور ہم سب کو آنحضرت ﷺ کی شفاعت نصیب فرما کر ہماری بخشش فرمائیں۔ آمین!

محمد یوسف لدھیانویؒ

۱۳ جنوری ۱۹۸۹ء

شیزان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے!

شیزان کی مشروبات ایک قادیانی طائفہ کی ملکیت ہیں۔ افسوس کہ ہزار ہا مسلمان اس کے خریدار ہیں۔ اسی طرح شیزان ریستوران جو لاہور، راولپنڈی اور کراچی میں بڑے زور سے چلائے جارہے ہیں۔ اسی طائفے کے سربراہ شاہ نواز قادیانی کی ملکیت ہیں۔ قادیانی شیزان کی سرپرستی کرنا اپنے عقیدہ کا جزو سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کی آمدنی کا سولہ فیصد حصہ چناب نگر (سابقہ ربوہ) میں جاتا ہے۔ جس سے مسلمانوں کو مرتد بنایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد اس ریستوران کی مستقل گاہک ہے۔ اسے یہ احساس ہی نہیں کہ وہ ایک مرتد ادارہ کی گاہک ہے اور جو چیز کسی مرتد کے ہاں پکتی ہے وہ حلال نہیں ہوتی۔ شیزان کے مسلمان گاہکوں سے التماس ہے کہ وہ اپنے بھول پن پر نظر ثانی کریں۔ جس ادارے کا مالک ختم نبوت سے متعلق قادیانی چوچلوں کا معتقد ہو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانے اور سواد اعظم اس کے نزدیک کافر ہو اور جہاں ننانوے فیصد ملازم قادیانی ہوں ایک روایت کے مطابق شیزان کی مصنوعات میں چناب نگر کے بہشتی مقبرہ کی مٹی ملائی جاتی ہے۔

اے فرزندان اسلام! آج فیصلہ کرلو کہ شیزان اور اسی طرح کی دوسری قادیانی مصنوعات کے مشروبات نہیں پیئو گے اور شیزان کے کھانے نہیں کھاؤ گے۔ اگر تم نے اس سے اعراض کیا اور خورد و نوش کے ان اداروں سے باز نہ آئے تو قیامت کے دن حضور ﷺ کو کیا جواب دو گے؟۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ تم اس طرح مرتدوں کی پشت پناہی کررہے ہو۔

(آغا شورش کاشمیریؒ)